تفسیر مدارک (اردو)
مدارک التنزیل وحقائق التاویل
جلد اول
مؤلف
الشیخ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی
مترجم
استاذ التفسیر والحدیث مولانا شمس الدین مدظلہ
www.ahlehaq.org
ناشر
مکتبۃ العلم
۱۸-اردو بازار لاہور۔ پاکستان
فون: 37211788 , 37231788

تفسیر مدارک للنسفی اردو

مدارک التنزیل وحقائق التأویل

جلد اوّل

از پارہ 1 – تا – 10

تألیف:

أبی البرکات عبد اللہ بن أحمد بن محمود النسفی

(ت ۷۱۰ ھ)

حققہ وخرج احادیثہ
یوسف علی بدیوی

راجعہ وقدم لہ
محی الدین دیب مستو

مترجم
استاذ التفسیر والحدیث مولانا شمس الدین مدظلہ

فقہ حنفی کی مشہور تفسیر کا مستند اردو ترجمہ جس میں الفاظِ قرآنی کی لغوی وشرعی تشریح کی گئی ہے۔ ہر آیت کے بارے میں قراء کرام کے اقوال، عربی ضرب الامثال کا ذکر، ملحدین کے اعتراضات کے جوابات اور احکامِ قرآنی کا فقہی استنباط اور متقدمین کے اقوال سے استدلال ہے۔

مکتبۃ العلم

۱۸۔ اردو بازار لاہور پاکستان
Ph:7211788-7231788

نام کتاب .... تفسیر مدارک للنسفی اردو

تالیف: .... الشیخ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمہ اللہ

مترجم .... استاذ التفسیر والحدیث مولانا شمس الدین مدظلہ

ناشر .... خالد مقبول

مطبع .... لعل سٹار پرنٹرز

ملنے کے پتے

❖ مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7224228

❖ مکتبہ علوم اسلامیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور 7221395

❖ مکتبہ جویریہ ۱۸ - اردو بازار ٥ لاہور ٥ پاکستان 7211788

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

عرض ناشر

قرآن مجید وفرقان حمید سراپا معجزہ ہے، اس کے معانی کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ اور اس کی عبارتیں بھی معجزانہ ہیں، قرآن مجید اللہ کی آخری اور وہ عظیم المرتبت اور عالی شان کتاب ہے جسے اللہ رب العزت نے بقاء انسانی کے لیے بطور ضابطہ اور اساس نازل فرمایا۔

قرآن مجید سے پہلے کی کتب سماویہ جو سابقہ امم کو عطا ہوئیں وہ سب تحریف کا شکار ہوگئیں۔ حتیٰ کہ آج ان میں سے کوئی کتاب بھی اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں۔ جبکہ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت میں ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کے لیے خالق کائنات جل مجدہٗ نے فرمایا ہے۔

﴿انا نحن نزلنا الذكر و انا له لحفظون﴾

''بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے۔''

قرآن مجید عربی میں نازل ہوا تھا۔ اس وقت جو لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم) موجود تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی۔ اس لئے قرآن کے معانی و مطالب معلوم کرنے میں انہیں کوئی دقت پیش نہ آتی تھی۔ تاہم جہاں کہیں انہیں کوئی اشکال ہوتا تھا۔ وہ خود رسول پاک ﷺ سے دریافت کرلیا کرتے تھے۔ رسالت مآب ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دوسرے بہت سے مناصب پر فائز کیا تھا وہاں ایک منصب عالی قرآن عزیز کے مفسر و ترجمان ہونے کا بھی تھا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

﴿وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس مانزل اليهم﴾ (النمل:٤٤)

''اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا، تاکہ آپ اسے لوگوں پر واضح کریں۔''

چنانچہ تفسیر کا سب سے بیش قیمت سرمایہ تفسیری روایات ہیں جو کہ مختلف کتب حدیث میں منقول ہیں۔

حفاظت قرآن کے وعدۂ خداوندی کی تکمیل یوں ہوئی کہ الفاظ کو تو حفاظ نے سینوں میں محفوظ کرلیا اور جہاں تک معانی قرآن کا تعلق ہے تو مفسر اعظم جناب رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک مفسرین کرام نے ان کی حفاظت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ چنانچہ ہر دور میں مفسرین نے اپنے ذوق اور علم کے مطابق چھوٹی بڑی تفاسیر لکھیں۔ بہت سے علوم تفسیر میں گھل مل گئے۔ جیسا کہ نحوی علماء نے تفاسیر لکھیں۔ ان میں نحوی مسائل کو سامنے رکھا مثلاً ابوحیان کی تفسیر البحر المحیط۔ علوم عقلیہ کے علماء نے جو تفاسیر

لکھیں ان میں فلسفہ کو مدنظر رکھا مثلاً امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر'' ۔صوفیاء نے علم تصوف پر مبنی تفاسیر لکھیں مثلاً ابن عربی کی تفسیر ابن عربی۔

زیر نظر تفسیر جناب ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی کی عظیم المرتبت تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل المعروف بہ تفسیر مدارک نسفی ہے۔ امام نسفی مسلکاً حنفی تھے۔ حدیث نبوی ﷺ اور اصول فقہ کے امام تھے اور کتاب اللہ کے بہترین مفسر تھے۔

مکتبۃ العلم لاہور کو جو عرصہ دراز سے علوم دینیہ کی اشاعت وترویج میں بڑی عرق ریزی سے کوشاں ہے اس سے پہلے کتب احادیث سنن ابوداؤد (مترجم)، سنن نسائی (مترجم)، سنن ابن ماجہ (مترجم)، جامع ترمذی (مترجم)، موطا امام محمد (مترجم) اور دلیل الفالحین اردو شرح ریاض الصالحین تفسیر انوار البیان اردو پہلی بار کمپیوٹر کمپوزنگ میں شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔ اسی طرح الحمدللہ پہلی بار تفسیر مدارک جو کہ فقہ حنفی کی بہترین تفسیر ہے کو اردو قالب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، اس تفسیر میں درج ذیل خصوصیات ہیں

① الفاظ قرآنی کی لغوی اور شرعی تشریح

② ہر آیت کے بارے میں قراء کے اقوال

③ عربی ضرب الامثال کا جابجا ذکر۔

④ ملحدین کے اعتراضات کے مدلل جوابات۔

⑤ احکام قرآنی کا فقہی استنباط اور متقدمین کے اقوال سے استدلال۔

اس میں قرآنی عربی (کتابت شدہ) لگا کر مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب رحمہ اللہ کا ترجمہ لگا دیا گیا ہے جو کہ عام فہم اور آسان ترجمہ ہے۔

آخر میں استدعا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ بندہ کے والدین کو جنہوں نے مجھے قرآن وحدیث کے کام کی طرف نہ صرف رغبت دلائی بلکہ قدم قدم پر راہنمائی بھی فرمائی (جو الحمدللہ ہنوز جاری ہے) ان کو اپنی دعاؤں میں ضرور شامل کریں۔ اللہ جل جلالہ سے دعا ہے کہ اس کتاب کی تیاری میں دامے درمے سخنے شامل ہونے والے تمام احباب کو اللہ تعالیٰ قرآن وحدیث کے کام کی اور زیادہ توفیق ورغبت عطاء فرمائے۔

طالب دعا

خادم العلم والعلماء

خالد مقبول

فہرست

پارہ : ①

سُورَةُ الفَاتِحَة : ①

سُورَةُ البَقَرَة : ②

پارہ ②

پارہ ۳

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن ③

سُورَةُ النِّسَاءِ ④

ورثاء کی اقسام

پارہ ۵

پارہ ٦

سُوْرَةُ الْمَآئِدَة ٥

پارہ : ۷

پارہ : ۸

سُورۃ الاعراف ⑦

پارہ : ۹

پارہ ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یہ سورت مکی ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ مدنی ہے۔ مگر صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ مکی اور مدنی ہے۔ یہ مکہ شریف میں اس وقت اتاری گئی جبکہ نماز کا فریضہ لاگو ہوا۔ پھر دوبارہ نزول مدینہ میں اس وقت ہوا جب تحویل قبلہ کا معاملہ پیش آیا۔

اسمائے سورت اور انکی وجوہ:

نمبر ا۔ ام القرآن : (ا) حدیث میں اس کا یہ نام وارد ہوا ہے۔ لا صلاة لمن لم يقرء بام القرآن (مسلم) اس کی نماز کامل نہیں جس نے ام القرآن نہ پڑھی۔

(ب): یہ قرآن مجید کے مقاصد پر مشتمل ہے۔

نمبر ۲۔ وافیه ، کافیه : یہ سورت مقاصد قرآن کو اپنے اندر سمیٹنے والی ہے۔

نمبر ۳۔ الکنز : حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ فاتحة الكتاب كنز من كنوز عرشي (ابن راہویہ) فاتحۃ الکتاب میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

نمبر ۴ الشفاء، الشافیه : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے فاتحة الكتاب شفاء من كل داء الاالسام (فیض القدیر) فاتحہ موت کے علاوہ ہر بیماری کا علاج، (شفاء) ہے۔

نمبر ۵ المثانی : کیونکہ یہ نماز میں بار بار دھرائی جاتی ہے۔

نمبر ۶ سورة الصلاة (ا) : اس روایت کی بناء پر (لا صلاة لمن لم يقرء بام القرآن) کہ نماز کی تکمیل کا دارومدار اس پر ہے۔

(ب) : اس لئے بھی کہ یہ نماز میں فرض ہے یا واجب (فقہاء کے اختلاف کے مطابق)

نمبر۷ سورت الحمد والاساس : یہ قرآن کی اساس وبنیاد ہے۔جیسا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے ارشاد میں ذکر فرمایااذا اعتللت او اشتکیت فعلیك بالاساس : کہ جب تو بیمار پڑ جائے تو فاتحہ کولازم پکڑ۔''

تعدادِ آیات:

اس سورت میں بالاتفاق سات آیات ہیں۔واللہ اعلم

اختلافِ قراء اور انکے دلائل:

نمبرا : قراء مدینہ، بصرہ اور شام رحمہم اللہ کا کہنا یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ فاتحہ کی آیت نہیں اور نہ ہی یہ کسی دوسری سورت کی ابتدائی آیت ہے(البتہ سورت نمل کی آیت کا حصہ ہے انہ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم الآیۃ)
ابتداء میں اس کو تبرک کے طور پر اور دوسورتوں کے مابین فاصلہ ظاہر کرنے کیلئے لایا جاتا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے متبعین کا یہی مسلک ہے۔اسی بناء پران کے ہاں فاتحہ کے ساتھ اس کو جہراً نہیں پڑھا جاتا۔
نمبر ۲ : دوسرا مسلک قراء مکہ اور کوفہ رحمہم اللہ کا ہے۔کہ یہ نہ صرف سورت فاتحہ کی ایک آیت ہے۔بلکہ ہر سورت کی (ابتدائی) آیت ہے۔اس قول کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اوران کے احباب نے اختیار فرمایا۔یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو فاتحہ کے ساتھ جہراً پڑھتے ہیں۔

دلائل شوافع رحمہم اللہ نمبرا:

سلف صالحین رحمہم اللہ اس کو قرآن مجید میں لکھتے چلے آرہے ہیں حالانکہ غیر قرآن کو قرآن میں لکھنے کی شدت سے ممانعت تھی (پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ سورت فاتحہ کی آیت ہے)
نمبر۲ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔کہ جس نے بسم اللہ کو چھوڑ دیا۔اس نے گویا کتاب اللہ کی ایک سو چودہ ۱۱۴ آیات کو چھوڑ دیا۔(اس سے ثابت ہوا کہ یہ ہر سورت کی آیت ہے)

دلائل احناف رحمہم اللہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے صلاۃ یعنی فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کرلیا ہے۔میرے بندے کیلئے وہ ہے۔جو اس نے سوال کیا۔

جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد کی۔
جب بندہ کہتا ہے الرحمان الرحیم۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری ثناء کی۔
جب بندہ کہتا ہے مالك یوم الدین۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔
جب بندہ کہتا ہے ایاك نعبدو ایاك نستعین۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔میرے بندے نے جو طلب کیا میں نے اس کو دے دیا۔

جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندے کیلئے خاص ہے اور میرے صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب بندے نے جو مجھ سے سوال کیا وہ میں نے اسے دے دیا۔ علیھم ولا الضآلین۔ (مسلم، ترمذی)

(پس اگر بسم اللہ فاتحہ کا جزو ہوتو الحمد کی بجائے اولاً بسم اللہ کہا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ فاتحہ بسم اللہ کا جزو نہیں)۔

پس، **الحمد للّٰہ رب العالمین** سے سورت فاتحہ کی ابتداء کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزو نہیں ہے۔ جب فاتحہ کا جزو نہ بنا تو دوسری سورتوں کا جزو نہ ہونا تو بالاتفاق خود ثابت ہو گیا۔ اور یہ روایت تو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔

جواب روایت:

ان کی پیش کردہ روایت ہمارے مخالف نہیں کیونکہ بسم اللہ ہمارے نزدیک بھی قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔ دوسورتوں کے درمیان فاصلہ کرنے اور سورتوں کے ابتداء میں تبرک حاصل کرنے کی غرض سے اتاری گئی۔ علامہ فخر الاسلام رحمہ اللہ نے یہ بات ''المبسوط'' میں ذکر کی ہے۔ ہم پر اعتراض اس روایت سے تب آتا جب اس کو ہم قرآن مجید کی آیت تسلیم نہ کرتے۔ ''الکافی'' میں اسکی تفصیل موجود ہے من شاء فلیراجع۔ با۔ کا تعلق محذوف سے ہے۔ جس کی تقدیر عبارت یہ ہے۔ بسم اللہ اَقرءُ وَاَتلُوْا کیونکہ جو شخص بسم اللہ کی تلاوت کرتا ہے۔ تو وہ اس کا قاری ہے۔ جیسا کہ مسافر جب کسی جگہ خیمہ زن ہو یا وہاں سے کوچ کرے تو کہتا ہے۔ باسم اللہ والبرکات یعنی (بسم اللّٰہ احل وبسم اللّٰہ ارتحل) کہ میں اللہ کے نام کی برکت سے اترتا اور اللہ کے نام کی برکت سے کوچ کرتا ہوں۔ اسی طرح ذبح کرنے والا (کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرتا ہوں)۔

اصول:

یہ فاعل جو بسم اللہ سے اپنے فعل کو شروع کرے گا تو وہی فعل مضمر ہوگا جس کی ابتداء بسم اللہ سے کی گئی ہے۔

البتہ : فعل محذوف آخر میں مانا جائے گا۔ کیونکہ فعل اور متعلَّق بہ سے زیادہ اہم متعلَّق بہ ہے (کیونکہ مقصود وہی ہوتا ہے)

عادتِ مشرکین:

مشرکین اپنے معبودوں کے نام سے ابتداء کرتے ہوئے کہتے باسم اللات و باسم العزی۔

(اسلام نے شرک کی جڑ کو اکھیڑا ہے) اس لئے مؤمن موحد کیلئے ضروری ٹھہرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کو ابتداء میں لائے تا کہ ہر چیز کی ابتداء کیلئے اللہ تعالیٰ کے نام کا خاص ہونا ثابت ہو سکے اور یہ مقصد صرف اس صورت میں پورا ہو سکتا ہے جبکہ متعلق بہ کو پہلے لایا جائے اور فعل کو آخر میں ذکر کیا جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

سوال : اقرأ باسم ربک: علق: ا۔ میں فعل کو مقدم کیوں کیا گیا۔

جواب : ایک قول کے مطابق یہ سب سے پہلے اترنے والی سورت ہے۔ اس وقت قراءت کا حکم زیادہ اہمیت والا تھا۔ اسی لئے

فعل قراءت کومقدم کردیا گیا تا کہ حکم قراءت دلوں میں خوب پختہ وجا گزین ہوجائے۔

جواب: نمبر ۲ یہ بھی درست ہے کہ قراءت کوافعل القراء ۃ وحققھا (کہ تم قراءت کرواور خوب اچھی طرح کرو) کے معنی میں مان لیا جائے اور یہ اس محاورہ عرب کے مطابق ہوگا۔ فلان یعطی ویمنع پھر اس کا فعل الگ محذوف ہوگا۔ جس پر بسم اللہ پڑھا جائے گا۔ اسکی طرف متعدی نہ ہوگا۔

جواب نمبر ۳: یہ بھی ممکن ہے کہ باسم ربک' اس اقرأ کا مفعول ہو جو بعد میں محذوف ہے۔ اور ''اسم اللہ'' کا تعلق قراءت سے اسی طرح کا مانا جائے جو اس آیت میں' تنبت بالدھن (المومنون:۲۰) میں دھن (تیل) کا انبات (اگنے) سے ہے۔ پس معنی یہ ہوگا۔ متبرکاً باسم اللہ اقرء میں اللہ تعالیٰ کے نام سے تبرک حاصل کرتے ہوئے پڑھتا ہوں۔

نکتہ: اسمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم دی کہ وہ اس کے نام سے کس طرح تبرک حاصل کریں اور اسکی کس طرح تعظیم بجالائیں۔

بسم اللہ کی با کسرہ پرمبنی ہے کیونکہ وہ کسرہ حرفیت اور جر کا لازمہ ہے۔ اسی لئے با کو مکسور رکھا تا کہ اسکی حرکت اس کے عمل کے مشابہ ہو۔

لفظ اسم کی تحقیق:

اسم: یہ لفظ ان اسماء میں سے ہے۔ جنکا حرف اول مبنی بالسکون ہے۔ جیسا کہ ابن اور ابنۃ وغیرہ۔ جب ان سے ابتداء کرکے پڑھنا چاہیں تو ہمزہ لگا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ساکن سے ابتداء نہیں کی جاسکتی۔ البتہ درمیان کلام میں جب یہ الفاظ آجائیں گے تو پھر ھمزہ کی ضرورت سے مستغنی ہوجاتے ہیں۔

بعض علماء: ہمزہ کا اضافہ نہیں کرتے بلکہ صرف ساکن کو حرکت دینے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس کو سِمٌ اور سُمٌ پڑھتے ہیں۔

یہ ان اسماء میں سے ہے۔ جس کا آخری حرف حذف کردیا گیا جس طرح کہ یدٌ اصل میں یَدَیٌ اور دم اصل میں دموٌ ہے۔ اسی طرح اسکی اصل سِمْوٌ ہے۔ جس کی دلیل وہ تبدیلی ہے جو اسماء، سمی، سُمَّیت میں نظر آرہی ہے۔ یہ سِمْوٌ بمعنی بلندی سے مشتق ہے۔ کیونکہ نام مُسَمّٰی کی تعریف کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے تذکرے کو پھیلانے والا ہے۔

بسم اللّٰہ: میں الف کتابت سے حذف کردیا گیا۔ اور اقرأ باسم ربک: (العلق:۱) میں ذکر کردیا کیونکہ اسمیں بھی دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ مگر بسم اللہ میں تو کثرت استعمال کی وجہ سے تلفظ سے ساقط کردیا گیا۔ (اور اقرأ باسم میں کثرت استعمال نہیں اس لئے کتابۃً حذف نہیں کیا گیا) بسم اللہ کی با کو حذف کے بدلے میں لمبا لکھا جائے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کاتب کو حکم دیا کہ ب کو لمبا لکھو۔ س، کو ظاہر کرو اور م کو گول لکھا کرو۔ (اس میں کتاب اللہ کی تعظیم ہے)

لفظ اللہ کی تحقیق:

اللّٰہ : اسکی اصل اَلْاِلٰہ ہے اسکی نظیر الناس کا لفظ ہے جس کی اصل اُناس ہے ھمزہ کو حذف کر کے ابتداء میں الف لام کا اضافہ کر دیا۔ اِلٰہٌ کا لفظ اسماء جنس میں سے ہے۔ ہر حق و باطل معبود پر بولا جاتا ہے۔ پھر معبود حقیقی کیلئے اس کا استعمال غالب آ گیا۔ جیسا کہ النجم کا لفظ ہر ستارے پر بولا جاتا ہے۔ پھر ثریا (کہکشاں) کیلئے اس کا استعمال غالب ہو گیا۔ اللہ کا لفظ حذف ھمزہ کے ساتھ فقط معبود برحق پر ہی بولا جاتا ہے۔ غیر پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ اسم ہے۔ صفت نہیں۔

دلیل نمبرا : کیونکہ اس کو بطور موصوف لاتے ہیں، خود اس کو بطور صفت استعمال نہیں کرتے۔ اس طرح یہ نہیں کہا جاتا شَیْءٌ اِلٰہٌ۔ جس طرح کہ شیء رجلٌ نہیں کہتے۔ بلکہ کہتے ہیں اللہ واحد صمد۔ اللہ جو اکیلا بے نیاز ہے۔

دلیل نمبر ۲ : اللہ تعالیٰ کی صفت کیلئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا موصوف ہو جس پر وہ صفات بولی جائیں۔ پھر اگر تمام کو صفات قرار دیا جائے تو کہنا پڑے گا۔ کہ یہ صفات تو ہیں مگر انکا موصوف کوئی نہیں۔ اور یہ بات درست نہیں۔

علماء نحو کا اختلاف:

جلیل القدر علماء نحو خلیل، زجاج، محمد بن الحسن، حسین بن الفضل رحمہم اللہ نے اس کو مشتق نہیں مانا بلکہ اشتقاق کا انکار کیا۔

اشتقاق کا معنی:

بعض نے کہا اشتقاق کا معنی یہ ہے کہ ترکیب اور معنی میں دو یا زیادہ لفظ مشترک ہو جائیں۔ اس اسم کا لفظ اَلِہَ یَا لَہُ (حیران ہونا) ہو۔ یہ لفظ حیرانی اور دہشت کو اپنے اندر شامل کرنے والے ہیں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ معبود کی پہچان میں وہم وگمان حیران ہیں۔ اور بڑے تیز عقل والے دہشت زدہ ہیں۔ اسی وجہ سے گمراہی کثرت سے ہے۔ اور باطل پھیل رہا ہے۔ اور صحیح سوچ وفکر کی کمی ہے۔

دوسرا قول:

بعض نے کہا یہ اَلَہَ یَاْلَہُ الاھًا۔ اس نے عبادت کی۔ سے ماخوذ ہے یہ مصدر ہے جو مألوہ بمعنی معبود کے مستعمل ہے۔ جیسا کہ آیت: ''ھذا خلق اللّٰہ'' لقمان (۱) میں خلق کا لفظ بمعنی مخلوق استعمال ہوا ہے۔

اختلافِ قراءت:

جب اس کے لام سے قبل ضمہ یا فتحہ ہو تو لام کو تفخیم سے پڑھا جائے گا۔ اور اگر لام سے پہلے کسرہ ہو تو ترقیق ہو گی۔ بعض قراء نے ہر حال میں ترقیق کی ہے جبکہ دوسروں نے ہر حال میں تفخیم مگر جمہور کا قول وہی ہے جو ہم نے پہلے نقل کر دیا۔

لفظ رحمٰن ورحیم کی تحقیق:

الرحمٰن : یہ رحم سے بروزن فعلان ہے۔ اس ذات کو کہتے ہیں جس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہو۔ اسکی نظیر غضبان کا لفظ ہے جو غضب سے ہے۔ غضبان اس شخص کو کہتے ہیں جو غصے سے بھرا ہوا ہو۔ اسی طرح الرحیم: رحم سے فعیل کا وزن ہے جیسا مرض سے مریض۔ لفظ رحمان میں مبالغہ رحیم کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

وجہ اول : کیونکہ رحیم میں ایک لفظ زائد ہے۔ اور رحمان میں دو لفظ ہیں اور الفاظ کا اضافہ معنی کے اضافہ پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے دعا میں یا رحمان الدنیا کے الفاظ آئے ہیں۔ کیونکہ رحمان کی رحمت سے مومن و کافر ہر دو فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ''رحیم الآخرۃ'' کے لفظ آئے ہیں۔ کیونکہ وہ رحمت ایمان والوں کیلئے مخصوص ہے۔

وجہ دوم : علماء نے فرمایا رحمان اللہ تعالیٰ کا نام ہونے کی وجہ سے خاص ہے اس سے غیر اللہ کی صفت نہیں کی جاسکتی۔ اور معنی کے اعتبار سے عام ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا۔ الرحیم اس کے برعکس غیر کی صفت بن سکتا ہے اور اسکی رحمت ایمان والوں کیلئے خاص ہوگی۔ اسی لئے رحمان کو مقدم کیا گیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٣ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٤ اِيَّاكَ

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا' جو سب سے بڑا مہربان بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے' مالک ہے روزِ جزا کا' ہم تیری ہی

نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٥ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٦

عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں' چلا ہم کو سیدھے راستہ پر

سوال : اگرچہ زیادہ بلیغ رحمان کا مقدم کرنا ہے۔ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو جیسے کہا جاتا ہے۔ ''فلانٌ عالم نحریر'' فلاں زبردست عالم ہے۔

جواب : یہ غیر اللہ کی صفت نہیں بنتا اس لئے یہ بمنزلہ علم کے ہوا۔ (اور علم صفت سے مقدم لایا جاتا ہے)

رحمت کا مطلب:

اللہ کی رحمت سے مراد بندوں پر اس کا انعام و احسان کرنا ہے۔ اصل میں رحمت کا معنی شفقت ہے۔ (اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں مبادی کا لحاظ نہیں بلکہ غایات کا لحاظ ہے۔ انسانوں کیلئے بعض صفات کا استعمال مبادی کے لحاظ سے ہے۔ فافہم وتدبر: مترجم)

مسیلمہ کذاب کے بارے میں شاعر کا قول:

وانت غیث الوری لا زلت رحمانا۔ اس میں مسیلمہ کیلئے رحمان کا لفظ استعمال کیا گیا۔ درحقیقت یہ کفر پر محض ضد بازی کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ (حالانکہ محاورہ عرب اس کا ساتھ نہیں دیتا کیونکہ ان کے ہاں یہ لفظ استعمال میں ہی نہ تھا قالوا و ما الرحمان)۔

نحوی اختلاف: رحمان: نمبر ا:

غیر منصرف ہے ان علماء کے ہاں جو فعلا نۃ مؤنث کا وزن نہ آنے کی وجہ سے فعلان کو غیر منصرف مانتے ہیں۔

نمبر ۲ : یہ منصرف ہے۔ کیونکہ اسکی مؤنث فُعلٰی کے وزن پر نہیں بنتی ان دونوں میں اول قول راجح ہے۔

حمد کی تشریح:

اَلْحَمْدُ : فضیلت کے انداز سے کسی خوبی پر تعریف کرنا۔ یہ مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اصل میں یہ منصوب ہے۔ فعل مضمر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اسکی تفصیل اسطرح ہے۔ فعل مضمر جوخبر کے معنی میں ہو اس کا منصوب مصدر اس کو مانا گیا۔ جیسا کہ عرب کا قول شکرًا و کفرًا ای شکرت شکرًا۔

مرفوع کی وجہ:

منصوب سے مرفوع کی طرف عدول کرنے کی وجہ معنی میں پختگی وثبوت ظاہر کرنا ہے۔

لِلّٰہ : یہ مبتداء کی خبر ہے۔ لام کا تعلق محذوف واجب یا ثابت سے ہے۔

حمد و مدح وشکر میں فرق:

کسی اختیاری خوبی پر زبان سے تعریف کرنا خواہ مقابلہ میں نعمت ہو یا نہ حمد کہلاتا ہے۔ حمد و مدح دونوں ہم معنی ہیں۔ مثلاً تم کہو گے۔ حمدت الرجل علی انعامہ' حمدتہ علی شجاعتہ و حسبہ ۔ پہلی مثال میں مقابلے میں نعمت ہے اور دوسری مثال میں نعمت وغیرہ کچھ نہیں۔ شکر خاص طور پر نعمت پر کیا جاتا ہے۔ البتہ شکر دل، زبان، اعضاء تمام سے ہی کیا جاتا ہے۔ جیسا شاعر کا یہ قول: افادتکم النعماء منی ثلاثۃً۔ یدی ولسانی و الضمیر المحجّبا۔

نعمتوں کا فائدہ تمہیں میری طرف سے تین طرح پہنچا۔ میرے، ہاتھ، زبان اور مخفی ضمیر سے۔ (یہاں شکر کے بالمقابل زبان، ہاتھ اور ضمیر تینوں کا ذکر کیا)

حمد : صرف زبان سے ہوتی ہے۔ وہ شکر کا ایک شعبہ ہے۔ اور اس حدیث میں یہی معنی ہے: الحمد رأس الشکر ما شکر اللّٰہ عبدٌلم یحمدہ: (حمد شکر کی چوٹی ہے۔ اور اس بندے نے شکر ادا نہیں کیا جس نے اللہ کی تعریف نہیں کی) اس ارشاد میں حمد کو شکر کی چوٹی قرار دیا گیا۔ کیونکہ زبان سے نعمت کا تذکرہ کرنے سے زیادہ پھیلتا ہے۔ بہ نسبت اعتقاد اور اعمال جوارح کے۔ کیونکہ دل کا عمل مخفی ہے اور اعضاء کے عمل میں احتمال ہے۔ حمد کی نقیض ذم ہے اور شکر کی نقیض کفران ہے۔

شکر و مدح کا فرق:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدح: اوصاف کمال پر کسی کی تعریف کرنا مثلاً باقی رہنا، قادر، عالم، ابدی، ازلی ہونا۔

شکر : جس کی طرف سے قسما قسم کی مہربانیاں ہوں ان پر اسکی تعریف کرنا۔ اور حمد کا لفظ شکر و مدح دونوں کو شامل ہے۔

الحمد کا الف لام ہمارے نزدیک استغراق کیلئے ہے بخلاف معتزلہ کے۔ اسی لئے اس کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملایا جو اسم ذات ہے۔ اور تمام صفات کمال کو جامع ہے۔ اور یہی بنیاد ہے مسئلہ خلق افعال کی جس کی تحقیق کئی مقام پر میں نے کردی ہے۔

رب اور عالمین کا معنی:

رب العالمین : الرب۔ مالک، حضرت ابوسفیان کو صفوان نے جو بات کہی لان یربّنی رجلٌ من قریش احب الیّ من ان یربّنی رجل من ھوازن، اگر میرا مالک قریش کا کوئی آدمی ہو وہ بہتر ہے اس بات سے کہ ھوازن کا کوئی آدمی میرا مالک ہو۔

اس طرح بولتے ہیں رَبَّ یَرُبُّ یربُّہٗ فھو ربٌّ ۔ یہ اسم فاعل کے معنیٰ میں ہے۔
دوسرا قول : یہ بھی درست ہے کہ یہ مصدر ہو جو مبالغہ کیلئے لایا گیا ہو، جیسا کہ کسی عادل کو عدل کہتے ہیں۔

طریق استعمال:

مطلقاً لفظ رب اللہ وحدہٗ کیلئے بولا جاتا ہے۔ اور بندوں کیلئے اس کا استعمال قید و نسبت کے ساتھ ہوتا ہے جیسا ان آیات میں: انه رَبی احسن مثوای: یوسف: ۲۳۔ ارجع الی ربك: یوسف ۵۰۔
واسطی نے کہا وہ ابتداء کرنے والا ہونے کے لحاظ سے خالق ہے اور غذاء دینے کے لحاظ سے مربی اور انتہاء کے لحاظ سے غافر ہے۔ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے۔
العالم: نمبرا : جس چیز سے خالق کا علم ہو خواہ جواہر کی قسم سے ہو یا اعراض یا اجسام میں سے ہو۔ نمبر۲۔ ہر موجود ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کیونکہ یہ اس کے وجود کی علامت ہے۔
سوال : اسکی جمع واؤ نون کے ساتھ لائی گئی ہے۔ حالانکہ واؤ، نون والی جمع تو عقلاء کے ساتھ خاص ہے یا ان اعلام میں آتی ہے جو جمع عاقل کے حکم میں ہیں۔
جواب : اس میں وصفیت کے معنی ہیں جو کہ علم کے معنی کیلئے دلالت ہے (پس جمع لانا درست ثابت ہوگیا)
الرحمان الرحیم : انکی تفصیل بسم اللہ کے بیان میں گزری۔ انکا اعادہ اس بات کی دلیل ہے کہ تسمیہ فاتحہ کا حصہ نہیں۔ کیونکہ اعادہ فائدہ سے خالی ہوتا ہے۔
مٰلِكِ : عاصم وعلی (رحمہما اللہ) ان دونوں کے علاوہ ملک پڑھتے ہیں۔ بعض نے اسی کو اختیار کیا کیونکہ اس میں اضافت کی ضرورت نہیں اور قرآن مجید میں لمن المُلك الیوم۔ غافر: ۱۶ میں اس طرح ہے۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ملک مالک ہوتا ہے مگر ہر مالک ملک نہیں ہوتا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے۔ ملک کا حکم مالک پر نافذ ہوتا ہے اس کا عکس نہیں۔
بعض نے کہا مالک کا ثواب زیادہ ہے۔ کیونکہ اسمیں حروف زیادہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام حسن رحمہما اللہ نے ملک پڑھا ہے۔

قیامت کا دن کیا ہے؟

یَوْمِ الدِّیْنِ : بدلے کا دن۔ کہا جاتا ہے **کما تدین تدان**۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یہاں اسم فاعل کو بطور توسع ظرف کی طرف مضاف کیا ہے۔ جیسا کہتے ہیں **یاسارق اللیلة اھل الدار**۔ (اے رات کو گھر میں چوری کرنے والے) اب معنی یہ ہوگا قیامت کے دن تمام اختیارات کا مالک۔
سوال : قیامت کے دن کے ساتھ ملکیت کی تخصیص کیوں کی گئی۔
جواب : کیونکہ اختیار اس دن فقط اللہ ہی کیلئے ہوگا۔
سوال : قیامت کے واقع ہونے کو معرفہ کی صفت کے طور پر ذکر کیا حالانکہ اسم فاعل کی اضافت تو غیر حقیقی ہے۔
جواب : کیونکہ اس سے مقصود استمرار ہے پس اضافت حقیقی بن گئی۔ اور اس کو اس طرح اسلئے لائے تاکہ معرفہ کی صفت بن سکے۔

سوال : یہ صفات جو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے استعمال کی گئی ہیں۔ مثلاً رب ہونا یعنی تمام جہانوں کا مالک ہونا اور تمام انعامات دینے والا ہونا۔ اور ثواب وعذاب کے دن تمام اختیارات کا مالک ہونا وغیرہ حالانکہ الحمد للہ سے ہی ثابت ہو چکا کہ حمد کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ کی ذات خاص ہے۔ کیا وجہ ہے؟

جواب : درحقیقت یہ بات ثابت کرنے کیلئے کہ جس ذات کی یہ صفات ہوں اس سے بڑھکر حمد وثناء کا کوئی مستحق نہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ:

اِيَّا: خلیل اور سیبویہ رحمہما اللہ کے نزدیک یہ اسم ضمیر ہے پھر سیبویہ کہتے ہیں کاف حرف خطاب ہے اور اس کا محل اعراب کوئی نہیں۔ مگر خلیل رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ کاف اسم ضمیر ہے۔ جس کی طرف ''اِيَّا'' کے لفظ کو مضاف کر دیا۔ کیونکہ فعل وفاعل سے مقدم آنے کی وجہ سے یہ اسم ظاہر کے مشابہ ہے۔

کوفی علماء : (رحمہم اللہ) ایاک ایک مکمل اسم ہے۔

آیت میں فعل سے پہلے مفعول کو اس لئے لائے تاکہ تخصیص ہو جائے۔ اب معنی یہ ہوگا۔ ہم تجھے ہی عبادت کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

عبادت کا معنی:

عبادت: خضوع وعاجزی کی آخری حد کو کہتے ہیں۔ (اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ) ہم امداد کی طلب میں تجھے ہی خاص کرتے ہیں۔

غائب سے خطاب:

صنعت التفات کی وجہ سے غائب سے مخاطب کی طرف رجوع کیا۔ یہ التفات کبھی غائب سے خطاب، کبھی خطاب سے غائب اور کبھی غائب سے متکلم کی طرف ہوتا ہے جیسا قرآن مجید کی اس آیت میں حتّٰی اذا کنتم فی الفلك وجرين بهم بريح طيبة۔ یونس: ۲۲ خطاب سے غائب کی طرف ہے اور آیت الله الذی یُر سل الرياح فتثير سحابا فسقْنهُ: فاطر ۹۰ میں غائب سے متکلم کی طرف ہے۔

اسی طرح امرء القیس کے ان اشعار میں تطاول لیلك بالأثمُدِ۔ ونام الخِليُّ ولَمْ ترقد۔ بات وباتت له ليلة۔ كليلة ذی العائر الارْمِدِ۔ وذلك من نبإ جاء نی۔ وخُبرّته عن اَبی الاسود۔

ان اشعار میں لیلی۔ بت۔ جآء ك۔ نہیں کہا بلکہ اسکی بجائے لیلک، بات، جاءنی کہا۔

کلام عرب میں صنعت التفات عام استعمال ہوتی ہے۔ اسکی وجہ ان کے خیال میں یہ ہے کہ جب کلام کا اسلوب بدل جائے تو سامع کے دل کو زیادہ متاثر کرتا ہے۔ اور یہ اسلوب مخاطب کیلئے نشاط طبع کے اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ اور اسکی توجہ کو اور زیادہ مائل ومبذول کرتا ہے۔

اگرچہ بعض اوقات اس سے مزید خصوصی فوائد ولطائف بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مگر ایسی باتیں مخصوص ماہرین کلام اور بڑے علماء کے سامنے ذکر کرنا مناسب ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد اقل قلیل ہے۔

خاص نکتہ:

مگر اس جگہ مخصوص بات یہ ہے کہ جب حمد وثناء کے لائق ذات کا تذکرہ کیا اور اس پر ان عظیم صفات کو جاری کیا۔ تو اب علم ایک عظیم الشان ذات سے متعلق ہوا جو کہ تعریف کے لائق اور مہمات ومشکلات میں مدد کے قابل اور اس لائق ہے کہ اپنی انتہائی عاجزی اس کے سامنے پیش کی جائے۔ پس اسی معلوم اور جانی پہچانی ذات کو خطاب کر کے کہا جو ان صفات سے ممتاز ہے۔ اے وہ ذات جس کی یہ صفات ہیں ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں تیرے سواء اور کسی سے نہیں۔

نکتہ:

عبادت کو استعانت پر اس وجہ سے مقدم کیا گیا۔ کیونکہ طلب حاجت سے پہلے ذریعۂ طلب کو لانا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ یا نظم عبارت کا لحاظ کرتے ہوئے عبادت کو استعانت پر اسی طرح مقدم کر دیا جیسا رحمان کو رحیم پر اگرچہ بلیغ تر بعد میں لایا جاتا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ع

جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام فرمایا، جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں۔

استعانت کو بلا کسی قید کے ذکر کیا تاکہ ہر ہر چیز جس میں استعانت کی ضرورت ہے ان سب کو شامل ہو۔

اور یہ بھی درست ہے۔ کہ یہ مراد لی جائے کہ ادائے عبادت میں اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق مانگی گئی ہے۔ (اس طرح) اهدنا مطلوبہ معونت کا بیان بن جائے گا۔ گویا اس طرح کہا گیا (اے میرے بندو) میں کیسے تمہاری امداد کروں؟ تو بندوں نے عرض کیا (تو ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم فرما)

ہدایت وصراط کا مطلب:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ : نمبرا: یعنی ہمیں واضح راستے پر قائم فرما۔ جیسا کھڑے کو کہا جاتا ہے۔ قم حتٰی اعود الیك یعنی اپنی اسی حالت پر میرے لوٹنے تک ثابت وقائم رہو۔

نمبر ۲ : تو ہمیں مستقبل میں بھی اسی طرح ہدایت دے جس طرح حال میں ہدایت دے رکھی ہے۔

هدی : ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ دو مفعول کی طرف اس کا متعدی ہونا بھی بغیر صلہ کے اس آیت میں آیا ہے۔ اور اِلٰی اور لام کے صلہ کے ساتھ بھی متعدی ہونا قرآن مجید کی ان آیات (هَدَانَا لِهٰذا۔ الاعراف : ۴۳۔ هَدانی رَبّی الی صراط مستقیم : الانعام۔ ۱۶۱ میں وارد ہے۔

الصراط : راستہ۔ یہ شرط الشیٔ سے لیا گیا۔ اس نے اس چیز کو نگل لیا۔ گویا چلنے والا اپنے پا افتاد کو چلتے ہوئے نگلتا جاتا ہے۔

اختلافِ قراءت : السراط کی سین کو صاد سے بدل دیا گیا۔ کیونکہ حروف اطباق ہونے میں یہ طا کا ہم جنس ہے۔ ص، ض، ط، ظ یہ حروف اطباق میں سے ہیں۔

کبھی ص کو ز کی آواز کا اشمام دیکر پڑھتے ہیں۔ کیونکہ ز، ط کے قریب تر ہے۔ کیونکہ وہ دونوں حروف مجہورہ میں سے ہیں۔ یہ

امام حمزہ کی قراءت ہے۔

امام ابن کثیرؒ تمام قرآن میں س پڑھتے ہیں۔اور کلمہ کی اصل یہی ہے۔

باقی قراء خالص ''ص'' پڑھتے ہیں اور لغت قریش یہی ہے اور مصحف امام میں ص ہی ثابت ہے۔

صراط کا لفظ مذکر و مؤنث استعمال ہوتا ہے جیسے طریق اور سبیل کا لفظ۔صراط مستقیم سے مراد حق کا راستہ ہے اور وہ ملت اسلام ہے۔

فائدہ تاکید:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ : یہ صراط کا لفظ پہلے صراط سے بدل ہے۔اور اس کو دوبارہ لانے کا حکم وہی ہے جو عامل کو دوبارہ لانے کا ہے۔دوبارہ لانے میں تاکید کا فائدہ حاصل ہوا اور یہ بھی بتلا دیا کہ صراط مستقیم کی تفسیر صراط المسلمین (مسلمانوں کا راستہ) ہے۔تاکہ مسلمانوں کے راستہ پر استقامت اختیار کرنے کی انتہائی بلیغ دلیل بن جائے۔اور مؤکد شہادت ثابت ہو۔(انعمت علیھم) وہ مؤمن ہیں یا انبیاء علیہم السلام یا تبدیلی سے پہلے بنی اسرائیل جو قوم موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ :

تفسیر اول : یہ الذین انعمت علیھم سے بدل ہے۔یعنی انعام یافتہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب اور گمراہی سے محفوظ رہے۔

تفسیر دوم : الذین کی صفت ہے۔اب معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے عمومی نعمت یعنی ایمان اور غضب الٰہی اور گمراہی میں سے سلامتی والی نعمتوں کو جمع کر لیا ہے۔

معروف اشکال :

اشکال : یہ الذین کی صفت کیسے بن سکتی ہے جبکہ وہ معرفہ ہے۔

جواب اول : یہ الذین کی صفت بن سکتی ہے۔اگرچہ وہ معرفہ ہے اور غیر کا لفظ اضافت سے معرفہ بھی نہیں بنتا۔اصل وجہ یہ ہے کہ یہاں وہ دو متضاد معرفوں کے درمیان واقع ہے۔پس غیر کا لفظ اضافت سے معرفہ بن گیا۔جیسا اس مثال میں عجبت من الحرکة غیر السکون (الحرکة والسکون تو متضاد معرفے ہیں پس غیر اضافت کی وجہ سے معرفہ بن کر الحرکة کی صفت ہوا) اسی طرح آیت میں منعم علیھم اور مغضوب علیھم دو متضاد معرفے ہیں۔(اس لئے غیر المغضوب معرفہ ہو کر صفت بن گیا)

جواب دوم : الذین نکرہ کے قریب ہے۔اور اس سے مراد کوئی معین مخصوص قوم نہیں اور غیر المغضوب علیھم یہ معرفہ کے قریب ہے۔اس تخصیص کی وجہ سے جو اضافت کی وجہ سے اس کو حاصل ہوئی۔

پس حاصل یہ ہے کہ ایک ایک لحاظ سے دونوں میں ابہام ہے۔اور ایک ایک وجہ سے تخصیص ہے۔پس دونوں حیثیت میں برابر ہوئے (صفت بننے میں اشکال نہ رہا)

اوّل **علیھم** : یہ مفعولیت کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔دوسرا **علیھم** : فاعلیت کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔

مرادغضب اللہ:

غضب اللّٰہ : سے مراد جھٹلانے والوں سے انتقام کا ارادہ کرنا اوران پر سزا کا اتارنا اوران کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جو بادشاہ اپنے ماتحتوں سے کرتے ہیں جبکہ وہ ان پرغضبناک ہوں۔

بعض علماء نے کہا مغضوب علیھم سے مراد یہود ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من لعنه الله وغضب علیه۔ المائدہ:۶۰۔اور الضالون سے مرادنصرانی ہیں کیونکہ ارشادالٰہی ہے۔قد ضلوا من قبل۔ المائدہ:۷۷۔

لا : بصریین کے ہاں لا: زائدہ ہے جوتاکید کیلئے لایا گیا۔کوفیین کے نزدیک یہ غیر کے معنی میں ہے۔

آمین : یہ اسم صوت ہے جوفعل اِسْتَجِبْ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔جس طرح کہ روید اسم ہے:امھل :فعل کے معنی میں آتا ہے۔

معنی آمین...... قول ابن عباس رضی اللہ عنہما:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آمین کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔اِفْعَلْ۔(ایسا کردے)

تحقیق لفظ:

یہ مبنی ہے۔آمیں دولغتیں ہیں مداورقصر۔قصراصل ہے۔جبکہ مداشباع ھمزہ کی وجہ سے ہے۔جیسا کہ شاعر کا قول ویرحم الله عبدًا قال آمینا۔

دوسرے شاعر کا قول :امین،فزاد الله ما بیننا بُعدا۔

پہلے شعر میں مدہے جبکہ دوسرے میں قصر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل امین علیہ السلام نے مجھے قراءت فاتحہ کے وقت آمین کی تلقین فرمائی۔اور کہا کہ یہ خط کے آخر میں مہر کی طرح ہے۔''

البتہ آمین قرآن میں سے نہیں اسی لئے اس کو مصاحف میں لکھا نہیں جاتا۔

۸۔۱۱۔۲۰۰۱

جمعرات ۲۱ شعبان المعظم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى

الٓمّٓ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں ہدایت ہے

لِّلْمُتَّقِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

متقیوں کے لئے۔ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③

اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں،

حروفِ مُقطّعات کی بحث:

الٓمّٓ: الٓمّٓ اور اسکے ہم مثل حروف مقطعات حقیقت میں ایسے اسماء ہیں جن کے مصداق وہ حروف تہجی ہیں جن سے مل کر کلمات بنتے ہیں۔ پس الف قال کے درمیان والے حرف پر دلالت کرتا ہے۔ اور لام اسکے آخری حرف پر دلالت کررہا ہے اور ان کے مشابہہ حروف کا یہی حال ہے۔

اسمیت کے دلائل : پہلی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ذاتی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اماله، تفخیم، تعریف و تنکیر (معرفہ ونکرہ ہونا) اسی طرح جمع اور تصغیر سے ان میں تبدیلی کی جاتی ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ نحوی حیثیت میں یہ معرب ہیں، البتہ ان میں سکون زَید وغیرہ اسماء کی طرح ہے۔ کہ اعراب کا مقتضی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اعراب نہیں آ سکتا۔

بعض نے ان کو مبنی کہا ہے۔ اس لئے کہ یہ اصوات کی طرح ہیں۔ مثلاً غاق۔ یہ کوے کی آواز کی حکایت ہے۔

جمہور علماء کا قول:

یہ ہے کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنهما : ان حروف سے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔

قول ابن مسعود رضی اللہ عنه : یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہیں۔

بعض کا قول: یہ ان متشابہات میں سے ہیں۔ جن کی تاویل سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور ان کو معجم ان کے ابہام واخفاء کی وجہ سے ہی کہا جاتا ہے۔

بعض دوسروں کا قول:

یہ اسماء ہیں جن کو شروع میں بطور تعدید کے لایا گیا ہے۔ گویا کہ قرآن مجید نے جن کو چیلنج کیا تھا ان کو قرآن بیدار کر رہا ہے۔ اور آمادہ کر رہا ہے کہ وہ اس نازل شدہ وحی پر غور کریں جس کا مقابلہ کرنے سے وہ اول سے آخر تک عاجز آ چکے۔ جبکہ اس کلام کے موتی ان کلمات سے ہی پروئے گئے ہیں جن سے انکا اپنا کلام بنتا ہے۔ تا کہ یہ غور وفکر ان کو اس پر یقین لانے کی طرف آمادہ کرے۔ اگر اب تک انہوں نے اپنا سر اسکے سامنے سرنگوں نہیں کیا۔ اور بار بار رجوع کے باوجود ان کو اپنی عاجزی ظاہر نہیں ہوئی۔ حالانکہ وہ کلام کے ماہرین ہیں۔ (تا کہ اب بھی جاگ کر اپنی عاجزی مان لیں) کیونکہ یہ تمام باتیں ثابت کر رہی ہیں کہ یہ کلام بشر نہیں بلکہ خالق اور قادر مطلق کا کلام ہے۔

نصیب والوں کے لئے تو یہ بات بڑا مقام رکھتی ہے۔ (آؤ اور اپنا نصیبہ آزماؤ)

دیگر بعض کا قول:

یہ ہے کہ ان سے سورتوں کو اس لئے شروع کیا گیا۔ تا کہ سب سے پہلے جو چیز سامع کے کانوں کو کھٹکھٹائے وہ ایک انوکھا انداز کلام ہو۔ جو دلائل اعجاز کیلئے ایک مقدمے کا کام دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حروف کے ذریعہ عمدہ اور نفیس کلام کرنے میں تمام عرب برابر تھے۔ خواہ ان پڑھ طبقہ ہو یا پڑھا لکھا طبقہ ہو۔

البتہ : حروف کے اسماء کو وہ لوگ استعمال کرتے تھے۔ جنہوں نے خود پڑھنا لکھنا سیکھا یا اہل کتاب سے انکا میل جول تھا اور ان سے انہوں نے سیکھ لیا تھا۔ کسی امی کا ان اسماء حروف سے کلام کرنا اس طرح بعید تر تھا جس طرح کسی امی کا بغیر پڑھے لکھنا اور

تلاوت کرنا۔

پس آپ ﷺ کا ان اسماء کو اپنے کلام میں استعمال کرنا۔ باوجودیکہ یہ بات مشہور ومعروف تھی کہ آپ ﷺ نے اہل کتاب کے کسی بھی فرد سے کوئی چیز بھی حاصل نہیں کی۔ (یہ استعمال) وہی حکم رکھتا ہے جو ان واقعات وقصص کے بیان کرنے کا تھا جن سے قریش وغیرہ پہلے سے ناواقف تھے۔اس سے تو یہ بات خود ثابت ہوگئی کہ یہ سب آپ کو وحی الٰہی سے حاصل ہوا۔ جو آپ کی نبوت کی واضح شہادت ہے۔

دلیل اعجاز کا دوسرا انداز:

یہ بات معلوم ہے۔ کہ ابتداء میں جو حروف وارد ہوئے ہیں۔ان میں نصف تو حروف معجمہ کے اسماء ہیں جو درج ذیل ہیں۔

الالف، اللام، المیم، الصاد، الراء، الکاف، الھاء، الیاء، العین، الطاء، السین، الحاء، القاف، النون۔

تعدادِ حروف:

حروف معجمہ کی تعداد انتیس ہے، اور مذکورہ بالا حروف انتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ پھر ایک اور لطیفہ یہ ہے کہ ان پائے جانے والے حروف میں حروف کی تمام اقسام پائی جاتی ہیں۔جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

نمبر ا۔ مہموسہ: میں سے، الصاد، الکاف، الھاء، السین' الحاء! نصف تعداد موجود ہے۔

نمبر ۲ **مجہورہ** میں سے: الالف، اللام، المیم، الراء، العین، الطاء، القاف، الیاء، النون، نصف تعداد موجود ہے۔

نمبر ۳ شدیدہ میں سے: الالف، الکاف، الطاء، القاف، نصف تعداد میں موجود ہیں۔

نمبر ۴ رخوہ میں سے: اللام، المیم، الراء، الصاد، الھاء، العین، السین، الحاء، الیاء، النون بنصف موجود ہیں

نمبر ۵ مطبقہ میں سے: الصاد، الطاء، آدھے موجود ہیں۔

نمبر ۶ منفتحہ میں سے: الالف، اللام، المیم، الراء، الکاف، الھاء، العین، السین، الحاء، القاف، الیاء، النون، نصف پائے جاتے ہیں۔

نمبر ۷ **مستعلیه** میں سے: القاف، الصاد، الطاء، نصف پائے جاتے ہیں۔

نمبر ۸ **منخفضه** میں سے الالف، اللام، المیم، الراء، الکاف، الھاء، الیاء، العین، السین، الحاء، النون، آدھے موجود ہیں۔

نمبر ۹ **قلقلہ** میں سے القاف، الطاء، نصف تعداد موجود ہے۔

ان اجناس کی بقیہ اقسام میں ان حروف کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کا اکثر اسکے کل کے قائم مقام شمار ہوتا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے اہل عرب پر ان حروف کو شمار کر دیا جن پر انکا کلام مشتمل تھا (اور ان کو مقابلے کا چیلنج دیا مگر پھر بھی وہ مقابلے میں نہ آئے بلکہ عاجز ہوگئے) اور ان کو اس طرح لاجواب ومبہوت کر دیا اور ان پر حجت قائم کر دی (**فھل من مبارز**)

پھران اسماء حروف کو الگ الگ سورتوں میں لایا گیا تا کہ جن کو چیلنج کیا گیا۔ بار بار اس کا اعادہ ہوتا رہے۔ اور ان کو متنبہ کیا جاتا رہے۔ اور یہ بات مختلف سورتوں میں لانے سے ہی حاصل ہوسکتی تھی، اکٹھا ذکر کرنے سے یہ مقصد اس طرح حاصل نہ ہو سکتا۔

غرضِ تکرار:

جن الفاظ یا قصص کو قرآن مجید میں دہرایا گیا ان کے دہرانے سے یہی غرض ہے کہ وہ بات دل میں اچھی طرح جم جائے اور خوب پختہ ہو جائے (اور چیلنج بھی تازہ رہے)

طرز میں فرق کی وجہ:

پھر ان حروف کو ایک طرز پر نہیں لایا گیا۔ بلکہ حروف کی تعداد میں فرق رکھا گیا۔ مثلاً صٓ ، قٓ، نٓ، طٰهٰ، طٰسٓ، یٰسٓ، حٰمٓ، الٓمٓ، الٓمٓرٰ، طٰسٓمٓ، الٓمٓصٓ، الٓرٰ، کٓھٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ، عٓسٓقٓ، گویا کبھی تو ایک حرف لائے، کبھی دو، دو کبھی تین، تین، کبھی چار، چار اور کبھی پانچ، پانچ۔ جس طرح کہ ان کے ہاں کلام کے مختلف انداز تھے۔ اور جیسا کہ کلمات کی بنائیں ایک حرف، دو حرف اور تین اور چار اور پانچ حروف سے آتی ہیں۔

ابتداء میں طرز:

شروع قرآن میں اس طرز کو اختیار کیا گیا کہ الٓمٓ جہاں بھی قرآن مجید میں واقع ہوا ہے۔ وہاں پوری آیت کے طور پر اس کو لایا گیا۔ اسی طرح الٓمٓصٓ کو ایک آیت کے طور پر لائے۔ مگر الٓمٓرٰ کو آیت شمار نہیں کیا گیا، اسی طرح الٓرٰ کو پانچ سورتوں میں آیت شمار نہیں کیا گیا۔ جبکہ طٰسٓمٓ کو دونوں سورتوں میں پوری آیت کے طور پر شمار کیا۔ اسی طرح طٰهٰ، یٰسٓ دونوں سورتوں میں دو آیتیں شمار کی جاتی ہیں۔ دوسری طرف صٓ، نٓ، قٓ، ان تینوں کو مستقل آیت کے طور پر شمار نہیں کیا جاتا۔ یہ علماء کوفہ کا مسلک ہے، یہ توقیفی علم ہے، اسمیں قیاس کا دخل نہیں جیسا کہ سورتوں کے نام ہیں، اسی لئے اس صورت میں تمام پر مکمل وقف کیا جائے گا کیونکہ ان کو مستقل معنیٰ پر محمول کیا جو مابعد کا محتاج نہ رہا، اور یہ سورتوں کا نام نہ ماننے کی صورت میں ہے، بلکہ ان کو اسی طرح قرار دیا جائے جیسا کہ آوازوں کی تعبیرات ہیں یا پھر ان کو خبر قرار دے کر مبتداء کو محذوف مانا جائے جیسا کہ الٓمٓ (آل عمران) یعنی ھذہ الٓمٓ۔ یہ الم ہے۔ پھر نیا کلام شروع کرتے ہوئے کہا اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم: آل عمران: ۲۔

دوسرا قول:

جنہوں نے ان کو سورتوں کے اسماء قرار دیا بقول ان کے انکا محل اعراب ہے۔ اس لئے کہ ان کے ہاں یہ دیگر تمام اسماء اعلام کی طرح ہونگے۔ ابتداء کی صورت میں مرفوع ہونگے، یا منصوب و مجرور بنیں گے۔ کیونکہ ان سے قسم اٹھانی درست ہے۔ پس یہ الفاظ لفظ اللّٰہ کے قائم مقام ہونگے اللّٰہ کا لفظ دونوں لغات کے ساتھ ہے۔

ایک اور قول:

جنہوں نے ان کو سورتوں کے نام قرار نہیں دیا ان کے ہاں انکا کوئی محل اعراب نہیں۔ جیسا کہ جملہ ابتدائیہ اور مفردات عددیہ کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا۔

اسم اشارہ کی تذکیر:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ: نمبرا: یعنی یہ وہی کتاب ہے جس کا وعدہ ان سے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے کیا گیا، یا ذٰلك کا مشارالیہ الٓمّٓ ہے۔

سوال: اسم اشارہ مذکر اور مشارالیہ مؤنث ہے اور وہ سورت ہے۔

جواب: کتاب اگر چہ خبر ہے مگر یہ اسی کے معنی میں ہے۔ اور دونوں کی مراد ایک ہے۔ اس لئے مذکر ہونے میں لفظ کتاب کا حکم سورت کے لفظ پر لگا دیا، اور اگر یہ صفت ہے تو پھر اس سے صراحۃً کتاب کی طرف اشارہ کر دیا۔ کیونکہ اسم اشارہ سے ایسی جنس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس کی صفت ہے۔ محاورہ میں اس طرح کہتے ہیں۔

هند ذٰلك الانسان او ذٰلك الشخص فعل كذا

کہ ہند وہ انسان ہے ذٰلك کی صفت سے مراد الانسان ہے اور ذٰلک کا اشارہ ہند کی طرف ہے۔ حالانکہ ہند مؤنث ہے۔

الم واسم اشارہ کو ملانے کی وجہ:

وجہ نمبرا: ذٰلك الكتاب کو الٓمّٓ کے ساتھ ملانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر الٓمّٓ کو سورت کا نام قرار دیں تو الٓمّٓ مبتدا ہوگا۔ اور ذٰلک مبتداء دوم ہوگا۔ اور الکتاب اس کی خبر بنے گی، پھر جملہ مبتداء اول کی خبر ہوگی اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ وہی کتاب کامل ہے۔ گویا اس کے مقابلہ میں دوسری کتابیں ناقص ہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ ھوالرجل یعنی رجولیت میں کامل وہی ہے۔ مردوں میں جتنی پسندیدہ خصلتیں ہوتی ہیں وہ سب اس میں جمع ہیں۔

نمبر۲: الٓمّٓ مبتداء محذوف کی خبر ہو یعنی: الٓمّٓ ایک جملہ ہے اور ذٰلک الکتاب دوسرا جملہ ہے۔

نمبر۳: اگر تم الٓمّٓ کو بمنزلہ اسم صوت کے قرار دو۔ تو پھر الٓمّٓ مبتدا اور الکتاب اس کی خبر ہوگی۔ یعنی وہ اتاری ہوئی کتاب وہی کتاب کامل ہے۔

ریب کا مفہوم و معنی:

لَارَیْبَ: (اس میں شک نہیں) **نحو**: یہ مصدر ہے رأب کا جب کسی چیز میں شک ہو۔

الریب کی حقیقت:

نفس کا قلق و اضطراب۔ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے۔ ''دع ما يريبك الى ما لا يريبك'' جو چیز تمہیں اضطراب میں ڈالے اس کو ایسی چیز کے لیے چھوڑ دے جو تمہیں اضطراب میں نہ ڈالے، پس شک اضطراب ہے۔ سچائی

اطمینان ہے۔(احمد،ترمذی) کسی کام کا مشکوک ہونا یہی ہے کہ جس کے لیے نفس میں قلق ہو اور دل میں قرار نہ آئے۔
اور کسی کام کا سچا ہونا یہی ہے کہ اس میں دل مطمئن ہوتا اور سکون اختیار کرتا ہے۔''ریب زمان'' کا لفظ اسی سے ہے، اور اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نفوس کو قلق میں مبتلا کر دیں۔ اور ان کے مصائب کی تشخیص دلوں سے ہو۔ اب آیت میں ریب کی نفی بطور استغراق کے ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس میں شک کیا۔
قرآن کے متعلق اس بات کی نفی کی گئی ہے، کہ اس کا شک سے تعلق نہیں۔ اور نہ یہ شک کا مقام ہے۔ کیونکہ اس کی دلالتیں اور براہین اس طرح روشن ہیں کہ شک کرنے والے کو اس میں پڑنا مناسب نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ کوئی آدمی اس میں شک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے لا فیہ ریب''، نہیں فرمایا، جیسا کہ فرمان'' ۔ لا فیھا غول الصافات آیت نمبر ۴۷ لفظ ریب کے ساتھ حرف نفی لایا گیا کہ ریب کی قرآن سے نفی کی اور یہ ثابت کیا کہ قرآن برحق ہے باطل نہیں۔ جیسا کہ کفار گمان کرتے تھے۔
اگر ظرف کے قریب لایا جاتا تو اس مقصد سے وہ دور ہو جاتا وہ اس طرح کہ کوئی اور کتاب ہے جس میں شک ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ''لا فیھا غول'' الصافات آیت نمبر ۴۷ جنت کی شراب دنیا کی شرابوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ اس طرح کہ وہ عقول کو خراب نہیں کرے گی، جس طرح کہ دنیا کی شراب خراب کرتی ہے۔

وقف کے متعلق مشہور قول:

یہ ہے حضرت نافع و عاصم رحمہما اللہ نے لا ریب پر وقف کیا۔ اس صورت میں وقف کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خبر کی نیت کرے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لَا رَیْبَ فِیْهِ'' اس میں شک نہیں''
فِیْهِ هُدًی : فیہ میں ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر ھا اشباع کی ہے۔
حفص رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت فیہ مھانا (الفرقان آیت نمبر ۶۹) میں ان کی موافقت کی ہے اور یہی اصل ہے۔ جیسا کہ کہیں۔ مررت بہ و من عندہ وفی دارہ)
سوال: جس طرح فی دارہ اور من عندہٗ نہیں کہا جاتا اس طرح ضروری ہے کہ ''فیہ'' بھی نہ کہا جائے۔
جواب: سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ جوانہوں نے کہا ہے (اگر اس کو مان لیں تو) تو تین حروف ساکنہ کا جمع کرنا لازم آتا ہے۔ ھا سے قبل یا اور خود ھا ء۔ کیونکہ اہل عرب کے ہاں ھا متحرک بھی بمنزلہ ساکن کے ہے۔ کیونکہ ھا حروف خفیہ میں سے ہے اور حرف خفی ساکن کے قریب ہے۔ اور یا اس کے بعد (دوسرے نمبر پر ہے) تو اشباع ساقط ہو جائیگا۔
ھدی : یہ فعل کا مصدر ہے جیسا کہ بکی کا لفظ۔

تعریفِ ہدایت:

مقصد تک پہنچانے والی دلالت۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں ضلالت کا لفظ آیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی (البقرہ آیت نمبر ۱۶) فرمایا گیا'' ھدی للمتقین''، متقی۔ ہدایت یافتہ کو کہتے ہیں یہ اس طرح ہے جیسا کہ کہتے ہیں عزیز کو العزیز المکرم یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو عزت دے اور مکرم بنائے۔ اصل مقصود اس سے جو چیز اس

میں پائی جاتی ہے یعنی عزت اس میں اس کا برقرار رہنا اور ہمیشگی طلب کی گئی ہے۔جیسا کہ "اهدنا الصراط المستقیم" (الفاتحہ آیت نمبر ٦) میں ہے۔(کہ تو ہمیں ہدایت سے ہمیشہ وابستہ رکھ) اللہ تعالیٰ نے عنقریب متقی بننے والے کو متقین کا لباس زیب تن کرنے کی وجہ سے متقی فرما دیا۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من قتل قتیلا فله سلبه (بخاری ومسلم) اس ارشاد میں عنقریب قتل ہونے والے کو قتیل فرمادیا بوجہ الباس قتل کے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے اذا اراد احد کم الحج فلیعجل فانه یمرض المریض عنقریب قتل ہونے والے کو اور بیمار ہونے والے کو قتیل اور مریض فرمایا۔

عنوان کا فرق:

یہاں هدی للضالین نہیں فرمایا۔کیونکہ ان کے دو گروہ ہیں۔

نمبر ا: جن کا گمراہی پر قائم رہنا معلوم ہے۔

نمبر ۲: جن کا انجام بالآخر ہدایت ہے۔

اور قرآن مجید اسی فریق ثانی کے لیے ہادی ہے۔پس یہ عبارت کافی ہے۔اگر اس سے زیادہ تفصیلی عبارت لائی جاتی تو یوں فرماتے، یہ ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو گمراہی کے بعد ہدایت کی طرف جانے والے ہیں،' پس کلام کو اس طریق سے مختصر لائے ، جس کا ہم نے تذکرہ کر دیا۔(عنقریب متقی بننے والے کو متقی کہہ دیا)

نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا کہ هدی للمتقین لائے حالانکہ یہ اس سورت کی ابتداء ہے۔جو زہراوین میں سے ایک ہے۔اور قرآن مجید کی چوٹی اور کوھان ہے۔گویا ابتداء سورت اپنے اولیاء متقی بندوں کے ذکر سے فرمائی۔

المتقی۔ نحو : یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔اور عرب کا قول ہے وقاہ فاتقی۔اس کا فاکلمہ واؤ ہے اور لام کلمہ یا ہے۔جب اس سے باب افتعال بنایا تو واؤ کو تا کر کے تا میں ادغام کر دیا۔اتقی بن گیا۔الوقایه۔پیش بندی۔حفاظت کرنا۔شریعت میں اس کا معنی کسی ایسے کام میں اپنے آپ کو مبتلا کرنے سے بچانا۔جس کے کرنے یا چھوڑنے سے سزا کا مستحق ہو۔

تراکیب:

ترکیب ا: ہدی کا لفظ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

ترکیب ۲: ذٰلک کی خبر ہے لاریب فیه کے ساتھ مل کر

ترکیب ۳: فیه کی ھا ذوالحال اور ھدی حال ہے۔

ترکیب ۴: بلاغت کے اعتبار سے زیادہ پختہ بات یہ ہے کہ الٓمّٓ بذات خود مکمل جملہ ہے یا حروف معجمہ کا مجموعہ ہے جو مستقل بنفسہٖ ہے۔ذٰلک الکتاب یہ دوسرا جملہ ہے لاریب فیه تیسرا جملہ ہے۔اور ھدی للمتقین چوتھا جملہ ہے۔

انوکھا اندازِ بلاغت:

پھر اپنی ترتیب میں اس نے بلاغت کا انوکھا انداز پیدا کیا کہ حروف عطف کے بغیر ان کو اس شاندار ترتیب سے لایا گیا کہ ایک کی گردن گویا دوسرے سے ملی ہوئی ہے، دوسرا پہلے کے ساتھ معانقہ کرتے ہوئے مل رہا ہے اسی طرح تیسرا اور چوتھا۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے اوّلاً متنبہ کیا کہ یہ وہ کلام ہے جس سے چیلنج دیا گیا پھر اشارہ فرمایا کہ یہ انتہائی کمال والی قابل تعریف کتاب ہے تو اس سے چیلنج والی جانب کو پختہ کر دیا۔ پھر نفی کی کہ شک کی کسی جانب بھی اس کے ساتھ ذرہ بھر بھی مشابہت نہیں پائی جاتی۔ پس یہ بات اس کے کمال کی شہادت و دستاویز بن گئی کیونکہ حق و یقین والا کمال سب سے بالاتر اور کامل ہے۔ جس طرح باطل واشتباہ سے بڑھ کر کوئی نقص و عیب نہیں۔

ایک عالم کو کہا گیا کہ۔ تیری لذت کس بات میں ہے؟

اس نے کہا ایسی دلیل میں جو وضاحت میں نزاکت کی چال چلے۔ اور ایسے اشتباہ میں جو رسوائی سے نڈھال کر دے۔ پھر خبر دی کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔ پھر اس کا یقین ہونا اس طرح پختہ کر دیا کہ شک اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ اور وہ ایسا حق ہے کہ باطل اس کے سامنے اور پیچھے کسی طرف سے نہیں آ سکتا۔ پھر اس گہری ترتیب اور عمدہ تنسیق کے ساتھ ساتھ چاروں میں سے کوئی ایک جملہ بھی ایک عظیم الشان نکتہ سے خالی نہیں۔

نکتہ عظیمہ:

اول جملہ میں حذف اور مطلوب کی طرف لطیف انداز سے اشارہ ہے۔ جبکہ دوسرے جملہ کے معرفہ میں قابل دید عظمت ہے۔ اور تیسرے جملہ میں ریب کے لفظ کو ظرف پر مقدم کیا گیا ٹھاٹھ ہے (پیچھے ذکر ہوا) اور چوتھے جملہ میں حذف ہے۔ اور ھدًی مصدر کو اسم فاعل کے مقام پر لایا گیا۔ گویا ہادی بنفس نفیس ہدایت ہے۔ پھر اس کو نکرہ لائے۔ اس میں یہ بتلا دیا کہ یہ ایسی ہدایت ہے جس کی حقیقت کو پہنچا نہیں جا سکتا۔ اور متقین کا تذکرہ مختصر انداز میں کر لیا جیسے پہلے گزرا۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ کی تفسیر:

الذین۔ **نحو**: نمبر ۱: یہ محلاً مرفوع ہے۔

نمبر ۲: صفت کی صورت میں محل نصب میں ہے یعنی ھُمُ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ۔ وہی جو ایمان رکھتے ہیں یا میری مراد الذین یومنون وہ ایمان والے ہیں۔

نمبر ۳: اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ مبتداء اور اس کی خبر اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى۔

نمبر ۴: یہ مجرور ہے اس طرح کہ متقین کی صفت ہے۔ یہ صفت متقین کی صفت کو کھولنے اور واضح کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ زید الفقیه المحقق۔ کیونکہ یہ اس چیز پر مشتمل ہے جس پر نیکیوں کی جڑ ہے۔ اور وہ نماز اور صدقہ ہے یہ دونوں بنیادی عبادات مالیہ اور بدنیہ کی جزء ہیں۔ (الصلوۃ عماد الدین) نماز کو دین کا ستون قرار دیا۔ (اور دوسری روایت

میں) کفرواسلام کے درمیان فاصل نماز کا چھوڑ دینا قرار دیا گیا۔ اورزکوٰۃ کواسلام کا پل فرمایا۔ (الزکوۃ قنطرۃ الاسلام) گویا ان کا مقام ومرتبہ ایسا ہے کہ تمام عبادات ان کے تابع ہیں۔ اسی لیے تو کلام کومختصر فرمایا اور طاعات کے تذکرہ میں فقط عنوان پر اکتفا کیا اور اسکے ساتھ ساتھ ان دونوں عبادتوں کی فضیلت کوکھول دیا۔

نمبر۵: یا یہ صفت ہے جومتقین کے ساتھ لائی گئی جومزید فائدہ کے لیے لائی گئی ہے مثلاً زید الفقیہ المتکلم الطبیب ۔ اس صورت میں متقین سے مراد وہ لوگ ہونگے جو برائیوں سے گریزاں ہیں۔

یُؤْمِنُوْنَ : (تصدیق کرتے ہیں)

نحو : یہ امن مصدر سے باب افعال ہے۔ اور محاورہ ہے۔ امنت ''یعنی اس کی تصدیق کی اس کی حقیقت تکذیب ومخالفت سے امن میں ہونا ہے۔ باء سے یہ متعدی ہے۔ اس لیے کہ یہ اقرار واعتراف کے معنی کو اپنے اندر شامل کرنے والا ہے۔

بِالْغَیْبِ : (جوان سے پوشیدہ ہیں) ان چیزوں میں سے جن کی خبران کو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دی۔

نمبر۱: مثلاً بعث ونشر اور حساب وغیرہ کے معاملات (جوکہ غائب کے مفہوم میں ہیں) پس مصدر بمعنی اسم فاعل (غائب) لائے۔ جیسا کہتے ہیں۔ غاب الشیء غیبا۔ یہ اس صورت میں ہے جب تم اس کو یؤمنون کا صلہ بناؤ۔

نمبر۲: اور اگر تم اس کو حال قرار دو۔ تو پھر یہ پوشیدگی اور خفاء کے معنی میں ہوگا۔ یعنی وہ ایمان لاتے ہیں۔ اس حال میں کہ جس چیز پر ایمان لانا ہے۔ وہ ان سے غائب ہے۔ (مثلاً رسول اللہ وبعث وحشر کو دیکھا نہیں مگر ایمان لاتے ہیں) حقیقی طور پر یہ عبارت اس طرح ہے۔ متلبسین بالغیب یعنی غیب سے تلبس حاصل کرنے والے ہیں۔

صحیح ایمان یہ ہے کہ زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق کرے۔ عمل (حقیقت) ایمان میں داخل نہیں (البتہ ایمان کی علامت وثمرہ ضرور ہے)

اقامت کا مطلب:

وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ : (یعنی اس کوادا کرتے ہیں)

نمبر۱: ادائیگی کو اقامت سے تعبیر کیا۔ حالانکہ قیام تو اس کا ایک رکن ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسا کہ نماز کو قنوت سے تعبیر کیا۔ اور قنوت قیام ہی کو کہتے ہیں۔ رکوع اور سجود اور تسبیح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں نماز میں پائی جاتی ہیں۔

نمبر۲: یا اقامت صلوۃ سے مراد تعدیل ارکان ہے۔ یہ ''اقام العود'' سے ہے جب لکڑی کو سیدھا کردیں۔

نمبر۳: یا نماز پر مداومت اور محافظت مراد ہے۔ پھر یہ ''قامت السوق'' سے بنا ہے۔ جب بازار پررونق ہوجائے۔ کیونکہ جب کسی چیز کی حفاظت کی جاتی ہے تو پھر وہ چالو مال کی طرح بن جاتی ہے۔ جس کی طرف رغبتیں متوجہ ہوتی ہیں۔ اور جب کسی چیز کو ضائع کیا جائے تو وہ اس کھوٹی اور نکمی چیز کی طرح ہے جس کی طرف طبیعت کی رغبت نہیں ہوتی۔

معنی صلوٰۃ:

اَلصَّلٰوۃَ۔ نحو : الصلوٰۃ کا لفظ فعلۃ کے وزن پر صلّی سے بنا ہے جیسا کہ الزکوٰۃ کا لفظ زکی سے۔ اور واؤ کیساتھ اس

کی کتابت بطور تفخیم کے ہے۔صلّی کا حقیقی معنی چوتڑوں کوحرکت دینا ہے۔کیونکہ نمازی رکوع وسجود میں ان کوحرکت دیتا ہے۔داعی (دعوت دینے والا) کوبھی مصل (بلانے والا) کہا جاتا ہے رکوع وسجدہ کرنے والے کے ساتھ خشوع میں مشابہت کی وجہ سے اس کو۔''مصل'' کہاجاتا ہے۔

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ : (جوہم نے ان کودے رکھا ہے) یہاں ما بمعنی الذی ہے۔

انفاق سے مراد:

يُنْفِقُوْنَ : (وہ اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں) صدقہ کرتے ہیں۔من تبعیضیہ داخل کرکے ممنوع فضول خرچی سے محفوظ کر دیا۔مفعول کو اس کی اہمیت پر دلالت کرنے کیلئے مقدم کیا۔

نمبر۱: مراد یہاں زکوٰۃ ہے، کیونکہ یہ اس صدقہ سے ملی ہوئی ہے جو کہ زکوٰۃ کی ہمدم ہے۔

نمبر۲: یا۔زکوٰۃ سے مراد زکاۃ اور اسی طرح کے خرچہ جات ہوں جو بھلائی کے راستہ میں کئے ہیں کیونکہ یہاں زکوٰۃ کا لفظ بلا کسی قید کے آیا ہے۔اور انفق الشیء اور انفدہ یہ دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں جیسا کہ نفق الشیء اور نفد ۔ چیز کا خرچ ہونا ختم ہونا کے معنی میں آتے ہیں۔

قاعدہ:

ہر وہ لفظ جس کا فاءکلمہ نون ہو اور عین کلمہ فاءہو وہ نکلنے اور چلے جانے کے معنی میں آتا ہے۔

نکتہ:

اس آیت سے بطور دلالت یہ بات ثابت ہوگئی۔کہ اعمال ایمان کا حصہ نہیں وہ اس لیے کہ یہاں صلوٰۃ وزکوٰۃ کو ایمان پر عطف کرکے ذکر کیا گیا۔اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ج

اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے

وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ④ ط

اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ : اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے۔ جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے احباب اور ان جیسے دوسرے لوگ جو ہر اس وحی پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی ایمان لائے۔ اور آخرت پر ایسے یقین کا اظہار کیا جس سے یہ بات زائل ہوگئی کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا۔ اور ان کو دوزخ کی آگ چند گنتی کے دنوں کے علاوہ نہیں چھوئے گی۔ نمبرا: پھر اگر تم اس کا عطف الذین یؤمنون بالغیب پر کرو تو یہ من جملہ متقین میں داخل ہو جائیں گے۔
نمبر۲: اور اگر اس کا عطف متقین پر کرو تو پھر داخل نہ ہونگے۔ پس کلام اس طرح بنے گا۔

هدی للمتقین وهدی للذین یومنون بما انزل الیك

نمبر۳: یا اس سے پہلے لوگوں کی صفت کرنا مقصود ہے۔ اور درمیان میں عاطف کو اسی طرح لایا گیا۔ جیسا کہ صفت کے درمیان لاتے ہیں۔ جیسا اس محاورہ میں۔

هو الشجاع والجواد وہ بہادر اور سخی ہے۔

اور شاعر کا قول:

الی الملك القرم وابن الهمام ☆ لیث الکتیبة فی المزدحم

میں اس بادشاہ کی طرف جو توڑنے والا اور تلوار کے نیچے پلنے والا۔ لڑائی کے میدان میں لشکر کے دستے کا شیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمام ان صفات کے جامع ہیں۔

تذکرہ قرآن کریم و کتب سابقہ:

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ : یعنی قرآن مراد اس سے مکمل قرآن ہے۔ فقط وہ مقدار مراد نہیں جو ان کے ایمان لانے تک اتاری جا چکی تھی کیونکہ ایمان تو سارے قرآن پر لانا ضروری ہے۔

سوال: یہاں انزل کو لفظ ماضی سے تعبیر کیا اگرچہ ابھی بعض کے نزول کا انتظار ہے۔

جواب: موجود کو غیر موجود پر تغلیب دے کر ذکر کر دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب بعض نازل شدہ اور بعض کے نزول کا ابھی انتظار ہے تو تمام کو گویا نازل شدہ شمار کر لیا گیا۔ (کیونکہ اس کا اتارا جانا یقینی تھا)

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

یہ لوگ بڑی ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ : یعنی انبیاء علیہم السلام پر اتاری جانے والی تمام کتابیں

وَبِالْاٰخِرَةِ نحو : یہ آخر کی مؤنث ہے جو کہ الاوّل کی ضد ہے۔ یہ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے اور وہ لفظ دار ہے اس کی دلیل قصص آیت نمبر ۸۳ تلك الدار الآخرة ہے اور یہ صفت غالبہ ہے۔ اسی طرح دنیا کا لفظ بھی (کہ اس کا موصوف محذوف ہے اور یہ صفت غالبہ ہے کیونکہ قریب تر ہے)

قراءت:

حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمزہ کو حذف کر کے اس میں تخفیف کر دی۔ اور اس کی حرکت لام کو دے دی۔

هُمْ يُوْقِنُوْنَ : ایقان اصل میں شک وشبہ دور ہو کر کسی چیز کے متعلق پختہ علم ہو جانے کو کہتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى۔ (یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے راستے پر ہیں) نحو : اگر اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کو مبتدا بنائیں تو جملہ محل رفع میں واقع ہے اور اگر اس کو مبتدا نہ بنائیں تو پھر اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ (اسم اشارہ کو صفات کے بعد لانا گویا موصوف کا صفات سمیت اعادہ ہے)

نمبر۲: یہ بھی جائز ہے کہ پہلا موصول متقین پر جاری ہو اور دوسرا موصول ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہو۔ اور اولئك اس کی خبر ہو۔

تفسیر : ہدایت وفلاح کے ساتھ ان کو خاص کرنے کی وجہ اہل کتاب پر تعریض کرنا ہے۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ ہدایت پر ہونے کے دعویدار تھے۔ اور یہ طمع رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فلاح پانے والے ہیں۔

علیٰ کی حکمت:

عَلٰى هُدًى : میں استعلاء کا مفہوم ایک تمثیل ہے جو ہدایت پر ان کے پورے قابو کو ظاہر کرنے اور اس پر پختگی سے قائم رہنے کو ظاہر کرتا ہے اور ہدایت کو اس طرح انہوں نے تھام رکھا ہے کہ کوئی آدمی کسی چیز پر غالب اور سوار ہو۔ اس کی مثال هو على الحق وعلى الباطل ہے اور اہل عرب نے اپنے اس قول میں اس استعلاء کی وضاحت کر دی ہے۔ جعل الغواية مركبا (اس نے گمراہی کو سواری بنایا) امتطى الجهل (اس نے جہالت کو سواری بنایا) اقتعد غارب الهوى (وہ خواہشات کی کوہان پر بیٹھا)۔

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ : (یعنی ان کو ہدایت ان کے رب کی طرف سے ملی ہے) ھدی کا لفظ نکرہ لائے۔ تا کہ اس سے یہ فائدہ حاصل ہو کہ ان کو ہدایت کی ایسی قسم حاصل ہے کہ جس کی حقیقت کو پہنچا نہیں جا سکتا۔

مقدر سوال کا جواب:

گویا کلام اس طرح تھا۔کہ وہ کونسی ہدایت پر ہیں۔تو جواب دیا گیا۔هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ کہ وہ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں)
اس کی مثال ہے لقد وقعت علی لحمٍ۔یعنی عظیم گوشت پر واقع ہوا۔
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ : (یہی لوگ آخرت کے گھر میں من مانی مراد پائیں گے)اور جس سے وہ خوف زدہ ہیں اس سے وہ نجات پانے والے ہیں۔

فلاح کیا ہے؟

فلاح : تمنا کو پالینا المفلح تمنا کو پانے میں کامیاب۔گویا کہ وہ ایسا شخص ہے جس کے لیے کامیابی کے راستے کھل گئے ہیں۔یہ مرکب خود شق اور فتح کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔اسی طرح وہ الفاظ جن کا فاء اور عین کلمہ اسی طرح ہو مثلاً۔فلق ،فلذ ، فل (پھٹنا، ٹکڑا، کند) ان میں پھٹنے کا مفہوم موجود ہوتا ہے۔

سوال : یہاں عطف کے ساتھ لایا گیا مگر دوسری آیت نمبر ۱۷۹ سورۂ اعراف میں اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۔میں بغیر عطف ذکر کیا۔دونوں جملے مفہوم کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

جواب : خبروں کا مختلف ہونا خود عطف کا مقتضی ہے اور اعراف والی آیت میں غفلت اور بہائم سے مشابہت ایک چیز ہے۔پس دوسرا جملہ گویا پہلے کی تقریر و پختگی کے لیے لایا گیا ہے اور اگر عطف لایا جاتا تو یہ مقصد پورا نہ ہوسکتا۔

هُمْ : یہ فصل کے لیے لائے۔اس کا فائدہ یہ ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بعد خبر ہے۔صفت نہیں۔
نمبر۲: ہم تاکید ہے اور اس بات کو لازم کر رہی ہے کہ مسند کا فائدہ مسند الیہ کے لیے ثابت ہے کسی دوسرے کے لیے نہیں۔
نمبر۳: یہ مبتدا ہے اور المفلحون اس کی خبر ہے۔

نکتہ: غور کریں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے متقین کا ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہونا بار بار ظاہر کیا۔جس کو مختلف راستوں والے نہیں پاسکتے۔

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اسم اشارہ لائے۔اور اسم اشارہ دوبار لایا گیا۔اس میں متنبہ کر دیا کہ جس طرح انہوں نے ہدایت کو ترجیح دی ہے۔اسی طرح وہ ہدایت انکی فلاح کی ضامن ہے۔المفلحون کو معرفہ لاکر یہ بتلایا کہ متقین وہی لوگ ہیں،جن کے متعلق تمہیں اطلاع ملی ہے کہ وہ آخرت میں کامیاب ہونگے۔اس کی مثال اسی طرح ہے کہ تمہیں اطلاع ملے کہ تیرے شہر کے کسی انسان نے توبہ کی۔تو تم سے کسی نے پوچھا وہ توبہ کرنے والا کون ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا۔کہ وہ زید تائب ہے یعنی وہ وہی ہے جس کی توبہ کی تم کو خبر دی گئی ہے۔درمیان میں فاصلہ کیا تاکہ تم پر ان کے مراتب ظاہر کر دیئے جائیں۔اور تمہیں اس چیز کی طلب کے لیے رغبت دلائی جائے جس چیز کی طرف انہوں نے رغبت کی۔اور جس کی طرف انہوں نے قدم اٹھایا۔تاکہ تو بھی پورے نشاط سے اس کی طرف قدم بڑھائے۔اے اللہ لباس تقویٰ سے زینت عنایت فرما۔اور ان لوگوں کے گروہ میں ہمارا حشر فرما جن کے تذکرہ سے تو نے سورۂ بقرہ شروع فرمائی۔آمین

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے۔ برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ

اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر، اور ان کے سننے کی قوت پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، اوران کے لئے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾

بڑا عذاب ہے۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندوں کا اپنے قرب والی صفات کے ساتھ تذکرہ فرمایا اور واضح کر دیا کہ کتاب مقدس ان کے لیے ہادی ہے تو اس کے پیچھے ان کے ضد ومخالف لوگوں کو ذکر کیا۔ اور وہ انتہائی سرکش ونافرمان لوگ جن کے متعلق ہدایت فائدہ مند نہیں۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کفر سخت انکار سے حق کو چھپانا۔ کفر کے حروف کی ترکیب چھپانے پر دلالت کرتی ہے اسی لیے کسان پر کافر کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اسی طرح رات پر۔

عدم عطف کی وجہ:

سوال: یہاں حرف عطف نہیں لائے جیسا کہ سورۃ انفطار آیت ۱۳،۱۴ (اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ) میں عطف کے ساتھ ذکر کیا۔

جواب: ان دونوں آیات میں پہلا جملہ اعمال نامے کے تذکرہ کی وضاحت کے لیے لایا گیا۔ المؤمنین کی خبر نہیں ہے۔ اور دوسرا جملہ کفار کے اعمال نامے کی وضاحت کے لیے آیا ہے پس دونوں جملوں کی مراد میں تفاوت پایا جاتا ہے اور یہ ایسی حد بندی ہے کہ اس میں عطف کی کوئی مجال نہیں۔

نمبر۲: مقدر مان کر اس کو مبتداء بنائیں تو پھر مراد کفار سے وہ معینہ لوگ ہونگے۔ جن کا ایمان نہ لانا اللہ کے علم میں ہے۔ مثلاً ابو جہل، ابولہب وغیرہ۔ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ۔ کوفی قراء کے ہاں دوہمزہ کے ساتھ ہے سواء بمعنی استواء ہے اس سے صفت اسی طرح لائی جاتی ہے۔ جس طرح مصادر سے لائی جاتی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ارشاد سورۃ آل عمران آیت نمبر ٦٤ میں ہے۔ ''الی کلمةٍ سواءٍ'' ای مستویة (برابر) یہ خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے کیونکہ۔ ''أأنذرتهم'' اس کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے گویا اس طرح کہا گیا۔ ان الذين كفروا مستو عليهم انذارك وعدمه۔ بے شک کافروں پر آپ کا ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے۔

نمبر۲: **نحو**: سواء خبر مقدم ہے اور أأ نذر تهم ام لم تنذرهم۔ محل ابتدا میں ہے۔ یعنی سواء عليهم انذارك وعدمه اور یہ تمام اِنَّ کی خبر ہے

قاعدہ:

فعل کومبتدا بنانا درست ہے باوجود اس بات کے کہ فعل ہمیشہ خبر بنتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کلام کی جنس میں سے ہے۔ جس میں معنی کا لحاظ کرتے ہوئے لفظ کا لحاظ چھوڑا گیا ہے۔ (یعنی مصدر کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبتدا بن گیا، مجازًا) ہمزہ اور اَمْ دونوں معنی استواء کو خالص کررہے ہیں، اور استفہام کے معنی سے بالکل خالی ہیں۔

سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

اس حرف استفہام کو اسی طرح لایا گیا ہے (یعنی تاکید وتقریر کے لیے) جیسا کہ اس قول میں حرف نداء لایا گیا۔ اللّٰھم اغفرلنا ایتھا العصابة۔ یعنی یہ صورت میں استفہام ہے مگر حقیقت میں استفہام نہیں۔ جیسا کہ صورت میں تو نداء ہے مگر واقعہ میں نداء نہیں۔

الانذار: گناہوں پر ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ اللہ کے عذاب سے ڈرانا۔

لَا یُؤْمِنُوْنَ: نحو: نمبر ۱: یہ جملہ ماقبل جملے کی تاکید ہے۔

نمبر ۲: ان کی خبر ہے۔ اور اس سے قبل جملہ معترضہ ہے یا دوسری خبر ہے۔

حکمت اور انذار:

کفار کے اصرار کا علم ہونے کے باوجود انذار میں حکمت یہ ہے کہ ان پر حجت قائم ہو جائے اور رسالت کا پیغام عام ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب ملے۔

تفسیر ختم:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ: (ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے) زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ الختم۔ ڈھانپنے کو کہتے ہیں کیونکہ کسی چیز پر پختگی طلب کرنے کے لیے مہر لگا کر اس چیز کو ڈھانپا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی کسی کو اطلاع نہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں پر مہر لگا کر ان کو اس طرح کا بنا دیا کہ ان میں جو کفر گھسا ہوا ہے۔ وہ نکل نہیں سکتا۔ اور جو ایمان ان میں نہیں ہے وہ ان میں داخل نہیں ہو سکتا۔

ختم و طبع کا نتیجہ:

مہر کا مقصد اہل حق کے نزدیک دل میں ظلمت اور تنگی کا پیدا کرنا ہے جب تک وہ ظلمت اس کے دل میں رہتی ہے۔ وہ ایمان نہیں لاتا۔

معتزلہ کا مذہب:

دِلوں کے متعلق فرشتوں کو اطلاع دینا ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ کفار ہیں، تاکہ وہ ان کے لیے خیر کی دعا نہ کریں،

بلکہ ان پر لعنت بھیجیں۔بعض نے کہا۔کہ خَتَمَ کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔اور خاتم حقیقت میں کافر ہے۔مگر اللہ تعالیٰ نے جب اس کو قدرت اور اختیار دیا۔تو اس کی طرف خَتَمَ کا اسناد جس طرح فعل کی نسبت کی طرف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔''بنی الامیرا لمدینة'' امیر نے شہر بنایا۔کیونکہ فعل کی کئی ملابسات ہیں۔

نمبر ۱: فاعل سے ملابست،مفعول بہ سے،مصدر،مکان،زمان اور مسبب لہ سے ملابست بس فعل کی نسبت فاعل کی طرف تو حقیقی ہے اور دوسروں کی طرف مجازی ہے۔کیونکہ فعل کے ساتھ فاعل کی ملابست میں مشابہت رکھتے ہیں،جیسا کہ آدمی شیر کے ساتھ جرأت میں مشابہت رکھتا ہے پس بطور استعارہ اس کو شیر کہہ دیتے ہیں یہ مسئلہ خلق افعال کی فرع ہے۔

سمع کی مراد:

وَعَلٰی سَمْعِهِمْ : (اور ان کے کانوں پر) نحو : سمع کو واحد لایا گیا۔جس طرح عرب کے ہاں اس قول میں بطن واحد ہے۔ کلوا فی بعض بطنکم تعفوا: کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں۔سمع کا لفظ اصل کے لحاظ سے مصدر ہے کہا جاتا ہے کہ سمعت الشیء سمعا و سماعًا۔مصدر کی جمع نہیں آتی۔کیونکہ وہ اسم جنس ہوتا ہے۔تو قلیل وکثیر سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اس میں تثنیہ جمع کی محتاجی نہیں پس اصل کی جھلک رہتی ہے۔

نمبر۲: یہ بھی کہا گیا کہ اس کا مضاف محذوف ہے۔یعنی ان کے سننے کے مقامات پر۔

قراءت: ایک قراءت وَعَلٰی اَسْمَاعِهِمْ ہے۔

وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ : (اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے) نحو : رفع کے ساتھ خبر اور مبتدا ہے۔

البصر : آنکھ کی روشنی۔وہ چیز جس سے دیکھنے والا دیکھتا ہے جس طرح کہ بصیرت نور قلب کو کہتے ہیں اور وہ چیز ہے جس سے غور وفکر کی جاتی ہے۔الغشاوہ۔ڈھکنا،یہ غشاہ یعنی اس کو غشی کے لفظ کی ترتیب کسی چیز پر مشتمل ہونے کیلئے آتی ہے جیسے العصابة (پٹی) العمامہ (پگڑی) القلادہ (ہار) اسماع بھی مہر کے معنی میں داخل ہے۔تغشیہ (ڈھانپنے کے حکم میں داخل نہیں ہے اسکی دلیل سورۃ جاثیہ آیت نمبر ۲۳۔وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ہے۔کہ سمع پر ختم کا لفظ لایا گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سمعهم پر وقف ہے قلوبهم پر نہیں۔جعل کو مضمر مان کر صرف غشاوہ اکیلے ہی کو نصب دیا ہے۔ علی سمعهم میں جار کو دوبارہ لائے۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں جگہوں پر مضبوط مہر ہے۔

شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

شیخ ابو منصورؒ نے کہا،جب کافر نے حق کی بات نہیں سنی۔اور اپنی طرف اور دیگر مخلوق کی طرف بھی نگاہ نہیں ڈالی کہ اس مخلوق کے حادث ہونے کے آثار کو دیکھ کر وہ معلوم کر لیتا۔کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح قرار دیا۔گویا اس کی آنکھوں اور کانوں پر پردہ پڑا ہے۔اگرچہ حقیقت میں ایسا نہ ہو۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسماع ان کے ہاں تغشیہ کے حکم میں داخل ہے۔آیت ہمارے حق میں اور معتزلہ کے خلاف حجت ہے کہ اللہ تعالیٰ اصلح کو بندوں کے لیے اختیار فرمانے والے ہیں۔پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ میں نے انکے دلوں پر مہر لگا دی۔اور اس میں شک نہیں کہ مہر کا چھوڑنا ان کے لیے زیادہ اصلح ہو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۟ ⑨

وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو۔ اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ : (اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہونے والا ہے) عذاب کا لفظ نکال کی طرح ہے بناوٹ و معنی ہر دولحاظ سے کیونکہ تم کہو گے۔ اعذب عن الشیٔ یعنی جب وہ کسی چیز سے رک جائے جیسا کہتے ہیں نکل عنه وہ اس سے باز آیا۔

عظیم وکبیر کا فرق:

یہ ہے کہ عظیم حقیر کے بالمقابل آتا ہے۔ کبیر صغیر کے مقابل آتا ہے گویا عظیم کبیر سے بڑھ کر ہے جیسا حقیر صغیر سے کمتر ہے۔ یہ دونوں اجسام واحداث کے بارے میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً کہو گے رجل عظیم وکبیر۔ مراد یہ ہوگی کہ اس کا جسم بڑا ہے یا رعب بڑا ہے۔

نکرہ لانے کی وجہ:

غشاوۃ کو نکرہ لائے کہ ان کی آنکھوں پر ایک قسم کا پردہ ہے یہ وہ پردہ نہیں جس کو لوگ پردہ کہتے ہیں اور ان کے لیے بڑے دکھوں میں سے ایک بڑی قسم سے عذاب دیا جائے گا۔ جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

تذکرۂ منافقین:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ : (اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لائے)۔

ربط : اللہ تعالیٰ نے سورت کو شروع فرمایا۔ ان لوگوں کے تذکرہ سے جو دین میں اخلاص اختیار کرنے والے ہیں۔ اور ان کی زبانیں اور دل حق کی موافقت کرنے والے ہیں پھر دوسرے نمبر پر ان لوگوں کا ذکر کیا جو دل وزبان سے کافر ہیں تیسرے نمبر پر منافقین کا ذکر کیا جو مُنہ سے ایمان لائے مگر دل ان کے مؤمن نہیں۔ یہ کفار کی خبیث ترین قسم ہے کیونکہ انہوں نے ایمان کے ساتھ کفر کو تمنا واستہزاء کی بناء پر ملالیا۔ اس لیے ان کے بارے میں سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۴۵: ان المنفقين فی الدرك الاسفل من النار۔ اتری۔

قول مجاہد:

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں سورۃ بقرہ کی شروع کی چار آیات میں ایمان والوں کی تعریف اور دو آیات میں کفار کا تذکرہ اور تیرہ

آیات میں منافقین کا تذکرہ ہے ان میں ان کے مکر خبائث۔ حماقت بتلائی اوران کی جہالت کا پردہ چاک کیا اور مثال کے طور پر ان کی مجنونانہ حرکات ظاہر کیں اوران کی سرکشی اور اندھے پن پر مہر لگا دی اوران کو بہرہ گونگا اندھا قرار دیا اوران کیلئے بدترین مثالیں بیان فرمائیں منافقین کے واقعہ کو اول سے آخر تک کفروا کے واقعہ پر عطف فرمایا۔ جیسا کہ جملہ کا عطف جملہ پر ہوتا ہے۔

الناس کا اصل اُناس ہے ہمزہ کو بطور تخفیف کے حذف کرلیا۔ اور ہمزہ کا حذف لام تعریف کی صورت میں لازم کی طرح ہے۔ کیونکہ الا ناس۔ نہیں بولا جاسکتا اوراس کا اصل انسان ''واناسی ،انس'' اس پر استشھاد کے لیے کافی ہے۔

انسان کی وجہ تسمیہ:

انسان کوانسان کہنے کی وجہ ان کا ظاہر ہونا اوراس لیے بھی کہ ایک دوسرے سے مانوس ہوتے ہیں۔ یعنی دیکھتے ہیں۔

جبکہ جن کو جن ان کے چھپنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ ناسٌ کا وزن فعال ہے، کیونکہ وزن کی بنیاد اصل پر ہوتی ہے یہ اسم جمع ہے لام تعریف اس میں جنس کے لیے آیا ہے۔ مَنْ موصوفہ ہے یَقُوْلُ۔ اس کی صفت ہے گویا عبارت اس طرح ہے ناس یقولون کذا (لوگوں میں سے بعض لوگ اس طرح کہتے ہیں)

وجہ ذکر ایمان باللہ والیوم الآخرۃ:

یہاں ایمان باللہ اور یوم آخرت کوانہوں نے خاص طور پر ذکر کیا۔ حالانکہ وہ ایسا وقت ہے جوآ کر رہے گا۔ اور وہ ایسا ہمیشہ ہے جس میں انقطاع نہیں اس کو یوم آخرت اس لیے فرمایا کیونکہ وہ ختم ہونے والے اوقات سے پیچھے آنے والا ہے۔

نمبر۲: نشر کے اس محدود وقت کے بعد ہے۔ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ کیونکہ منافقین کو وہم پیدا ہوا کہ انہوں نے ایمان کی دونوں جانبین اول وآخر کا احاطہ کرلیا، اور یہ اس لئے کہ مسائل اعتقادیہ کا مرجع مبدأ ہے اور مبدأ کی حقیقت صانع کا علم اوراس کی صفات واسماء کا معلوم کرنا ہے اور معاد کے اٹھائے جانے کا علم، قبور سے اٹھانا، پل صراط، میزان اور آخرت کے دیگر تمام احوال ہیں۔ باء کی وجہ: باء کو دوبارہ لا کر اشارہ کر دیا انہوں نے دونوں پر اپنے ایمان کے صحیح اور مستحکم ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ اس ارشاد الٰہی کے مطابق ہے۔ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ، (حالانکہ وہ مؤمن نہیں) گویا باء کو لاکر ان کے دعویٰ کی مکمل تردید کردی)

نحو :وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ میں فاعل کی حالت کو ذکر کیا نہ کہ فعل کی اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ میں فعل کی حالت کو ذکر کیا نہ کہ فاعل کی۔ کیونکہ مقصود ان کے دعوے کا انکار ہے اور انتہائی بلیغ ومؤکد انداز سے اس کی نفی ہے کہ ان کا گروہ مؤمنوں کی جماعت سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد المائدہ آیت نمبر:۳۷ یریدون ان یخرجوا من النار وما هم بخارجین منها۔ میں اس طرح ہے۔ اور یہ انداز کلام۔ ''مایخرجون منها'' کہنے کی نسبت زیادہ بلیغ ہے۔

ایک نکتہ:

ایمان کو دوسری آیت میں مطلقاً ذکر کیا۔ جبکہ پہلی میں مقید۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں احتمال ہیں۔

نمبر ا: تقیید مراد لیں اوراس پر دلالت آنے کی وجہ سے تقیید کو چھوڑ دیں۔
نمبر۲: یہ بھی احتمال ہے کہ اصل ایمان کی نفی مراد لیں اوراس کے ضمن میں وہ نفی آ جائے جو پہلے مذکور ہوئی ہے۔

ردِ کرامیہ:

آیت میں فرقہ کرامیہ (کے باطل عقیدہ) کی تردید ہے کہ ایمان صرف زبانی اقرار کو کہتے ہیں کیونکہ آیت میں منافقین کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ حالانکہ اقرار تو ان کا موجود تھا۔ یہ آیت اہل سنت کے قول کی تائید کرتی ہے۔ کہ ایمان اقرار زبانی اور تصدیق جنانی کا نام ہے۔ ماجو نفی کی تاکید کے لئے لایا گیا اس کی خبر پر باء داخل ہے تاکہ سامع جب اول کلام سے غافل ہو تو شدت انکار پر اسی سے استدلال کر سکے۔

مَنْ۔ لفظاً واحد ہے اسی لئے یقول کا فعل واحد لائے اور معنی کا لحاظ کر کے لائے۔

تفسیر یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ:

(اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دھوکے کا معاملہ کرتے ہیں)

نمبر ا: یعنی رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دیتے ہیں اس مضاف کو اسی طرح حذف کر دیا جیسا فرمان خداوندی سورۂ یوسف آیت نمبر ۸۷ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (اے اہل قریہ) ابو علی وغیرہ نے اسی طرح کہا۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسی چیز ظاہر کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

مخادعت کا معنی:

الخداع: نفس کے اندر جو کچھ ہو اس کے الٹ ظاہر کرنا۔

نکتہ نمبر ا: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے مرتبہ کو معظم و بلند کیا۔ کہ آپ کے دھوکہ دیئے جانے کو اپنا خداع قرار دیا جیسا کہ سورۂ فتح آیت نمبر ۱۰۔ "میں اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ" حضور ﷺ کے دست اقدس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا۔

نمبر۲: یہ بھی کہا گیا وہ اپنے زعم کے مطابق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی ذات ان میں سے ہے۔ جن کو دھوکہ دینا صحیح ہے یہ تمثیل اکثر دو سے زیادہ کے لیے استعمال ہوتی ہے مثلاً تم کہو گے۔ عاقبت اللص۔ میں نے چور کو سزا دی۔ یہ یخدعون بھی پڑھا گیا ہے۔

نحوی تحقیق:

نحو: نمبر ا: یہ یقول کا بیان ہے۔ نمبر ۲ یا جملہ مستانفہ ہے۔ گویا کہا گیا کہ وہ جھوٹے ایمان کا کیوں دعویٰ کرتے ہیں اس میں

ان کا کیا فائدہ ہے۔

جواباً کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کرتے ہیں اور اس میں ان کی منفعت یہ ہے۔ کہ کفار کی طرح ان سے لڑائی نہیں کی جاتی۔ اور مؤمنین کے احکامات ان پر لاگو ہیں۔ اور وہ غنائم سے حصہ پاتے ہیں۔ وغیرہ

صاحب الوقوف کا قول:

صاحب الوقوف نامی کتاب کے مصنف نے کہا کہ ''مؤمنین'' پر وقف لازم ہے کیونکہ وصل کرنے میں تقدیر عبارت یہ بن جائے گی۔ وما هم بمؤمنين مخادِعين خداع کے وصف کی نفی ہو جائے گی جیسے کہ تم کہو۔ ماهو برجل کاذب وہ جھوٹا آدمی نہیں۔ حالانکہ یہاں تو مقصد ان کے ایمان کی نفی اور خداع کا ان کے لیے ثابت کرنا ہے۔

نمبر۲: جنہوں نے یخادعون کو یقول کی خبر سے حال قرار دیا اور یقول کو اس میں عامل قرار دیا تو ان کے مطابق تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ یقول امنا با للّٰہ مخادعین۔ وہ کہتے ہیں ہم تو اللہ پر ایمان لائے حالانکہ وہ دھوکہ دینے والے ہیں۔

نمبر۳: بمؤمنین: نحو: یہ یقول کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل اسم فاعل ہے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ وماهم بمؤمنين فی حال خداعهم : (وہ اپنے دھوکہ کی حالت میں مؤمن نہیں ہو سکتے) اس صورت میں مؤمنین پر وقف بھی نہ ہوگا۔ پہلی ترکیب۔ سب سے بہتر ہے۔

''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' (اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں) وہ رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین کو ایمان ظاہر کر کے اور کفر چھپا کر دھوکہ دیتے ہیں۔

وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ (حالانکہ وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو) وہ یہ دھوکہ بازوں کے ساتھ ملا جلا معاملہ اپنی جانوں کے ساتھ کرتے تھے۔ کیونکہ اس کا نقصان انہی کو پہنچے گا۔ اور ان کے دھوکے کا نچوڑ آخرت کا عذاب ہے جو ان کی طرف لوٹ آیا۔ پس گویا انہوں نے اپنے آپ کو دھوکہ دیا۔ ابوعمرو۔ نافع اور ابن کثیر مکی نے۔ مطابقت کے لیے۔ ''مایخادعون'' پڑھا ہے

مگر پہلے لوگوں کو عذر یہ ہے کہ خدع اور خادع۔ اس جگہ ایک معنی دیتے ہیں (اس لیے اسی طرح پڑھیں گے)۔

نفس کی مراد:

النفس: کسی چیز کی ذات وحقیقت کو کہتے ہیں۔ پھر یہ دل اور روح کے لیے بھی کہا جانے لگا۔ کیونکہ نفس کا قیام انہی دو پر ہے۔ اسی طرح خون کو بھی نفس کہتے ہیں۔ کیونکہ نفس کا قوام خون سے ہے۔ اور پانی کو بھی نفس کہتے ہیں۔ کیونکہ نفس کو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ''انفس'' سے یہاں مراد انکی ذاتیں ہیں۔ معنی یہ ہوگا۔ اپنی ذاتوں کو دھوکہ دینے کے سبب دھوکہ ان کو چمٹنے والا ہے۔ ان سے آگے تجاوز نہیں کرتا۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ⑩

ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے سو اللہ نے ان کا روگ بڑھا دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں۔کہ ہم تو صرف اصلاح ہی کرنے والے ہیں

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ⑫

خبردار بلا شبہ یہی لوگ مفسد ہیں لیکن نہیں سمجھتے ہیں۔

وَمَا یَشْعُرُوْنَ : (اور وہ محسوس نہیں کرتے)۔

نتیجہ:

ان کے دھوکہ کا نتیجہ دوسروں کی طرف سے ان کی طرف ہی لوٹنے والا ہے۔

معنی شعور:

الشعور : کسی چیز کا حس سے معلوم کرنا۔یہ شعار سے لیا گیا ہے۔شعار وہ کپڑا ہے جو جسم کے قریب ہوتا ہے (بنیان وغیرہ) مشاعر الانسان : انسانی حواس کو کہتے ہیں کیونکہ شعور کے آلات یہی ہیں۔اب معنی یہ ہوگا۔ان کو اس کا ضرر حسی چیز کی طرح پہنچ رہا ہے۔اور وہ اپنی طویل غفلت کی وجہ سے اس شخص کی طرح ہوگئے ہیں جس میں حس ہی نہ ہو۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ : (ان کے دلوں میں بیماری ہے) یعنی شک ونفاق،شک،دو معاملوں میں تردد کو کہتے ہیں۔اور منافق متردد ہوتا ہے۔

حدیث میں فرمایا:مثل المنافق کمثل الشاة العائرة بین الغنمین۔(احمد،مسلم،نسائی) منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو دونوں گلوں سے الگ ہو۔

مریض:

موت وزندگی کے درمیان متردد ہوتا ہے۔کیونکہ مرض صحت کی ضد ہے۔اور فساد صحت کے مقابل ہے۔اسی وجہ سے ہر بگاڑ کا نام مرض بن گیا۔شک اور نفاق یہ دل کے فساد ہیں۔

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا : (پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری بڑھادی) یعنی غلبہ سے کمزوری اور اقتدار سے عاجزی اور بڑھ گئی یہ بھی کہا گیا۔کہ اس سے مراد نفاق کا پیدا کرنا ہے جبکہ اس جیسا نفاق ان کے دلوں میں پہلے ہی تھا جیسا کہ زیادتی ایمان میں معلوم ہو چکا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ :(اوران کے لیے دردناک عذاب ہے)۔

نحویوں کا قول:

نحو :الیم فعیل کے وزن پر بمعنی مفعل ہے یعنی مولم (دردناک)

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ : (اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے) یعنی امنا بالله وباليوم الاخر کے قول میں جھوٹ کے سبب۔ مافعل کے ساتھ مل کر مصدر کا معنی دے رہا ہے۔ کسی چیز میں پائی جانے والی حقیقت کے خلاف اس چیز کے متعلق خبر دینا۔

دیگر قراء:

يُكَذِّبُوْنَ پڑھتے ہیں۔ یعنی ان چیزوں کی تکذیب کر کے جن کو آپ لے کر آئے ہیں۔ بعض نے کہا۔ یہ کذب میں مبالغہ کے لیے لایا گیا۔ شدید سے لائے، جیسا کہ صدق میں مبالغہ کے لیے کہتے ہیں۔ صدق۔ ان دونوں کی نظیر بان اور بین کا لفظ ہے۔
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ : (جب ان سے کہا گیا) اس کا عطف یقول امنّا پر ہے کیونکہ جب تم اس طرح کہو گے۔ کہ لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے۔ (لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ) (کہ زمین میں فساد مت مچاؤ) تو یہ تعبیر صحیح ہے۔

اصلاح وفساد:

الفساد : کسی چیز کا اس کی درست حالت اور فائدہ مند حالت سے نکل جانا اس کی ضد الصلاح ہے۔
الصلاح : صلاح کسی چیز کو اس کی درست ونفع بخش حالت میں پالینا۔
فساد فی الارض : سے مراد لڑائی اور فتنے کا بھڑکانا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے زمین میں جو چیزیں ہیں۔ ان کو بگاڑنا۔ اور لوگوں کے حالات اور کھیتوں اور منافع دینی ودنیوی کو میانہ روی سے ہٹانا ہے۔ منافقین کا زمین میں فساد یہ تھا۔ کہ وہ کفار کو مائل کرتے اور مسلمانوں کے راز کھول کر کفار کو مسلمانوں کے خلاف آمادہ بر شرارت کرتے اور ابھارتے۔ اور یہ امر فتنوں کے بھڑکانے کا باعث بنتا تھا۔
قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ : (وہ کہتے ہیں بے شک ہم اصلاح کرنے والے ہیں) ہم مؤمنوں اور کافروں میں حسن سلوک سے درستگی واصلاح کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اصلاح کی صفت خاص ہم میں پائی جاتی ہے اور ہمارے ساتھ مخصوص ہے اس میں ممانعت کا کوئی شائبہ اور فساد کی کوئی صورت ملی ہوئی نہیں ہے۔
فَائِدَہ :اِنّما کا کلمہ کسی چیز میں حکم کو بند کرنے کے لیے آتا ہے۔ یا کسی چیز کو حکم میں بند کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ انما ينطلق زيدٌ۔ بے شک زید جانے والا ہے اور کوئی نہیں بے شک زید ہی کاتب ہے اور کچھ نہیں۔ ما۔ کافہ ہے کیونکہ یہ ان کو عمل سے روک دیتا ہے۔
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ : (سنو یہی لوگ فسادی ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں) بے شک وہی فسادی ہیں۔ مفعول کے معلوم ہونے پر حذف کر دیا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ

اور جب کہاجاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بیوقوف ایمان لے آئے خبردار بلاشبہ یہی

السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ

بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔ اور جب یہ لوگ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب تنہائیوں میں اپنے شیطانوں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف مذاق بنانے والے ہیں

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ ان کا مذاق بناتا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو کر بھٹک رہے ہیں

نحو: الا۔ یہ ہمزہ استفہام اور حرف نفی سے مرکب ہے۔ تا کہ مابعد کے ثبوت پر تنبیہ ہو جائے۔

ایک قاعدہ:

استفہام جب نفی پر آ جائے۔ تو ثبوت کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سورۂ قیامہ آیت نمبر ۴۰ میں ہے اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ (یقیناً وہ قادر ہے) تحقیق کے اس مقام پر ہونے کی وجہ سے اس کے بعد آنے والا جملہ اسی انداز سے شروع ہوگا۔ جس سے قسم ملی ہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے مصلحین کی صف میں شامل ہونے کے دعویٰ کو بلیغ انداز سے رد کر دیا۔

نمبر ۱: سخت ناراضگی کے مقام پر رکھا۔

نمبر ۲: جملہ مستانفہ لا کر اس میں مبالغہ کر دیا۔

نمبر ۳: پھر تاکید کے لیے اَلَآ اور اِنَّ لائے۔

نمبر ۴: خبر معرفہ لائے۔

نمبر ۵: لا یشعرون اور اس کے درمیان میں ضمیر فصل لائے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ۔ (جب ان سے کہا جاتا ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے لوگ تو وہ کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے ایمان لائے بے وقوف) ان کو دو طریقوں سے نصیحت کی گئی۔ نمبر ۱۔ اس چیز کی قباحت بیان فرمائی۔ جس پر چل رہے تھے۔ کیونکہ وہ چیز صواب سے دور اور فساد سے قریب تھی۔

نمبر ۲: عقل مندوں کی اتباع سے جو رستہ رکاوٹ تھا۔ وہ ان کو واضح دکھا دیا۔ ان کا جواب یہی تھا کہ وہ اپنی طویل جہالت کی وجہ

سے ان کو بے وقوف قرار دیتے تھے۔

ایک عبرت:

اس میں اس عالم کے لیے تسلی ہے کہ جس کو جہلاء کی طرف سے اس قسم کی باتیں پہنچتی ہیں۔

ایک سوال:

سوال : قیل: کی اسناد لاتفسدوا اور امنوا دونوں کی طرف درست ہے باوجودیکہ فعل کی اسناد فعل کی طرف صحیح نہیں ہوتی۔

جواب : یہاں فعل کی فعل کی طرف اسناد ہے جو کہ جائز ہے۔اور فعل کی اسناد معنی فعل کی طرف ممنوع ہے گویا کہ اس طرح کہا گیا۔ جب ان کو یہ بات کہی گئی۔تو اسی سے یعنی دماغ پر جھوٹا گمان سوار کرلیا۔

کما: **نحو** : کما میں ما کافہ ہے جیسا کہ ربما میں ما مصدریہ ہے جیسا کہ: بِمَا رَحُبَتْ سورۃ التوبہ آیت نمبر ۲۵ میں۔

الناس۔نمبرا۔ الناس میں لام عہد خارجی کا ہے یعنی جس طرح ایمان لائے رسول اللہ اور جو ان کے ساتھ ہیں۔اور وہ معین لوگ ہیں۔عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھ والی جماعت یعنی جس طرح ایمان لائے تمہارے ساتھی اور بھائی

الف لام:

نمبر۲: (ا) لام جنس کا ہو یعنی جس طرح انسانیت میں کامل لوگ ایمان لائے۔

(ب): ایمان والوں کو گویا حقیقی انسان قرار دیا اور ان کے علاوہ لوگوں کو حیوان کہا۔

كَمَآ اٰمَنَ : میں کاف محل نصب میں ہے کیونکہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔یعنی (ایمانامثل ایمان الناس)۔یعنی ایسا ایمان جو لوگوں کے ایمان کی طرح ہو۔اور کما امن السفھاء بھی اسی طرح ہے۔انؤمن میں استفہام انکاری ہے (یعنی ہم ایمان نہیں لائے) السفھآء میں لام سے الناس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جن کو انہوں نے بے وقوف قرار دیا تھا۔حالانکہ وہ لوگ عقل منداور حلیم ہیں۔کیونکہ انہوں نے اپنے جہل سے یہ اعتقاد کرلیا کہ جس راستے پر وہ ہیں۔وہ برحق ہے اور اس کے علاوہ سب باطل ہے۔جو آدمی باطل پرست بن جائے تو بے وقوف ہے۔

السفہُ کم عقلی، بے حوصلہ ہونا

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ : (بے شک وہ وہی بے وقوف ہیں)

فرق کی وجہ:

یہاں لا یعلمون فرمایا۔اور پہلے لا یشعرون کہا گیا۔

نمبرا: کیونکہ یہاں السفہ کا ذکر کیا اور وہ جہالت کو کہتے ہیں۔پس اس کے ساتھ علم کا تذکرہ بہترین مطابقت رکھتا ہے

نمبر۲: ایمان میں غور وفکر اور دلیل کی ضرورت ہے تاکہ دیکھنے والا معرفت حاصل کرے۔باقی فساد فی الارض ایک ایسا معاملہ ہے جس کی بنیاد عادات پر ہے پس وہ حسی معاملے کی طرح بن گیا۔(اس لیے وہاں شعور حس کی نفی کی ہے)

نحوی تحقیق :

نحو : السفہاء یہ انّ کی خبر ہے۔ ھم ضمیر فصل ہے یا مبتدا ہے لہٰذا السفہاء اس کی خبر ہے۔ اور یہ مل کر ان کی خبر ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا : (جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے)

قراءت : ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اذا لاقوا پڑھا ہے۔ اہل عرب لقیتہ، لاقیتہ، دونوں بولتے ہیں۔ جبکہ قریب سے اس کا سامنا ہو۔

ربط : پہلی آیت میں منافقین کے طریقے اور ان کے نفاق کی ترجمانی کی۔ اور اس آیت میں ایمان والوں کے ساتھ جو ان کا سلوک تھا۔ یعنی استہزاء اور چھوں کے روپ میں ملنا۔ اور ان کو وہم دلا تا کہ وہ ان کے ساتھ ہیں۔ وغیرہ کا ذکر کیا گیا۔

وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ : (اور جب وہ تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں) خلوت بفلان و الیہ بولتے ہیں جب اس کے ساتھ علیحدگی اختیار کرے۔ اِلٰی کے صلہ سے استعمال زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ اس میں ابتدا وانتہا کی دلالت پائی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب ایمان والوں سے الگ ہو کر اپنے شیاطین کے ہاں علیحدگی میں جاتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ خلا۔ ''مضیٰ'' کے معنی میں ہو۔

شیاطین کون :

شیاطین : سے مراد وہ لوگ ہیں جو سرکشی میں شیاطین کے مماثل ہیں۔ اور وہ یہودی ہیں۔

سیبویہ کا قول :

نمبر۱: نحو : شیاطین کا نون اصلی ہے اس کی دلیل تشیطن ہے۔

نمبر۲: یہ نون زائدہ ہے یہ شطن سے نکلا ہے جو بَعُدَ کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ شیطان بھلائی اور خیر سے دور ہے۔ یا شاط سے ہے یعنی جب باطل و بیکار رہوا۔ شیطان کا نام الباطل ہے۔

قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ : (تو ان کو کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں) ہم تمہارے ساتھی اور دین میں موافقت کرنے والے ہیں۔ منافقین نے مسلمانوں کو جملہ فعلیہ بول کر خطاب کیا۔ اور شیاطین کو انّ تحقیقیہ والے جملہ اسمیہ سے مخاطب کیا۔ کیونکہ ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے منافقین کا دعویٰ یہ تھا۔ کہ ایمان ایک نو ساختہ چیز ہے۔ اس بات کے دعوے دار نہ تھے۔ کہ وہ ایمان میں منفرد ہیں۔ خواہ اس کی وجہ یہ ہو۔

نمبر۱: کہ ان کے اپنے نفس اس پر ان کی معاونت کرنے والے نہ تھے۔ کیونکہ ان کے عقائد اس کا باعث اور محرک نہیں تھے۔ خواہ اس کی وجہ یہ ہو۔ کہ اگر وہ اپنی بات مبالغے اور تاکید سے کرتے تو چل نہ سکتی۔ البتہ اپنے ہم جنسوں سے خطاب رغبت سے تھا۔ اور مقبول اور مروج بھی تھا۔ اس لیے وہ تحقیق و تاکید کے موقعہ و محل میں تھا۔ تا کہ کافروں کو ان کے کفر پر قائم رہنے کا یقین ہو جائے۔

استہزاء کا مفہوم:

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وْنَ ۔(ہم ان کے ساتھ استہزاء کرنے والے ہیں) یہ اِنّا معکم کی تاکید ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد یہودیت پر ثابت قدمی ہے۔اور اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وْنَ کہہ کر اسلام کی تردید کی ہے۔اور اپنے سے اسلام کا دور کرنا مقصود ہے کیونکہ کسی چیز کا استہزاء کرنے والا اور اس کی تحقیر کرنے والا اس کا منکر ہوتا ہے۔

قاعدہ: کسی چیز کی نقیض کا دور کرنا اس کے ثبوت کی تاکید ہوتی ہے۔یا یہ جملہ مستانفہ ہے پھر کلام اس طرح بنے گا۔ کہ جب منافقین نے اپنے شیاطین کو اِنَّا مَعَكُمْ کہا۔تو جواب میں شیاطین الانس نے کہا۔ اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو پھر مؤمنین کی موافقت کیوں کرتے ہو؟ تو منافقین نے جوابًا کہا۔اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وْنَ (کہ تم شک میں مت رہو ہم تو ان سے موافقت ان کا مذاق اڑانے کے لیے کرتے ہیں)

الاستہزاء:

مذاق اُڑانا، مسخری کرنا، حقیر قرار دینا۔اصل باب کا معنی خفت یعنی ہلکا سمجھنا استہزاء یہ ھزء سے بنا ہے جس کا معنی ہے جو جلدی قتل کرتا ہے۔اور ھزأ یھزأ کا معنی موقعہ پر ہلاک ہونا مرجانا ہے۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ : (اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ استہزاء کا معاملہ کرے گا)۔یعنی ان کو استہزاء کا بدلہ دے گا۔ جزاءً استہزاء کا نام استہزاء رکھ لیا گیا۔جیسا کہ سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۴۵ میں وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا اور سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۹۴ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ۔میں جزاء سیئہ کو سیئہ اور جزاء اعتداء کو اعتداء قرار دیا گیا۔ اگرچہ جزاء سیئہ واعتداء سیئہ اور اعتداء نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ استہزاء اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق ومناسب نہیں۔ کیونکہ عبث اور عیب ہے۔جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

امام زجاج:

کہتے ہیں۔پسندیدہ قول یہ ہے۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ کو بغیر عطف کے جملہ مستانفہ لانا بڑی شان عظمت رکھتا ہے۔اس میں یہ بات بتلائی کہ اللہ تعالیٰ ہی ان سے انتہائی شدید استہزاء فرمانے والے ہیں۔جس کے مقابلے میں ان کا استہزاء کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔اس لیے کہ ان پر اس کی وجہ سے ذلت، عذاب اور رسوائی اُترے گی اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی سزائیں اور بلائیں لمحہ بہ لمحہ اترتی رہیں گی۔

سوال : اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ فرمایا۔اللّٰه مستهزئ بهم نہیں فرمایا۔ایسا کیوں؟

جواب : تاکہ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وْنَ کے ساتھ لفظًا مطابق ہو جائے اور تواتر سزا پر بھی دلالت ہو۔

وَيَمُدُّهُمْ : (اور انہیں مہلت دے گا) یعنی ان کو مہلت دے گا۔ یہ زجاج کا قول ہے۔

فِيْ طُغْيَانِهِمْ : (ان کی سرکشی میں) کفر میں حد سے بڑھنا يَعْمَهُوْنَ (وہ حیران ہیں) یہ حال واقع ہے یعنی حیران اور متردد ہیں۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خریدلی۔ سو ان کو تجارت نفع مند نہ ہوئی۔ اور نہ

كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

وہ ہدایت پر چلنے والے بنے۔

یہ اصلح للعبد کے سلسلہ میں معتزلہ کے خلاف دلیل ہے۔

عُمْهٌ : بصیرت ودانائی کے ضائع ہونے کہتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ : (یہ لوگ) نحو : یہ مبتدا ہے اس کی خبر الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى یعنی اس کے بدلہ میں لے لیا اور ہدایت پر اس کو ترجیح دی۔

ایک سوال:

سوال : اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔(اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى خریدلیا گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں۔ کہ انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو لے لیا)) حالانکہ وہ تو ہدایت پر نہیں تھے۔

جواب : اس لیے کہ منافقین ایسی قوم میں سے تھے جو ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے (پس اشتراء ضلالت کا مصداق بن گئے) لفظ تجارت ربح کے فاعل سے متصل ہے یا تجارت ربح کا سبب ہے۔

نمبر۲: ان کو ہدایت پر قدرت دی گئی تھی۔ گویا ہدایت ان میں قائم تھی پس اس کو قدرت کے باوجود اختیار نہ کیا تو گویا ہدایت کو ضلالت کے بدلے ترک کردیا۔

مسئلہ بیع تعاطی:

بیع تعاطی جائز ہے کیونکہ منافقین نے لفظ اشتراء کا نہیں بولا۔ لیکن ہدایت کو گمراہی کے بدلے میں اپنے اختیار سے چھوڑا ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے شراء کا نام دیا ہے۔ پس یہ ہمارے لیے ثبوت بن گیا۔ کہ جس نے کسی دوسرے سے چیز لی اور اس کا عوض اس کے لیے اس کی رضامندی سے چھوڑ دیا تو گویا اس نے اس چیز کو خریدلیا خواہ لفظ شراء کا استعمال نہیں کیا۔ یہی بیع تعاطی کہلاتی ہے۔

الضَّلٰلَةَ : میانہ روی سے مائل ہونا۔ ہٹنا اور راہ کو گم پانا کہا جاتا ہے۔

ضل منزلہ : وہ اپنا مرتبہ بھول گیا۔ یہ دین میں سیدھے راستے سے ہٹ جانے کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی پھر جب اس آگ نے اس شخص کے آس پاس کو روشن کردیا تو اللہ تعالیٰ نے

اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

ان کی روشنی کو ختم کردیا۔ اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔ یہ لوگ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس یہ لوٹ رجوع نہ ہوں گے

تجارت کیا ہے؟

فَمَارَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ : (پس ان کی تجارت نے انہیں نفع نہ دیا)

تعریف ربح : اصل مال میں اضافہ کو کہا جاتا ہے۔

تجارت: کاریگری۔تاجر کا فن:

تاجر: نفع کی خاطر خرید وفرخت کرنے والا۔ نفع کی نسبت تجارت کی طرف اسناد مجازی ہے اس کا معنی انہیں اپنی اصل تجارت میں نفع نہ ہوا اور ضائع کردی۔ جب تجارت فائدہ مند نہ رہی اور مجازاً گمراہی کا ہدایت کے بدلے خریدنا ثابت ہوگیا۔ تو اس کے بعد بطور استعارہ ترشیحیہ کے ربح اور تجارۃ کا ذکر کردیا جیسا کہ شاعر نے اپنے اس شعر میں

لما رایت النَّسْرَ عَزَّابن دَابة۔ وعَشَّشَ فی وَكْرِهِ جاش له صدری میں بڑھاپے کو نسر اور سیاہ بالوں کو کوئے سے تشبیہ دی۔ اس کے بعد گھونسلہ بنانے اور گھونسلے کا ذکر کردیا۔

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ : (اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے) وہ طریق تجارت کی طرف راہ پانے والے نہیں۔ جس طرح تجار اپنی مرضی استعمال کرنے والے اور اپنے نفع ونقصان کی اشیاء کو جاننے والے ہوتے ہیں۔

مفہوم آیت:

اب مطلب یہ ہوا کہ تجار کا مقصد اصل مال اور نفع کا محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں نے ان دونوں چیزوں کو ضائع کردیا۔ پس ان کا اصل مال ہدایت تھی۔ اور وہ گمراہی کے ہوتے ہوئے باقی نہیں رہی۔ جب فقط گمراہی رہ گئی تو اسی لیے ان کو نفع سے محروم ہونے والے فرمایا۔ اگرچہ دنیاوی اغراض ان کو میسر آ گئیں۔ (اور وہ ہدایت کے مقابلہ میں ہیچ در ہیچ ہیں)

کیونکہ گمراہ نقصان اٹھانے والا ہے اور جس آدمی کا راس المال سلامت نہ رہے۔ اس کو نفع پانے والا نہیں کہا جاتا۔

نحو : کہا گیا ہے الذی ، اولئک کی صفت ہے۔ اور فمار بحت سے آخر آیت تک محل رفع میں اولئک کی خبر ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَنَارًا : (ان کی مثال اس جیسی ہے جس نے آگ جلائی) جب منافقین کی صفت حقیقت ذکر کردی تو اس کے بعد مزید انکشاف حقیقت اور تکمیل بیان کے لیے مثالیں بیان فرمائیں۔

مثال کی غرض اور حقیقت:

مخفی معانی اور حقائق سے پردہ اٹھانے کے لیے مثال بیان کرنا بڑا اثر رکھتا ہے گذشتہ آسمانی کتابوں میں کثرت سے مثالیں ذکر کی گئیں۔ انجیل کی سورتوں میں ایک سورت کا نام سورۃ الامثال ہے۔

مثل کا معنی:

کلام عرب میں مثل کو کہتے ہیں نظیر کا یہی معنی ہے کہا جاتا ہے مِثل۔مَثَل، مثیل جیسے شبہ، شَبہ اور شبیہ۔ پھر مشہور قول کے لیے بولا جانے لگا۔ جس سے موقعہ کی مثال بیان کی جائے مثل کہنے لگے اور مثال اسی بات کی بیان کی جاتی ہے جس میں انوکھا پن ہو۔ اسی لیے اس کی حفاظت کی جاتی ہے پس وہ بدلتی نہیں۔ کبھی استعارہ کے طور پر مثل کو حال یا صفت یا قصہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جبکہ اس کی کوئی حالت اور انوکھی بات ہو۔ گویا یہاں کہا گیا۔''**حالهم العجيبة الشان**'' ان کی عجیب حالت اس آدمی کے حال کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی۔ اور یہی معنی مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ۔ سورۂ رعد آیت نمبر ۳۵ میں ہے کہ جو عجائب ہم نے بیان کیے۔ ان میں جنت کا عجیب حالت والا واقعہ ہے۔ پھر اس کے عجائبات بیان فرمائے۔ **وللّٰه المثل الاعلی**۔ سورۃ النحل آیت نمبر ۶۰ میں یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی صفات ہیں جن کا عظمت وجلال میں بڑا مقام ہے۔ یا الذی کو الذین کی جگہ لائے۔ جیسا کہ سورۃ توبہ آیت نمبر ۶۵ **وخضتم كالذى خاضوا**۔ میں ہے کیونکہ جماعت کی تمثیل اکیلے کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ یا آگ جلانے والوں کی جنس بیان کرنا مقصود ہے یا وہ گروہ مراد ہے جس نے آگ جلائی۔ اس طرح کہ منافقین کی ذاتوں کو آگ روشن کرنے والے سے تشبیہ نہیں دی ہے۔ کہ جس سے جماعت کی واحد سے تشبیہ والا اعتراض آئے۔ بلکہ ان کے واقعہ کو آگ جلانے والے کے واقعہ سے تشبیہ دی ہے۔ استوقد کا معنی اوقد (جلانا) ہے۔ وقود النار۔ آگ کی چمک۔ النار (آگ) ایک لطیف روشنی کرنے والا گرمی دینے والا جلانے والا جوھر ہے یہ نار، ینار سے مشتق ہے جب وہ بھاگے اور کوچ کرے۔ کیونکہ اس میں حرکت واضطراب پایا جاتا ہے۔

نور وضوء کا معنی:

فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَاحَوْلَهٗ: (جب اس آگ نے اس کا ماحول روشن کر دیا) اضآءت۔ خوب روشن کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اس کا مصداق سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵ **هو الذى جعل الشمس ضيآء والقمر نورًا** آیت میں اضاءت کا لفظ متعدی ہے اور ماحولهٗ کی طرف اس کی نسبت ہے۔ اور غیر متعدی بھی ہو سکتا ہے، مؤنث معنی کے لحاظ سے لائی گئی۔ کیونکہ آگ جلانے والے کے اردگرد جگہیں اور اشیاء ہیں۔ اور فَلَمَّآ اَضَآءَتْ کا جواب۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ہے۔

نحوی تحقیق:

نحو: لمّا ظرف زمان ہے اور اس میں اس کا جواب اذا کی طرح عامل بن رہا ہے اور ماحولهٗ کا ما موصولہ ہے اور حَولَهٗ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یا نکرہ موصوفہ ہے۔ اور تقدیر عبارت یہ ہے۔ **فلما اضاءت شيئًا ثابتا حوله**: جب اس

روشن ثابت ہونے والی چیز نے اپنے اردگرد۔
نُوْرُهُمْ میں هُمْ ضمیر کو جمع لائے اور حولهٗ میں ضمیر واحد لائی گئی۔ کیونکہ کبھی تو اس کو لفظ پر محمول کیا اور کبھی معنی پر (اور دونوں کا لحاظ کر کے ضمیریں لائی گئیں)
النور : آگ کی روشنی کو کہتے ہیں۔اور ہر روشن چیز کی روشنی کو کہتے ہیں۔
ذھب : کا معنی اذھب ہے یعنی اس کو زائل کر دیا۔اور اس کو زائل ہونے والا بنا دیا۔ذھب بہ۔کا معنی ساتھ لے جانا اور لے جانا۔اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی لے لی۔اور اس کو روک دیا اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ روک دے۔اس کو کوئی چھوڑ اسکتا نہیں۔ فَلاَ مُرسل لهٗ سورۂ فاطر آیت نمبر۲ یہ اذہاب کے لفظ سے زیادہ بلیغ ہے۔اللہ تعالیٰ نے ذهب الله بضوء هم نہیں فرمایا۔

وجۂ ذکر:

فَلَمَّآ اَضَآءَتْ کا لحاظ کر کے۔اس لیے کہ نور کا تذکرہ زیادہ بلیغ ہے ضوء میں اضافہ پر دلالت موجود ہے اور مقصود یہاں روشنی کا ان سے مکمل طور پر دور کرنا ہے۔اگر ذھب اللہ بضوءھم کہا جاتا۔تو زائد روشنی کے چلے جانے کا اور جن کو نور کہا جاتا ہے ان کے باقی رہنے کا وہم رہتا۔کیا تم سیاق کلام پر غور نہیں کرتے۔کہ اس کے بعد وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لایا گیا۔
الظلمه : وہ عرض ہے جو نور کے منافی ہے۔اس کو جمع اور نکرہ لائے۔اور اس کے بعد وہ چیز لائے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ اندھیرا ہے جس میں کوئی کڑی نظر نہیں آتی۔اور وہ ارشاد الٰہی: لَّا يُبْصِرُوْنَ ہے (کہ وہ اس میں کچھ نہیں دیکھتے)۔

نحوی اشارے:

ترکھم: نحو : ترک بمعنی طرح اور خلّی (پھینکنا اور چھوڑنا) کے معنی میں ہوتا ہے۔جب ایک چیز سے معلق ہو۔اور گر دو چیزوں سے معلق کریں۔تو صیر کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اس وقت یہ افعال قلوب کی جگہ آجاتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے۔
اصل اس طرح بنے گا۔هُمْ فی ظلمات۔پھر تَرَكَ کو داخل کر کے دونوں جزوں کو منصوب کر دیا۔لا یبصرون کے مفعول کو ساقط کرنا اس قسم میں سے ہے جس کو متروک مطروح کہتے ہیں۔(جس کو پھینکنے کے لیے چھوڑا) یہ تَرَكَ مفعول مقدر منوی کی قسم سے نہیں۔گویا فعل اصل کے لحاظ سے غیر متعدی ہے (یعنی متروک مطروح) ان کی حالت کو آگ جلانے والے کی حالت سے مشابہت دی۔کیونکہ آگ روشن کرنے کے نتیجہ میں وہ اندھیرے اور حیرانی میں پڑ گئے ہاں منافق تو ہمیشہ کفر کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرتا ہے۔

تفسیر اول:

لیکن مراد یہاں یہ ہے کہ وہ کلمہ جو ان کی زبان پر جاری ہے اس سے انہوں نے فائدہ کی ذرا سی روشنی حاصل کی حالانکہ اس

کلمہ کی روشنی کے پیچھے تو منافقت کا اندھیرا پایا جاتا ہے جوان کو اندھیرے کی سرمدی سزا تک پہنچانے والا ہے۔

تفسیر دوم:

آیت کی ایک اور بھی تفسیر ہے کہ جب ان کے متعلق بتلایا گیا۔ کہ انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں خرید لیا ہے پھر یہ تمثیل ذکر کی تا کہ ان کی اس ہدایت کو جس کو انہوں نے فروخت کیا۔ اس آگ سے تشبیہ دی جس نے اپنے جلانے کے ماحول کو روشن کر رکھا ہے۔ اور اس گمراہی کو جس کو انہوں نے خرید لیا اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے انکی روشنی کو دور کر دیا۔ اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا ہے سے تشبیہ دی۔ تا کہ تمثیل سامنے آ جائے استوقد نا را میں نار کو نکرہ تعظیم کے لیے لائے۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ : (وہ گونگے بہرے اندھے ہیں) وہ بہرے ہیں حالانکہ ان کے حواس صحیح سالم تھے مگر جب انہوں نے حق کی طرف کان لگانے سے اپنے آپ کو روک دیا۔ اور زبانوں پر حق لانے سے انکار کر دیا اور آنکھوں سے طریق حق کو دیکھنے سے انکار کر دیا تو ان کو اس طرح قرار دیا گویا ان کے حواس آفت زدہ ہو گئے اور علماء بیان کے ہاں یہ اسی طرح ہے جیسے هم لیوثٌ للشجعان و بحور للاسخیاء کہ وہ ایسے بہادروں کے لیے شیر اور سخیوں کے لیے سمندر ہیں۔ مگر یہ طریق صفات میں ہے۔ اور آیت میں وہ اسماء ہیں اور ان میں جاری ہے۔

تشبیہ بلیغ:

آیت میں صحیح بات یہ ہے کہ تشبیہ بلیغ ہے۔ استعارہ نہیں کیونکہ جب مستعارلۂ کا تذکرہ سمیٹ لیا گیا ہو اور کلام کو اس سے خالی رکھا جائے۔ مناسب یہ ہے کہ اس سے منقول عنہ اور منقول الیہ مراد لیا جائے۔ اگر دلالت حال یا انداز کلام نہ پایا جائے۔

لوٹنے کا مطلب:

فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ : (پس وہ نہ لوٹیں گے) نمبرا: وہ ہدایت کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ اس کے بعد کہ انہوں نے ہدایت کو بیچ ڈالا۔

نمبر۲: وہ گمراہی سے باز نہیں آئے اس کے بعد کہ انہوں نے گمراہی کو خرید لیا۔ کیونکہ کسی چیز کی طرف لوٹنا اور یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

نمبر۳: مراد یہ ہے کہ وہ حیران و پریشان اپنی جگہ پر جمے بیٹھے ہیں۔ نہ وہ لوٹتے ہیں اور نہ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے آگے بڑھنا ہے یا پیچھے ہٹنا ہے۔

اَوْكَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ

یا ان کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان سے تیز بارش ہو رہی ہو اس میں اندھیریاں ہوں اور گرج ہو اور بجلی ہو یہ لوگ موت کے اندیشے کے سبب

فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہے ہیں کڑک کی وجہ سے، اور اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہے کافروں کو۔

دوسری تمثیل:

اَوْكَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ : (یا جیسے بادل آسمان میں اس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہے) ان کے متعلق بات کو اور زیادہ واضح کرنے کے لیے ایک دوسری تمثیل ذکر کی پہلی تمثیل میں منافقین کو آگ جلانے والے سے اور اظہار ایمان کو آگ روشن کرنے سے اور اس سے فائدہ کے منقطع ہونے کو آگ کے بجھنے سے تشبیہ دی۔ اور اس تمثیل دین کو بادل سے تشبیہ دی۔ کیونکہ دل دین سے اسی طرح زندہ ہوتے ہیں جیسے بارش سے زمین۔ اور کفار کو دین کے سلسلہ میں شبہات کو ظلمات سے تشبیہ دی۔ اور قرآن میں جو وعدے اور وعیدیں ہیں۔ ان کو رعد و برق سے تشبیہ دی اور منافقین کو گھبراہٹیں اور مصائب اہل اسلام کی طرف سے پہنچتے ہیں ان کو صواعق (گرج) سے تشبیہ دی پس معنی اس طرح ہوگا۔ یا ان کی مثال بادل والے جیسی ہے۔ مثل کا لفظ حذف کر دیا۔ کیونکہ عطف کی دلالت اس کے لیے موجود ہے اور ذوی کا لفظ حذف کیا کیونکہ یجعلون اس پر دلالت کرتا ہے۔

مراد:

یہ کہ ان کی مثال اس قوم جیسی ہے جن کو اس طرح کی بارش نے گھیر لیا ہو۔ پھر ان کو اس بارش سے وہ پہنچا ہو جو ان کو پہنچا۔ یہ تشبیہ اشیاء کی اشیاء کے ساتھ ہے البتہ صراحت کے ساتھ مشبہات کا ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ سورۂ غافر آیت نمبر ۵۸ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ میں ہے۔

اور امرءالقیس کے اس قول میں بھی اسی طرح ہے۔

كَاَنَّ قُلوب الطير رطبا ويابسا   لدی وکرها العُنَّابُ والحشف البالي (ردّی کھجور)

(گویا پرندوں کے دل گھونسلوں کے قریب اس طرح رطب و یابس ہیں جیسے عناب اور ردی کھجور)

بلکہ آیت میں استعارہ کے انداز میں تذکرہ کو سمیٹ دیا۔

تشبیہ مرکب:

قول فیصل: صحیح بات یہ ہے کہ دونوں تمثیلیں ان تمثیلات میں سے ہیں۔ جو مرکب ہوتی ہیں، مفرق نہیں ہوتیں۔ کیونکہ اس میں

ایک ایک چیز کو دوسری ایک ایک چیز کے ساتھ مشابہت کی مقدار سے تشبیہ دینی پڑتی ہے وضاحت اس کی اس طرح ہے کہ اہل عرب چیزوں کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں جبکہ وہ الگ الگ ہوں۔ اور اس سے جوڑ نہ رکھتی ہوں۔ ان اشیاء کی تشبیہات ان کے نظائر سے ہوتی ہے جیسا کہ امرؤالقیس نے کہا۔ کہ کیفیت حاصلہ کو ان اشیاء کے مجموعہ سے تشبیہ دی۔ جو آپس میں اس طرح ملی جلی اور منسلک ہیں۔ کہ دوسری سے مل کر وہ ایک چیز بنتی نظر آتی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر ۵ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا میں تورات کے ہوتے ہوئے۔ یہودیوں کی جہالت والی حالت کو جو کہ حکمت کی کتابیں۔ اٹھانے والے گدھے کی جہالت والی حالت سے تشبیہ دی۔ کیونکہ اس کے لیے کتابیں اٹھانا یا دیگر بھاری بوجھ میں دونوں برابر ہیں۔ اور اس کو اس کا کچھ شعور نہیں۔ سوائے اس تھکاوٹ اور مشقت کے جو ان دونوں بوجھوں کے نیچے اسے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ کہف آیت نمبر ۴۵ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مراد دنیا کی رونق کا زیادہ دیر باقی نہ رہنا۔ سبزی کے زیادہ باقی نہ رہنے کی طرح ہے۔ پس یہ کیفیت کو کیفیت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ خواہ اس سے مراد افراد کی افراد کے ساتھ تشبیہ ہو جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نہ ہوں۔ (ایک چیز بننے والی نہ ہو) اسی طرح جب منافقین کا گمراہی میں پڑنا بیان کیا۔ اور ان کی حیرت و دہشت جس میں وہ ٹامک ٹوئیاں مارنے والے تھے۔ اس کو بیان کیا۔ تو ان کی حیرت اور معاملے کی شدت کو اس شخص کی تکلیف سے تشبیہ دی جو رات کے اندھیرے میں اپنی آگ کے بجھ جانے سے تکلیف اٹھا رہا ہو۔ اسی طرح کہ وہ آدمی کہ جس کو بارش گھیر لے جس میں رعد و برق اور کڑک کا خوف بھی ہو۔ دوسری تمثیل پہلی کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ سخت حیرت اور معاملے کی شدت پر یہ زیادہ دلالت کرنے والی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو بعد میں لائے۔

اَوْ لانے کی حکمت:

اہل عرب کی عادت تھی کہ آسان سے مشکل کی طرف درجہ بدرجہ چلتے۔ دونوں تمثیلوں کو ''اَوْ'' سے عطف کیا یہ اصل کے لحاظ سے دو یا زیادہ چیزیں جن میں شک ہو۔ برابری ثابت کرنے کے لیے آتا ہے پھر یہ صرف برابری کے لیے استعارۃ استعمال کیا جانے لگا۔ جیسا کہتے ہیں۔ جالس الحسن او ابن سیرین۔ مراد یہ ہے کہ ان دونوں کے پاس بیٹھنا برابر ہے اور ارشاد الٰہی آیت ۲۴ سورۃ الانسان (وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا۔ ناشکری اور گناہ دونوں نافرمانی کے لازم ہونے میں برابر ہیں۔ اسی طرح یہاں مطلب یہ ہے کہ منافقین کے واقعہ کی کیفیت ان دو قصوں کی کیفیت کے مشابہ ہے دونوں قصے صورت تمثیل کے مستقل ہونے میں برابر ہیں۔ تم جس سے بھی تمثیل پیش کرو درست ہے اور اگر تم دونوں سے اکٹھی مثال بیان کرو۔ تب بھی تم درست روی اختیار کرنے والے ہو۔

الصیب: اترنے والی بارش۔ پڑنے والی بارش۔ بادل کو بھی صیب کہا جاتا ہے۔ صیب کو تنکیر کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ یہ بارش کی ایک قسم ہے جو سخت موسلا دھار ہوتی ہے جیسا کہ تمثیل اول میں نار کا لفظ نکرہ ہے۔

السمآء: (سائبان) نمبر ا: حضرت حسن کہتے ہیں کہ یہ رکی ہوئی موج ہے۔ سماء کے تذکرہ کا فائدہ یہ ہے کہ بادل آسمان میں ہی ہوتا ہے السمآء معرفہ لائے اس نے یہ فائدہ دیا کہ وہ بادل ہے جس نے آسمان کے اطراف کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور سماء کے حصہ

ہونے کی نفی کردی۔ یعنی یہ کہ اس کے اطراف میں سے ایک افق کو اس لیے آسمان کے ہر افق کو آسمان ہی کہتے ہیں۔ پس معرفہ لانے سے مبالغہ مقصود ہے جیسا کہ صیب کو نکرہ لانے اور اس کی ترکیب و بناء میں (مبالغہ مقصود ہے) اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ بادل آسمان سے اترتا اور اسی سے اپنا پانی لیتا ہے۔

نمبر۲: اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ سمندر سے پانی لے کر اوپر چڑھتا ہے۔

نحو : ظلمات مرفوع ہے جار مجرور کے ساتھ کیونکہ وہ صیب کی صفت بن کر قوی ہو گیا۔ بخلاف اس صورت کے کہ اگر تم کہو فیہ ظلمٰت مبتدا ہے تو اس میں اخفش وسیبویہ کا اختلاف ہے۔

رعد و برق کی حقیقت:

الرعد : بادلوں سے سنی جانے والی آواز جو بادلوں کے آپس میں رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یا رعد فرشتہ ہے جو بادلوں کو ہانکتا ہے۔

البرق : بادلوں سے پیدا ہونے والی چمک۔ یہ برق الشئی بریقا۔ جب وہ چمکے اس سے بنا ہے۔ اور اس کی ضمیر صیب کی طرف لوٹنے والی ہے۔ صیب کو ظلمات کا مکان قرار دیا گیا۔ اگر اس سے مراد بادل لیا جائے تو اس کے اندھیرے سے مراد اس کا تہ بہ تہ اور سیاہ ہو جانا ہے۔ ظلمات گویا بادل کی سیاہی اور ایسا تہ بہ تہ ہونا جس کے ساتھ رات کا اندھیرا مل جائے۔ البتہ بارش کے اندھیروں سے مراد پے در پے قطرات سے اس کے کثیف ہونے کا اندھیرا اور بارش کے بادلوں کا سایہ جس میں رات کا اندھیرا مل جائے۔ مراد ہے۔

رعد و برق کی جگہ الصیب کا لفظ لا کر اس کی مراد سحاب ظاہر کر دی۔ اسی طرح اگر مطر مراد ہو تو تب بھی کیونکہ وہ دونوں فی الجملہ آپس میں ملے جلے ہیں۔

رعد و برق: کو جمع نہیں لائے۔ کیونکہ وہ دونوں اصل میں مصدر ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ رعدت السماء رعدا و برقت برقًا۔ آسمان گرجا اور چمکا۔ پس اصل کی رعایت کرتے ہوئے دونوں کی جمع چھوڑ دی گئی۔

ان کو نکرہ لا کر اس کی انواع واقسام کی طرف اشارہ کر دیا۔ گویا کہ فیہ ظلمت داجیہ۔ گویا اس میں چھا جانے والے اندھیرے ہیں۔ اور رعد قاصف ہلاک کن گرج اور اچک لینے والی بجلی ہے۔

يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ : (وہ اپنی انگلیاں کانوں میں رکھتے ہیں)

نحو : اس میں ضمیر بادل والوں کی طرف لوٹ رہی ہے اگرچہ وہ محذوف ہے جیسا کہ سورت اعراف آیت:۴۔ او ھم قائلون میں ہے کیونکہ محذوف کا معنی باقی ہے خواہ وہ لفظوں میں ساقط ہو چکا ہو یجعلون جملہ متانفہ ہے اس لیے اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ اس لئے دلیل یہ ہے کہ جب رعد برق کا ذکر ہوا جو شدت ھول نا کی کا اعلان کر رہے تھے۔ تو کہنے والا گویا کہہ رہا تھا کہ ایسی گرج میں ان کا کیا حال ہوگا؟ تو جواب دیا۔ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ۔ پھر کہا اس بجلی میں انکی حالت کیا ہوگی۔ تو فرمایا يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ سورۃ البقرہ آیت نمبر۲۰۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ

قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی کو اچک لے جب کبھی ان کے لئے روشنی ہوئی تو اس میں چلنا شروع کر دیا اور جب اندھیرا ہو گیا

عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی سننے اور دیکھنے کی قوتوں کو ختم فرمادے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ

عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

ہر چیز پر قادر ہے۔

سوال: اصابعهم فرمایا انامل نہیں فرمایا۔ حالانکہ یہ پورے ہی کانوں میں رکھے جاتے ہیں۔

جواب: مبالغہ کے لیے بطور وسعت فرمادیا۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ آیت نمبر ۳۸ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا۔ میں یَدْ بولا گیا اگرچہ مراد پنجہ ہے گٹے تک۔ اصابع فرمانے میں جو مبالغہ ہے وہ انامل کہنے میں نہیں اور دو انگلیوں کا بھی ذکر نہیں کیا۔ جن سے عموماً کان بند کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ السبابه یہ السبّ سے فعالة کا وزن ہے (جس کا معنی گالی والی) تو آداب قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بچا جائے۔ اور مسبّحه نہیں فرمایا کیونکہ یہ نوایجاد غیر مشہور لفظ ہے۔

مِّنَ الصَّوَاعِقِ: (کڑک کے سبب) یہ یجعلون کے متعلق ہے یعنی صواعق کی وجہ سے وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں رکھتے ہیں۔

صاعقہ آسمانی:

الصاعقه: گرج کا وہ حصہ جس کے ساتھ آگ کا ٹکڑا بھی ہو۔

علماء نے کہا کہ یہ بادلوں سے ٹوٹتا ہے۔ جب بادلوں کے اجسام آپس میں ٹکراتے ہیں۔ وہ لطیف تیز آگ ہے۔ جس چیز پر اس کا گزر ہو اس کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ مگر تیزی کے باوجود بہت جلد وہ بجھنے والی ہے حکایت ہے کہ وہ کھجور پر گری تو کھجور کا آدھا حصہ جل گیا۔ پھر وہ بجھ گئی۔ اور محاورہ میں کہا جاتا ہے صعقته الصاعقة۔ جب وہ اس کو ہلاک کر دے۔ جس سے وہ مر جائے۔ خواہ شدت آواز کی وجہ سے یا جلنے کی وجہ سے۔

حَذَرَ الْمَوْتِ: (موت کے ڈر سے) **نحو**: یہ مفعول لهٗ ہے۔ موت: تعمیر انسانی کا بگڑنا یا ایک ایسی عارض جس سے زندگی کے پیچھے پھر آنے والا کوئی احساس درست نہ رہے۔

وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ: (اور اللہ کافروں کا احاطہ کرنے والے ہیں) یعنی وہ اس کے قبضہ سے نکل نہیں سکتے جس طرح احاطہ میں آیا ہوا محیط بہٖ سے نکل نہیں سکتا۔ یہ مجاز ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ: (قریب ہے بجلی اچک لے ان کی آنکھوں کو)

الخطف : اُچکنا۔جلدی سے کسی چیز کو لے لینا۔

نَحو : کَادَ کا لفظ فعل کے بہت قریب کرنے کے لیے آتا ہے۔**یخطف** موضع نصب میں ہے کیونکہ کاد کی خبر ہے۔

کُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ : (جب بھی روشنی ہوتی ان کے لیے)

نَحو : کُلَّ یہ ظرف ہے مَا نکرہ موصوفہ ہے اس کا معنی وقت ہے اور ضمیر محذوف ہے یعنی جس وقت بھی ان کے لیے روشنی ہوتی ہے اس میں عامل اس کا جواب ہے اور وہ مَشَوْا فِیْهِ ہے فیہ یعنی فی ضوءہ اس کی روشنی میں یہ تیسرا جملہ مستانفہ ہے گویا یہ اس شخص کا جواب ہے جو کہے وہ بجلی کی چمک اور بجھنے کے دوران کیا کرتے ہیں؟ اور یہ منافقین کے معاملے کی شدت کی تمثیل بیان کی۔بادل والوں کی شدت کو ذکر کر کے اور اس تنہائی حیرانی اور نادانی کو ذکر کر کے جو کچھ وہ کرتے اور چھوڑتے ہیں۔جبکہ ان کا سامنا بجلی کی چمک سے ہوتا ہے۔اس حالت میں کہ ان کو اپنی آنکھوں کے اچک لئے جانے کا خدشہ ہو۔تو وہ اس چمک کو فرصت شمار کرتے ہیں۔پس چند قدم چلتے ہیں۔جب وہ چمک چھپ جاتی ہے اور دھیمی پڑ جاتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔

اضاء : اضاء کا لفظ متعدی ہے جب بھی راستہ اور چلنے کی جگہ روشن ہوتی ہے تو وہ اس پر چلتے ہیں اور مفعول محذوف ہے یا غیر متعدی ہے جب بھی بجلی ان کے لیے چمکتی ہے تو اس کے ڈالے ہوئے نور میں چلتے ہیں المشی۔خاص حرکت کی ایک جنس ہے اگر وہ حرکت تیز ہو جائے تو سعی اور بڑھ جائے یعنی تیزی سے دوڑنا کہلاتا ہے۔

وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ : (جب اس پر اندھیرا چھا جاتا ہے) اظلم غیر متعدی ہے

کلما اور اذا کا فرق:

سوال : اضاء کے ساتھ تو کلما لائے اور اظلم کے ساتھ اذا لایا گیا؟

جواب : جس چیز سے ان کا مقصد منسلک ہے یعنی امکان مشی۔اس کے لیے وہ انتہائی حریص ہیں۔جب بھی فرصت پاتے ہیں۔تو چند قدم اٹھا لیتے ہیں۔مگر کھڑا ہونا ایسا نہیں (کہ اس کے خواہش مند ہوں۔بلکہ وہ تو مجبوری کا کھڑا ہونا ہے۔پس لفظ اذا لائے)

قَامُوْا : (وہ کھڑے ہو جاتے ہیں) قاموا۔کھڑے اور اپنے مقام میں رک جاتے ہیں۔اسی سے قام الماء کہتے ہیں جبکہ وہ پانی جم جائے۔

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ : (اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو ضائع کر دے) اگر اللہ چاہیں تو ان کے کانوں کو لے جائیں۔بجلی کی کڑک سے۔

وَاَبْصَارِهِمْ : اور آنکھوں کو بجلی کی چمک سے۔

نَحو : شاء کا مفعول محذوف ہے۔کیونکہ جواب اس پر دلالت کرتا ہے۔یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہیں۔ان کے کانوں اور آنکھوں کو لے جانا تو لے جائیں۔

قاعدہ: شاء کے لفظ میں حذف مفعول کثرت سے آیا ہے۔مگر کسی انوکھے مقام پر مفعول کو ظاہر کرتے ہیں۔جیسا اس شعر

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا فرمایا اور ان لوگوں کو بھی پیدا فرمایا جو تم سے پہلے تھے تاکہ

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ

تم پرہیز گار بن جاؤ، جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت، اور اتارا

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا

آسمان سے پانی، پھر نکال دیا اس کے ذریعہ پھلوں سے تمہارے لئے رزق، لہٰذا مت بناؤ اللہ کے لئے مقابل،

وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

حالانکہ تم جانتے ہو۔

میں ہے۔

فلو شئت ان ابکی دما لبکیته ☆ علیه ولکن ساحة الصبر اوسع

ترجمہ: (اگر میں اس پرخون کے آنسو رونا چاہتا تو روتا۔لیکن صبر کا میدان وسیع ہے) اسی طرح اس ارشاد میں جو سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۱۷ میں لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا میں اور سورۃ الزمر لو اراد اللّٰہ ان یتخذ ولدا میں (لھوا اور ولدًا ظاہر فرمائے گئے ہیں) اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ : (اللہ تعالیٰ بے شک ہر چیز پر قادر ہے)

سابقہ سے ربط:

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے مکلفین کی تین جماعتوں مؤمن، کفار اور منافقین کا ذکر اور ان کی صفات حالات خصوصیات جن سے وہ سعادت مند و بدبخت اور مردود، مقبول ہوتے ہیں بیان کردیں۔تو یہاں سے ان کو مخاطب فرمایا۔یہ التفات کی قسم میں ہے۔بس فرمایا۔

خطابِ عام:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ : (اے لوگو) حضرت علقمہ نے فرمایا قرآن میں یایھا الناس سے خطاب اہل مکہ کو ہے اور یایھا الذین امنوا سے اہل مدینہ کو خطاب کیا۔یہ خطاب مشرکین مکہ کو ہے۔

نحو: یا حرف ندا بعید ہے ای اور ہمزہ قریب کے لئے۔پھر بھولنے والے اور غافل کو آواز دینے کے لیے استعمال ہونے لگا۔خواہ وہ بالکل قریب ہو۔اس کو دور شمار کرکے۔جب اس سے قریب رہنے والوں کو خطاب کریں۔تو تاکید کے لئے ہوگا۔اور

اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوگا۔ کہ یہ خطاب بہت قابل توجہ ہے۔

یاربّ کا مطلب:

سوال : دعا کرنے والے کا کہنا۔ یارب حالانکہ وہ تو شہ رگ سے قریب تر ہے۔

جواب : یہ کسر نفسی ہے اور نفس مقام قرب سے بہت دور ہے نفس کو مٹاتے ہوئے اپنی کوتاہی کا اقرار ہے اس کے ساتھ ساتھ، کہ اس کی دعا کو قبول کر لینے میں بہت جلدی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

ایّ : الف لام والے منادٰی کے ساتھ لگاتے ہیں۔ جیسا کہ ذو اور الذی کو اسم جنس کی صفت بنانے کے لیے لایا جاتا ہے اور معرفہ کی صفت کیلئے جبکہ اس کو جملہ لائیں۔ یہ اسم مبہم ہے۔ اس کے ابہام کو دور کرنا ضروری ہے اس لیے اس کے بعد اسم جنس لانا پڑے گا۔ یا جو صفت کیلئے اس کے قائم مقام بن سکے۔ تا کہ اس نداء کا مقصود واضح ہو جو کہ یا کا معمول ہے۔ صفت منادٰی کے تابع ہوتی ہے۔ البتہ ای کا لفظ بذات خود مستقل نہیں جیسا اس مثال میں زید یا زید الظریف۔ اس لیے ایّ اپنی صفت سے الگ نہیں رہا۔ صفت موصوف کے درمیان کلمہ تنبیہ لایا گیا۔ تا کہ نداء کا معنی مؤکد ہو جائے اور اضافت کا بدل بن جائے۔

قرآن مجید میں اضافت کا طریقہ بہت استعمال ہوا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کو نداء دی یعنی اوامر و نواھی وعدے، وعیدیں، عظیم کام بڑے مصائب بتلائے، ضروری تھا بندے ان کی طرف دلوں سے مائل اور متوجہ ہوں۔ جبکہ بندے اس سے غفلت کا شکار ہیں۔ تو پھر مؤکد تبلیغ سے ان کو خطاب کرنا چاہئے تھا۔ اس لیے اس طرح خطاب کیا گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول:

اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ : (اس کو اکیلا جانو) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عبادت کا لفظ جہاں بھی قرآن میں ہے اس سے مراد توحید ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَكُمْ : یہ وضاحت و امتیاز کرنے والی صفت ہے۔ کیونکہ کفار مکہ اپنے الھہ کو رب کہتے تھے۔

تعریفِ خلق:

الخلق۔ معدوم کو ایک اندازے اور درستگی سے ایجاد کرنا۔ معتزلہ کے نزدیک کسی چیز کو اندازے اور درستگی سے بنانا۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ معدوم کو شئی مانتے ہیں۔

شئی کی تعریف ان کے ہاں جس کو جانا جائے اور اس کے متعلق خبر دی جائے۔

اہلسنّت کے نزدیک شئی موجود کو کہتے ہیں۔

خلقکم : ابوعمرو کے ہاں ادغام کے ساتھ

دلیلِ تخلیق:

وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ : (اوران لوگوں کو جوتم سے پہلے ہوئے) اس سے دلیل بیان فرمائی ۔کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہےاوران سے پہلوں کا بھی خالق ہے۔سواس لیے کہ وہ اس کے اقراری تھے۔پس انہیں کہا گیا۔کہ اگرتم اس کوخالق مانتے ہوتو اسی ہی کی عبادت کرو۔اور بتوں کی عبادت نہ کرو۔

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ : (تا کہ تم متقی بن جاؤ) یعنی اس امید پرعبادت کروتا کہ تم متقی بن جاؤ۔تا کہ اس کے سبب تم عذاب سے نجات پاجاؤ۔

لعل کا استعمال:

لعلّ: کالفظ ترجی اور طمع کیلئے ہے لیکن سب سے بڑی سخی ذات کی طرف سے طمع دلائی گئی۔جو کہ حتمی وعدے کی طرح ہوگئی۔

یہ سیبویہ کا قول ہے۔قطرب نحوی کہتے ہیں کہ لعل یہاں کَیْ کے ہم معنی ہے یعنی تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ : (وہ ذات جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو)

نحو :جَعَلَ، صَیَّرَ کے معنی میں ہےاورالذی صفت کی بناء پرمحلاً منصوب ہے یا ھُوَ کو مبتداء مانیں تو مرفوع ہے۔

فِرَاشًا (بچھونا) قالین کی طرح کہ اس پر بیٹھتے اورسوتے،آتے جاتے ہو، یہ جعل کا دوسرا مفعول ہے۔اس میں کوئی دلیل نہیں کہ زمین مسطح یا کروی ہے۔کیونکہ دونوں صورتوں میں بوریے کی طرح ہوناممکن ہے۔

وَالسَّمَآءَ بِنَآءً : (اورآسمان کوچھت) چھت جیسا سورۃ الانبیاءآیت نمبر۳۲ میں وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سقفا محفوظًا۔بناء جو مصدر ہے مگرمراداس سے عمارت ہے۔

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً : (اوراس نے اتاراآسمان سے پانی) مآء سے مراد بارش ہے۔

حکمتِ تدریج:

فَاَخْرَجَ بِہٖ : (پس اس نے نکالا) یعنی بالماء پانی کے ذریعہ۔پھلوں کا نکلنا۔اگرچہ قدرت الٰہی سے ہے مگر پانی کواس کے نکلنے کا ظاہری سبب بنایا۔جس طرح (ماءالفحل فی خلق الولد) نرکاپانی بچے کی پیدائش میں سبب ہے باقی قدرت باری تعالیٰ بلاسبب پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔جیسا کہ اسباب،موادکی ذاتیں (محض قدرت الٰہی کا نتیجہ ہیں) لیکن اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی پیدائش میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تدریج رکھی ہے۔اورایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف انتقال رکھا۔تا کہ بصیرت کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے لیے عبرت وحکمت کا باعث ہو۔

مِنَ الثَّمَرٰتِ : (پھلوں سے رزق) مِنَ الثمرات میں مِن کالفظ تبعیض یا بیان کے لیے ہے۔(یعنی بعض پھل یا پھل نکالے)

نحوی تحقیق:

رِزْقًا لَّکُمْ : (تمہارے لیے) نَحو : اگر من تبعیض کے لیے ہوتو یہ مفعول لہٗ ہے اور اگر من بیانیہ ہوتو مفعول بہ ہے الثمرات فرمایا الثمر اور الثمار نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ پانی سے نکالے جانے والے پھل بے شمار ہیں کیونکہ مراد پھلوں کی جماعت ہے کیونکہ جمع بعض کی جگہ بعض اکیلی آتی ہے کیونکہ جمعیت میں جا کر تمام مل جاتی ہیں۔

نَحو :لکم اگر اس سے مراد معین ہوتو پھر یہ جار مجرور رزق کی صفت ہے اور اگر اس کو معنی کے لحاظ سے اسم مانا جائے تو پھر یہ مفعول بہ ہے گویا اس طرح فرمایا رزقا ایا کم رزق دینا تمہیں کو رزق خاص تمہارا۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا : (پس تم نہ بناؤ شریک اللہ کے لیے) یہ امر سے متعلق ہے یعنی تم اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور اس کا شریک مت بناؤ۔ کیونکہ عبادت کی جڑ اور بنیاد توحید ہے۔ اور یہ کہ اس کا کسی کو ساتھی و شریک نہ بنایا جائے۔

نَحو :الذی مبتداء فلا تجعلوا خبر ہے فلا تجعلوا پر فاء اس لیے لائے کہ کلام میں جزاء کا معنی پایا جاتا ہے یعنی وہ ذات جس کی بڑی بڑی نشانیاں تمہارے اردگرد ہیں اور روشن دلائل اس کی وحدانیت پر گواہ ہیں پس تم اس کے شریک مت تجویز کرو۔

معنی ند:

الند : ایسا مثل جو مخالف و منافی ہو البتہ اس مشہور قول لیس للّٰہ ند ولا منذ اصل میں یہ جملے جن کو اس کے قائم مقام بنایا جاتا ہے یا جو اس کے منافی مانے جاتے ہیں ان سب کی نفی مراد ہے۔

وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ : (حالانکہ تم جانتے ہو) کہ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی رزق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خالق و رازق ہیں یا تعلمون کا مفعول چھوڑ دیا گیا۔ یعنی تم اہل علم ہو اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا انتہائی جہالت ہے۔

نَحو :جملہ انتم تعلمون۔ فلا تجعلوا کی ضمیر سے حال ہے۔

ربط :وحدانیت کے ثبوت اور ابطال شرک پر حجت قائم کر دی۔ کہ اس کو ان کے خلق و احیاء پر قدرت ہے اس نے زمین کو ان کی رہائش گاہ اور مستقر بنایا۔ اور آسمان کو لگے ہوئے خیمے اور قبے کی طرح مضبوط بنایا۔ اور اس طرح کر دیا۔ کہ جیسے زمین و آسمان میں پانی اتارنے سے مناکحت کا رشتہ ہو زمین کے پیٹ سے نسل کی طرح بنی آدم کے لیے پھل پیدا کر دیئے۔ یہ سارے دلائل توحید کی طرف رہنمائی کرتے اور شرک کو باطل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ مخلوقات کی کوئی چیز اپنے میں سے کسی چیز کے ایجاد کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا

اور اگر تم اس کتاب کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تو لے آؤ کوئی سورت جو اس جیسی ہو اور بلا لو

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

اپنے مدد گاروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

فائدہ عطف:

اب اس پر عطف کیلئے وہ چیز لائے جو نبوت محمد ﷺ پر دلیل وحجت بن سکے اور اعجاز قرآن کو بھی پختہ کر دیا جائے۔ پس فرمایا: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا (الأية) (اور اگر تم شک میں ہو اس چیز کے متعلق جو ہم نے اتاری)

نحو : ممّا میں مَا نکرہ موصوفہ ہے یا الذی کے معنی میں ہے

عبد کی تعریف:

عَلٰى عَبْدِنَا : (اپنے بندے پر) العبد! عقلاء کی جنس میں مملوک کو کہا جاتا ہے۔

المملوك : ایسا موجود جس کو غلبہ سے تابع کیا جائے۔

نزلنا کی حکمت:

نزلنا : فرمایا۔ انزلنا کی بجائے۔ کیونکہ تدریج وتنجیم سے اتارنا مراد ہے۔ اور تحدی وچیلنج کے موقعہ پر یہی مقابل بنتا ہے۔

مقولہ کفار:

اگر قرآن اللہ کی طرف سے ہوتا تو سورۃ، سورۃ اور تھوڑا، تھوڑا، آیت کے بعد آیات اور حوادث کے مطابق نہ اترتا۔ بلکہ ایک مرتبہ اتارا جاتا جیسا سورۂ فرقان آیت نمبر ۳۲ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۔

جواب : قرآن مجید میں وہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ جو خطباء اور اہل شعر کا ہوتا ہے کہ تھوڑا تھوڑا موقعہ بموقعہ اپنا کلام لاتے ہیں کبھی نظم کرنے والا اپنا دیوان یک بارگی پیش نہیں کرتا۔ اور نہ نثر گو اپنا خطبہ ایک بار کہہ ڈالتا ہے۔

اس پر کفار کو کہا گیا کہ اگر تمہیں اس میں شبہ ہے کہ اس کا اتارنا اس تدریج سے کیوں ہے؟ تو فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ (تو لاؤ ایک سورت) تو تم ایک بار کے مقابلہ میں ایک بار بنالاؤ اور ایک ٹکڑا کے مقابلہ میں ٹکڑا لاؤ۔ اور اس کی سورتوں میں سے کوئی انتہائی چھوٹی سورت بنالاؤ۔

لفظ سورۃ کی تحقیق:

جب سورۃ کا عین واؤ ہو۔ السورۃ نمبر ا۔ قرآن کا ایک حصہ جس کی ترجمانی کم سے کم تین آیات سے کی گئی ہے۔ اس لفظ

میں اگر واؤ اصلی ہے تو یہ سُوَرِ مدینہ سے ہے۔ سور دیوار محیط کو کہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی قرآن مجید کا اپنے انداز میں ایک محدود مجموعہ ہے جیسا کہ وہ شہر جس کے اردگرد دیوار ہو۔

نمبر۲: اس لیے کہ علم کے مختلف فنون کو یہ سمیٹنے والی ہے اور کئی قسم کے فوائد اس میں ہیں جیسا کہ شہر کی دیوار۔ شہر کے اندر جو کچھ بھی ہے اس کو سمیٹنے والی ہوتی ہے۔

نمبر۳: سورۃ بمعنی مرتبہ کیونکہ قرآن کی سورتیں مقامات و مراتب کی طرح ہیں جن پر پڑھنے والا فائز ہوتا ہے۔

یہ سورتیں ذاتی اعتبار سے طوال، اوساط، قصار کے مراتب رکھتی ہیں۔

نمبر۴: سورۃ کو سورۃ شان کی بلندی کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور دین میں اس کے مقام کے بڑے ہونے کی بناء پر کہا جاتا ہے۔

سورۃ کا عین ہمزہ ہو: قرآن مجید کے ایک قطعہ یا مجموعہ کو کہتے ہیں۔ تو یہ بچی ہوئی چیز کی طرح بقایا ہے سوڑ کا معنی جوٹھا

فوائدا لسور : قرآن مجید کی جدا جدا آیات ہونے اور سُوَر کی صورت میں قطعات کا فائدہ بہت ہے

نمبر۱: تمام کتب بمنزلہ تورات انجیل، زبور، اور تمام صحف سور کی صورت میں اتریں مصنفین علماء نے ہر فن میں کتابیں لکھ کر ان میں تراجم کی تزیین سے باب قائم کئے ہیں۔

نمبر۲: جب ایک جنس کے ماتحت کئی انواع ہوں اور ہر نوع کئی اصناف پر مشتمل ہو۔ تو یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ مسلسل ایک ہی بیان ہو۔

نمبر۳: پڑھنے والا جب کتاب کا ایک باب یا سورۃ ختم کر لیتا ہے، پھر دوسرا شروع کرتا ہے تو اس کے نشاط میں ترقی ہو جاتی ہے اور یہ چیز کو مزید پڑھنے کے لیے کام دیتی ہے۔ اور حاصل کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر وہ کتاب کو علی الطول پڑھتا جائے تو اتنی نشاط پیدا نہیں ہوتی۔

اسی بات کے پیش نظر قراء نے قرآن مجید کو سات منازل میں تقسیم کیا۔ اور تمیں ۳۰ اجزاء میں اور دس حصوں میں اور پانچ حصوں میں۔

نمبر۴: جب حافظ ایک سورۃ میں مہارت حاصل کر لیتا ہے (پالیتا ہے) تو اس کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ اس نے کتاب اللہ کا ایک مستقل حصہ حاصل کر لیا ہے اور اس کی ایک ابتداء ہے ایک انتہا ہے تو جو حصہ اس نے حفظ کیا ہوا ہوتا ہے اس کے ہاں اس کا ایک عظیم مقام بن جاتا ہے اور اپنے آپ کو بلند قرار دیتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہی بات فرمائی گئی۔ ''کہ جب ہم میں کوئی سورۃ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نگاہوں میں اس کا مرتبہ بڑھ جاتا''

فقہاء کی باریک بینی:

اس سے فقہاء نے فرمایا نماز میں مکمل سورۃ کی قراءت مختلف جگہوں سے پڑھنے سے افضل ہے۔

نحوی تحقیق:

نحو: مِّنْ مِّثْلِهٖ (اس کی مثل) سورۃ کے متعلق ہے اور اس کی صفت ہے۔
نمبر۱: اور ہٖ ضمیر نزلنا کی طرف لوٹتی ہے، یعنی بسورۃ کائنۃ بمثلہ۔ اب مطلب یہ ہوا کہ تم ایک ایسی سورۃ بنالاؤ۔ جو عجیب وغریب بیان میں اور حسن نظم کے بلند ہونے میں اس جیسی ہو۔
نمبر۲: ہٖ ضمیر عبدنا کی طرف لوٹے تو مطلب یہ ہوگا۔ تم ایسا شخص لاؤ جو اسی طرح کا امی ہو اور اس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ اور نہ ہی پڑھے لکھوں سے علم حاصل کیا ہو۔ اور نہ ہی مثل مماثل ہونے کا قصد کیا ہو۔
نمبر۳: ضمیر کو پہلے نازل شدہ حصہ قرآن کی طرف لوٹانا سب سے بہتر ہے۔ اس کی تاکید سورۃ یونس آیت نمبر ۳۸ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ اور سورۃ ھود آیت نمبر ۱۳ افاتوا بعشر سور مثلہ۔ اور سورۃ اسراء آیت۔ نمبر ۸۸ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ۔ آیات سے ہوتی ہے منزل کی طرف ضمیر لوٹانے سے کلام کی ترتیب زیادہ خوش نما ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ کلام تو منزل کے متعلق ہے منزل علیہ کے متعلق نہیں اور سیاق کا تقاضا یہی ہے پس مطلب یہ ہوا کہ اگر تم کو شک ہے قرآن کے منزل من عنداللہ ہونے میں تو تم تھوڑا سا اس کے مماثل بنا کر لاؤ۔
اگر ضمیر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹایا جائے تو مطلب یہ بنے گا اگر تمہیں محمد ﷺ پر قرآن کے اتارے جانے میں شک ہے تو ان جیسا قرآن لے آؤ۔
وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ: (اور بلاؤ اپنے مددگاروں کو) یہ تفسیر وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ کے ساتھ زیادہ موافقت کرنے والی ہے

شہداء کا مطلب:

شھداء جمع شہید ہے۔ اس کا معنی حاضر ہے یا گواہی دینے والا۔ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اللہ کے سوا) یعنی غیر اللہ یہ شہداء کم کے متعلق ہے یعنی تم ان کو پکارو۔ جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھا ہے اور جن کے متعلق تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ قیامت کے دن گواہی دیں گے کہ تم حق پر ہو یا ان کو بلالاؤ جو تمہارے حق میں گواہی دیں کہ وہ قرآن کی مثل ہے۔
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: (اگر تم سچے ہو) اگر تم سچے ہو کہ یہ من گھڑت ہے اور محمد ﷺ کا بنایا ہوا ہے۔
نحو: شرط کا جواب محذوف ہے ماقبل اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تم اس کی مثل بنالاؤ۔ اور اس پر اپنے معبودوں سے امداد طلب کرو۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۚۖ

سو اگر تم نہ کرو اور ہرگز نہیں کر سکو گے، سو ڈرو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں

اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۝۲۴

وہ تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا : (اگر تم نہ کر سکو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے)

سابقہ آیات سے ربط:

ربط: جب ان کی رہنمائی اس جہت کی طرف کر دی، جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پہچان سکیں تو انہیں فرمایا، اگر تم مقابلہ نہ کر سکو، اور تمہاری عاجزی ظاہر ہو جائے تو پھر (اصولاً) اس کی تصدیق واجب ہو گئی۔ پس تم ایمان لاؤ۔ اور اس عذاب سے ڈر جاؤ۔ جو اس کے مکذبین اور معاندین کے لیے تیار کھڑا ہے۔

دو دلائل:

اِس میں اثبات نبوت کی دو دلیلیں ہیں۔

نمبر۱: جس سے چیلنج دیا جا رہا ہے وہ معجزہ ہے۔

نمبر۲: یہ خبر دے دینا کہ وہ مقابلے کی تاب نہیں لا سکتے۔ یہ غیب ہے۔ جس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔

کلمہ شک کی وجہ:

جب ان کا عجز تأمل سے قبل ہی مشکوک کی طرح تھا اس لیے کہ ان کو اپنی فصاحت پر بھروسہ اور بلاغت پر اعتماد تھا۔ تو کلام ان کے ساتھ ان کے گمان کے مطابق کیا گیا۔ اور ''اِنۡ'' لائے جو شک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ''اذا'' نہیں لائے جو وجوب کے لیے آتا ہے اور الاتیان کو فعل سے تعبیر کیا۔ اس لیے کہ یہ من جملہ افعال میں سے ایک فعل ہے اور اس میں فائدہ یہ ہے کہ یہ کنایہ کے قائم مقام ہے۔ جس سے عبارت میں اختصار حاصل ہوتا ہے اگر الاتیان کی بجائے فعل نہ لاتے تو کلام یوں طویل ہوتا۔ فان لم تا توا بسورۃ من مثلہ ولن تاتوا بسورۃ من مثلہ۔ (دونوں کلاموں میں جو فرق ہے وہ صاحب عقل سے مخفی نہیں)۔

نحوی تحقیق:

نحو: لن تفعلوا کا کوئی محل اعراب نہیں اس لیے کہ یہ معترضہ جملہ ہے اور جملہ معترضہ بھی خوب ہے کہ ان حرف تردد تھا تو اس جملے سے لن تفعلوا کہہ کر تردد کو ھباءً منثورا کر دیا۔

تحقیق نحوی: لا،لن مستقبل میں ہم مثل ہیں البتہ لن میں تاکید زیادہ ہے۔
خلیل نحوی: کے ہاں اس کی اصل لا،ان ہے اور فراء کے ہاں لا کے الف کونون سے بدل دیا۔
سیبویہ: کے ہاں یہ حرف نفی مستقبل کی تاکید کیلئے اپنی اصل وضع کے ساتھ ہی ہے۔ حاصل کلام: اخبار غیب سے ہے اس ساری حقیقت کے ساتھ پھر یہ معجزہ بھی بن گیا۔ کیونکہ اگر انہوں نے اس کا کچھ بھی مقابلہ کیا ہوتا تو ضرور مشہور ہوتا۔ اور کیوں نہ مشہور ہوتا جبکہ منکرین اور طعنہ زنی کرنے والوں کی کثرت تھی۔

آیت میں آگ سے بچنے کے لیے اس جیسی سورۃ کے لانے کی نفی کرنا شرط قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ نہ لائے تو معارضہ سے انکی عاجزی خوب ظاہر ہوگئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی ثابت ہوگئی۔ پھر انہوں نے عناد کو لازم کر کے آپ کی اطاعت سے انکار کر دیا۔

فائدہ ایجاز:

جس کی بناء پر انہوں نے آگ کو اپنے لیے واجب کرلیا۔ پس انہیں کہا گیا۔ اگر تمہاری عاجزی ظاہر ہوگئی ہے تو عناد کو ترک کرو۔ اس کی بجائے۔
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ: (پس تم بچو اس آگ سے) کہہ دیا۔ اسلئے کہ آگ سے بچنا عناد کو ترک کر دینے کے سبب ہی ہوسکتا ہے۔ اور یہ بات کنایہ میں سے ہے جو بلاغت کا حصہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ایجاز حاصل ہوا جو قرآن کا زیور ہے۔
الوقود: (ایندھن) جس سے آگ بھڑکتی ہے یعنی لکڑیاں۔ جب یہ مصدر ہو تو مضموم ومفتوح دونوں طرح آتا ہے۔

ایک سوال:

سوال: الذی، التی کا صلہ ضروری ہے کہ مخاطب کو معلوم ہو۔
جواب: ممکن ہے کہ انہوں نے اہل کتاب سے سنا ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو۔ یا اس سے پہلے یہ آیت: نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ سورۃ التحریم آیت نمبر ۶ انہوں نے سنی ہو۔
نکتہ: تحریم میں نار کو نکرہ لائے اور فاتقوا النار میں معرفہ لائے کیونکہ پہلی آیت مکہ میں اتری پھر یہ آیت مدینہ منورہ میں اتری۔ اس سے اس طرف اشارہ کر دیا گیا۔ جس کو وہ پہلے پہچان چکے تھے۔

اب آیت: الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کا معنی یہ ہے کہ وہ آگ دوسری آگوں سے ممتاز ہے۔ اس لیے کہ وہ لوگوں اور پتھروں سے جلتی ہے اور وہ پتھر گندھک کے جن کی آگ بہت تیز جلنے والی اور دیر سے بجھنے والی ہے اور شدید بدبو والی اور بدن کو زیادہ لپٹنے والی ہے یا پوجے ہوئے بت وہ حسرت کو بڑھانے کے لیے (ان سے آگ جلائی جائے گی) لوگوں کو پتھروں سے ملایا کیونکہ انہوں نے ان پتھروں سے دنیا میں اپنے آپ کو ملایا۔ اس طرح کہ انکی عبادت کی۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا۔ اور اس کی مثل ہے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۹۸ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ میں

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ بلاشبہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری

الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا

ہوں گی جب کبھی بھی ان کو ان باغوں میں سے کوئی پھل بطور غذا کے دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہمیں اس سے

مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ

پہلے دیا گیا ، اور ان کو ہم شکل پھل دیئے جائیں گے　اور ان کے لئے ان باغوں میں بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں۔ اور وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

ہے۔ یعنی اس کی لکڑی ان کو اس کے ساتھ ملایا۔ جہنم میں گرم کرنے کے لیے اور ان کے دکھ میں مبالغہ کے لیے۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ : (وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اس میں دلیل ہے کہ آگ مخلوق ہے اس کے برخلاف فرقہ جہمیہ کہتے ہیں (یہ جہم بن صفوان گمراہ آدمی تھا اس کو نصر بن سیار نے ۱۲۸ھ میں جہنم رسید کیا)

سابقہ آیات سے ربط:

ربط : اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ ترغیب کو ترہیب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تاکہ جو پیش کیا جاتا ہے۔ وہ خوش اسلوبی سے حاصل ہو اور جو چیز ہلاک کرنے والی ہے اس کے ارتکاب سے بچا جائے۔

جب کفار اور ان کے اعمال کا ذکر کیا۔ اور ان کو عقاب سے ڈرایا۔ تو اس کے بعد اہل ایمان اور ان کے اعمال کا ذکر کیا اور ان کو اپنے اس ارشاد سے خوش خبری دی۔

بشارت:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ : (اور خوش خبری دیں ایمان لانے والوں اور اچھے عمل کرنے والوں کو) بَشِّرْ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ یا پھر ہر ایک کو اور یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ وہ اعلان کرتے ہیں۔ کہ یہ معاملہ اپنی عظمت و بڑائی کی وجہ سے اس لائق ہے کہ اس کی بشارت ہر ایک کو دی جائے جو بشارت کے قابل ہو۔

نحوی تحقیق:

نحو :اس کا عطف فاتقوا پر ہے۔

نمبرا:یا بنی تمیم احذروا عقوبة ما جئتم وبشر یا فلان بنی اسد باحسانی الیهم

ا۔ بنی تمیم جو تم نے حرکت کی اس کی سزا کے لیے خبر دار ہو جاؤ اور اے فلاں بنی اسد کو میرے احسانات کی خوش خبری دے۔

نمبر۲: یا یہ جملہ ہے جس میں ایمان والوں کے ثواب کو بیان کیا ہے اس کا عطف اس جملے پر ہے جس میں کفار کا انجام بیان کیا گیا۔ جیسے زید یعاقب بالقید والا زهاق وبشر عمرًوا با لعفو والا طلاق۔ زید کو قید اور دم گھٹنے کی سزا دی جائے اور عمرو کو معافی اور آزادی کی خوش خبری سنا دو۔

تعریفِ بشارت:

البشارت : ایسی خبر جو مخبر بہ کے سرور کو ظاہر کرے اور اس بات کے پیش نظر علماء اصول نے کہا اگر ایک آدمی نے اپنے غلاموں کو کہا۔ کہ جس نے تم میں سے مجھے فلاں کے آنے کی بشارت دی پس وہ آزاد ہے پس انہوں نے الگ الگ خوشخبری دی۔ تو ان میں اول آزاد ہوگا۔ کیونکہ اس نے ہی اپنی خبر سے آقا کی خوشی کو ظاہر کیا باقی نے نہیں۔ اور اگر اس نے بشرنی کی جگہ اخبرنی کہا تو پھر تمام آزاد ہو جائیں گے۔ کیونکہ خبر تو تمام نے دی۔

البشره : کا لفظ اسی سے ہے ظاہری جلد کو کہتے ہیں۔ طباشیر الصبح۔ صبح کی اولین روشنیاں۔

ایک اعتراض:

اعتراض: فَبَشِّرْ هُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ،آل عمران آیت نمبر ۲۱ سے تو بات غلط ہو جاتی ہے۔

جواب : وہ اس کلام کی قسم میں سے ہے جس میں مخاطب کے استہزاء میں زائد سختی ظاہر کرنا مقصود ہو جیسا کہ دشمن کو کہا جاتا ہے ابشر بقتل ذریتك ونهب مالك۔ گویا یہ تحکمانہ کلام ہے۔

الصالحه : کا لفظ اسم کی جگہ استعمال میں الحسنہ کی طرح ہے۔

مرادِ صالحات:

الصالحات : دلیل عقل و کتاب وسنت سے درست ثابت ہونے والے اعمال۔ اس میں لام جنس کا ہے اس آیت میں ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جنہوں نے اعمال کو ایمان میں داخل مانا ہے اس لیے کہ اعمال صالحہ کو ایمان پر عطف کیا گیا۔ معطوف معطوف علیہ دونوں غیر غیر ہوتے ہیں۔

ایک اعتراض:

تم کہتے ہو کہ مؤمن جنت میں بغیر اعمال صالحہ کے داخل ہو سکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو خوش خبری ان کو دی جو ایمان

اوراعمال صالحہ والے ہیں۔

جواب : مطلق جنت کی بشارت کے لیے شرط یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ ملے ہوئے ہوں۔ کبیرہ گناہ والے کے لیے ہم بشارت کو مطلق قرار نہیں دیتے۔ بلکہ بشارت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مقید کرتے ہیں۔ خواہ وہ بخش دے خواہ گناہوں کی مقدار عذاب دے کر پھر جنت میں داخل کر دے۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ : (بے شک ان کے واسطے بہشتیں ہیں) یعنی بان لهم (اس لیے کہ ان کے لیے)۔

نحو : سیبویہ کے نزدیک یبشّر سے اَنّ اور اس کا معمول منصوب ہے۔ خلیل کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ قرآن مجید میں کثرت سے ہے۔

جنت کا معنی:

اَلْجَنَّةِ: کھجور اور گھنے درختوں کا باغ جن کی ترکیب میں ستر کا معنی پایا جاتا ہے۔ اسی سے جن، جنون، جنین، جنت، جان، جنان ہے ثواب کے مقام کو جنت کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں باغات ہیں جنت پیدا کی جاچکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے البقرہ آیت نمبر ۳۵ اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ بعض معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے جنت کو جمع اور نکرہ لانے کا مقصد یہ ہے کہ جنت تمام ہی دار الثواب کا نام ہے اور اس میں بے شمار باغات ہیں۔ جو اعمال کرنے والے لوگوں کے مراتب کے مطابق ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ہر طبقہ کے لیے ان باغات میں سے باغات ہونگے۔

تفسیر تجری:

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ **نحو** : یہ جملہ جنات کی صفت ہونے کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔ اور مراد من تحت اشجارھا۔ یعنی اس کے درختوں کے نیچے جیسا کہ تم جاری رہنے والی نہروں کے کناروں پر درخت اگے ہوئے دیکھتے ہو۔ البتہ جنت کی نہریں گہری جگہوں میں چلنے والی نہ ہونگی۔ (بلکہ سطح زمین پر چلنے والی ہونگی) باغوں میں سب سے شاندار وہی ہوتا ہے جس کے درخت سایہ دار ہوں۔ اور اس کے درمیان پانی کی نالیاں پھیلی ہوئی ہوں۔

الجری : پھسلنا، جاری ہونا۔

النهر : جو جدول سے بڑی پانی بہنے کی جگہ ہو۔ مگر سمندر سے کم ہو۔ دریائے نیل کو نہر نیل کہا جاتا ہے۔ لغت غالبہ کے لحاظ سے۔ نہر کی ترکیب وسعت پر دلالت کرتی ہے۔ جری کی نسبت نہر کی طرف مجازی ہے۔

الانہار کی وجہ تعریف:

الانهار : کو معرفہ لایا گیا۔

نمبر ۱ : اس لیے کہ ممکن ہے کہ انہارھا جنت کی نہریں مراد لی جائیں۔ اضافت کی جگہ لام تعریف لائے۔ جیسا کہ سورۃ مریم آیت نمبر ۴ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا میں الرأس میں الف لام مضاف الیہ کی جگہ لایا گیا۔

نمبر۲: الف لام لا کر ان نہروں کی طرف اشارہ مقصود ہو جو سورۃ محمد آیت نمبر۱۵ اِفِیۡهَاۤ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَیۡرِ اٰسِنٍ میں مذکور ہے۔

ایک نکتہ:

جاری پانی بڑی نعمت اور بڑی لذیذ چیز ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنات کے ساتھ انہار جاریہ کا ذکر فرمایا اور تمام صفات سے اس صفت کو مقدم کیا۔

کُلَّمَا رُزِقُوۡا : (جب کبھی دیئے جاویں گے وہ لوگ) نحو : یہ جنات کی دوسری صفت ہے۔

نمبر۲: یا جملہ مستانفہ ہے۔اس لیے کہ جب یہ کہا گیا۔اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تو سامع کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ ان باغات کے پھل دنیا کے باغات کے پھلوں کی طرح ہونگے یا دوسری اجناس کے ہونگے۔جو ان اجناس سے مشابہت نہ رکھیں تو جواب دیا۔کہ ان کے پھل دنیا کے پھلوں کے مشابہ ہونگے۔یعنی ان کی جنس ایک ہوگی۔اگرچہ فرق ہوگا۔جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ : (یعنی جب بھی ان کو باغات سے رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ وہی ہے)۔

من ابتدائیہ:

مِنۡ : پہلا اور دوسرا ابتداء غایت کے لیے ہے کیونکہ ابتداء رزق جنات سے ہوگی۔اور رزق باغات کے پھلوں سے ہوگا۔اس کی نظیر یہ ہے رزقنی فلان۔مجھے فلاں نے رزق دیا۔تو تمہیں کہا جائے۔مِنۡ اَیۡنَ کہاں سے؟ پس تم کہو من بستانہٖ۔اس کے باغ سے پھر کہا جائے من ای ثمرة رزقك من بستانہٖ اس کے باغ کے کونسے پھل سے تو تم کہو۔من الرّمّان۔انار سے ثمرہ سے مراد ایک سیب نہیں یا الگ سیب مراد نہیں بلکہ مراد پھلوں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔

رُزِقۡنَا : (جو ہمیں دیا گیا) ضمیر حذف کر دی گئی۔

مِنۡ قَبۡلُ : (اس سے پہلے) یعنی اس سے قبل قَبۡلُ کا مضاف الیہ منوی ہونے کی وجہ سے مبنی بالضم ہے۔مطلب یہ ہے کہ اس کی مثل ہے جو ہمیں اس سے پہلے رزق دیا گیا۔اور اس کے مشابہ ہے جیسا اس آیت میں

مشابہتِ تامہ:

وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا : اور ان کو ایک دوسرے سے ملتے جلتے (میوے) دیئے جائیں گے اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہا جاتا ہے ابو یوسف ،ابو حنیفه، ابو یوسف تو ابو حنیفہ ہے۔مراد مشابہت کو مضبوط کرنا ہے گویا دونوں کی ذات ایک ہے

ہٗ کا مرجع:

نحو : بِہٖ میں ہٖ ضمیر دنیا اور آخرت میں دیئے جانے والے سارے رزق کی طرف ہے۔کیونکہ ارشادِ الٰہی: هذا الذی۔ رزقنا من قبل۔کے ماتحت دارین میں دیا جانے والا رزق سمیٹ دیا۔

مانوس رزق:

جنت کے پھل دنیا کے پھلوں کی طرح ہونگے ۔ان کی جنس الگ نہ ہوگی ۔اس لیے کہ انسان دیکھی بھالی چیز سے مانوس ہوتا ہے ۔اور جانی ہوئی چیز کی طرف طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے جب غیر مانوس کو دیکھتا ہے تو اس کی طبیعت نفرت کرتی اور برا سمجھتی ہے اس لیے کہ جب وہ دیکھی ہوئی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اس میں ظاہری مرتبہ اور واضح فرق دیکھتا ہے تو اس کو تعجب و حیرانی زیادہ ہوتی ہے ۔(بنسبت اس چیز کے کہ جس سے ناواقفیت ہو)۔ جنت والے یہ بات ہر پھل دیئے جانے پر کہیں گے ۔ یہ دلیل ہے کہ امر کی انتہا ہے اور اس حالت کا برقرار رہنا مرتبے کے اظہار کے لیے اور یہ بتلانے کیلئے ہے کہ یہ عظیم فرق ہی تو ہر گھڑی ان کو تعجب سے پُر رکھے گا۔

نمبر۲: بہٖ کی ضمیر رزق کی طرف ہے گویا یہ اس کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ان کو جو جنت کے پھلوں سے رزق دیا جائے گا۔ وہ ذاتی لحاظ سے ان کے پاس ایک جیسا ان کو ملے گا۔

جیسا کہ حضرت حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جنتی کے پاس پیالہ لایا جائے گا اور وہ اس میں سے کھائے گا پھر دوسرا لایا جائے گا تو جنتی کہے گا۔ یہ تو ہمیں پہلے دیا گیا۔ فرشتہ کہے گا۔ کھالو۔ رنگ تو ایک ہے ذائقہ مختلف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ **والذی نفس محمد بیدہٖ (الحدیث)** مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ جنتی جب پھل کھانے کے لیے لے گا۔ ابھی وہ اس کے منہ تک نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اور بدل دے گا۔ (طبرانی فی الکبیر، البزار) جب جنتی اس کو دیکھیں گے جبکہ ہیئت پہلے والی ہوگی تو کہیں گے۔

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا : (اور ان کو ان کے مشابہ دیا جائے گا) یہ جملہ معترضہ ہے۔ پختگی ظاہر کرنے کے لیے لائے جیسے کہو۔

فلاں احسن بفلان ۔ **ونعم مافعل** ۔ ورأی **من الرای کذا و کان صوابًا** ۔ فلاں نے فلاں سے احسان کیا اور اس نے بہت خوب کیا۔ اس نے یہ رائے اختیار کی۔ اور یہ درست تھی۔ اور ارشاد الٰہی میں

وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (سورۃ النمل آیت نمبر ۳۴) كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ تاکید کے لیے لائے۔

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ: (ان کیلئے اس میں بیویاں ہونگی) **نحو** : ازواج مبتدا اور لهم خبر ہے فیها ظرف مستقر ہے۔

طہارت کا مطلب:

نمبر۱: مُطَهَّرَةٌ۔ پاک ہوں گی برے اخلاق سے۔ نہ خاوندوں سے بغض رکھنے والی ہونگی اور نہ غیروں کی طرف دیکھنے والی ہوں گی۔ نہ اکڑنے والی ہونگی۔

نمبر۲: حیض و استحاضہ سے پاک ہونگی اور بول براز تمام گندگیاں جو ان کے ساتھ خاص ہیں ان سے پاک ہونگی۔ موصوف جمع ہے صفت واحد ہے کیونکہ دونوں فصیح لغتیں ہیں۔ طاہرہ نہیں کہا اس لیے کہ مطہرہ زیادہ بلیغ ہے اور تکثیر کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں یہ بتلایا کہ کسی پاک کرنے والے نے ان کو پاک کیا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ہے۔

وَهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : (اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) **الخلد** ایسی دائمی بقاء جسمیں انقطاع نہ ہو۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ کوئی بھی مثال بیان فرمائے۔ مچھر ہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی کوئی چیز ہو، سو جو لوگ

آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ

ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا

اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾

وقف لازم

اللہ نے اس کے ذریعہ مثال دینے کا۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ بہت سوں کو ہدایت دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ نہیں گمراہ کرتے مگر فرمانبرداری سے نکل جانے والوں کو

تردید جہمیہ :

اس میں جہمیہ فرقہ کی تردید ہے کیونکہ وہ جنت اور اہل جنت کے فناء کے قائل ہیں۔ دلیل جہمیہ۔ اللہ تعالیٰ ہی اول اور آخر ہیں اور اولیت کی حقیقت مخلوق سے پہلے ہونا تو بالاتفاق ہے پس ضروری ہے کہ آخریت کے وصف میں بھی وہ تمام سے آخر ہو اور یہ تبھی درست ہے جب سب کے سب فناء ہو جائیں پس ضرورۃً افناء کو ماننا پڑا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ باقی ہیں اور اسکی صفات بھی باقی ہیں اگر جنت بھی اپنے رہنے والوں کے ساتھ باقی رہنے والی ہو تو خالق و مخلوق میں مشابہت لازم آتی ہے اور یہ محال ہے

جواب : اولیت اللہ تعالیٰ کے حق میں اس طرح کہ اس کے وجود کی ابتداء نہیں اور آخریت اس کے حق میں اس طرح کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں۔ اور مخلوق کے حق میں اول کا مطلب فرد سابق (پہلے والا فرد) ہے اور آخر فرد لاحق (پچھلا فرد) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان صفات کا ہونا صفت کمال کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور اس کی ذات سے نقص و زوال کی نفی کرنے کے لیے ہے اور یہ جنت اور اہل جنت کے متعلق بقاء مٹنے اور فناء ہونے کے احتمال سے ہونے کو ظاہر کرنے کیلئے ہے نہ وہ جو معتزلہ کہتے ہیں۔ پھر کہاں سے تشابہ فی البقاء لازم ہوا۔ اللہ تعالیٰ تو ذاتی لحاظ سے باقی رہنے والے ہیں۔ اور اس کی بقاء واجب الوجود ہونا ہے اور مخلوق کا بقاء اس کے باقی رکھنے سے ہے۔ اور وہ جائز الوجود ہے (بینهما بون بعید فلیتبصر)

سابقہ آیات سے ربط :

ربط : قرآن مجید نے جب ذباب و عنکبوت کا ذکر فرمایا۔ اور ان کی مثال بیان کی تو یہود نے ہنسنا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے یہ کلام اللہ تو نہیں لگتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتار دیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً : (تحقیق اللہ نہیں حیا کرتا کہ مثال بیان کرے مچھر کی)

یعنی اللہ تعالیٰ مچھر سے مثال بیان کرنا ترک نہیں فرماتے اسکی طرح جو حقارت کی وجہ سے ان سے مثال بیان کرنا چھوڑ دے۔

حیاء کی اصل تعریف:

وہ تبدیلی اور شرمندگی جو انسان کو عیب و مذمت کے خوف سے پیش آتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات تو قدیم ہے وہ تغیر و خوف و مذمت سے پاک ہے لیکن ترک حیاء کے لوازم میں سے ہے اس لیے ترک کو حیاء سے تعبیر کیا گیا۔

دوسرا قول: یہ بھی درست ہے کہ یہ عبارت کفار کے کلام میں پائی جاتی تھی۔کہ انہوں نے کہاما یستحی ربّ محمد ان یضرب مثلا بالذباب و العنکبوت : محمد کا رب حیاء نہیں کرتا کہ مکھی و مکڑی کی مثال بیان کرے۔تو مقابلے اور سوال کے مطابق (ترکی بہ ترکی) جواب دینے کے لیے اس طرح فرمایا اور یہ کلام بدیع میں سے ہے۔

اس میں دو لغات ہیں۔متعدی بنفسہ اور متعدی بحرف الجار کہا جاتا ہے استحییتہٗ و استحییت منہ یہاں دونوں کا احتمال ہے۔

مفہوم ضرب مثل:

یہ ضرب اللبن اور ضرب الخاتم سے بنا ہے (اینٹ لگانا یا مہر لگانا) بیان کرنا۔

نحوی تحقیق:

نحو :مَا نمبرا: یہ ابہامیہ ہے جب یہ نکرہ کے ساتھ آئے تو اس میں ابہام پیدا کر کے اس کے عموم میں اضافہ کرتا ہے مثلاً کہیں اعطنی کتا باما۔مراد کوئی سی کتاب۔

نمبر۲: یہ ما تاکید کے لیے لایا گیا۔جیسا سورۃ النساء آیت نمبر ۱۵۵۔فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ میں ہے اب معنی اس طرح ہے کسی بھی مثال کا بیان کرنا نہیں چھوڑتا۔

نحو نمبرا: مَا بَعُوْضَةً یہ مثلاً کا عطف بیان ہے اور اس نکرہ سے حال ہے جو اس سے مقدم ہے

نمبر۲ یا: ضرب بمعنی جعل ہے اور یہ دونوں مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

لغت بعوضة : یہ بَعْض سے بنا ہے اور وہ کاٹنے کو کہتے ہیں جیسے البضع والعضب (کاٹنا) کہا جاتا ہے بعضہ البعوض۔اس کو مچھر نے کاٹا۔اور بعض الشئ کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کا حصہ و ٹکڑا ہوتا ہے بعوض فعول کے وزن پر قطوع (کاٹنا) کی طرح صفت ہی ہے۔پھر اسمیت غالب آ گئی۔

فوقیت کا مطلب:

فَمَا فَوْقَهَا : (یا اس سے بڑھ کر) نمبرا: جو اس سے متجاوز ہے اور اس معنی میں بڑھ کر ہے جس میں وہ مثال بیان کی گئی ہے اور وہ معنی قلت و حقارت ہے۔

نمبر۲: جو حجم میں اس سے بڑھ کر ہے گویا اس سے اس بات کی تردید کر دی کہ جس چیز کو تم نے عجیب قرار دیا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کی

کتاب اور مکھی اور مکڑی کی مثال یہ کیسے ہوسکتا ہے تو جواب دیا کہ مکھی و مکڑی در کنار اللہ تعالیٰ تو مچھر کی مثال بیان کرنے کو نہیں چھوڑتا حالانکہ یہ ان سے چھوٹا ہے۔

اعتراض: مچھر سے کم کی مثال کیسے بیان کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ انتہائی چھوٹا ہے۔

جواب : مچھر کا پر اس سے کئی درجہ قلیل اور چھوٹا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو دنیا کی حقارت کے لیے بطور مثال بیان فرمایا۔ (لو كانت الدنيا تعدل عندالله جناح بعوضة ما سقى منها كافرا شربة ماء)(ترمذی) اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر مرتبہ رکھتی تو کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتے۔

تفسیر فَاَمَّا الَّذِیْنَ :

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ : (پس وہ لوگ جو ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ یہ مثال حق ہے)

نحو : ہٗ کی ضمیر مثل کی طرف ہے یا لان یضرب کی طرف ہے۔

الحق : وہ ثابت شدہ چیز جس کا انکار نہ کیا جاسکے۔ کہا جاتا ہے حق الامر: جب کہ وہ معاملہ ثابت و واجب ہو جائے۔

مِنْ رَّبِّهِمْ : (ان کے رب کی طرف سے) **نحو** : یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل حق کا معنی ہے اور ذو الحال اس کی مستتر ضمیر ہے۔

تفسیر آیت :

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا : (اور جو منکر ہیں وہ کہتے ہیں اس مثال سے اللہ تعالیٰ کی کیا غرض تھی) اس پر وقف لازم ہے۔ اگر وقف نہ کریں۔ تو مابعد اس کی صفت بن جائیگا۔ اور اس طرح ہو نہیں سکتا۔ (مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا) میں استحقار ہے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں یا عجبا لابن عمرو هذا! یہ بات ابن عمرو سے انتہائی قابل تعجب ہے (بطور تحقیر فرمایا)

نحوی لطائف :

نحو : مَثَلًا تمیز کی وجہ سے منصوب ہے یا حال کی وجہ سے سورۃ الاعراف آیت نمبر ۷۳ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً میں آیت کا لفظ۔ اَمَّا۔ یہ حرف ہے جس میں شرط کا معنی ہے اسی لیے جواب میں فا لائے ہیں۔ اور کلام میں اس کا فائدہ زائد تاکید ہے۔ مثلاً تم کہو زید ذاهب۔ جب اس کی تاکید کرنا چاہو تو کہو گے۔ اما زید ذاهب اس لیے سیبویہ نے اس کی وضاحت میں فرمایا۔ مهما يكن من شئ فزيد ذاهب۔ جو کچھ بھی ہو زید جانے والا ہے یہ وضاحت اس کی تاکید ہونے کے لیے فائدہ مند ہے اور یہ شرط کے معنی میں ہے دونوں جملوں کے شروع میں لائے۔ اور اس طرح نہیں کہا۔ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَقُوْلُوْنَ بلکہ اَمَّا کے ساتھ شروع کیا۔ اس طرز میں ایمان والوں کیلئے بڑی تعریف ہے کہ ان کے علم کو برحق شمار کیا۔ اور کافروں کے بارے میں اپنے نصیب سے غفلت کی خبر دی اور ان پر حمقاء کا کلمہ لا کر طنز کیا۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

جواللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کی مضبوطی کے بعد، اور کاٹتے ہیں ان چیزوں کو جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے

يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

حکم دیا اور فساد کرتے ہیں زمین میں، یہ لوگ پورے خسارہ والے ہیں۔

نحو: ماذااس کی دوصورتیں ہیں۔نمبرا : ذااسم موصول ہواور الذی کے معنی میں ہو

نمبر۲: ما استفہامیہ ہو۔پس دونوں کلمےمل کراسم استفہام بن گئے اورایک کلمہ ہوئے۔

پہلی صورت میں ما مبتدااور ذااس کی خبر ہے۔اپنے جملہ صلہ یعنی اراد کے ساتھ مل کراورضمیر محذوف ہے۔ جب اسم استفہام مان لیں تواراد کی وجہ سے محلاً منصوب ہےتقدیرعبارت اس طرح ہے ایّ شی ء اراداللّٰہ۔اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا ارادہ کیا۔

الارادۃ۔یہ مصدر ہے اَرَدت الشیٔ کہتے ہیں جب تیرانفس اس کوطلب کرے اوراس کی طرف مائل ہو۔متکلمین کے نزدیک ایک وجہ سے خاص کرتا ہے دوسری کی بجائے۔

معتزلہ کاعقیدہ:

البتہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ کے ساتھ حقیقۃً نہیں کی جاسکتی جب اراداللّٰہ کذاکہیں گے۔اگراللہ تعالیٰ کا فعل ہےتوارادہ بمعنی فعل ہوگا کیونکہ وہ نہ بھولنے والا اور نہ مجبور ہےاوراگرغیر کافعل ہےتو اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا۔

کثرت کامعنی:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا : (وہ گمراہ کرتا ہےاس مثال سے بہت سوں کواور ہدایت دیتا ہے بہت کو) امّا سے شروع ہونے والے دونوں جملوں کی تفسیراور بیان کے قائم مقام ہے کہ جاننے والا فریق تو اس کو برحق کہتا ہےاور جہلاء استہزاء کرنے والے ہیں۔اور یہ دونوں کثرت سے موصوف ہیں۔اوراس کے حق ہونے کاعلم باب ہدایت سے ہےاوراسکے اچھے مورد سے ناواقفیت باب گمراہی سے ہےاوراہل ہدایت خواہ بذات خود کہتے ہوں مگران کواہل ضلال کے بالمقابل بظاہراً قلت سے تعبیرکیا جاتا ہےاس لیے بھی کہ تھوڑے سے ہدایت والے بھی حقیقت میں کثیر ہیں اگر چہ صورۃً وہ قلیل ہوں۔جیسا کہ شاعر کے قول میں۔

ان الکرام کثیر فی البلاد وان ☆ قلوا کما غیر هم قل وان کثروا

شرفاءشہروں میں بہت ہیں ۔اگر چہ صورۃً وہ قلیل ہوں ۔جیسا کہ ان کے علاوہ قلیل ہیں ۔حقیقت میں اگر چہ صورۃً گنتی میں کثیر ہیں ۔

والاضلال :بندے میں ضلال کے فعل کا پیدا کرنا ۔

الھدایہ :ھدایت پانے کے فعل کو بندے میں پیدا کرنا ۔

مقصدِ تمثیل :

اہلسنّت کے نزدیک یہ حقیقت ہے ۔آیت کا سیاق اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ جس چیز کو جاہل کفار انوکھا اور عجیب خیال کرتے ہیں ۔کہ حقیر چیزوں کیساتھ مثال بیان کرنا اچھنبے کی بات ہے ۔حالانکہ یہ تو تعجب کی بات نہیں کیونکہ تمثیل کا مقصد معنی کو واضح کرنا اور وہم والے کو مشاہدے کے قریب کرنا ہوتا ہے ۔پس اگر متمثل لہ عظیم ہو تو متمثل بہٖ بھی عظیم اور اگر وہ حقیر ہو تو متمثل بہٖ بھی حقیر ہوگا ۔ذرا غور تو کرو ۔جبکہ حق واضح اور جلی ہے تو اس کی مثال ضیاء اور نور سے دی ۔اور باطل غیر واضح ہے تو اس کو ظلمت اور اندھیرے سے تشبیہ دی ۔بس اسی طرح اس آیت میں وہ آلہہ جن کو کفار نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے ۔وہ سب سے زیادہ ذلیل ترین اور حقیر ترین ہیں ۔اسی لیے مکڑی کے جالے کو ان کی کمزوری اور بودے پن کے لیے بطور تمثیل لائے ۔اور ان کو مکھی سے کم درجہ قرار دیا ۔اور مچھر کی مثال ان کے لیے بیان کی جو مثال میں مکھی سے بھی کم تر ہے یہ تو کوئی اوپری اور نوایجاد بات نہیں ۔اس تمثیل بیان کرنے والے کو نہ کہا جائے گا ۔کہ مچھر کے ساتھ ان کی تمثیل بیان کرنے سے باز رہو ۔اس لیے کہ وہ اپنی تمثیل میں سچا ہے اور بات میں حقیقت پر چلنے والا ہے اور تمثیل کو اس کے مقام پر فٹ کر رکھا ہے ۔

مؤمن وکافر کے مزاج میں فرق :

سیاق اور آیت میں یہ بات بھی بیان کر دی ۔کہ وہ مؤمن جن کی عادت انصاف اور امور میں صحیح عقل سے غور فکر کرنا ہے وہ جب اس تمثیل کو سنیں گے تو جان لیں گے ۔کہ یہ برحق ہے ۔کافر لوگ جن کی عقلوں پر جہل غالب ہے وہ سن کر بڑے بنیں گے ۔اور عناد وضد پر اتر آئیں گے ۔اور اس کے باطل قرار دینے کی سوچیں گے اور انکار کر کے مقابلہ کریں گے اور یہ چیز مؤمنوں کی ہدایت کا سبب بن جائے گی ۔اور فاسقوں کی گمراہی کا ذریعہ ثابت ہوگی ۔

ان کفار (مکہ) پر تعجب ہے کہ انہوں نے کس طرح انکار کر دیا حالانکہ لوگ مکھی، پرندوں اور حشرات الارض کی مثالیں بیان کرتے چلے آ رہے ہیں چنانچہ کہتے ہیں ۔

اجمع من ذرّۃ (چیونٹیوں سے زیادہ اکھٹے) اجر أمن الذباب (مکھی سے زیادہ جرأت مند) اسمع من قراد (چچڑی سے زیادہ کانوں والا) اضعف من فراشۃ (پروانے سے زیادہ کمزور) أکل من السوس (دیمک سے زیادہ کھانے والا) اضعف من البعوضہ (مچھر سے زیادہ کمزور) اعزّ من مخ البعوض ۔(مچھر کے مغز سے زیادہ عزت والا) لیکن حجت باز اور مبہوت کے مزاج کا تقاضا ہے کہ زیادہ حسرت کی وجہ سے واضح کو مسترد کرے اور چمکتے ہوئے روشن حق کا انکار کر دے ۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ : (اور وہ ہرگز گمراہ نہیں کرتا اس سے مگر فاسقوں کو)

نحوی تحقیق:

نحو: الفاسقین، ما یضل کا مفعول ہے استثناء کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ یضل کا مفعول پورا نہیں ہوا۔

مفہوم فسق:

الفسق : میانہ روی سے نکلنا۔ شرع میں کبیرہ کا ارتکاب کر کے حکم شرع سے نکلنا یہ دو مرتبوں کے درمیان ہے یعنی مؤمن و کافر کے درمیان (نہ وہ مؤمن رہتا ہے اور نہ وہ کافر ہوتا ہے) یہ معتزلہ کے نزدیک ہے۔ عنقریب ہم اس کی تردید کریں گے۔ انشاء اللہ

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ : (وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑتے ہیں)

النقض : ترکیب کھولنا اور فسخ کرنا العھد۔ پکا وعدہ۔ ان ناقضین سے ضدی قسم کے احبار یہود یا ان میں سے جو منافقین یا تمام کفار مراد ہیں۔ عھد اللّٰہ: عہد سے مراد۔

نمبر۱: توحید کے دلائل جو ان کی عقلوں میں موجود تھے۔ گویا وہ وصیت شدہ بات تھی۔ اور وثیقہ تھا۔ جو ان سے لیا گیا تھا۔

نمبر۲: ان سے پختہ عہد لیا گیا۔ کہ جب رسول ان کی طرف بھیجا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ معجزات سے اس کی تصدیق فرمادیں گے۔ تو وہ اس کی تصدیق کریں گے۔ اور اس کی اتباع کریں گے۔ اور اس کا تذکرہ نہ چھپائیں گے۔

نمبر۳: اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ خون نہ بہائیں گے۔ اور ایک دوسرے پر سرکشی نہ کریں گے۔ اور قطع رحمی نہ کریں گے۔

نمبر۴: (تین عہد) یہ بھی کہا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے تین وعدے لئے۔ عہد اول جو تمام ذریت آدم سے اقرار ربوبیت کا لیا گیا۔ جو سورۃ الاعراف آیت نمبر۱۷۲۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ میں مذکور ہے دوسرا عہد جو خاص انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا۔ کہ وہ رسالت کو پہنچائیں گے اور دین کو قائم کریں گے وہ سورۃ الاحزاب آیت نمبر۷ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ میں ذکر فرمایا ہے۔

اور تیسرا عہد جو علماء سے لیا گیا۔ جس کو سورۃ آل عمران آیت نمبر۱۸۷ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ میں ذکر کیا گیا گویا یہ تینوں مراد ہیں۔

مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ : (اس کو پختہ کر دینے کے بعد) میثاق، الوثاقہ سے لیا گیا۔ یہ کسی چیز کو مضبوط کرنے کو کہا جاتا ہے۔ ہ کی ضمیر عہد کی طرف ہے وہ جس کو قبول کرنے کے لیے انہوں نے مضبوط باندھا۔ اور اپنے نفسوں پر لازم کیا نمبر۱: جائز ہے کہ میثاق توثقۃ (وعدے کی توثیق کرنے کے بعد) کے معنی میں ہو جیسا میعاد بمعنیٰ الوعد آتا ہے۔ ہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے تو معنی یہ بنے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ان پر پختہ کر دینے کے بعد مِنْ یہ ابتداء غایت کے لیے ہے

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ : (اور وہ قطع کرتے ہیں اس کو جن کا اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا)

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ

کیسے کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ، حالانکہ تم بے جان تھے سو اس نے تم کو زندگی دی۔ پھر تم کو موت دے گا، پھر زندہ فرمائے گا، پھر اس کی طرف

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

لوٹائے جاؤ گے۔

قطع کی حقیقت:

نمبر ۱: قطع رحمی کرنا اور مسلمانوں سے دوستی منقطع کرنا۔

نمبر ۲: انبیاء علیہم السلام میں سے بعض پر ایمان اور بعض کا انکار کر کے ان کی اجتماعیت علی الحق کو ختم کیا۔ گویا ان یوصل سے مراد اجتماعیت علی الحق اور قطع سے مراد بعض کی تصدیق اور بعض کی تکذیب ہے۔

تعریف امر:

الامر۔ کسی چیز پر استعلاء کے طور پر مخصوص قول سے فعل کا مطالبہ کرنا۔

نحو: ما نکرہ موصوفہ ہے یا الذی کے معنی میں ہے ان یوصل نمبر ۱: موضع جر میں ہے ھا سے بدل ہے یعنی بوصلہ نمبر ۲: موضع رفع میں ہے ای ھو ان یوصل

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ : (وہ زمین میں فساد کرتے ہیں) ڈاکہ ڈال کر

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ : (اور وہی نقصان اٹھانے والے ہیں) ایمان لانے پر تنگ کر کے۔

نحو: اولٓئك مبتدا ھم ضمیر فصل اور الخاسرون خبر ہے یعنی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

نوعیت نقصان:

اس طرح کہ انہوں نے وفا کے بدلہ میں وعدہ توڑا اور وصل کو قطع سے اور اصلاح کو فساد سے ثواب کو عقاب سے بدل ڈالا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ : (تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو) ہمزہ کا وہ معنی جو کیف میں ہے اس کی مثال یہ قول ہے اتکفرون باللّٰہ ومعکم ما یصرف عن الکفرویدعوا الی الایمان۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس وہ چیز ہے جو کفر سے پھیرنے اور ایمان کی طرف راغب کرنے والی ہے۔

مقصدِ استفہام:

یہ استفہام انکار و تعجب کے لیے ہے۔ اس کی مثال اس قول میں ہے

أتطیر بغیر جناح و کیف تطیر بغیر جناح؟ کیا تو بغیر پروں کے اڑتا ہے اور تو بغیر پروں کے کیسے اڑے گا۔ یعنی تو

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے پیدا فرمایا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ پھر قصد فرمایا آسمان کی طرف سو ٹھیک طرح بنا دیا،

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

ان کو سات آسمان، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

بغیر پروں کے ہے اس لیے تو اُڑ نہیں سکتا۔

وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا : (حالانکہ تم مردہ تھے) واؤ حالیہ ہے یعنی تم اپنے باپوں کی اصلاب میں نطفہ کی صورت میں تھے اور قد مضمر ہے الاموات جمع میت ہے جیسے اقوال جمع قیل۔ اسی لیے جسمیں زندگی نہ ہو اس کو بھی میت کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الفرقان آیت نمبر ۴۹ میں ہے بَلْدَةً مَّیْتًا۔

فَاَحْیَاکُمْ : (پس اس نے تمہیں زندہ کیا) پس اس نے ماں کے رحموں میں زندہ کر دیا۔

ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ : (پھر وہ تمہیں موت دیں گے) وہ تمہیں موت دیں گے جب تمہاری مدت زندگی پوری ہو جائے گی۔

ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ : (پھر وہ تمہیں زندہ کریں گے) پھر وہ بعث کے لیے زندہ کریں گے۔

ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ : (پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) پھر تم جزا کی طرف لوٹو گے۔ یا پھر وہ قبور میں تمہیں زندہ کریں گے۔ پھر اس کی طرف نشور کے لیے لوٹائے جاؤ گے۔

فاء اور ثم کا فرق:

یہاں پہلا عطف فاء کے ساتھ ہے اور باقی ثم کے ساتھ ہے کیونکہ احیاء اول بلا تاخیر موت اول کے بعد ہوا۔ باقی موت وہ تو زندگی سے مؤخر ہے اور حیات ثانیہ بھی اسی طرح موت سے متاخر ہے اگر نشور مراد ہو اور اگر قبر کی زندگی مراد ہو تو اس کی تاخیر کا بھی اسی سے علم ہوتا ہے اور جزاء کی طرف لوٹنا وہ نشور سے متاخر ہے۔

کفر انوکھا ہے:

اس موت و حیات کے واقعہ کے ساتھ ساتھ ان کا کفر انوکھی چیز ہے کیونکہ اس واقعہ میں واضح دلائل ہیں جو کفر سے ان کو پھیر سکتے ہیں۔ اور اس لیے بھی ان کا انکار عجیب ہے کہ یہ واقعہ بڑی بڑی نعمتوں پر مشتمل ہے جن کا حق شکر یہ ہے نہ کہ ناشکری کرنا۔

لام کی حکمت:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ : (وہ وہی ذات ہے جس نے تمہارے لیے سب کچھ بنایا)

نمبرا: لکم کی لام اجلیہ ہے تمہاری خاطر۔

نمبر۲: اور تمہارے دین دنیا میں فائدہ پہنچانے کے لیے پیدا کیا۔ اول تو ظاہر ہے اور دوسرے قول میں غور کرو۔ اس میں جو عجائبات ہیں وہ صانع قادر حکیم علیم کی ہستی پر دلالت کرنے والے ہیں اور اس میں آخرت کی یاد ہے۔ کیونکہ زمین کی پناہ گاہ اس کے ثواب کو یاد دلانے والی ہے اور اس کی ناپسندیدہ چیزیں اس کے عقاب کو یاد دلانے والی ہیں۔ علامہ کرخی۔ ابوبکر رازی اور معتزلہ کا استدلال ہے کہ خلق لکم بتلا رہا ہے کہ تمام اشیاء صحیحہ مباح الاصل ہیں۔

جَمِيْعًا (سب کچھ) نحو : یہ ما سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ : (پھر آسمان کا قصد کیا) الاستواء۔ اعتدال و درستگی کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے استوی العود یعنی قام واعتدل۔ سیدھی لکڑی درست کھڑی ہوئی۔ پھر کہا گیا استوٰی الیه کالسهم المرسل چھوڑے ہوئے تیر کی طرح سیدھا ہوا جبکہ وہ ٹھیک نشانے پر لگے۔ اور کسی طرف نہ مڑے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا یہی مطلب ہے ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ۔ یعنی وہ متوجہ ہوا۔ اور آسمان کو بنانے کی طرف توجہ کی زمین کی تمام اشیاء بنانے کے بعد بغیر اس کے کہ اس دوران کسی اور چیز کے پیدا کرنے کی طرف توجہ کرے۔

فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ : (انہیں سات آسمان ہموار بنا دیا) یہ مبہم ہے اس کی تفسیر سبع سمٰوٰت ہے جیسا کہ ان کے قول ربّهٗ رجلاً (بہت سے آدمیوں کو میں ملا ہوں) یہ بھی کہا گیا۔ کہ ضمیر السماء کی طرف لوٹ رہی ہے اگرچہ لفظ واحد ہے مگر معنی جمع کا ہے کیونکہ یہ جنس کے معنی میں ہے۔

مراد تسویہ:

تسویتھن : نمبر۱: ان کا پیدائش میں برابر اور پختگی اور ٹیڑھ اور پھٹنے سے محفوظ ہونا

دوسرا قول: ان کی خلقت کی تکمیل۔ ثم سے یہاں آسمان کی پیدائش کی فضیلت زمین کی پیدائش پر ظاہر کرنا مقصود ہے اور یہ والارض بعد ذلك دحٰها۔ سورۃ النازعات آیت نمبر ۳۰ کے مخالف نہیں کیونکہ زمین کا وجود آسمان کی پیدائش سے مقدم ہے البتہ زمین کا بچھانا وہ زمین کی پیدائش سے متاخر ہے حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول ہے زمین کی پیدائش موضع بیت المقدس میں مہر (پتھر) کی طرح تھی اس پر چمٹا ہوا دھواں تھا پھر دھواں اٹھایا اور اس سے آسمانوں کو بنا دیا۔ اور سب کو اپنی جگہ رہنے دیا۔ اس سے زمین کو پھیلا دیا۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۳۰ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ کا یہی مطلب ہے وہ چمٹنا جس کو رتق فرمایا۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ : (وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) پس اسی لیے ان کو برابر مضبوط بلا تفاوت و فرق کے بنایا۔ اور زمین میں جو کچھ بنایا وہ زمین والوں کی ضروریات و فوائد کے مطابق بنایا۔

قراءت: وَهُوَ اور اس کے ہم مثلوں کو ابوعمرو ورش رحمہ اللہ کے علاوہ مدنی اور دوسرے قراء نے اس طرح پڑھا ہے۔ ورش اور ابوعمرو اور علی رحمهم الله نے وَهْوَ پڑھا۔ گویا واؤ کو نفس کلمہ سے قرار دیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں زمین میں خلیفہ، فرشتوں نے عرض کیا۔ کیا آپ پیدا فرمائیں گے زمین میں

مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ

جو اس میں فساد کریگا اور خونوں کو بہائے گا اور ہم آپ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں

قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ ۳۰

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

پس یہ عَضُدٌ کی طرح ہوا اور دیگر قراء کے ہاں عضُد کی طرح ہوا۔

سابقہ آیات سے ربط :

ربط : جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اس میں جنات کو بسا دیا۔ اور آسمان میں فرشتوں کو ٹھہرایا جنات نے زمین میں فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت بھیج کر ان کو سمندروں کے جزائر اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھگا دیا۔ ان فرشتوں نے جنات کی جگہ اقامت اختیار کی، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو انکا واقعہ ذکر فرمانے کا حکم دیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ : (اور جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں کو) اِذْ اذکر کی وجہ سے منصوب ہے الملٰئکة۔ جمع ملاک شمائل جمع شمال تاء تانیث جمع کے لیے ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ : (بے شک میں بنانے والا ہوں) بنانے والا ہوں یہ جعل سے ہے۔ جس کے دو مفعول ہیں۔

خلیفہ کی تفسیر :

فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً : (زمین میں خلیفہ) خلیفہ وہ ہے جو غیر کے بعد آئے یہ فعیلہ بمعنی فاعلہ ہے۔ ھا اس میں مبالغہ کی بڑھائی گئی ہے۔ اب معنی خلیفة منکم تم میں سے نائب کیونکہ فرشتے زمین کے رہائشی تھے پس اس زمین میں ان کے بعد آدم اور ان کی اولاد کو نائب بنایا۔ خلائف اور خلفاء نہیں کہا کیونکہ خلیفہ سے آدم مراد لئے گئے۔ اور اولاد کے ذکر کی بجائے فقط آدم علیہ السلام کے تذکرہ پر اکتفا کیا۔ جیسا کہ اس قول میں مضر، ہاشم میں قبیلہ کے بڑے کو ذکر کر دیا۔

یا مراد وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے۔ یا وہ مخلوق جو تمہارے بعد آئے گی اسی لیے واحد لائے۔

یا خلیفة منی۔ میرا نائب کیونکہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے زمین میں خلیفہ تھے۔ اسی طرح ہر پیغمبر علیہ السلام اللہ کا خلیفہ ہے جیسا کہ سورۃ ص آیت نمبر ۲۶ یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ میں ہے۔

فرشتوں کو خبر دی کہ وہ سوال کریں اور ان کو وہ جواب دیا جائے جو دیا گیا۔ تا کہ آدم کے وجود سے پہلے وہ ان کے استخلاف کی

حکمت پہچان لیں۔

نمبر۲: تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو امور میں اقدام سے پہلے مشاورت سکھائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل اور حکمت بالغہ کی وجہ سے مشاورت سے بے نیاز ہے۔

سببِ قول:

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا : (انہوں نے کہا کہ آپ زمین میں اس کو نائب بناتے ہیں جو فساد کریگا) فرشتوں نے یہ تعجب سے کہا کہ اہل اطاعت کے نائب اہل معصیت کو بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور جہل سے پاک ہے یہ بات انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے معلوم کی۔ یا لوحِ محفوظ سے معلوم کی۔ یا جنات پر قیاس کرلیا۔

وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ : (اور وہ خون بہائے گا) وہ بہائے گا۔

فائدہ واو حالیہ:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ : (ہم تیری تسبیح کرتے ہیں) و نحن نسبح میں واؤ حالیہ ہے، جیسا کہ تم کہتے ہو۔

أتحسن الى فلان و انا احق منه بالاحسان؟۔ کیا تو فلاں پر احسان کرتا ہے حالانکہ احسان کا میں اس سے زیادہ حقدار ہوں۔

بِحَمْدِكَ : (تیری حمد کے ساتھ) یہ موضع حال میں ہے یعنی ہم تیری حمد کرتے ہوئے تسبیح کرتے ہیں۔ اور تیری حمد سے تلبس حاصل کرنے والے ہیں جیسا کہ اس سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۶۱ و قد دخلوا بالکفر کا معنی دخلوا کافرین ہے کہ وہ کفر ہی کی حالت میں داخل ہوئے۔

تقدیس کا معنی:

وَنُقَدِّسُ لَكَ : (اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں) ہم اپنے آپ کو آپ کے لیے پاک کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا۔ کہ تسبیح و تقدیس۔ اللہ کو برائی سے دور قرار دینا۔ یہ سبح فی الارض و قدس فیھا سے ہے جب وہ زمین میں سفر کرے اور بہت دور جائے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھا دیئے سارے نام، پھر ان کو فرشتوں پر پیش فرمایا پھر فرمایا کہ مجھے بتا دو ان چیزوں کے نام

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

اگر تم سچے ہو۔

قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ : (کہا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) میں اس کی وہ حکمتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں۔ یعنی ان میں انبیاء اولیاء علماء ہونگے۔

نحو : مَا، الذی کے معنی میں ہے یہ اعلم کا مفعول ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے ای **مالا تعلمونهٗ** وہ چیز جس کو تم نہیں جانتے ہو۔

قراءت: اِنِّیَ ۔ حجازی اور ابو عمرو نے پڑھا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ : (اور سکھائے آدم علیہ السلام کو) نمبر۱: عجمی نام ہے قریب ترین بات یہ ہے کہ فَاعَلَ آزر کی طرح ہے۔

نمبر۲: آدم کو ادیم الارض سے مشتق مانا جائے۔ یا اَدَمَةٌ جیسے کہ یعقوب العقب اور ادریس۔ درس سے اور ابلیس ابلاس سے مشتق ہے۔

الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا : (نام تمام) یعنی مسمیات کے نام۔ مضاف الیہ کے معلوم ہونے اور اسماء کی دلالت موجود ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا۔ کیونکہ اسم مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے اور مضاف الف لام کے عوض میں لائے۔ جیسے **اشتعل الرأس شیباً**۔ سورہ مریم آیت نمبر ۴ میں الرّأس ہے۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ : (پھر ان کو فرشتوں کے روبرو پیش فرمایا)۔

اہم تنبیہ:

یہ درست نہیں کہ مقدر مانا جائے اور کہا جائے **علّم آدم مسمیات الاسماء** کہ مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنا دیا۔ اس لیے کہ تعلیم کا تعلق اسماء سے ہے مسمیات سے نہیں جیسا دوسری آیت **انبؤنی باسمآء هٰؤلاء** (تو ان کو بتلا ان کے نام) اور **انبئهم باسماء هم** میں واضح طور پر اسماء موجود ہیں۔

انبئونی بِهٰٓؤُلَآءِ، انبئهم بهم نہیں فرمایا۔

تعلیم اسماء کا مطلب:

اسمائے مسمیات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ اجناس دکھائیں جن کو اس نے پیدا کیا۔ اور ان کا نام اس کو سکھایا۔ کہ اس کا نام فرس ہے اس کا بعیر اور اس کا فلاں نام ہے اور اس کا نام یہ ہے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں ہمیں اس کے سوا کچھ علم نہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا، بے شک آپ جاننے والے ہیں حکمت والے ہیں

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! ان کو ان چیزوں کے نام بتادو۔ سو جب انہوں نے ان کو ان چیزوں کے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تم سے نہیں کہا

لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ

کہ بے شک میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی غیب کی چیزوں کو اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم

تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

چھپاتے ہو

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر چیز کا نام ان کو سکھایا حتیٰ کہ پیالہ اور کفگیر بھی۔

سوال: ان سے سوال کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ان کا عجز معلوم تھا۔

جواب: تبکیت ولا جواب کرنے کے لیے۔

فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ، (تم مجھے خبر دو؟) بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (ان چیزوں کے ناموں کی اگر تم اپنے گمان میں سچے ہو)۔ کہ میں زمین میں مفسدین سفا کین دماء کو خلیفہ بنانے والا ہوں۔

استخلاف میں علمی فوائد:

اس میں فرشتوں کی تردید ہے اور اس بات کی وضاحت ہے کہ جس کو میں نے استخلاف دینا ہے اسمیں علمی فوائد ہیں۔ جو تمام فوائد کی جڑ اور بنیاد ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ استخلاف کے اہل ہیں۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ : (انہوں نے کہا تو پاک ہے) نمبر۱: آپ اس سے پاک ہیں کہ آپ سے کوئی چیز مخفی رہے۔

نمبر۲: آپ اس سے پاک ہیں کہ آپ کی تدبیر پر اعتراض کیا جائے۔

نکتہ عجیبہ:

اسماء کا علم حاصل کرنا عبادت کے لیے خلوت میں بیٹھنے سے بڑھ کر ہے۔ تو پھر علم شریعت کا تو کیا ہی کہنا ہے۔

سبحٰنک یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی سبحت اللّٰہ تسبیحًا۔

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا : (نہیں ہے ہمیں علم اس کے سواء جو تو نے ہمیں بتادیا)۔ اور ہمیں کوئی علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں دیا۔ اور

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی وَ اسْتَکْبَرَ ق وَکَانَ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو آدم کو، سو انہوں نے سجدہ کر لیا، لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ

مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾

کافروں میں سے تھا۔

اس میں اسماء کا علم نہیں ہے۔

مَا بمعنی الذی ہے اور العلم بمعنی معلوم ہے یعنی ہمیں معلوم نہیں مگر وہ جو تو نے سکھایا۔

اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ : (بے شک تو ہر بات کو جاننے والا ہے) آپ بغیر سکھانے کے جاننے والے ہیں۔

الْحَکِیْمُ : (حکمت والے ہیں) حکمت والے ہیں ان میں جن کا آپ نے فیصلہ کیا۔ اور اندازہ فرمایا۔

نحو نمبر ۱: یہ انّ کا اسم ہے۔ انت مبتداء ما بعد خبر ہے۔ تمام انّ کی خبر ہے۔

نمبر ۲: انت ضمیر فصل اور العلیم خبر اول اور الحکیم خبر دوم ہے۔

قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ : (فرمایا اے آدم تو ان کو خبر دے ان کے ناموں کی تو آدم علیہ السلام نے ہر چیز کا نام لیکر بتا دیا)۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا کہ میں جانتا ہوں جو آسمانوں وزمین میں تم سے چھپا ہوا ہے) جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا۔

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ : (اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو)

وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ : (اور جو تم چھپاتے تھے)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ : (اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو کہ آدم کیلئے سجدہ کرو) یعنی اس کے سامنے جھک جاؤ اور اس کی فضیلت کا اقرار کرو۔

سجدہ کی حقیقت:

حضرت ابی ابن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کمر سے جھکنا تھا۔ یہ ٹھوڑیوں کے بل گرنا نہ تھا۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ان کو زمین پر چہرہ رکھنے کا حکم تھا۔ اور یہ سجدہ آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے تھا۔ صحیح کی روایت میں ہے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا تو ابلیس اس سے باز نہ رہتا۔ اور یہ سجدہ تعظیم پہلی شرائع میں جائز تھا۔ پھر یہ منسوخ ہوا۔

آپ کے اس ارشاد سے جو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو فرمایا جبکہ انہوں نے آپ کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا۔

لا ینبغی للمخلوق ان یسجد لا حدٍ الا للّٰہ تعالٰی۔ (ترمذی) من ابی ھریرۃ واحمد من انس وعائشۃ

و معاذ رضی اللہ عنہم۔

کونسا مستثنیٰ ہے؟

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ : (پس انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس) یہ استثناء متصل ہے کیونکہ وہ فرشتوں میں سے تھا۔ اسی طرح حضرت علی و ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔ اور اس لیے بھی کہ استثناء مستثنیٰ کی جنس سے ہونا چاہیے تھا۔ اسی لیے فرمایا۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۲

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ۔

رہا سورۃ کہف آیت نمبر ۵۰ كَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ یہ کان، صار کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ سورۃ ھود آیت نمبر ۴۳ میں فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ۔ کہ وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہ استثناء منقطع ہے اس لیے کہ وہ ملائکہ سے نہ تھا۔

دلیل نمبر ۱: بلکہ نص کے مطابق وہ جنات میں سے تھا۔ اور یہی حضرت حسن وقتادہ کا قول ہے۔

نمبر ۲: اس لیے بھی کہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا۔ اور ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے۔

نمبر ۳: اور اس لیے بھی کہ اس نے انکار کیا اور نافرمانی اور تکبر کیا۔ اور ملائکہ اللہ تعالیٰ جو حکم دیں اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

نمبر ۴: اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ۔ [کہف: ۵۰]

کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سواء کارساز بناتے ہو۔ حالانکہ وہ فرشتوں کی نسل نہیں۔

جاحظ معتزلی کہتے ہیں۔ کہ جن اور ملائکہ ایک جنس ہے جو ان میں پاکیزہ ہیں وہ فرشتے اور جو خبیث و ناپاک ہیں وہ شیطان۔ اور جو بین بین ہیں وہ جن (مگر جاحظ کا یہ قول بلا ثبوت ہے)

اَبٰى : (اس نے انکار کیا) باز رہا اس سے جو اس کو حکم ملا تھا۔

وَاسْتَكْبَرَ : (اور اس نے بڑائی اختیار کی)

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ : (اور کافروں میں سے ہو گیا)

نمبر ۱: اپنے انکار اور تکبر اور امر الٰہی کو رد کرنے کے سبب کافروں میں سے ہو گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ حکم پر عمل کرنا اس نے ترک کر دیا۔ اس لیے کہ ترک سجود ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اس سے اہلسنّت کے ہاں کافر بنتا ہے۔

البتہ معتزلہ اور خوارج (کے ہاں ایمان سے خارج ہو جاتا ہے)

نمبر ۲: کافروں میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے گا۔ اس طرح نہیں کہ وہ علم الٰہی میں ہمیشہ کافر تھا۔ یہ مسئلہ موافات ہے۔

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا

اور ہم نے کہا کہ اے آدم ! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہا کرو اور اس میں سے خوب اچھی طرح کھاؤ، جہاں سے چاہو۔ اور نہ

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞۳۵

قریب جانا اس درخت کے ورنہ تم دونوں ظلم کرنیوالوں میں سے ہوجاؤ گے۔

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ : (اور ہم نے کہا اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں)

نحو : یہ سکن الدار یسکنھا سکنٰی سے امر ہے۔ جب وہ مکان میں اقامت اختیار کرے۔ کہا جاتا ہے سکن المتحرك سکونا۔ حرکت والے نے سکون وٹھہراؤ اختیار کیا۔ انت اسکن کی ضمیر سے تاکید ہے اس لیے لائے تا کہ عطف فعل کا وزوجك پر صحیح ہوجائے۔

جنت کی تحقیق:

الجنة : وہ جنت خلد ہی تھی جس کا وعدہ متقین سے کیا گیا۔ جیسا نقل مشہور میں ہے۔ الف لام تعریف کا ہے۔

معتزلہ کا قول:

یہ یمن کا ایک باغ تھا۔ کیونکہ جنت میں تکلیف نہیں اور نہ اس سے نکلنا ہے۔

جواب معتزلہ: جنت سے وہ نہیں نکلے گا جو جزاء کے طور پر داخل ہوا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ المعراج میں داخل ہوئے اور پھر نکلے اور اہل جنت کو معرفت الٰہی اور توحید کی تکلیف دی جائے گی۔

وَكُلَا مِنْهَا : (اور تم دونوں اس سے کھاؤ)۔ یعنی اس کے پھلوں میں سے کھاؤ مضاف محذوف ہے۔

رَغَدًا : بافراغت۔ رغداً مصدر کی صفت ہے ای اکلا رغدًا واسعا (بافراغت وسیع کھانا)

حَيْثُ شِئْتُمَا : (جہاں سے تم دونوں چاہو) (شِيتُمَا) اس کا باب بغیر ہمزہ سے ہے ابوعمرو کے نزدیک

حیث : یہ مکان مبہم کے لیے ہے یعنی جنت کے جس مکان میں تم دونوں چاہو۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ : (اور تم دونوں قریب نہ جاؤ اس درخت کے) شجرہ یعنی گندم یا انگور کی بیل یا انجیر۔

نکتہ:

(کیف لا یعصی الانسان وقوته من شجرة العصیان) انسان نافرمانی کیوں نہ کرے جبکہ اس کی خوراک شجرۂ عصیان سے ہے۔ انگور بھی ہر فتنے کی اصل ہے (اس سے شراب بنتی ہے)

فَتَكُوْنَا : (پس تم ہوجاؤ گے) لا تقربا پر عطف ہونے کی وجہ سے جزم ہے یا جواب نہی کی وجہ سے ان مقدرہ کے ساتھ

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

سو شیطان نے ان دونوں کواس درخت کے ذریعہ سے لغزش دی، سوان دونوں کواس سے نکال دیا جس میں وہ تھے، اور ہم نے کہا کہ اتر جاؤ۔ تم میں سے

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۳۶

بعض،بعض کے دشمن ہوں گے۔ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا ہے اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے۔

منصوب ہے۔

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ : (اپنا نقصان کرنے والوں سے) نمبرا: تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔

نمبر۲: یا ان میں سے ہو جاؤ گے جنہوں نے اپنے کو نقصان پہنچایا۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا : (پس ان دونوں کو پھسلایا شیطان نے اس درخت کے متعلق)

لغزش کی وضاحت :

ھا ضمیر شجرہ کی طرف جا رہی ہے یعنی اس درخت کے سبب ان دونوں کو شیطان نے لغزش پر آمادہ کیا۔

نمبرا: اور تحقیق اس کی یہ ہے کہ شیطان نے درخت کی وجہ سے ان سے لغزش صادر کروائی۔

نمبر۲ یا: ان دونوں کو جنت سے پھسلا دیا۔ بمعنی نکلوا دیا۔ اور دور کرا دیا۔

قراءت: حمزہ نے فازالھما پڑھا۔ تاویل میں آدم علیہ السلام کی لغزش خطاء تھی۔ خواہ نہی کو تنزیہ پر محمول کرو۔ یا لام کو عہد خارجی کا مانو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جنس آدم کا ارادہ فرمایا۔

مَسْئَلَہ: اس سے یہ ثابت ہوا کہ لغزش کے لفظ کا اطلاق انبیاء علیہم السلام کے لیے درست ہے جیسا کہ مشائخ بخاری نے کہا۔

زلہ کے لفظ کی تفسیر :

زلّہ کا لفظ اسم فعل ہے مخالفت کا قصد کرنے کے بغیر کسی حکم کے خلاف کرنا۔ جیسے زلة الماشی فی الطین چلنے والے کا پاؤں کیچڑ میں بلا قصد پڑتا ہے۔

سمرقند کے مشائخ نے فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام کے افعال پر زلہ کا اطلاق نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ معصیت کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔ پس اس طرح کہا جائے گا۔ انہوں نے فاضل کو کیا اور افضل کو چھوڑا اس لیے ان پر عتاب کیا گیا۔

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ : (پس وہ ان کو نکلوا کر رہا۔ اس جنت سے جس میں وہ دونوں تھے) یعنی جن نعمتوں اور تکریموں میں وہ تھے۔ یا اگر عنہا کی ضمیر الشجرة کی طرف ہو تو مراد جنت سے نکلوانا ہے۔

رابطہ کس طرح؟

سوال : شیطان نے ان دونوں سے رابطہ کرلیا حالانکہ اس کو سورۃ الحجر آیت نمبر ۳۴ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ کا حکم مل چکا یہ کس طرح؟

جواب : کیونکہ اس کا داخلہ احترام کے طور پر جیسے فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ منع ہو چکا تھا۔ وسوسہ ابتلاء آدم وحوا کے لیے داخلہ ممنوع نہ ہوا تھا۔ روایت کیا گیا۔ کہ اس نے داخل ہونا چاہا۔ تو اس کو داروغہ جنت نے منع کیا۔ وہ سانپ کے منہ میں داخل ہو کر جنت میں داخل ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ دروازۂ جنت کے پاس کھڑے ہو کر اس نے آواز دی۔

مخاطب کون؟

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا : (ہم نے کہا تم اترو) الهبوط کا معنی زمین کی طرف اترنا ہے۔ خطاب آدم، حواء اور ابلیس سب کو ہے بعض نے کہا سانپ کو بھی۔ صحیح یہ ہے کہ آدم وحواء کو۔ مراد یہ دونوں اور ان کی اولاد کیونکہ وہ دونوں کل انسان تھے۔ تو گویا وہ ساری جنس انسان تھی۔ اس کی دلیل سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۳ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا میں ہے۔

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ : (تم ایک دوسرے کے دشمن ہو) اس سے مراد لوگوں میں جو بغض وعداوت ہے اور ایک دوسرے کا گمراہ قرار دینا ہے پورا جملہ اهبطوا کی واؤ سے حال کی جگہ میں ہے۔ تم اترو اس حال میں کہ ایک دوسرے پر تعدی کرنے والے ہو۔

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ : (اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانہ ہے) استقرار اور چھپنے کی جگہ کو مستقر کہتے ہیں۔

وَّمَتَاعٌ : (نفع اٹھانا) زندگی سے نفع اٹھانا۔

اِلٰى حِيْنٍ : (ایک وقت تک) قیامت تک۔ یا موت تک۔ ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں اس ایک لقمے نے ہمیں طویل غم دیا۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

اس کے بعد آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کر لئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ خوب زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے بڑا مہربان ہے

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا

ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

تو ان پر کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور میری آیتوں کو جھٹلایا، یہ لوگ دوزخ

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

والے ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ : (آدم علیہ السلام نے سیکھ لیے اپنے رب سے چند کلمے) ان کلمات کو قبول کیا حرزِ جان بنایا۔ اور ان پر عمل کیا۔

نحو :ادم منصوب کلمات مرفوع عند المکی، یعنی ان کلمات نے آدم علیہ السلام کا استقبال کیا۔ یعنی اس تک پہنچ گئے۔ اور اس سے مل گئے اور وہ کلمات سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۳ میں مذکور ہیں۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ اس میں ان کی اولاد کو نصیحت کر دی کہ انہوں نے گناہوں سے ہٹنے کا راستہ معلوم کر لیا۔

محبوب کلام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو محبوب کلام وہ ہے جو ہمارے باپ آدم علیہ السلام نے کہا۔ جب غلطی کا ارتکاب کیا۔

سبحنك اللّٰهم وبحمدك وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وتعالٰى جدك ولا اله الا انت ظلمت نفسى فاغفرلى انه لا يغفر الذنوب الا انت۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا یا رب الم تخلقنى بيدك قال بلٰى! قال يا ربّ الم تنفخ فى روحى من روحك۔ الم تسبق رحمتك غضبك؟ الم تسكنى جنتك وهو تعالٰى يقول بلٰى بلٰى، قال فلم اخر جتنى من الجنة قال بشؤم معصيتك۔ قال فلو تبت۔ أراجعنى انت اليها؟قال نعم

اے میرے رب کیا؟ آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں نہیں۔

پھر عرض کیا اے میرے رب کیا آپ نے مجھ میں اپنی طرف سے روح نہیں پھونکی۔ کیا آپ کی رحمت غضب سے سبقت

کرنے والی نہیں؟ کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں ٹھہرایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ پھر عرض کیا اے میرے اللہ تو نے مجھے جنت سے کیوں نکالا۔ تو فرمایا تیری معصیت کی نحوست سے۔ عرض کیا اگر میں توبہ کرلوں تو مجھے اس کی طرف واپس کردے گا؟ فرمایا ہاں۔

فَتَابَ عَلَيْهِ : (تو اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی) پس اللہ تعالیٰ نے رحمت وقبولیت سے ان کی طرف رجوع فرمایا۔ آدم علیہ السلام کی توبہ کا فقط ذکر کیا۔

کیونکہ حواء تو ان کے تابع تھیں۔ عموماً قرآن وسنت میں عورتوں کا تذکرہ مردوں کے تذکرہ کے ضمن میں سمو دیا گیا ہے۔

اِنَّهٗ هُوَالتَّوَّابُ : (وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے)

الرَّحِيْمُ : (نہایت مہربان ہے) اپنے بندوں پر

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا : (ہم نے کہا تم سب کے سب یہاں سے اترو) جمیعًا حال ہے یعنی اکٹھے

نمبر۱: اترنے کا حکم دوبارہ تاکید کے لیے لائے۔

نمبر۲: پہلا ہبوط جنت سے آسمان پر تھا اور دوسرا آسمان سے زمین پر

نمبر۳: اس لیے اهبطوا دوبارہ لائے کیونکہ دوسرے اهبطوا کے ساتھ اَمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ ...... ملا ہوا تھا۔

اتیان کی مراد:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى : (پس جب بھی آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت)۔ اتیان ہدایت سے مراد رسول جس کو تمہاری طرف بھیجوں گا۔ یا کتاب تمہاری طرف اتاروں گا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا کو فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ کے مقابلے میں لائے یعنی اتباع ہدایت سے مراد قبول ہدایت اور اس پر ایمان لانا ہے۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ : (پس نہ خوف ہوگا ان پر) ان پر مستقبل میں خوف نہ ہوگا۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ : (وہ غمگین نہ ہونگے) اس پر جو انہوں نے پیچھے چھوڑا۔ نَحْو : دوسری شرط اپنے جواب سمیت اول کا جواب ہے۔ جیسا کہتے ہیں۔ ان جئتنی فان قدرت احسنت الیّ۔ اگر تو میرے پاس آئے پس اگر تو ایسا کر سکا تو تو نے مجھ پر احسان کیا۔

قراءت: یعقوب کہتے ہیں تمام قرآن میں خَوْفَ کا لفظ فتح کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ : (اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ)

نَحْو : یہ مبتدا ہے اور اَصْحٰبُ النَّارِ (آگ والے) یہ خبر ہے اور اس کے حق دار یہ جملہ موضع رفع میں مبتداء کی خبر ہے میری مراد الذین کفروا ہے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور پورا کرو میرے عہد کو میں پورا کروں گا اپنے عہد کو

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

تفسیر يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کی:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : (اے بنی اسرائیل) اسرائیل یعقوب علیہ السلام یہ ان کا لقب ہے ان کی زبان میں اس کا معنی صفوۃ اللہ یا عبد اللہ ہے۔ اسراء کا معنی بندہ یا چنا ہوا۔ ایل۔ عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یہ غیر منصرف ہے کیونکہ عجمہ اور علم ہے۔

انعامات کی مراد:

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ : (تم میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر کیں) ان کو نعمتیں یاد دلائیں تاکہ وہ ان کے شکریہ سے خالی نہ رہیں۔ اور دینے والے کی اطاعت کریں۔ اس سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو ان کے آباؤ اجداد پر کیں۔ جن کو شمار کیا وہ یہ ہیں۔ فرعون اور اس کے عذاب سے نجات دلانا۔ فرعون کا غرق۔ بچھڑا بنانے پر معافی۔ توبہ قبول کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت کو پالینے کا انعام جن کی بشارت تورات وانجیل میں دی گئی ہے۔

وَاَوْفُوْا : (اور تم میرا عہد پورا کرو) پورا پورا ادا کرو کہا جاتا ہے۔ وفیت له بالعهد، فانا وافٍ بهٖ و اوفیت له بالعهد فانا موفٍ به او فیت۔ کو اختیار کیا اور اسی کے مطابق قرآن اترا۔

بِعَهْدِيْٓ : (میرا وعدہ) جو تم نے مجھ پر ایمان لانے کا عہد کیا اور میری اطاعت کا۔ یا تم نے نبی رحمت اور قرآن مجید پر ایمان لانے کا عہد کیا۔

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ : (میں پورا کرونگا تمہارا وعدہ) جو وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کر رکھا ہے۔ کہ تمہاری نیکیوں پر اچھا بدلہ دونگا۔

فائدہ اضافت:

عہد کی اضافت معاہدہ کرنے والے اور جس سے معاہدہ کیا جائے ہر دو کی طرف ہوتی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ دونوں عہد لئن اقمتم اور لا کفرن سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۲ میں ہے۔

اہل اشارہ کا قول:

تم میرے مشقت کے گھر میں وعدہ پورا کرو۔ میری خدمت کی قالین پر بیٹھ کر اور میری حرمت کی حفاظت کر کے۔ میں اپنی نعمتوں کے گھر میں اپنے اکرام کے قالین پر تمہیں پورا پورا دونگا۔ اس حالت میں کہ میرے دیدار کا سرور بھی حاصل ہوگا۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا

اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی، حال یہ ہے کہ یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کتاب کے انکار کرنے والوں میں پہل کرنے والے مت بنو۔ اور میری

بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

آیات کے عوض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو۔ اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ : (اور خاص مجھ ہی سے ڈرو) تم میرے وعدے کو نہ توڑو۔ جیسے تم کہو۔ زیداً رھبتہ۔ یہ خصوصیت کا فائدہ دینے میں ایاك نعبد سورۃ الفاتحہ سے بڑھ کر ہے

نحوی تحقیق:

نحو : ایای فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اس کا مابعد اس پر دلالت کرتا ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ فارھبوا ایای فارھبون۔ اول کو حذف کرلیا کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ فارھبون کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ اس نے تو اپنا مفعول لے لیا ہے اور وہ یاء محذوفہ ہے نون کا مکسور ہونا یہ یاء کی دلیل ہے جس طرح کہ زید کا نصب اس مثال میں زیدا فاضربہ۔ زیدا اضرب جو ظاہر ہے اس کی وجہ سے منصوب نہیں ہے بلکہ محذوف کی بناء پر منصوب ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ : (اور تم ایمان لاؤ جو میں نے اتارا) یعنی قرآن

مُصَدِّقًا : (تصدیق کرنے والا) ھا محذوفہ سے حال مؤکد ہے گویا عبارت اس طرح ہوئی انزلته مصدقًا

لِّمَا مَعَكُمْ : (اس چیز کے لیے جو تمہارے پاس ہے) یعنی تورات جو کہ عبادت اور توحید اور نبوت اور محمد ﷺ کے معاملے میں مصدق ہے۔

ایک تعریض:

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ : (اور مت بنو اس کے پہلے منکر) یعنی پہلے انکاری اس کے یا پہلا گروہ اس کا انکار کرنے والا یا پہلی جماعت اس کا انکار کرنے والی یا تم میں سے ہر ایک اس کا پہلا منکر نہ بنے۔ اس میں ان پر تعریض کی گئی کہ ان پر تو لازم تھا کہ وہ اس پر تو پہلے ایمان لانے والے بنتے کیونکہ وہ آپ کو آپ کی صفات کے ساتھ پہچاننے والے تھے۔ بہٖ میں ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا : (اور نہ بدلے میں لو)

بِاٰيٰتِيْ : (میری آیات کے) یعنی میری آیات میں تبدیلی و تحریف کرکے

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ

اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو اور نماز قائم کرو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ

ثمن قلیل کی مراد:

ثَمَنًا قَلِيْلًا : (تھوڑی قیمت)

نمبرا: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔وہ اپنے سامان سمیت پوری دنیا ہے۔نمبر۲: یہ بھی کہا گیا وہ سرداری مراد ہے جوانہیں اپنی قوم میں حاصل تھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے جس کے چلے جانے کا ان کو خطرہ ہوا۔

وَإِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ : (مجھ ہی سے ڈرو)

قراءت: تمام قراء کے ہاں پس خافونی، فارھبونی، فاتقونی ہر دو حالتوں میں یاء کے ساتھ ہیں قاری یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی حکم ہر یاء کا ہے۔جو لکھنے میں حذف ہو۔

کتمان ولبس کا معنی:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ : (اور نہ لاحق کرو حق کو باطل کے ساتھ) لبس الحق بالباطل کا مطلب ان کا آپس میں ملانا ہے۔

نمبرا: اگر باء صلہ کی مانیں تو اس قول کی طرح ہے لبست الشیء بالشیء۔میں نے دونوں چیزوں کو ملایا۔اب مطلب یہ ہوا کہ تورات میں وہ چیزیں مت لکھو۔جو اس میں نہیں اسی طرح اتارا ہوا حق اس باطل سے مل جل جائے گا۔جو تم نے لکھا ہے یہاں تک کہ اس کے حق و باطل میں تمہارے لیے تمیز نہ رہے گی۔

نمبر۲: اگر یہ باء استعانت ہو تو اس قول کی طرح ہوگا۔کتبت بالقلم۔اب معنی یہ بنے گا ولا تجعلوا الحق ملتبسا مشتبھا بباطلکم الذی تکتبونہ۔حق کو ملتبس اور مشتبہ مت کرو اپنے اس باطل کی مدد سے جو تم لکھتے ہو۔

نحوی تحقیق:

نحو : وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ (اور نہ چھپاؤ حق کو) یہ مجزوم ہے حکم نہی کے تحت داخل ہے ولا تکتموا۔یا أن کو مضمر مان کر منصوب ہے۔واؤ جمع کا معنی دے رہی ہے یعنی حق کو باطل کے التباس اور کتمان حق کو جمع نہ کرو۔جیسے کہتے ہو۔ لا تاکل السمك وتشرب اللبن مچھلی کھانے کو دودھ پینے کے ساتھ جمع نہ کرو۔یہ دونوں الگ معاملے ہیں لبس باطل یہ ہے کہ تورات میں وہ چیز لکھ دی جو اس میں نہ تھی اور حق کا کتمان یہ تھا۔کہ وہ کہتے ہم تورات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں پاتے۔یا تورات میں یہ حکم نہیں پاتے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴

کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو، اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝۴۵ الَّذِيْنَ

اور مدد چاہو صبر اور نماز کے ساتھ، اور بلاشبہ نماز ضرور دشوار ہے مگر خشوع والوں پر جو

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶ ع

یقین رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنیوالے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ : (حالانکہ تم جانتے ہو) یہ جاننے کی حالت میں کہ تم التباس کرنے والے، چھپانے والے ہو اور یہ ان کے لیے قبیح ترین چیز تھی۔ کیونکہ قبیح سے ناواقفی بسا اوقات مرتکب قبیح کے لیے عذر بن جاتی ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ : (اور تم نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو) یعنی مسلمانوں والی نماز و زکوۃ

رکوع کی مراد:

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ : (اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ) جو ان میں سے رکوع کرنے والے ہیں کیونکہ یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا۔ (مگر اس کے لیے ثبوت درکار ہے جبکہ حضرت مریم کو فرمایا یا مریم اقنتی لربك واسجدی وارکعی مع الرّٰکعین فرمایا گیا ہے فافھم) یعنی تم اسلام لا کر اہل اسلام کے اعمال کرو۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کہ رکوع سے خود نماز مراد ہو جیسا کہ نماز کو سجود سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نمازیوں کے ساتھ نماز کا حکم جماعت کے لیے ہے یعنی نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو۔ الگ الگ نہیں۔

برّ کا مفہوم:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ : (کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو) ہمزہ تقریر یہاں توبیخ کے لیے ہے اور ان کی حالت پر اظہار تعجب مقصود ہے۔

بالبر : بھلائی و نیکی پھیلانے کا اور اسی سے البرّ بمعنی جنگل ہے جو اس کی وسعت کی وجہ سے کہا جاتا ہے البرّ ہر خیر کو شامل ہے اور اسی سے انکا قول صدقت و بررت ہے۔ احبار یہود اپنے اقارب کو خفیہ نصیحت کرتے تو اتباع محمد ﷺ کی نصیحت کرتے مگر خود اتباع نہ کرتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا کہ وہ صدقہ کا حکم دیتے مگر صدقہ نہ کرتے۔ جب ان کو صدقات تقسیم کے لیے دیئے جاتے وہ ان میں خیانت کرتے۔

وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ : (اورتم اپنے آپ کو بھلاتے ہو) تم اپنے نفوس سے نیکی چھوڑتے ہو جیسے کوئی بھولی بسری چیزیں ہوتی ہیں۔

وعید یا تبکیت :

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ : (حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو) **نمبر۱:** یہ ان کو بطور تبکیت کہا کہ تم تورات پڑھتے ہو حالانکہ اس میں **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف موجود ہے۔

نمبر۲ یا: اس میں خیانت پر وعید موجود ہے۔اور ترک برّ اور قول و عمل کے تضاد پر وعید پائی جاتی ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ : (کیا تم سمجھتے نہیں ہو) کیا تم اس کی قباحت نہیں سمجھتے جس کا تم اقدام کرتے ہو۔تا کہ اس کی قباحت کی اپنے ہاتھوں تصدیق کرو۔یہ بہت بڑی توبیخ ہے

وَاسْتَعِیْنُوْا : (اورتم مدد لو) تم مدد طلب کرو اپنی ضروریات میں اللہ تعالیٰ سے۔

صبر واستعانت :

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ : (صبر و نماز کے ساتھ) ان دونوں کو جمع کر کے اور نماز کی تکالیف پر صبر کرتے ہوئے تم نماز پڑھو۔اس طرح کہ اس کی مشقتیں برداشت کرنے والے ہو۔اور جو چیزیں اس میں ضروری ہیں۔جیسے اخلاص قلب۔دفع وساوس شیطانیہ وھواجس نفسانیہ اور مراعاۃ آداب۔خشوع اور اس بات کا استحضار کہ تم جبار السمٰوٰت و الارض کے سامنے کھڑے ہو۔

یا مصائب و آفات میں صبر کر کے مدد طلب کرو۔اور ان مصائب کے وقوع کے وقت نماز کی طرف جھکو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی گھبراہٹ والا معاملہ پیش آتا۔تو نماز کی طرف جلدی کرتے۔(رواہ الطبری فی تفسیرہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قُثَم رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر دوران سفر ملی تو انہوں نے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھی اور دو رکعت نماز ادا کی۔پھر یہ آیت تلاوت کی۔و استعینوا بالصبر و الصلوۃ۔یہ بھی کہا گیا۔کہ الصبر روزے کو کہتے ہیں۔کیونکہ یہ روزہ مفطرات سے اپنے آپ کو روک رکھنے کا نام ہے اور اسی طرح رمضان المبارک کو شہر الصبر فرمایا گیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ الصلوٰۃ سے دعا مراد ہے یعنی مصائب پر صبر اور دعا کی التجا سے اور اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اس کے دور کرنے میں مدد حاصل کرو۔

مرجع ضمیر:

وَاِنَّھَا : (اور بے شک وہ) نحو **نمبر۱:** ضمیر نماز کی طرف لوٹ رہی ہے۔

نمبر۲: استعانت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

لَکَبِیْرَۃٌ : (البتہ بھاری ہے) شاق اور بھاری ہے جیسا کہ کہتے ہیں کبر علیّ ھذا الامر۔یہ معاملہ مجھ پر گراں گذرا

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے۔ اور اس بات کو کہ میں نے تم کو فضیلت دی

عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡـًٔا

جہانوں پر، اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی بھی شخص کسی کی طرف سے بھی کچھ ادائیگی نہیں کریگا

وَّ لَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَۃٌ وَّ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّ لَا هُمۡ

اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا، اور نہ ان لوگوں کی

یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

مدد کی جائے گی۔

اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ : (مگر خاشعین پر) کیونکہ وہ توقع رکھتے ہیں اس اجر کی جو صابرین کے لیے ان کی تھکاوٹوں پر ملے گا۔ پس جنت ان پر آسان ہو جائے گی۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر نگاہ نہیں ڈالتے؟

اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ : (وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں اپنے رب کی ملاقات کا) اپنے ثواب کو پانے کی توقع رکھتے ہیں۔ اور اس چیز کے پانے کی جو اللہ کے ہاں ہوگی۔

یظنون کی تفسیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کی وجہ سے یعلمون ہے یعنی وہ جانتے ہیں جزاء کا ملنا یقینی ہے پس ان کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ باقی جن کو جزاء کا یقین نہیں۔ اور جزاء پر یقین نہیں رکھتے اور نہ ثواب کے امیدوار ہیں۔ ان پر یہ خالص مشقت ہے۔

الخشوع اخبات۔ التطامن۔ فروتنی و عاجزی۔ الخضوع نرمی۔ انقیاد۔ اطاعت

اللقاء کی تفسیر:

رؤیت و دیدار یعنی وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ کہ ان کو اس کا بلا کیف دیدار ہوگا۔

وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ : (اور بے شک وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں) ان کے معاملات کا آخرت میں اس کے سواء اور کوئی بھی مختار نہ ہوگا۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ : (اے بنی اسرائیل تم یاد کرو میری وہ نعمتیں جو میں نے تم پر کیں) دوبارہ تاکید کے لیے لائے۔

وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ : (اور میں نے تمہیں فضیلت دی لوگوں کے جم غفیر پر) یعنی نعمتوں اور فضیلت عنایت کرنے کو یاد کرو۔ عالَم یعنی لوگوں کے جم غفیر پر۔ کہا جاتا ہے۔

رایت عالما من الناس۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا۔ مراد کثرت ہے۔

وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا : (اور تم اس دن سے ڈرو) قیامت کے دن سے ڈرو۔

نَحو : یومًا مفعول بہ ہے ظرف نہیں۔

لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ : (نہ کام آئے گا کوئی نفس) مؤمن نفس۔

عَنۡ نَّفۡسٍ : (کسی نفس کے) کافر نفس کے لیے۔

شَیۡئًا : (کچھ بھی) یعنی کچھ بھی ادائیگی نہیں کرے گا۔ ان حقوق کی جو اس پر لازم ہیں۔

نَحو : شیئاً مفعول بہ ہے یعنی تھوڑا سا بدلہ اور جملہ محلاً منصوب ہے۔ اور یومًا کی صفت ہے۔ اور ضمیر اس میں، موصوف محذوف کی طرف جا رہی ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ لاتجزی فیہ۔ اس میں کام نہیں آئے گا۔

وَّلَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ : (اور اس سے کوئی شفاعت قبول نہ کی جائے گی)

مکی و بصری قراءت میں تاء کے ساتھ ہے۔ اور ضمیر منھا میں نفس مؤمنہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ① مطلب یہ ہوا کہ کسی نفس مؤمنہ کی کوئی شفاعت نفس کافرہ کے لیے مقبول نہ ہوگی۔ ② کہا گیا ہے کہ یہود کو یہ زعم تھا کہ ان کے آباء انبیاء علیہم السلام تھے وہ شفاعت کریں گے۔ تو ان کو مایوس کر دیا گیا۔ وہ اس ارشاد الٰہی کی طرح ہے جو سورۃ المدثر آیت نمبر ۴۸ فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیۡنَ ہے۔

معتزلہ کا جواب:

قولِ معتزلہ: معتزلہ نے اس آیت سے گناہ گاروں کے لیے شفاعت کی نفی ثابت کی۔

جواب: ان کا قول مردود ہے کیونکہ نفی شفاعت کفار کی کی گئی۔

حضور علیہ السلام نے خود فرمایا۔ **شفاعتی لا هل الکبائر من امتی من کذب بها لم ینلها** (احمد، ابو داؤد، ترمذی)

دوسرا جملہ صرف احمد نے نقل کیا۔

وَّلَا یُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ : (نہ لیا جائے گا اس سے بدلہ) عدل، فدیہ، کیونکہ یہ فدیہ دینے والے کا معادل ہے۔

جمع کی حکمت:

وَّلَاهُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ : (اور نہ ان کی مدد کی جائے گی) ان کی معاونت نہ کی جائے گی۔ ینصرون کو جمع لایا گیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ نفس جو نکرہ آیا ہے اس سے مراد نفوس کثیرہ ہیں۔ (عباد، اناسی) معنیٰ کا لحاظ کر کے مذکر لائے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی وہ تم کو سخت ترین تکلیفیں پہنچاتے تھے

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ

تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿٤٩﴾

طرف سے بڑا امتحان تھا۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنَ اٰلِ فِرْعَوْنَ : (جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی) آل کا اصل اہل ہے اس لیے کہ تصغیر اھیل آتی ہے ھا کو الف سے بدل دیا۔ اس کا استعمال بڑے لوگوں کے لیے آتا ہے مثلاً بادشاہ اور ان کے ہم مثل۔ او اور آل حجام نہیں کہتے۔

فرعون۔ عمالقہ کے ہر بادشاہ کا لقب تھا۔ جیسا قیصر، رومی بادشاہوں کا۔ کسریٰ، فارس کے بادشاہوں کا۔

سوم کا مفہوم:

يَسُوْمُوْنَكُمْ : (وہ تمہیں تکالیف دیتے) یسومونکم یہ آل سے حال ہے۔ تمہیں تکالیف دیتے یہ سامه خسفا سے ہے جبکہ ظلم سے اس کا والی بنے۔ اور اس کا اصل سام السلعة سے ہے۔ جب اس کو طلب کرے۔ گویا یہ یبغونکم کے معنی ہیں یعنی تمہارے لیے طلب کرتے۔

سوءعذاب کی مراد:

سُوْٓءَ الْعَذَابِ : (سخت عذاب) وہ برے عذاب کا تمہارے خلاف ارادہ رکھتے۔

مساومة البیع : زائد کرنا یا بڑھانا یا ایک دوسرے سے مطالبہ کرنا۔

نحو : سوء مفعول ثانی ہے برا عذاب تا کہ تمہیں سزا دیں۔ یہ سیّئ کا مصدر ہے کہا جاتا ہے۔ اعوذ باللّٰہ من سوء الخلق و سوء الفعل۔ میں برے اخلاق اور برے فعل سے پناہ چاہتا ہوں۔ مراد اخلاق و فعل کی برائی ہے۔ اور معنی سوء العذاب۔ سخت رسوا کن عذاب ہے۔ کیونکہ عذاب تو سب ہی برے ہیں۔

يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ : (وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے) یہ یسومونکم کا بیان ہے۔ اسی لیے حرف عطف نہیں لائے۔

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ : (وہ تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے) تمہاری بیٹیوں کو خدمت کے لیے زندہ چھوڑتے۔

انہوں نے یہ اس لیے کیا کیونکہ کاہنوں نے فرعون کو ڈرایا۔ کہ ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جس کے سبب تیرا ملک چلا جائیگا جیسا کہ نمرود کو انہوں نے ڈرایا۔ مگر ان کی تحفظ کی کوشش نا کام رہی۔ اور وہ ہو کر رہا۔ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ

اور جب ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو پھاڑ دیا پھر ہم نے تم کو نجات دے دی، اور آل فرعون کو ہم نے غرق کر دیا اس حال میں کہ

تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

تم دیکھ رہے تھے۔

وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ : (اوراس میں آزمائش تھی) مشقت۔ جبکہ مشارالیہ فرعون کی حرکت ہو۔ اور مشارالیہ انجاء ہو۔ تو بلاء کا معنی نعمت ہے۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ : (تمہارے رب کی طرف سے) یہ بلاء کی صفت اول ہے۔

عَظِيْمٌ ! : (بڑی) یہ صفت دوم ہے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا : (جب ہم نے پھاڑ دیا تمہارے لئے سمندر کو) بعض کو بعض سے جدا کر دیا۔ یہاں تک کہ راستے بن گئے

فَرقنا : یہ شد کے ساتھ پڑھا گیا۔ ہم نے جدا کیا کہا جاتا ہے اس نے دو چیزوں میں جدائی کر دی اور چیزوں میں تفریق کر دی۔ کیونکہ راستے بارہ تھے۔ جتنی قبائل بنی اسرائیل کی تعداد تھی۔

بِكُمُ الْبَحْرَ : (تم پر سمندر کو) وہ ان پر چل رہے تھے۔ اور تمہارے چلتے ہوئے پانی الگ الگ تھا۔ گویا ان کے ساتھ پھاڑا یا ہم نے تمہارے سبب سے پھاڑا۔ یا ہم نے پھاڑا اس حال میں کہ وہ تمہارے ساتھ متلبس تھا۔ اس صورت میں یہ حال بنے گا۔

روایت میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا۔ ہمارے ساتھی کہاں ہیں؟ ہم جب تک ان کو دیکھ نہ لیں۔ راضی نہ ہونگے اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی۔ کہ اپنی لاٹھی کو اسی طرح کہو۔ آپ نے دیواروں پر مار کر یہ کہا۔ پس اس میں روشن دان بن گئے۔ پس وہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور ایک دوسرے کی باتیں سنتے جارہے تھے۔

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ : (پس ہم نے تمہیں نجات دی اور ڈبو دیا آل فرعون کو اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے) اور مشاہدہ کررہے تھے۔ اوراس میں شک نہیں کرتے تھے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ

اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود

بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

بنا لیا اور تم ظلم کرنیوالے تھے، پھر ہم نے اس کے بعد تم سے درگزر کر دیا

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

تاکہ تم شکر ادا کرو۔ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کرنے والی چیز دے دی تاکہ تم ہدایت پاؤ

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى : (جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا) کیونکہ وہ وعدہ وحی سے تھا۔ اور وہ طور پر آنے کا تھا۔

وٰعَدْنَا : جہاں تک میری تحقیق ہے۔ بنی اسرائیل مصر میں ہلاکت فرعون کے بعد داخل نہ ہوئے اور اس وقت ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ جس کی طرف رجوع کریں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا۔ وہ ان پر تورات اتاریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کیا۔ ذوالقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے اور فرمایا۔ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً : کیونکہ مہینہ کی ابتداء راتوں سے ہوتی ہے۔ اور چالیس راتیں۔

نحو : اَرْبَعِيْنَ یہ وعدنا کا مفعول ثانی ہے ظرف نہیں ہے۔ اس لیے اس کا معنی چالیس راتوں میں نہیں ہے (فی اربعین لیلۃ)

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ : (پھر بنا لیا تم نے بچھڑے کو) اتخذتم کا مفعول ثانی حذف کر دیا۔ اس کے باب میں مکی اور حفص کے نزدیک اظہار ہے۔

مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) طور پر جانے کے بعد

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ : (اور تم ظالم تھے) اور تم ظالم تھے اس لیے کہ تم نے عبادت کا مستحق اسکے سواء دوسرے کو قرار دیا۔

نحو : یہ جملہ حال ہے یعنی تم نے اس کی عبادت کی اس حال میں کہ تم ظلم کرنے والے تھے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ : (پھر ہم نے تم کو معاف کر دیا) ہم نے تمہارے گناہ تم سے مٹا دیئے۔

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ : (اس کے بعد) یعنی تمہارے بچھڑا بنانے کے بعد

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ : (تاکہ تم نعمت کا شکریہ ادا کرو) یعنی معاف کرنے کی نعمت کا شکریہ ادا کرو۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ : (اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور معجزات دیئے)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ

لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ سو اپنی جانوں کو قتل کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، تمہارے پیدا کرنیوالے کے نزدیک

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے، اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

فرقان کا معنی :

نمبر۱: یعنی وہ کتاب منزل اور فرقان ہونے میں جامع تھی۔ وہی تورات حق و باطل میں فرق کرنے والی تھی۔ اس کی نظیر یہ جملہ ہے رأیت الغیث واللیث یعنی میں نے ایسے آدمی کو دیکھا جو سخاوت و جرأت کا جامع تھا۔

نمبر۲: تورات اور دلیل مراد ہے جو کفر و ایمان میں فرق کرنے والی تھی عصا۔ ید بیضا و دیگر آیات۔

نمبر۳: شریعت جو حلال و حرام میں فرق کرنے والی تھی۔ یہ بھی کہا گیا کہ الفرقان سمندر پھٹنے کو یا وہ مدد جس نے ان کے اور ان کے دشمنوں میں جدائی کر دی۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ : (تاکہ تم ہدایت پاؤ) یہاں لَعَلَّ کَیْ کے معنی میں ہے۔

قوم سے مراد:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ : (جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا) قوم سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی۔

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ : (اے میری قوم بے شک تم نے اپنے آپ پر ظلم کیا)

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ : (بسبب تمہارے بنا لینے بچھڑے کو) معبود۔

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ : (پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو)

الباری : وہ ذات جس نے مخلوق کو فرق سے بری بنایا۔ جو ان کو بچھڑے کی عبادت کی طرف لے جاتے جو غباوت و بلادت میں ضرب المثل ہے۔

(فیه لغباوة العابدین للعجل)

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہ کریں گے، جب تک کہ ہم اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں، سو پکڑ لیا تم کو کڑک نے

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور حال یہ تھا کہ تم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے تم کو زندہ اٹھا دیا تمہاری موت کے بعد، تاکہ تم شکر ادا کرو

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا، اور ہم نے تمہارے اوپر من اور سلویٰ نازل کیا، جو کچھ ہم نے تم کو دیا اس میں سے پاکیزہ

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

چیزیں کھاؤ، اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا اپنی ہی جانوں کا نقصان کیا کرتے تھے

قتل کامفہوم:

فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ : (تم اپنے نفسوں کو قتل کرو)

نمبرا: کہا گیا کہ یہ ظاہر پر ہے اور وہ غصہ اور غم سے قتل کرنا ہے۔

نمبر۲: یہ بھی کہا گیا۔ جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہ کی تھی۔ ان کو حکم دیا۔ کہ بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کو قتل کریں۔ پس ستر ہزار قتل ہوئے۔

ذٰلِكُمْ : (یہ) یعنی توبہ اور قتل

خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ : (تمہارے رب کے ہاں بہت بہتر ہے) گناہ پر اصرار کرنے سے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ : (پس اس نے تم پر توجہ کی پس بے شک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا) وہ قبول توبہ سے فضل فرمانے والا ہے خواہ یہ کثرت سے بار بار ہی ہو۔

الرَّحِيْمُ : (وہ نہایت مہربان ہے) گناہ معاف کرتا ہے خواہ کتنا بڑا ہو۔

تین فاء:

پہلا فاء سبب کے لیے ہے کیونکہ ظلم توبہ کا سبب ہے۔

اور دوسرا فاء تعقیب کے لیے ہے۔ اس لیے معنی یہ ہوگا۔ توبہ کا عزم کرو۔ پس اپنے نفسوں کو قتل کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قتل النفس مقرر فرمائی۔

اور تیسرا فاء شرط محذوف سے متعلق ہے۔ گویا اس طرح فرمایا۔ فان فعلتم اگر تم نے ایسا کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً : (جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تم پر یقین نہ کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ دیکھ لیں سامنے)

جهرة : آنکھوں سے دیکھیں۔ نمبر ۱ نحو : یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسا قرفصا کا لفظ جلوس کے فعل سے ای جلس قرفصا۔

نمبر ۲: یا نَرٰی سے حال ہے یعنی ذوی جهرة۔ ایسا دیکھنا جو کہ ظہور والا ہو۔

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ : (پس تمہیں کڑک نے پکڑ لیا) نمبر ۱: یعنی موت

نمبر ۲: یہ کہا گیا کہ آگ آسمان کی طرف سے آئی اس نے ان کو جلایا۔ روایت کیا گیا کہ جبل طور کی طرف جاتے ہوئے جن ستر ۷۰ افراد نے یہ مطالبہ کیا اور ان کو کہنے لگے ہم نے ان کی طرح بچھڑے کی عبادت نہیں کی پس آپ اللہ کی ذات ہمیں آنکھوں سے دکھلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے خود یہ سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا تو نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے ہم ہرگز تم پر اعتماد نہ کریں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہ دیکھ لیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر صاعقہ بھیج دیا۔ جس نے ان کو جلا دیا۔

دلیل معتزلہ:

معتزلہ نے اس آیت سے نفی رؤیت باری تعالیٰ ثابت کرنے کی کوشش کی دلیل یہ دی کہ اگر یہ جائز ہوتی تو جائز الثبوت پر ان کو سزا نہ دی جاتی؟

وجوہ سزا:

جواب نمبر ۱: ان کو سزا تو انکار کے سبب ملی۔ اس لیے کہ ان کا قول انک رأیت اللّٰه فلن نؤمن لك حتّٰی نری اللّٰه جهرة۔ ان کی طرف سے کفر و انکار تھا۔

نمبر ۲: اس لیے بھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ظہور معجزات کے بعد ایمان سے لوٹ رہے تھے۔ جب تک وہ اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان ظہور معجزات کے بعد لازم ہے ان سے نئی نشانیاں طلب کرنا جائز نہیں۔

نمبر ۳: اور اس لیے بھی کہ انہوں نے رشد و ہدایت طلب کرنے کے لیے سوال نہ کیا تھا۔ بلکہ محض تعنت وعناد کی خاطر سوال کیا تھا۔ (جس پر سزا ملنی ضروری تھی)

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ : (اور تم اس صاعقہ کو دیکھ رہے تھے) جب وہ اتری۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ : (پھر ہم نے تمہیں اٹھایا) ہم نے تمہیں زندہ کیا۔ اس کا اصل اثار یثیر اثارةً سے ہے (اٹھانا)

مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ : (تمہاری موت کے بعد تاکہ تم احسان مانو) موت کے بعد اٹھائے جانے کے انعام کا۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا

اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس بستی میں سو کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو خوب اچھی طرح، اور داخل ہو جاؤ

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

دروازہ میں جھکے ہوئے، اور یوں کہو کہ ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔ اور نیکو کاروں کو اور زیادہ دیں گے

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

سو بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات کو اس بات کے علاوہ جو ان سے کہی گئی تھی سو ہم نے نازل کر دیا ان لوگوں پر آسمان سے عذاب

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

جنہوں نے ظلم کیا، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ : (ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کر دیا) ہم نے بادلوں کو تمہیں سایہ کرنے والا بنا دیا یہ میدان تیہ کا واقعہ ہے بادل کو ان کے کام میں لگا دیا۔ کہ ان کے چلنے پر ساتھ چلیں۔ اور دھوپ سے ان پر سایہ کریں۔ اور رات کو روشنی کے ستون اترتے جن کی روشنی میں چلتے۔ ان کے کپڑے میلے نہ ہوتے۔ اور نہ پرانے ہوتے۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى : (اور اتارا تم پر من وسلوٰی) ترنجبین وہ طلوع شمس کے وقت برف کی طرح ان پر اترتا۔ ہر انسان کے لیے ایک جیسا ہوتا۔

السلوٰی : جنوبی ہوا سے اللہ تعالیٰ ان پر سلوٰی پرندے بھیجتا۔ وہ بٹیر ہے' پھر آدمی اپنی ضرورت کے مطابق ذبح کر لیتا۔ اور ہم نے کہا۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ : (تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ) ۔تم لذیذ یا حلال چیزیں کھاؤ۔

مَا رَزَقْنٰكُمْ : (جو ہم نے تمہیں دیں)

وَمَا ظَلَمُوْنَا : (انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا) ۔ پس ظلم کیا اس طرح کہ ان نعمتوں کی ناشکری کی۔

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ : (لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے تھے)

نحو : اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ کا مفعول ہے اور وہ کان کی خبر ہے۔

تفسیر آیت: ۵۸:

وَاِذْ قُلْنَا : (اور جب ہم نے کہا) ہم نے میدان تیہ سے نکلنے کے بعد کہا۔

اُدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ۔ (تم اس بستی میں داخل ہو جاؤ) یعنی تم بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ۔ یا اریحا میں۔
القریہ۔ اس بات پر اتفاق ہے یہ قریت سے ہے اس لیے کہ بستی لوگوں کو جمع کرتی ہے تیہ کے بعد ان کو داخلے کا حکم ملا۔
فَكُلُوْا مِنْهَا: (تم اس میں سے کھاؤ) تم بستی کے غلہ جات اور پھل کھاؤ۔
حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا۔: (جہاں سے چاہو بافراغت)
وَّادْخُلُوا الْبَابَ: (اور دروازے میں داخل ہو) باب القریہ: الباب سے مراد بستی کا دروازہ یا باب قبہ مراد ہے۔ جس کی طرف وہ نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے۔ البتہ باب قریہ میں ان کی زندگی میں داخل ہوئے۔
سُجَّدًا: (سر جھکائے) یہ حال ہے اور ساجد کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کا حکم شکریہ کے طور پر دروازے تک پہنچنے کے وقت ہوا یعنی اس کی بارگاہ میں تواضع کرتے ہوئے۔

تفسیر حِطَّة:

وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ: (تم حطة کہو) نحو: حطة یہ فعلة کا وزن ہے الحط سے جیسا جلسة۔
نمبر ۱: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی مسئالتنا حطة یا امرك حطة۔ ہمارا سوال گناہ مٹانے کا ہے یا
نمبر ۲: آپ کا حکم بخشش کرنا ہے۔

اصل نصب ہے اور اس کو اس طرح بھی پڑھا گیا۔ حط عنا ذنوبنا حطة۔ ہمارے گناہ ہم سے مٹا دے مٹانا یہ مرفوع اس لیے لائے تا کہ اثبات کا معنی دے۔ یہ بھی کہا گیا۔ اس کا معنی امرنا حطة ہے یعنی یہ کہ ہم اس بستی میں اتریں اور اس میں قرار اختیار کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حطة بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔
نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ: (ہم تمہاری غلطیاں بخش دیں گے) خطایا کم جمع خطیئة وہ گناہ کو کہتے ہیں۔ (مدنی نے يُغْفَرْ) اور شامی نے (تُغْفَرْ) پڑھا۔

اضافہ کا مطلب:

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ: (عنقریب زیادہ دیں گے مخلصوں کو) یعنی جو تم میں سے مخلص ہو تو یہ کلمہ اس کے ثواب میں اضافہ کا سبب بنے گا۔ اور جو گناہ گار ہو گا اس کے لیے توبہ و بخشش کا ذریعہ ہو گا۔

بدلنے کی تشریح:

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ: (پس بدل دیا ظالموں نے بات کو اور بات سے جو ان کو کہی گئی تھی) اس میں حذف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِالَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ پس بدل دیا ظالموں نے اس کہی ہوئی بات کو اور بات سے جو کہی گئی تھی ان کو۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ

اور جب موسیٰ سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ

عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي

نکلے۔ ہر جماعت نے اپنے پینے کی جگہ جان لی، کھاؤ اور پیو، اللہ کے رزق سے اور مت خرابی کرو

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۞

زمین میں فساد کرتے ہوئے۔

پس بدّل یہ ایک مفعول کی طرف متعدی بنفسہٖ ہے اور دوسرے مفعول کی طرف باء سے متعدی ہوگا جو باء کے ساتھ ہے وہ متروک ہے۔ اور جو باء کے بغیر ہے وہ موجود ہے یعنی حطة کی جگہ اور بات کو رکھا یعنی ان کو حکم تو اس بات کا تھا جس سے توبہ واستغفار ہو۔ مگر انہوں نے اس کی مخالفت ایسی بات سے کی جس کا معنی وہ نہ تھا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ حطة کی بجائے حنطة کہا۔

اور یہ بھی کہا گیا۔ کہ انہوں نے قبطی زبان میں کہا۔ حطا سمقا ثا یعنی سرخ گندم۔ انہوں نے اس ارشادالٰہی کا مذاق اڑایا۔ جو ان سے کہا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کچھ ہے اس سے منہ موڑ کر اپنا پسندیدہ سامان دنیا طلب کیا

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا : (پس ہم نے ظالموں پر عذاب اتارا)۔ رجز یعنی عذاب۔ الذین ظلموا کا کلمہ دوبارہ لا کر ان کے معاملے کی شدید قباحت کا اظہار مقصود ہے۔ اور اسی بات کا اعلان ہے کہ ان پر عذاب ان کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے اترا۔

مِّنَ السَّمَآءِ : (آسمان سے) یہ رجز کی صفت ہے (رجز نازل من السماء)

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ : (بسبب اس کے کہ وہ فسق کرتے تھے) یعنی ان کے فسق کے سبب، روایت میں ہے۔ کہ ایک گھڑی میں ۲۴ ہزار آدمی طاعون کا شکار ہوگئے۔ بعض نے ستر ہزار کہا ہے۔

تفسیر آیت: ۶۰

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ : (جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا) و اذ موضع نصب میں ہے گویا اصل اس طرح ہے واذکروا اذاستسقٰی یعنی انہوں نے استدعا کی کہ ان کی قوم کو سیراب کیا جائے۔

پتھر سے مراد کونسا:

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ : (پس ہم نے کہا تم اپنا عصا پتھر پر مارو) ان کو تیہ میں پیاس لگی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے پانی کی درخواست کی۔ جس پر انہیں حکم ملا کہ پتھر پر اپنی لاٹھی ماریں۔ اس میں لام عہد کا ہے اس سے مقررہ پتھر مراد ہے۔ روایت

میں آیا یہ طور کا پتھر تھا۔ جس کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اور مربع پتھر تھا۔ جس کی چار طرفیں تھیں۔ ہر طرف سے تین چشمے چلتے تھے ہر قبیلے کیلئے ایک چشمہ تھا۔ ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اور لشکر گاہ کی وسعت بارہ میل تھی یا الف لام جنس کا ہے یعنی اس شئی کو مارو جس کو پتھر کہتے ہیں۔ یہ دلیل میں ظاہر اور قدرت میں واضح تر ہے۔

فَانْفَجَرَتْ : (پس پھوٹ پڑے بارہ چشمے) یہ محذوف سے متعلق ہے یعنی فضرب فانفجرت یعنی کثرت سے بہنے لگا۔ یا فان ضربت فقد انفجرت۔ پس اگر تو مارے گا۔ پس اس سے جاری ہو جائیں گے۔ اس صورت میں فاء فصیحیہ ہے جو کلام بلیغ میں ہوتی ہے۔

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا : (اس سے بارہ چشمے) قبیلوں کی تعداد کے مطابق۔ عَشْرَةَ کی شین پر کسرہ اور فتح پڑھا گیا ہے۔ یہ دو لغتیں ہیں۔ عینًا یہ تمیز ہے۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ : (تحقیق جان لیا ہر قبیلے نے) اناس سے مراد قبیلہ ہے۔

مَّشْرَبَهُمْ : (اپنا اپنا گھاٹ) انکا وہ چشمہ جس سے وہ پیتے ہیں۔

كُلُوْا : (کھاؤ) اور ہم نے ان کو کہا تم من وسلویٰ کھاؤ۔

وَاشْرَبُوْا : (اور پیو)۔ چشموں کا پانی پیو۔

مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ : (اللہ تعالیٰ کے رزق سے) یعنی وہ تمام رزق جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا۔

وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ : (اور تم زمین میں فساد مت مچاؤ) یعنی تم اس میں فساد نہ کرو۔ العیث: سخت فساد۔

مُفْسِدِيْنَ : (فساد کرنیوالے) یہ مؤکد حال ہے یعنی تم اپنے فساد میں درازی مت اختیار کرو۔ وہ اپنے فساد میں درازی اختیار کرنے والے تھے۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک کھانے پر لہٰذا ہمارے لئے اپنے رب سے دعاء کیجئے وہ ہمارے لئے ان چیزوں میں سے نکال

لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ

دے جن کو زمین اگاتی ہے۔اس کی سبزی اور کھیرا اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ

موسیٰ نے کہا کہ تم بدلتے ہو اس چیز کو جو گھٹیا ہے اس چیز کے بدلہ میں جو خیر ہے ؟اتر جاؤ کسی شہر میں،

مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ

سو بے شک تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے سوال کیا۔اور مار دی گئی ان لوگوں پر ذلت اور مسکنت اور مستحق ہو گئے غصہ کے

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

جو اللہ کی طرف سے تھا، یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے،

عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھتے تھے۔

طعام واحد کا مطلب:

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ : (اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایک کھانے پر صبر نہیں کریں گے) تیہ میں ان کو من وسلویٰ کا رزق دیا گیا۔مگر انہوں نے کہا طعام واحد ایک کھانے پر حالانکہ وہ دو کھانے تھے۔کیونکہ انہوں نے واحد سے مراد ایسا کھانا لیا۔جو نہ بدلے بلکہ ایک ہی رہے۔اگر کسی آدمی کے دسترخوان پر قسم قسم کے کھانے ہوں اور ہر روز ان پر وہ مداومت کرے۔تو کہا جاتا ہے۔لا یا کل فلان الاطعامًا واحدًا۔فلاں تو ایک ہی کھانا کھاتا ہے واحد سے مراد وحدت ہے کہ ایک جیسا کھانا مختلف اور تبدیل نہیں کرتا۔یا مراد ایک قسم کے مانوس کھانے یعنی ساگ دالیں وغیرہ تھیں۔

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ : (تو دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے) یعنی تم اس سے سوال کرو۔اور کہو وہ ہمارے لیے نکال دے۔

یُخْرِجْ لَنَا : (وہ نکال دے ہمارے لیے) یعنی ہمارے لیے ظاہر کر دے۔ایجاد کر دے۔

بقل کی تفسیر:

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا : (ان چیزوں سے جن کو زمین اگاتی ہے جیسے سبزیاں) وہ سبزیاں جو زمین سے اگتی تھیں۔مراد

اس سے عمدہ ساگ، پودینہ، ککڑی پیاز وغیرہ ہیں۔ایسی چیزیں جو عموماً لوگ کھاتے ہیں۔
وَقِثَّآئِهَا : (کھیرا) یعنی کھیرا۔
وَفُوْمِهَا : (گندم) وہ گندم یا لہسن ہے۔قراءت عبداللہ بن مسعود میں ثُومھا آیا ہے۔
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی : (اور دالیں اور پیاز کہا کیا تم بدلے میں وہ مانگتے ہو جو کہ حقیر ہے) جو مرتبہ میں نزدیک تر اور مقدار میں حقیر تر ہے۔دنو اور قرب کے الفاظ سے قلت مقدار کی تعبیر کی جاتی ہے۔
بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ : (اس کے بدلے جو کہ بہت بلند ہے) اعلیٰ مرتبے والی۔
اِهْبِطُوْا مِصْرًا : (کسی بھی شہر میں اتر جاؤ) تیہ سے اتر جاؤ۔تیہ کا علاقہ بیت المقدس سے قنسرین تک ہے اور یہ ۳۶×۲۴=۸۶۴ مربع میل کا علاقہ ہے۔
نمبر۲: فرعون کے مصر میں چلے جاؤ۔
نَحو : مصرًا کا لفظ منصرف لائے حالانکہ دو سبب موجود ہیں۔یعنی تانیث وعلمیت اس لیے کہ مراد شہر ہے یا درمیانہ حرف نوح، لوط کی طرح ساکن ہے حالانکہ ان دونوں میں بھی علم، عجمیت پائی جاتی ہے۔
فَاِنَّ لَكُمْ : (پس بے شک تمہارے لیے) یعنی اس میں۔
مَّا سَاَلْتُمْ : (جو تم نے مانگا) پس جو تم نے مانگا وہ تو شہروں میں پایا جاتا ہے۔تیہ میں نہیں۔

تسلطِ ذلت:

وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ : (ان پر ذلت و مسکنت ثبت کر دی گئی) ذلت وفقر یعنی ذلت کو۔نمبر۱: ان پر طاری کیا گیا۔وہ ذلت کے تحت اسی طرح ہو گئے جیسے کوئی لگے ہوئے خیمے کے نیچے ہوتا ہے۔نمبر۲: یا چمٹا دی گئی ان پر ذلت یہاں تک کہ اس نے ان کو لازم پکڑ لیا جیسے چپکنے والی چیز ہوتی ہے۔جیسے دیوار پر مٹی ماریں تو چمٹ، چپک جاتی ہے۔یہود ذلیل، خوار اور مسکینی اور فقر والے ہیں۔خواہ حقیقۃً ہوں یا وہ بتکلف فقر اور حقارت ظاہر کرنے والے ہیں۔کہ کہیں ان پر جزیہ دوگنا نہ کر دیا جائے۔
قراءت: عَلَیْهِمُ الذلۃ۔نمبر۱۔حمزہ و علی نے اسی طرح دونوں پر ضمہ پڑھا ہے۔اور ہر وہ لفظ جس میں ھا سے قبل یا ساکنہ ہو وہ اسی طرح پڑھا جائے گا۔
نمبر۲: ابو عمرو نے ھا اور میم کے کسرہ سے پڑھا علیھِمِ الذلۃ۔
نمبر۳: بقیہ قراء نے ھا کے کسرہ اور ضمہ میم سے پڑھا۔عَلَیْهِمُ
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ : (اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا غضب کمایا) نمبر۱۔باء کا لفظ اسی طرح ہے جیسے کہتے ہیں باء فلان بفلان جبکہ وہ اس لائق ہو کہ اس کو اس کے برابر ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے یہودیت اختیار کی، اور نصاریٰ اور صابئین، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت

وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ

پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے سو ان کے لئے اجر ہے ان کے رب کے پاس اور، ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ

یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

رنجیدہ ہوں گے۔

معنی آیت:

اب معنی آیت یہ ہوا۔ وہ اس کے غضب کے حق دار بن گئے۔

نمبر۲: کسائی کہتے ہیں باء کا معنی رجع ہے وہ اس کا غصہ لیکر لوٹے۔

ذٰلِكَ : (یہ) اس کا مشارالیہ۔ ضرب، ذلت مسکنت اور غضب کا حقدار ہونا۔

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ : (یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے اور انبیاء کو قتل کرتے رہے) قراءت۔ نافع نے النبیئین کو ہمزہ سے پڑھا۔ اسی طرح اس کے تمام باب میں پڑھا جائے گا یعنی یہ نتائج بسبب کفر اور قتل انبیاء علیہم السلام کے تھے۔ یہود نے حضرت شعیاء، زکریا، یحییٰ صلوٰۃ اللہ علیہم کو قتل کیا۔

النبی کی تحقیق:

النبی کا لفظ النبأ سے ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتا ہے۔ یہ فعیل بمعنی مُفعِل یا مُفعَل ہے یا نبا یعنی بلند النبوۃ بلند مکان کو کہتے ہیں۔

بِغَیْرِ الْحَقِّ : (ناحق) یعنی یہ ناحق تھا ان کے ہاں بھی اس لیے کہ اگر وہ انصاف کرتے تو وہ کوئی ایسی چیز ذکر کر سکتے تھے۔ جس سے ان کو قتل کا حقدار قرار دے سکیں۔

نحو : یہ یقتلون کی ضمیر فاعلی سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے یعنی یقتلو نھم مبطلین وہ ان کو قتل کرتے اس حال میں کہ وہ باطل حرکت کرنے والے تھے۔

نمبر۱۔ ذٰلِكَ : (اس میں) اشارہ تکرار سے لائے۔

حدود سے تجاوز:

بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ : (اس سبب سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ تھے حد سے بڑھنے والے) اس سبب سے کہ وہ قسم

قسم کے گناہوں میں مبتلا تھے۔اور ہر چیز میں حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے والے اور انبیاء کو قتل کرنے والے تھے۔

دوسرا قول: یہ بھی کہا گیا کہ مراد اس سے ہفتے کے بارے میں ان کا حد سے گذرنا تھا۔

تیسرا قول: اور یہ بھی درست ہے کہ ذٰلک کا مشار الیہ کفر،قتل انبیاء کو قرار دیا جائے۔اس طرح کہ یہ جرأت ان میں نافرمانی اور حد سے گذرنے کی بناء پر پیدا ہوئی۔اس لیے کہ وہ ان دونوں باتوں میں منہمک ہو گئے اور انہوں نے ان میں غلو کیا یہاں تک کہ ان کے دل سخت ہو گئے جس پر انہوں نے انکار آیات اور قتل انبیاء کی جسارت کی۔

چوتھا قول: ذٰلك کا مشار الیہ کفر اور قتل ہے جن کے ساتھ مسلسل نافرمانی ان میں پائی جاتی تھی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا : (بے شک جو لوگ ایمان لائے) یعنی دلوں کی موافقت کے بغیر صرف زبانوں سے ایمان لائے اور وہ منافقین ہیں۔

وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا : (اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے) یعنی یہودیت اختیار کی۔کہا جاتا ہے ھاد، یہود، تہود، ھائد جب کوئی یہودیت میں داخل ہو جائے۔ھائد کی جمع ھود ہے۔

نصرانی کی وجہ:

وَالنَّصٰرٰی : (اور نصاریٰ ہوئے) نصاریٰ جمع نصران جیسے ندمان وندامیٰ کہا جاتا ہے رجل نصران و امراۃ نصرانۃ۔نصرانی مرد، نصرانی عورت۔نصرانی میں یا مبالغہ کے لیے ہے۔جیسے احمری میں ان کو نصاریٰ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی مدد کی۔

وَالصّٰبِئِیْنَ : (اور صابی ہوئے) جو کسی مشہور دین سے نکل کر کسی غیر معروف دین میں چلے جائیں۔جب کوئی دین سے نکلے تو کہتے صبا فلان۔

نمبر۱: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے یہودیت و نصرانیت سے رخ موڑا اور فرشتوں کی عبادت شروع کر دی۔

نمبر۲: یہ کہا گیا کہ یہ زبور پڑھتے تھے۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ : (جو ان میں اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لایا) ان کفار میں سے جو خالص ایمان لایا۔

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ : (اور اس نے نیک عمل کیا پس ان کا بدلہ) اجرھم کا معنی انکا ثواب

عِنْدَ رَبِّھِمْ : (ان کے رب کے ہاں) یعنی آخرت میں

وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ : (اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے)

نحوی لطائف:

نحو نمبر۱: اگر من امن کو مبتداء اور فلھم اجر ھم خبر بناؤ تو من امن محل رفع میں ہوگا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا

اور جب ہم نے لے لیا تمہارا عہد اور اٹھا دیا تمہارے اوپر طور کو، لے لو قوت کے ساتھ جو کچھ ہم نے تم کو دیا اور یاد کرو

مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

جو کچھ اس میں ہے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر اس کے بعد تم نے روگردانی کی، سو اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل

وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

اور اس کی رحمت تو ضرور تم تباہ کاروں میں سے ہو جاتے۔

نمبر۲: اور اگر اس کو اسم انّ ومعطوف علیہ کا بدل مانیں تو منصوب ہے۔ پہلی صورت میں انّ کی خبر اسی طرح جملہ ہوگا۔ دوسری صورت میں **فلھم** اس کی خبر ہے اور فاء اس لیے لائی گئی کیونکہ مَن شرط کے معنی کو شامل ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ : (جب ہم نے تم سے میثاق لیا) یعنی تورات کی تمام باتیں قبول کرنا۔

رفع طور:

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ : (اور طور کو تم پر بلند کیا) جبل طور۔ یہاں تک کہ تم نے قبول کر کے پختہ وعدہ دے دیا۔

واقعہ: اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام الواح لیکر آئے تو اس میں بنی اسرائیل نے پابندیاں اور مشکل اعمال پائے۔ جوان پر گراں گزرے۔ پس انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا۔ انہوں نے طور کو جڑ سے اکھاڑا اور اٹھا کر ان کے اوپر سائبان کی طرح کر دیا۔ ان کو موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ اگر تم قبول کرتے ہو (تو ٹھیک) ورنہ طور کو تم پر پھینکا جائے گا۔ پس انہوں نے قبول کر لیا۔ تو ہم نے انہیں حکم دیا۔

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ : (جو ہم نے دیا اس کو مضبوط پکڑو) یعنی کتاب تورات۔

بِقُوَّةٍ : (مضبوطی کے ساتھ) کوشش و پختہ ارادے سے

وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ : (اور یاد کرو جو اس میں ہے) یعنی یاد کرو جو کچھ کتاب میں ہے اور کتاب کو پڑھو اور نہ بھلاؤ اور نہ غفلت اختیار کرو۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ : (تا کہ تم متقی ہو جاؤ) اس امید سے کہ تم متقی بن جاؤ۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ : (پھر تم نے منہ موڑا) یعنی پھر تم نے میثاق اور وفاداری سے منہ موڑا۔

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ : (اس کے بعد) قبول کر لینے کے بعد

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

اور البتہ تحقیق تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے سنیچر کے دن میں زیادتی کی، سو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر

خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

ذلیل! پھر ہم نے اس کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس وقت موجود تھے۔ اور جو بعد میں آنیوالے تھے۔ اور نصیحت بنا دیا

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

ڈرنے والوں کے لئے۔

فضل ورحمت:

فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ : (اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت نہ ہوتی) نمبر۱۔ یعنی عذاب کو مؤخر کر کے نمبر۲: یا تمہیں توبہ کی توفیق دے کر اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت نہ ہوتا۔

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ : (تو تم نقصان میں پڑ جاتے) یعنی تم عذاب سے ہلاک ہو جاتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ : (تحقیق تم نے جانا) یعنی تم نے پہچانا۔ عَلِمَ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے۔

الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ : (ان کو جنہوں نے ہفتے کے سلسلہ میں حد سے زیادتی کی)

سبت کی تشریح:

السبت یہ مصدر ہے سبتت الیہود کا جبکہ وہ ہفتے کی تعظیم کریں۔ یہود اس میں حد سے گذر گئے اور تجاوز کر گئے وہ اس طرح کہ ان کو عبادت کے لیے ہفتے کو خالی رکھنے کا حکم کیا۔ اور اس کی تعظیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ اس دن شکار میں مشغول ہو گئے حالانکہ ان کو اس دن شکار سے منع کیا گیا تھا۔ پھر ان کی آزمائش مزید اس طرح کی کہ سمندر میں کوئی ایسی مچھلی نہ تھی جو ہفتے کے دن اپنا منہ پانی سے نہ نکالتی ہو۔ جب ہفتہ گذر جاتا تو منتشر ہو جاتیں۔ انہوں نے سمندر کے کنارے حوض بنا لیے اور ان کی طرف نالیاں چلا دیں۔ مچھلیاں ہفتے والے دن ان میں داخل ہوتیں کیونکہ وہ شکار سے محفوظ تھیں۔ پس وہ سمندر سے نکلنے والی نالیوں میں بند لگا دیتے اور اتوار کو شکار کر لیتے۔ یہ حوضوں میں روکنا ہی ان کا حد سے گذرنا تھا۔

فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ : (پس ہم نے انہیں کہا تم ذلیل بندر بن جاؤ) پس ہو جاؤ یعنی ہماری تکوین سے

نَحو : قردة خاسئين۔ یہ کان کی خبر ہے یعنی تم بندر اور ذلت ہر دو کو جمع کرنے والے بنو۔

فَجَعَلْنٰهَا : (پس ہم نے کر دیا اس واقعہ کو عبرت) مسخ کو

نَكَالًا : (عبرت) اس کے لیے جو عبرت حاصل کرے۔ اس کو روکے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم ایک بیل ذبح کرو، وہ کہنے لگے کیا تو ہمارا

هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

مذاق بناتا ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں، وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دعا کر ہمارے لئے بیان

لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ

کر دے کہ وہ بیل کیسا ہو، موسیٰ نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو بوڑھا نہ ہو اور بالکل جوان بھی نہ ہو ان دونوں کے

ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

درمیان ہو، سو تم اس پر عمل کر لو جس کا تم کو حکم دیا جا رہا ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا : (موجودہ لوگوں کے لیے) پہلوں کے لیے

وَمَا خَلْفَهَا : (اور آئندہ لوگوں کے لیے) بعد والی امتوں اور بستیوں کے لیے کیونکہ ان کا مسخ پہلی کتابوں میں ذکر کر دیا گیا۔ پس انہوں نے اس سے عبرت حاصل کی اور جن پچھلوں کو یہ پہنچی انہوں نے عبرت حاصل کی۔

مراد متقی:

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ : (اور متقین کے لیے نصیحت) متقین سے مراد قوم کے وہ صالح لوگ جنہوں نے حد توڑنے سے روکا۔ یا ہر متقی کے لیے جو ان کو سنے۔

ظروف کا حکم:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ : (جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا) یعنی تم یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا۔ یہ نعمتی پر معطوف ہے۔ (اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ) [سورۃ البقرہ آیت: ۴۰] گویا اس طرح ہوگا۔ ان ظروف میں جو گزرے۔ اذکرو انعمتی، اذکروا وقت انجینا ایاکم، اذکروا وقت فرقنا، اذکروا نعمتی، اذکروا وقت استسقاء موسیٰ ربه لقومه اور یہی حکم ان ظروف کا بھی ہے جو یہاں سے لیکر اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ (البقرہ آیت نمبر ۱۲۴) تک آئیں گے کہ ان تمام میں اذکروا محذوف ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ : (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں یہ کہ)

تَذْبَحُوْا بَقَرَةً : (کہ تم گائے ذبح کرو۔) تم ذبح کرو کوئی گائے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا

وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دعا کر ہمارے لئے بیان فرمادے کہ اس بیل کا رنگ کیسا ہو موسیٰ نے کہا کہ بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ تیز رنگ کا پیلا بیل موجود ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہو وہ کہنے لگے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

کہ تو اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کر ہمارے لئے بیان فرمادے کہ اس بیل کی پوری کیا حقیقت ہے؟ بیشک بیلوں کے بارے میں ہم کو اشتباہ ہو رہا ہے اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ

لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي

پالیں گے موسیٰ نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو صحیح سالم نکما نہ ہو گیا ہو۔ وہ نہ زمین کو پھاڑتا ہو اور نہ کھیتی کو سیراب

الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا

کرتا ہو اس میں ذرا کوئی دھبہ نہ ہو، وہ کہنے لگے کہ اب تم نے ٹھیک طرح بیان کیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے وہ بیل ذبح کر دیا

وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾ ع

اور حال یہ ہے کہ وہ ایسا کرنیوالے نہ تھے۔

علماء مفسرین نے فرمایا۔ قصہ کا اول حصہ تلاوت میں مؤخر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر: ۷۲۔

حقیقتِ واقعہ:

واقعہ اس طرح تھا کہ ایک خوش حال آدمی جس کا نام عامیل تھا۔ اس کو اس کے چچا زاد بھائیوں نے جائداد کی خاطر قتل کر دیا تھا۔ اور شہر کے دروازے پر اس کی لاش پھینک دی۔ پھر اس کے خون کا مطالبہ لیکر آ گئے اللہ تعالیٰ نے ان کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور میت کو گائے کے گوشت کا کوئی حصہ لگانے کا حکم دیا۔ اس سے وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کی خبر دے گا۔

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا : (انہوں نے کہا کیا تو ہم سے مذاق کر رہا ہے؟) یعنی کیا تو ہمیں مذاق کی جگہ سمجھتا ہے یا مذاق والے سمجھتا ہے۔ یا تو ہمیں زیادہ استہزاء کی وجہ سے مجسمہ مذاق سمجھتا ہے۔

قراءت: هُزْءً ہمزہ اور زاء کے سکون کے ساتھ۔ حمزہ کے ہاں اور دونوں ضمہ اور واؤ کے ساتھ حفص کے ہاں هُزُوًا بقیہ قراء نے تثقیل اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا۔

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ : (میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں نادان بنوں) عیاذ اور لیاذ کے لفظ ہم معنی ہیں۔ ان اکون من الجاهلين۔ کیونکہ ایسے موقعہ پر مذاق یہ جہالت وحماقت ہے۔ اس میں ان پر تعریض کی کہ تم نے میری

طرف استہزاء کی نسبت کر کے جہالت کا ارتکاب کیا ہے۔
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَاهِيَ : (انہوں نے کہا تو پوچھ ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ بیان فرمادے کہ وہ کیسی ہو) اس میں گائے کی حالت اور صفت کے متعلق سوال ہے۔

ایک سوال وجواب:

سوال ما سے سوال تو جنس کے متعلق ہوتا ہے پھر اس سے وصف کے متعلق سوال کیونکر؟
جواب: کبھی کبھی ما کیف کی جگہ آتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ انہوں نے مردہ گائے کے بارے میں تعجب کیا کہ جس کا بعض حصہ مردہ کو لگانے سے مردہ زندہ ہو جائے گا۔ پس انہوں نے اس عجیب حالت والی گائے کے متعلق سوال کیا۔ گویا انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ نام گائے کا ہوگا جنس کوئی اور ہوگی اس لیے ماھی سے سوال کیا۔
ترکیب: ھِیَ مبتداء ما اس کی خبر ہے۔

وجہ فارض:

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ : (حضرت موسیٰ نے کہا وہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی) فارض کا معنی۔ بوڑھی۔ اس کو فارض کہنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس نے عمر کو کاٹا ہے۔ اور اس کی انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔

نحو: فارض مرفوع ہے اس لیے کہ یہ بقرہ کی صفت ہے۔
وَّلَا بِكْرٌ : (نہ بن بیاہی) جوان۔ اس پر عطف ہے
عَوَانٌ : (درمیان کی)۔ نصف عمر والی۔
بَيْنَ ذٰلِكَ : (ان کے درمیان) جوان اور بوڑھی کے درمیان۔
سوال: لا فارض ولا بکر فرمایا بین ذینک نہیں فرمایا اس کے باوجود کہ بین دو یا دو سے زیادہ کا تقاضا کرتا ہے۔
جواب: کیونکہ مراد بین هذا المذکور ہے۔ اور وہ اسی عنوان سے یعنی ذٰلک کا مشارالیہ فارض وبکر ہے عمرین متعدد کا تقاضا کرتا ہے۔
قاعدہ: کبھی ضمیر اس میں اسم اشارہ کی جگہ استعمال ہوتی ہے ابوعبیدہ کہتے ہیں میں نے رؤبہ شاعر سے اس قول کے متعلق پوچھا۔

فيها خطوط من سواد وبلق ☆ كانه في الجلد توليع البهق

اس میں سیاہ وسفید خطوط ہیں۔ گویا کہ چمڑے پر برص کے داغ ہیں۔
ضمیر سے مراد خطوط ہو تو کانها اور اگر سواد بلق ہو تو کانهما۔ تو اس نے کہا میں نے کانہ سے کان ذاک مراد لیا۔
فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ : (پس تم کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا) یہ اصل میں تو مرون تھا۔ یا مرکم بمعنی مامور ہے مفعول کو مصدر کا نام دے دیا۔ جیسے ضرب الامیر۔ اے مضروبہ

قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنۡ لَّنَا مَا لَوۡنُهَا : (وہ کہنے لگے ہمارے لیے اپنے رب سے دریافت کرو کہ وہ اچھی طرح سمجھا دے اس کا رنگ)

استفہام ونحو:

ما مرفوع ہے کیونکہ اس کا معنی استفہام کا ہے۔تقدیر عبارت یہ ہے ادع لنا ربك يبين لنا ای شئ لونها تو ہمارے لیے اپنے رب سے دریافت کرو کہ وہ اچھی طرح بتادے کہ کیا حقیقت ہے اس کے رنگ کی۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفۡرَآءُ فَاقِعٌ لَّوۡنُهَا : (حضرت موسیٰ نے فرمایا وہ فرماتے ہیں بے شک وہ گہرے زرد رنگ کی ہو) الفقوع۔انتہائی زرد۔فاقع کا لفظ صفراء کی تاکید ہے یہ لونها کی خبر نہیں۔مگر اس میں رنگ اتنا ہی بلند ہوا جتنا فاعل بلند ہوا۔یعنی خوب زرد گائے۔البتہ اس میں تذکیر وتانیث کا فرق نہیں۔صفیراء فاقعہ اور صفراء فاقع دونوں درست ہیں۔لونها کا لفظ لاکر تاکید کا فائدہ مقصود ہے کیونکہ لون ایک عارضی ہیئت کا نام ہے اور وہ زردی ہے گویا اس طرح فرمایا شدید الصفرة صفر تها کہ بہت زیادہ زرد ہے اس کی زردی اور یہ اس قول کی طرح ہے۔جدّ جدّہ اس نے خوب در خوب کوشش کی۔

سرور کیا ہے؟

تَسُرُّ النّٰظِرِيۡنَ : (دیکھنے والوں کو بھلی لگتی ہو) اپنے رنگ کی خوبصورتی کی وجہ سے۔السرور۔نفع یا اس کی توقع کے موقعہ پر دل میں حاصل ہونے والی لذت کو کہتے ہیں۔

نکتہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ من لبس نعلًا صفراء قلّ همّهٗ

جس نے زرد جوتا پہنا اس کا غم کم ہوگیا۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تسر الناظرين وہ دیکھنے والے کو خوش کردے۔گویا یہ سرور کی علامت ہے۔

قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنۡ لَّنَا مَا هِيَ : (وہ کہنے لگے ہمارے لیے اپنے رب سے پوچھو کہ ہمیں اچھی طرح سمجھا دے کہ وہ کس قسم میں ہے) یہ پہلے سوال کا تکرار ہے جو گائے کی حالت اور صفت کے متعلق مزید انکشاف کیلئے کیا گیا تاکہ اچھی طرح وضاحت ہوجائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اگر وہ کسی بھی گائے کو لے کر ذبح کردیتے تو وہ ان کے لیے کافی ہوجاتی۔لیکن انہوں نے سختی کی پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کردی۔(رواہ البزار، وابن ابی حاتم) اور کسی چیز کے پیچھے پڑ جانا نحوست ہے۔

اِنَّ الۡبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيۡنَا : (بے شک گائے ہم پر مل جل گئی ہے) بلاشبہ درمیانی عمر اور زرد رنگ گائیں تو بہت ہیں پس ہمیں شبہ پڑ گیا ہے۔(کہ کونسی گائے سے ہمارا مقصد پورا ہوگا)

وَاِنَّآ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهۡتَدُوۡنَ : (اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم راہ پانے والے ہونگے) اللہ نے چاہا تو ہم گائے ذبح کرنے کی طرف راہ پانے والے ہیں۔یا یہ مطلب ہے کہ ہم قاتل کے سلسلہ میں راہنمائی پالیں گے

نحو: ان شاء اللہ جملہ معترضہ ہے۔جو اِنّ کے اسم وخبر کے درمیان واقع ہے

ان شاء اللہ کی برکت:

حدیث میں ہے اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے ابدالآباد تک اس گائے کا پتہ نہ پاتے ۔ (ابن جریر بسند معضل)

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ : (کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ ایک گائے ہے نہ محنت والی نہ زمین) ذلول یہ بقرہ کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ بقرہ غیر ذلول یعنی محنت اور زمین میں جوتنے کا اسے عادی نہ بنایا ہو۔

وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ : (اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو) اور نہ وہ ان پانی کھینچنے والیوں میں سے ہو۔ جن سے کھیتوں کو پانی پلانے کا کام لیا جاتا ہے۔

نحو : پہلا لا نافیہ اور دوسرا پہلے کی تاکید کے لیے لایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ نہ اس سے زراعت کا کام لیا جاتا ہو اور نہ کھیتی کو پانی پلایا جاتا ہو۔ اس طرح دونوں فعل ذلول کی صفت ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا وہ ہل چلانے اور پانی پلانے کی عادی نہ ہو۔

مُسَلَّمَةٌ : (بے عیب ہو) وہ عمل کے اثرات اور عیوب سے پاک ہو۔

شیۃ کا مفہوم:

لَّا شِيَةَ فِيْهَا : (نہ ہو داغ اس میں) دوسرے رنگ کا۔ یعنی اس کے رنگ میں زردی کے سواء دوسرے رنگ کا ایک دھبہ بھی نہ ہو وہ مکمل زرد ہو یہاں تک کہ اس کے سینگ اور کھر بھی۔

یہ اصل میں وشاہ وشیًا وشیۃ کہتے ہیں۔ جب اس کے رنگ کے ساتھ دوسرا رنگ ملا ہو۔

قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ : (وہ بولے ہاں اب تو لایا ٹھیک بات) وہ کہنے لگے اب تم نے گائے کی پوری تعریف بیان کر دی۔ اور اس کے سلسلہ میں کوئی اشکال نہیں رہا۔

قراءت: ابوعمرو کہتے ہیں۔ جِیْتَ اور اس کا باب بلا ہمزہ ہے۔

فَذَبَحُوْهَا : (پس انہوں نے اس کو ذبح کیا) پھر انہوں نے ایسی گائے حاصل کر لی جو ان تمام اوصاف کی جامع تھی۔ پھر اس کو ذبح کیا۔

تفسیر وما کادوا:

وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ : (اور وہ ایسا کرنے والے نہ تھے) نہ لگتے تھے کہ ایسا کریں گے۔ اس کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے یا قاتل کے ظاہر ہونے پر رسوائی کے خوف سے۔ روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک نیک آدمی کے ہاں ایک بچھڑی تھی۔ وہ اس کو درختوں کے جھنڈ میں لایا۔ اور چھوڑ کر کہنے لگا۔ اے اللہ اس کو میں تیری امان میں دیتا ہوں۔ اپنے بیٹے کے بڑا ہونے تک وہ اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے والا تھا۔ پس گائے سلامت رہی۔ وہ سب سے بہترین موٹی گائے تھی۔ پس انہوں نے اس یتیم اور بیوہ کے ساتھ سودا کیا۔ یہاں تک کہ اس کی کھال میں سونا بھر کر دینے کے بدلے میں خریدا۔ حالانکہ اس وقت گائے کی قیمت تین دینار ہوتی تھی۔ انہوں نے ان صفات والی گائے کو چالیس سال ڈھونڈا۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۷۲

اور جب تم نے ایک جان کو قتل کر دیا پھر اس کے بارے میں ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کو ظاہر فرمائے جس کو تم چھپا رہے ہو،

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

پس ہم نے حکم دیا کہ اس کا ایک حصہ اس میں مارو، ایسا ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو، اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ۝۷۳

عقل سے کام لو۔

وجود فعل سے پہلے نسخ:

اصل یہ وضاحت مطلق کو مقید کرنے کی قسم سے ہے۔ پس نسخ ہوا اور فعل کے وجود سے قبل نسخ جائز ہے بلکہ اس پر اختیار سے قبل بھی ہمارے ہاں جائز ہے البتہ معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا : (جب تم نے ایک نفس کو قتل کیا) یہاں بھی اذکر وا مقدر ہے۔ جماعت کو مخاطب کیا۔ کیونکہ واقعہ قتل ان میں پیش آیا تھا۔

ٹالنا کیا ہے؟

فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا : (پھر ایک دوسرے پر ٹالنے لگے) پس تم نے اختلاف کیا۔ اور اس کے معاملے میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے۔ اس لیے کہ دونوں جھگڑنے والے اپنے سے بات کو ہٹا کر دوسرے پر دھرتے ہیں۔ یا تم نے اس کا قتل ایک دوسرے پر ڈالا پس جس پر ڈالا جاتا وہ ڈالنے والے پر ٹالتا یا پھینکنا بذات خود دھکیلنا ہے۔

صرف:

اور اس کا اصل تدارأتم ہے پھر تخفیف کے لیے تاء کو دال سے بدل کر اس کی جنس سے کر دیا۔ جو کہ فاء کلمہ ہے تاکہ ادغام ہو سکے۔ دال کو ساکن کیا۔ اس لیے کہ شرط ادغام پہلے کا ساکن ہونا ہے۔ پھر ہمزہ وصل بڑھایا۔ اس لیے کہ ساکن سے ابتداء ممکن نہیں۔

قراءت: ابوعمرو نے فادّارأتم بغیر ہمزہ پڑھا ہے

وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ : (اور اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والے تھے جو تم چھپاتے تھے)

یعنی ہر صورت ظاہر کرنے والے تھے۔ جو تم قتل کے معاملے میں چھپاتے تھے۔ کہ وہ اس کو چھپا نہ رہنے دیں گے۔

نحو : صیغہ اسم فاعل مخرج بمعنی مستقبل ہے۔ کیونکہ کلام کے وقت زمانہ مستقبل کی حکایت کر رہا ہے۔ اس لیے اسے عمل دیا

گیا۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان واقع ہوا ہے۔ اور وہ فادارأتم اور فقلنا ہے۔

اضربوہ کی ضمیر:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ : (ہم نے کہا تم مارو اس کو) اضربوہ میں ضمیر نفس کی طرف لوٹتی ہے اور مذکر لائی گئی ہے بتاویل شخص وانسان یا مقتول کی طرف لوٹتی ہے اس لیے کہ آیت ما کنتم تکتمون اسی پر دلالت کرتی ہے۔

بِبَعْضِهَا : (اس کے کسی حصے کے ساتھ) گائے کے ایک ٹکڑے سے اور وہ اس کی زبان تھی یا دائیں ران یا دم کی ہڈی اور مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے لیکر لگایا تو وہ زندہ ہو گیا۔

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى : (اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے)

تفسیر آیت ۷۳:

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى کی اس پر دلالت ہونے کی وجہ سے اس کو حذف کر دیا گیا۔ روایت میں ہے کہ جب انہوں نے اس کا ٹکڑا مردہ کو لگایا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ مجھے میرے فلاں فلاں چچازاد بھائیوں نے قتل کیا ہے۔ یہ کہہ کر مردہ ہو کر گر پڑا۔ پس اس کے قاتل کو پکڑ لیا گیا۔ اور اس کے بدلے میں قتل کر دیا گیا۔ (اور اس کا قاتل میراث سے محروم رہا) اور اس کے بعد کوئی قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوا(كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔ نمبر ا۔ خواہ یہ ان لوگوں کو خطاب ہو جو منکرین زمانہ نبوت محمد ﷺ میں تھے۔

نمبر ۲: یا ان لوگوں کو خطاب ہو جو اس مقتول کے زندہ ہونے کے وقت موجود تھے۔

اس صورت میں معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کریں گے قیامت کے دن۔

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ : (اور تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے) آیات سے مراد قدرت باری تعالیٰ کے دلائل ہیں

اندازِ دلیل:

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ : (شاید کہ تم سمجھ جاؤ) پھر اپنی عقلوں کے مطابق عمل کرو۔ اور وہ یہ ہے جو ایک نفس کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ اسی طرح تمام مردوں کو بھی زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔

خصوصی نکات:

گائے کو ذبح کر کے مقتول کے جسم سے لگانے میں حکمت۔ نمبر ا: یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ اس سبب کے بھی زندہ کر سکتے ہیں۔ مگر بتلایا کہ طلب کرنے پر عبادت کو عمدہ طریق سے پیش کرنا چاہیے۔

نمبر ۲: اور بندوں کو تعلیم دی کہ معاملات میں شدت نہ اختیار کریں۔ اور

نمبر ۳: جلدی سے بلا تفتیش اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل کریں۔

نمبر ۴: کثرت سوال سے گریز کریں وغیرہ۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ دوسرے جانوروں کی بجائے خصوصیت سے گائے کے ذبح کرنے

کا حکم دیا۔اس کی وجہ یہ ہے۔
نمبر ا:اس لیے کہ وہ ان کے ہاں اونچی قسم کی قربانی شمار ہوتی ہے۔
نمبر ۲:اس لیے بھی کہ انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ان کے معبود کی ان کے ہاتھوں ہی تذلیل ہو جائے

تنبیہ عجیب:

سوال : مناسب یہ تھا کہ مقتول کا تذکرہ اوراس کو گائے کا ٹکڑا لگانے کا حکم ذبح کے حکم سے مقدم ہوتا اوراس طرح کہا گیا (وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْ تُمْ فِيْهَا) **فقلنا اذبحوا بقرة و اضربوه ببعضها۔** کہ جب تم نے ایک نفس کو قتل کر کے اس کے معاملے کو ایک دوسرے پر ٹالا ہے۔تو ہم نے کہا تم ایک گائے ذبح کرو۔اوراس مقتول کو گائے کا کوئی ٹکڑا لگاؤ۔
جواب : لیکن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے واقعات کو بیان کیا۔اوران سے سرزد ہونے والے گناہوں کو شمار کرا کر موجودہ لوگوں کو ان پر خبردار کیا۔یہ دونوں واقعات اگرچہ مستقل ہیں مگران میں سے ہرایک ایک قسم کی تنبیہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے پس پہلا واقعہ استہزاء پر تنبیہ کے لیے ہے اوراطاعت حکم میں فوری اطاعت نہ کرنے اوراس کے متعلقات پر تنبیہ ہے جبکہ دوسرا واقعہ حرمت والے نفس کو قتل کرنے اوراس کے پیچھے جو بڑی نشانی ظاہر ہوئی اس پر خبردار کرنے کے لیے ہے گائے کو ذبح کرنے والے واقعہ کو مقتول کے تذکرہ سے مقدم کیا کیونکہ اگراس کا الٹ ہوتا۔تو پھر یہ ایک ہی واقعہ بن جاتا۔اور بار بار تنبیہ والا مقصد فوت ہو جاتا۔

عجیب نکتہ:

میرے دل میں دوسرے پورے واقعہ کو دیکھنے اور شروع سے قصہ دہرانے کے بعد ایک عجیب نکتہ پیدا ہوا کہ پہلے واقعہ کے ساتھ دوسرے واقعہ کو ضمیر سے ملایا۔جو گائے کی طرف لوٹ رہی ہے گائے کا نام نہیں لیا۔اس آیت میں فرمایا: **اضربوه ببعضها** تا کہ دونوں کا الگ واقعہ ہونا معلوم ہو کر تنبیہ کا مقصد حاصل ہو۔اورادھر ضمیر گائے کی طرف لوٹتی ہے۔اس لیے ایک ہی واقعہ ہونا معلوم ہوا۔
نکتہ: اس واقعہ سے اشارہ ملتا ہے کہ جو شخص یہ ارادہ رکھتا ہو۔کہ وہ اپنے دل کو مشاہدات الٰہیہ سے زندہ کرے وہ اپنے نفس کو مختلف قسم کے مجاہدات سے مارے۔پھر یہ مقصد حاصل ہوگا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوئے ، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بلاشبہ

مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ

بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بلاشبہ ان میں بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں پھر

مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

ان سے پانی نکلتا ہے۔ اور بلاشبہ ان میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں ہیں جن کو

تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

تم کرتے ہو۔

تفسیر آیت ۷۴:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ (پھر سخت ہوگئے تمہارے دل) ثُمَّ یہاں استبعاد قسوت کیلئے ہے یعنی نرمی کے اتنے اسباب دیکھنے پر تمہاری قساوت بڑی بعید ہے۔

مِّنْۢ بَعْدِ : (اس کے بعد) ان مذکورہ اسباب کے بعد جو دلوں میں نرمی ورقت پیدا کرنے والے ہیں اور دلوں کی صفت قسوت سے کرنا درحقیقت وعظ وعبرت سے ان کے انکار کی تمثیل ہے

ذٰلِكَ : (اس) اس احیاء مقتول کے بعد ذٰلك کا مشار الیہ احیاء مقتول ہے۔ یا وہ تمام مقررہ نشانیاں جو پہلے گزریں۔

نحوی لطائف:

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ : (پس وہ پتھر کی طرح) وہ اپنی سختی میں پتھر کی طرح ہیں۔

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً : (یا اس سے زیادہ سخت) یا اس سے سختی میں زیادہ بڑھ کر ہیں۔ اشد کا عطف کاف پر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ او مثل اشد قسوۃ۔ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ یا وہ بذاتِ خود اس سے زیادہ سخت ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جو ان دلوں کا حال پہچانے تو وہ ان کو پتھر سے تشبیہ دے یا کسی اور جوہر سے جو پتھر سے زیادہ سخت ہو اور وہ لوہا ہے۔ یا پہچاننے والا ان کو پتھر سے تشبیہ دے یا وہ کہے کہ یہ پتھروں سے زیادہ سخت ہیں۔ اشد کے لفظ میں جو مبالغہ ہے وہ اقسٰی کے لفظ میں نہیں اور مفضل علیہ یعنی حجارہ کے لیے ضمیر نہیں لائی گئی کیونکہ وہ ظاہر تھا۔ اور اس میں کوئی التباس نہیں مثلاً کہتے ہیں زید کریم وعمرو اکرم۔

سختی کا بیان:

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ : (اور بے شک بعض پتھروں سے نہریں پھوٹ کرنکلتی ہیں) یہ پتھروں سے ان کے دلوں کی سختی کے زیادہ ہونے کا بیان ہے۔

صرف :مَا یہ الذی کے معنی میں ہے۔موضع نصب میں اِنَّ کا اسم ہےاورلام تاکید کا ہے۔

التفجر : کسی چیز کا زیادہ اور کثرت سے کھلنا۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ : (اور بعض ان میں پھٹ جاتے ہیں)اس کا اصل یتشقق ہے اعمش نے اس طرح پڑھا ہے تاء کوشین سے بدل کراس میں ادغام کر دیا۔

فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ : (پس ان سے پانی نکلتا ہے) یعنی پتھروں میں ایسے پتھر بھی ہیں۔جن میں بڑے بڑے سوراخ ہوتے ہیں۔جن سے کثیر پانی ٹھاٹھیں مار کر ابلتا ہے اور بعض پتھر ایسے ہیں جو لمبائی یا چوڑائی میں پھٹ جاتے ہیں۔پھر ان سے بھی پانی اُبلنے لگتا ہے۔مگر ان کے دلوں میں تری بھی نہیں ۔(یعنی منفعت کا نام بھی نہیں)

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ : (اور بعض ان میں سے گر پڑتے ہیں) پہاڑ کی بلندی سے گر پڑتے ہیں۔

خشیت کی حقیقت:

مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰهِ : (اللہ کے خوف سے) نمبر ا:بعض نے کہا کہ یہ مجاز ہے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کا مطیع ہونا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ ان میں ارادہ کرتے ہیں۔اس سے باز نہیں رہتے مگر ان کفار کے دل نہ اطاعت اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے۔

نمبر۲: یہ بھی کہا گیا کہ خشیت کا حقیقی معنی مراد ہے۔مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان میں زندگی وتمیز پیدا کر دیتے ہیں۔اور کسی جسم میں زندگی اور تمیز کے لیے کسی خاص معصیت کا ہونا ضروری نہیں۔عنداھل السنة۔ اور قرآن مجید میں سورۃ حشر کی آیت نمبر ۲۱۔ لَوْاَنْزَلْنَا هٰذَاالْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ کی تفسیر بھی اسی طرح ہے۔یعنی ان کے دل نہیں ڈرتے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ : (اور اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو) یہ کفار کو دھمکی ہے ابن کثیر مکی نے تعملون کو یاء سے یعملون پڑھا۔

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ وَقَدۡ كَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ

کیاتم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں ۔ پھر

یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

اس میں تحریف کرتے رہے ہیں ۔ اس کے بعد کہ وہ اس کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے ۔

تفسیر آیت ۷۵:

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ : (کیاتم توقع رکھتے ہو) یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو فرمایا ۔

اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ : (کہ وہ تم پر اعتماد کریں) کہ تمہاری دعوت کی وجہ سے ایمان لے آئیں گے ۔ اور تمہاری بات قبول کرلیں گے ۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۲۶ میں فرمایا فاٰمن لہٗ لوط (ان کی دعوت پر لوط ایمان لائے) یعنی یہ یہود ۔

وَقَدۡ كَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ : (حالانکہ ان میں ایک جماعت ایسی ہے) یعنی ان میں سے جو گزرے ایک گروہ ہے

یَسۡمَعُوۡنَ كَلَامَ اللّٰهِ : (جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں) یعنی تورات

ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ : (پھر اس کو بدل دیتے ہیں) جس طرح انہوں نے صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آیت رجم کو بدل ڈالا ۔

مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ : (اس کے بعد کہ انہوں نے اس کو سمجھا) اور عقلوں میں منضبط کرلیا ۔ بٹھالیا

تحریف ان کی عادت:

وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ : (اور وہ جانتے ہیں) کہ وہ جھوٹے مفتری ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ کفر اور تحریف ان کی پرانی عادت ہے ۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا

اور جب ملاقات کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

کیا تم ان کو وہ چیزیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تا کہ یہ لوگ ان کے ذریعے اللہ کے پاس حجت میں تم کو مغلوب کر دیں۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ہو؟

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا : (جب وہ ملتے ہیں) یعنی منافقین یا یہود

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا : (ایمان والوں سے) یعنی اصحاب محمد ﷺ میں سے مخلص لوگوں سے۔

قَالُوْا : (کہتے ہیں) منافقین۔

اٰمَنَّا : (ہم ایمان لائے) کہ تم حق پر ہو اور محمد ﷺ وہی رسول ہیں جن کے متعلق بشارت دی گئی ہے۔

وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ : (جب وہ ایک دوسرے کے پاس اکیلے ہوتے ہیں) وہ لوگ جو منافق نہیں ان لوگوں کے پاس جو منافق ہیں۔

قَالُوْا : (وہ کہتے ہیں) ان کو عتاب کرتے ہوئے۔

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ : (کیا تم کہتے ہو ان کو) یعنی کیا تم اصحاب محمد ﷺ کو اطلاع دیتے ہو۔

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ : (جو اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہر کیا) جو اللہ تعالیٰ نے تم پر تورات میں محمد ﷺ کی حالت بیان کی ہے۔

لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ : (تا کہ وہ تم سے جھگڑیں اس کے ذریعے تمہارے رب کے پاس)۔ تا کہ وہ تمہارے خلاف دلیل بنائیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تمہارے اوپر اتاری ہے۔ انہوں نے اپنے خلاف تورات سے حجت کو اور ان کی اس بات کو کہ یہ تمہاری کتاب میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت قرار دیا۔ جیسے کہتے ہیں (هو فی كتاب الله تعالى هاكذا۔) وہ مضمون اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس طرح ہے وهم عند الله هكذا، اور وہ اللہ کے ہاں بھی اس طرح ہے۔ ان دونوں باتوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں مضاف مضمر ہے یعنی عند کتاب ربکم۔ تا کہ تمہارے رب کی کتاب میں جھگڑا کریں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ تا کہ وہ تم سے مجادلہ اور اس کے ذریعہ مخاصمہ کریں۔ تمہارے رب کے ہاں جو تم نے ان کو کہا۔ وہ مسلمان کہیں گے کہ تم نے کفر کیا اس کی سچائی کی اطلاع پانے کے باوجود۔

النصف

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

اور ان میں ایسے لوگ ہیں جو ان پڑھ ہیں کتاب کا علم نہیں رکھتے ۔ سوائے آرزوؤں کے اور وہ لوگ صرف گمانوں میں پڑے ہوئے ہیں

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کیلئے جو کتاب کو لکھتے ہیں اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ

تاکہ اس کے ذریعہ خرید لیں تھوڑی سی قیمت، سو بڑی ہلاکت ہے ان کے لئے بوجہ اس کے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے۔ اور بڑی ہلاکت ہے ان کے لئے

مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

اس کی وجہ سے جسے وہ کسب کرتے ہیں۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ : (کیا تم سمجھتے نہیں) کہ یہ تمہارے خلاف دلیل ہے۔ اس طرح کہ تم اس کا اعتراف کرتے ہو پھر اس کی پیروی نہیں کرتے ہو۔

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ : (کیا وہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) تمام باتیں۔

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ : (جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور جو وہ چھپاتے ہیں) ایک ان میں سے ان کا کفر چھپانا اور ایمان ظاہر کرنا بھی تھا۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ : (اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں) یعنی یہود میں سے وہ اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے کہ تورات کا مطالعہ کر لیتے اور ان کو یقین سے اس کے مضامین معلوم ہو جاتے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ : (وہ کتاب کو نہیں جانتے) کتاب سے مراد تورات ہے۔

امانی کی تفسیر:

اِلَّآ اَمَانِيَّ : (مگر تمنائیں) **نمبر۱:** مگر وہ تمنائیں جن میں وہ مبتلا تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیں گے اور ان پر رحم فرمائیں گے۔ اور ان کو چند دنوں آگ میں جانا پڑے گا۔

نمبر۲: دوسرا قول یہ ہے مگر وہ من گھڑت جھوٹی باتیں جو انہوں نے اپنے علماء سے سن کر ان کو تقلیدی طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس قول میں تمنّی کا یہی معنی ہے۔ **ما تمنیت منذ اسلمت**۔ کہ میں نے اسلام لانے کے بعد آج تک جھوٹ نہیں بولا۔

تیسرا قول یہ ہے مگر وہ جو پڑھتے تھے۔ جیسا کہ شاعر کے اس قول میں تمنّی کا یہی معنی ہے۔

تمنی کتاب اللّٰہ اول لیلۃٍ و آخر ھا لا قی حِمام المقادر

رات کے پہلے حصہ اور پچھلے میں وہ اللہ کی کتاب پڑھتا۔ اور اس کی مقدر موت اسی حالت میں آئی۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا۔ کہ یہ یہود کتاب منزل کی حقیقت کو نہیں پہچانتے البتہ یہ ایسی چیزیں پڑھتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے احبار سے حاصل کی ہیں۔ اس صورت میں استثناء منقطع ہے۔

وَاِنْ ھُمْ : (نہیں ہیں وہ)

اِلَّا یَظُنُّوْنَ : (یہ ان کا خیال ہی خیال ہے) یعنی وہ نہیں جانتے اس میں کیا ہے؟ پس آپ کی نبوت کا انکار محض گمان سے کرتے ہیں۔

سابقہ آیات سے ربط:

ربط : ان آیات میں ان علماء کا ذکر کیا۔ جنہوں نے علم کے باوجود محض عناد سے تحریف کی۔ پھر ان کے عوام کا ذکر کیا۔ جنہوں نے ان کی اندھادھند تقلید کی۔

فَوَیْلٌ : (ہلاکت ہے) حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ (رواہ ابن المبارک فی الزوائد عن ابی سعید الخدری)

لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ : (ان پر جو لکھتے ہیں کتاب) تحریف شدہ

بِاَیْدِیْھِمْ : (اپنے ہاتھوں سے) اپنی طرف سے بغیر اس کے کہ ان پر اتاری گئی۔ یہاں ہاتھوں کا تذکرہ تاکید کے لیے ہے۔ اور یہ مجازی تاکید ہے۔

ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا : (پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ اس کے ذریعے سے تھوڑا سا مال لیں) ثمنا قلیلا کا معنی معمولی عوض

فَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْھِمْ وَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ : (پس ان پر ہلاکت ہے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور ہلاکت ہے ان کی کمائی سے)۔ یعنی رشوت

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ

اور انہوں نے کہا کہ ہم کو ہرگز آگ نہ چھوئے گی مگر چند دن گنتی کے، آپ فرمائیے کیا تم نے

عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا

اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے، سو اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا یا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

علم نہیں ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً : (وہ کہتے ہیں کہ ہم کو نہیں چھوئے گی آگ مگر گنتی کے دن) چالیس دن جتنے دنوں بچھڑے کی عبادت کی تھی۔

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ دنیا کی عمر کل چھ ہزار سال ہے اور ہمیں ایک ہزار سال کے بدلے ایک دن عذاب دیا جائے گا۔ (اس طرح گویا چھ دن عذاب ہو کر ساتویں دن چھٹی)

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا : (کہہ دیں کیا لے لیا تم نے کوئی وعدہ) یعنی اس نے تم سے عہد کیا کہ وہ تمہیں اتنی ہی مقدار میں عذاب دے گا۔

فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ : (کہ ہرگز اللہ تعالیٰ خلاف نہ کرے گا اپنے عہد کے) یہ محذوف سے تعلق رکھتا ہے اصل کلام اس طرح ہوا۔ ان اتخذتم عند اللّٰہ عهدا فلن یخلف اللّٰہ عهده۔ اگر تم نے اللہ سے عہد لیا ہے پھر تو ہرگز اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہ فرمائیں گے۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ : (یا تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ پر جو نہیں جانتے)

ام کی اقسام:

تفسیر اول: اَمْ معادلہ کے لیے ہے۔ کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ کہتے ہو جو تم جانتے ہو یا تم اس کے بارے میں وہ کہتے ہو جو نہیں جانتے۔

دوسری تفسیر: اَمْ منقطعہ۔ بَل کے معنی میں ہے بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

ہاں جس نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو گے اور والدین کے ساتھ اور

وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

قرابت داروں اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اورزکوۃ دینا، پھر تم نے روگردانی کی مگر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں نے، اور تم اعراض کرنے والے ہو

بَلٰی : (کیوں نہیں) نفی کے بعد اثبات کے لیے ہے وہ نفی یہ ہے لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ۔ یعنی کیوں نہیں تمہیں آگ ہمیشہ کے لیے چھوئے گی۔اس کی دلیل یہ ارشادِ الٰہی ہے هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً : (جس نے برائی کی) سیّئة سے مراد شرک ہے۔

تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تفسیر ہے۔

وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ : (اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہوں نے) یعنی اس پر نجات کے راستے بند ہو گئے اس طرح کہ اس کی موت اس پر واقع ہوئی۔ پھر اگر ایمان کی حالت میں موت آئی تو سب سے بڑی طاعت یعنی ایمان اس کے پاس ہے اس لیے گناہ اس کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔

ردِ خوارج:

گویا یہ نص اس کو شامل ہی نہیں۔اس تعبیر سے معتزلہ اور خوارج کا اعتراض باطل ہو جاتا ہے احاطہ کی تفسیر ایک یہ بھی ہے کہ گناہ اس پر حاوی ہو گئے اور مسلط ہو گئے جیسا کہ دشمن حاوی ہو جاتا ہے اور اس نے توبہ کر کے ان سے چھٹکارہ حاصل نہیں کیا۔

قراءت: مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خطیّاته، یا سے پڑھا ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : (وہ آگ والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

تفسیر آیت ۸۲:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

تفسیر آیت ۸۳:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : (اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا)

مِيْثَاقَ۔ انتہائی پختہ وموکد عہد کو کہتے ہیں۔

خبر بصورتِ نہی:

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ : (تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا) یہ نہی کے انداز میں خبر ہے جیسا تم کہو۔ تذهب الی فلان تقول لهٗ كذا سے مقصود حکم دینا ہے کہ فلاں کے پاس جا اور اس کو اس طرح کہہ۔ یہ صراحۃً امر و نہی سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ اس طرح ہے گویا کہ بات ماننے اور انتہاء تک پہنچنے میں جلدی کی گئی اور وہ اس کے متعلق خبر دے رہا ہے۔ اور اس معنی کی معاونت حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کی قراءت لا تعبدوا اور ان کا قول وقولوا کر رہا ہے یہاں قول مضمر ہے۔

قراءت: مکی وحمزہ، علی نے لا يعبدون پڑھا۔ کیونکہ بنی اسرائیل اسم ظاہر ہے۔ اور تمام اسماء ظاہرہ غیب ہیں۔ اب معنی یہ ہے کہ وہ عبادت نہ کریں مگر اللہ کی جب اَنْ حذف ہوا تو آخر میں رفع آ گیا۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا : (اور والدین کے ساتھ احسان کرنا) یعنی تم احسان کرو۔ یہ امر مقدر مانا تا کہ امر پر عطف صحیح ہو جائے۔ اور وہ قولوا ہے۔

وَّذِي الْقُرْبٰى : (اور رشتہ داروں کے) رشتہ داری۔

یتیم کا معنی:

وَالْيَتٰمٰى : (اور یتیموں) جمع یتیم جس کا باپ بلوغت سے قبل یا بلوغت تک فوت ہو جائے اس لیے کہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: لا يُتْمَ بعد البلوغ۔ بلوغت کے بعد یتیمی نہیں (ابوداؤد)

وَالْمَسٰكِيْنِ : (اور مساکین کے ساتھ) جمع مسکین۔ وہ جس کو حاجت نے ٹھہرا دیا ہو۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا : (اور تم کہو لوگوں کو اچھی بات) قول حسن اچھی بات جو فی نفسہٖ خوبی والی ہو۔

قراءت: حمزہ، علی نے حَسَنًا پڑھا ہے۔

وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ : (اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو پھر تم نے منہ موڑا) میثاق سے پھر گئے اور اس کا انکار کر دیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ

اور جب ہم نے تم سے عہدلیا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے

دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٨٤﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

نہ نکالو گے پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کی گواہی بھی دیتے ہو، پھر تم وہ لوگ ہو جو قتل کرتے ہو اپنی جانوں کو

وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط

اور نکالتے ہو اپنوں میں سے ایک جماعت کو ان کے گھروں سے، ان کے مقابلہ میں مدد کرتے ہو گناہ اور زیادتی کے ساتھ،

وَاِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اَفَتُؤْمِنُوْنَ

اور اگر وہ آ جائیں تمہارے پاس قیدی ہونے کی حالت میں تو تم ان کی جان کا بدلہ دیکر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان

بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ

لاتے ہو اور بعض کے منکر ہوتے ہو۔ سو کیا جزا ہے اس کی جو تم میں سے ایسا کام کرے سوائے اس کے کہ دنیاوی زندگی میں

فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ج وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ

رسوا ہو، اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾

غافل نہیں ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ : (مگر تھوڑے تم میں سے) یہ کہا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ان میں سے ایمان لے آئے

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ : (اور تم اعراض کرنے والے تھے) تم ایسی قوم ہو کہ تمہاری عادت اعراض کرنا اور وعدوں سے پھرنا ہے۔

قتل واخراج نفس کی تفسیر:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ : (جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ نکالنا ایک دوسرے کو ان کے گھروں سے)

تفسیر نمبر ١: یعنی تم ایک دوسرے کے ساتھ ایسا نہ کرو۔ دوسرے آدمی کو خود اس کا نفس قرار دیا۔ کیونکہ تمام اصل کے ایک ہونے کی

وجہ سے یا دین کے ایک ہونے کی وجہ سے متصل ہیں۔
تفسیر نمبر۲: جب اس نے دوسرے کو قتل کر دیا تو گویا اس نے اپنے آپ کو قتل کیا اس لیے کہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اور اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔
ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ : (پھر تم نے اقرار کیا) یعنی میثاق کے ذریعہ اقرار کیا اور اس کو اپنے اوپر لازم کرنے کا اعتراف کیا

تفسیر شہادۃ:

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ : (اور تم گواہ ہو) نمبرا۔ گواہ ہو تم اس پر۔ جیسا کہتے ہیں فلان مُقِرٌّ علی نفسہ بکذا، شاھد علیھا۔ جبکہ وہ اس کا پختہ وعدہ کرنے والا ہو۔
تفسیر نمبر۲: اور تم آج بھی گواہی دیتے ہو کہ تمہارے اسلاف نے اس میثاق کا اقرار کیا تھا۔
ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ : (پھر تم وہی ہو) یہ ان کی طرف قتل و جلاوطنی دشمنی میں حد سے نکلنے کی نسبت سے کہا گیا۔ کہ میثاق لیے جانے اور اقرار و شہادت کے بعد یہ بات تم سے بہت ہی بعید ہے۔
نحو: انتم ،مبتداء اور ھو لاء بمعنی الذین ہے۔
تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ : (قتل کرتے ہو ایک دوسرے کو) یہ ھؤ لاء کا صلہ ہے۔ اور یہ صلہ موصول مل کر خبر ہے
وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ : (اور نکالتے ہو ایک جماعت کو ان کے گھروں سے) اللہ تعالیٰ کے میثاق کا لحاظ و پاس کیے بغیر۔
تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ : (ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو ان کے مقابلے میں)
قراءت: کوفی کے ہاں تخفیف کے ساتھ ہے دیگر قراء تشدید سے پڑھتے ہیں۔ جنہوں نے تخفیف کی تو انہوں نے ایک تاء کو حذف کر دیا۔ پھر ایک قول میں وہ دوسری تاء ہے اس لیے کہ ثقل کا باعث وہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ پہلی تاء ہے جن قراء نے تشدید پڑھی۔ انہوں نے تائے دوم کو ظا سے بدل کر اس میں ادغام کر دیا۔
تفسیر: تم تعاون کرتے ہو۔
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ : (گناہ اور دشمنی کے ساتھ) معصیت اور ظلم کے ساتھ۔
وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ : (اگر وہی لوگ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو ان کا فدیہ دیتے ہو)
قراءت: نمبرا: ابوعمرو نے أساری تَفْدو ھم
نمبر۲: مکی و شامی قراء تُفَادُھم
نمبر۳: حمزہ اُساری تَفْدو ھم
نمبر۴: علی اُساری تفادو ھم
لغت میں فدی فادی کا ایک ہی معنی ہے۔

نحو :اساریٰ جمع اسیر ہے اسی طرح اُسریٰ بھی جمع اسیر ہے یہ حال ہے۔

ھو ضمیر کی وضاحت:

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ : (حالانکہ وہ حرام ہے تم پر)
نمبرا: یہ ضمیر شان ہے۔
نمبر۲: یہ ضمیر مبھم ہے جس کی تفسیر اخراجھم ہے۔
اِخْرَاجُهُمْ : (ان کا نکالنا)
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ : (کیا مانتے ہو کتاب کی بعض باتیں) بعض کتاب سے مراد قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا۔
وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ : (اور نہیں مانتے بعض باتیں) قتال اور جلاوطن کر کے۔

چار قول:

سدی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے چار عہد لیے۔
نمبرا: قتل نہ کرو۔ نمبر۲: جلاوطن نہ کرو۔ نمبر۳: برائی میں معاونت نہ کرو۔ نمبر۴: قیدیوں کا فدیہ دو۔
انہوں نے قیدیوں کے فدیہ والے حکم کے علاوہ باقی تمام حکم چھوڑ دیئے۔

تفسیر آیت ۸۵:

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ : (پس کچھ سزا نہیں اس کی جو تم میں سے ایسا کرے مگر رسوائی) خزی کا معنی رسوائی وذلت ہے۔
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ : (دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن ان کو سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا) نمبرا: عذاب وہ جس میں نہ آرام ہو اور نہ خوشی۔
نمبر۲: دنیا کے عذاب سے سخت تر عذاب کی طرف ان کو لوٹایا جائے گا)
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ : (اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں اس سے جو تم کر رہے ہو)
قراءت: نافع، ابوبکر، مکی نے تعملون کو یعملون پڑھا ہے۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا ، سو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع

اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

تفسیر آیت ۸۶:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ :

(یہی لوگ ہیں جنہوں نے مول لے لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے) یعنی انہوں نے اس کو آخرت پر ترجیح دی۔ جیسا کہ خریدار بعض اشیاء کو چنتا ہے۔

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ :

(پس ان سے کم نہ کیا جائے گا عذاب اور نہ ان کی مدد کی جائے گی) عذاب دور کرنے میں ان کی کوئی مدد نہ کرے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَیْنَا عِیْسَی

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے، اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم

ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ

کو واضح دلائل، اور ان کی تائید کی ہم نے روح القدس کے ذریعہ ، کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لایا جو

بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ ج فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ ز وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

تمہارے نفسوں کو گوارا نہ تھے تو تم نے تکبر کیا، سو ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرتے رہے ہو۔

تفسیر آیت ۸۷:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ : (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی) الکتاب سے مراد تورات ہے جو اکٹھی اتاری گئی
وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ : (اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے) عرب کہتے ہیں قفاہ جب کوئی گردن کے پیچھے سے آئے۔ جیسے ذنبہ یہ ذنب سے ہے۔ اور قفاہ بہ پیچھے چلنا چلانا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے پیچھے بہت سے رسول بھیجے۔ اور وہ یوشع، اشمویل، شمعون، داؤد، سلیمان، شعیاء، وارمیاء، عزیر، حزقیل، الیاس، الیسع، یونس، زکریا، یحییٰ وغیرھم۔
وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ : (اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے معجزات دیئے) مریم کا معنی خادم ہے اس کا وزن علماء نحو کے ہاں مفعل ہے کیونکہ فعیلًا کا وزن ثابت نہیں۔

مراد بینات:

اَلْبَیِّنٰتِ : واضح معجزات مثلاً مردوں کو زندہ کرنا مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو درست کرنا مغیبات کی خبریں دینا۔
وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ : (اور قوت دی جبرائیل امین سے) القدس کا معنی طہارت ہے

القدس کا معنی:

قراءت: القُدْس ابن کثیر مکی کے نزدیک جہاں بھی آئے گا دال کے سکون سے پڑھا جائے گا۔ روح القدس کا معنی پاکیزہ روح۔ جیسا کہتے ہیں حاتم الجود۔ سخی حاتم۔ عیسیٰ علیہ السلام کی اس سے تعریف بیان کی جاتی ہے۔
نمبر ۱: ان کے ساتھ خصوصیت وقرب کی وجہ سے۔
نمبر ۲: جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ وہ ایسی چیز آسمانوں سے لاتے ہیں جس میں دلوں کی زندگی ہے اور خصوصی تائید اس وقت فرمائی جب یہود نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝٨٨

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کو اللہ نے ملعون قرار دیدیا سو بہت کم ایمان لاتے ہیں

یا انجیل دے کر ان کی خصوصی تائید کی۔ جسا کہ سورۃ شوریٰ آیت نمبر۵۲ روحًا من امر نا میں فرمایا یا اسم اعظم مراد ہے۔جس سے وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى : (کیا جب کبھی لائے تمہارے پاس کوئی رسول وہ حکم جو نا پسند کرتے تھے) تھویٰ کا معنی پسند کرنا۔

اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ : (تمہارے نفس،تم نے تکبر کیا) تم نے اس کو قبول کرنے سے اپنے آپ کو بڑا قرار دیا

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ : (پس ایک جماعت کو جھٹلایا) جیسے عیسیٰؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ : (اور ایک جماعت کو قتل کیا) جیسے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام۔

ایک نکتہ:

فواصل کی موافقت کے لیے قتلتم کی بجائے تقتلون فرمایا۔ یا مراد یہ ہے کہ ان کی ایک جماعت کو قتل کرنے کے اب بھی درپے ہو۔ کیونکہ تم قتل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گردش کرتے ہو۔ اگر میں نے ان کی حفاظت نہ کی ہوتی۔ (تو تم قتل کر ڈالتے) اور اس لیے تم نے ان کو سحر کیا۔ اور ان کے لیے بکری کے گوشت کو زہر آلود کیا۔

تفسیر: اب مطلب یہ ہوا کہ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہارے انبیاء کو دیا جو کچھ دیا۔ پس جب بھی تمہارے پاس ان میں سے کوئی رسول حق لے کر آیا۔ تو تم نے اس پر ایمان لانے سے تکبر کیا۔ فا اور جو اس سے متعلق تھا۔ ان کے درمیان ہمزہ توبیخ یا تعجب کے لئے لایا گیا۔ تاکہ ان کی حالت پر تعجب کا اظہار ہو۔

غلف کی تفسیر:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ : (اور کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں) غُلف جمع اغلاف ہے وہ دل ایسے انداز سے پیدا کیے گئے ہیں کہ جن کو کئی پردوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ وہ ان تک نہیں پہنچتا ہے۔ اور نہ اس کو وہ سمجھتے ہیں یہ لفظ اغلف سے استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اغلف بے ختنہ کو کہتے ہیں۔

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ : (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب) اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی کہ ان کے دل اس طرح نہیں بنے جس طرح وہ کہتے ہیں۔ بلکہ وہ تو فطرت پر پیدا کیے گئے۔ اور ان میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھی گئی۔ بے شک ان کو تو ان کے کفر و زیغ کی وجہ سے مسترد کیا گیا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی وہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے اور حال یہ تھا کہ اس سے پہلے

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ

وہ کافروں کے مقابلہ میں فتح یابی طلب کرتے تھے پس جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے۔ سو اللہ کی لعنت ہے

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

کافروں پر، بری چیز ہے وہ جس کو اختیار کر کے اپنی جانوں کو خرید لیا یہ کہ کفر کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے اتارا

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى

حسد کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل فرمائے، سو وہ لوگ غضب پر غضب کے

غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

مستحق ہو گئے اور کافروں کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنیوالا۔

قلیل کا مفہوم:

فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ : (بہت تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں) نحو : قلیلا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ایمانا قلیلا یؤمنون۔ وہ تھوڑا ایمان لاتے ہیں۔ ما زائدہ ہے۔

نمبر۱: اور قلیل ایمان سے مراد کتاب کے بعض حصے پر ایمان ہے۔

نمبر۲: قلیل سے ان کے ایمان کی نفی مراد ہے۔

قراءت: غُلْفٌ یہ غُلُفٌ کی تخفیف ہے اور اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ جمع غلاف ہے مطلب یہ ہوا کہ ہمارے دل علوم کے برتن ہیں۔ اس لیے ہم دوسروں کے علم سے بے نیاز ہیں۔

نمبر۲: اگر تمہارا لایا ہوا صحیح ہوتا تو اسے ہم قبول کر لیتے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ : (جب پہنچی ان کے پاس) هُمْ سے یہود مراد ہیں۔

كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ : (کتاب اللہ کی طرف سے) کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ : (جو تصدیق کرتی ہے اس چیز کی جو ان کے پاس ہے) **معهم** سے مراد ان کی کتاب جو اس کے مخالف نہیں۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ : (وہ اس سے پہلے) یعنی قرآن (سے پہلے)

معنی استفتاح:

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا : (فتح مانگتے تھے کافروں پر) مشرکین سے لڑائی کے وقت اس طرح دعاء نصرت مانگتے تھے۔ اللّٰهم انصرنا بالنّبیّ المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد نعته فی التوراة۔ اے اللہ تو ہماری مدد فرما۔ اس آخر الزمان نبی کے مبعوث ہونے کی برکت سے جس کی تعریف تورات میں ہم پاتے ہیں اور وہ اپنے مشرک دشمنوں کو کہا کرتے تھے۔ اس نبی کا زمانہ قریب آنے لگا ہے۔ جس کی بعثت ہماری بات کی تصدیق بنے گی۔ ہم انکے ساتھ ہو کر تمہیں عاد، ثمود کی طرح قتل کریں گے۔

فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا : (پس جب وہ آ گئے جس کو انہوں نے پہچانا) جب وہ پیغمبران کے پاس آئے جن کو انہوں نے پہچانا۔

نحو: ما موصولہ ہے اور عرفوا اس کا صلہ ہے یہ جاء کا فاعل ہے۔

كَفَرُوْا بِهٖ : (توان کا انکار کر دیا) ضد اور حسد کی وجہ سے اور سرداری کی حرص میں انکار کر دیا۔

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ : (پس اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے کافروں پر) یعنی ان کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔

اسم ظاہر کا نکتہ:

یہاں ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لایا گیا۔ اس بات کو بتلانے کے لیے کہ کفر کی وجہ سے وہ لعنت کے مستحق بن چکے۔

الکافرین پر الف لام عہد کا ہے یا جنس کا ہے اور وہ لوگ اس میں سب سے پہلے داخل ہیں۔

پہلے لما کا جواب مضمر ہے، اور وہ اس طرح ہے کذبوا بہ ۔ یا

نمبر۲: انکروہ یا نمبر۳: کفروا پہلے دوسرے دونوں لما کا جواب ہے۔

اس لیے کہ دونوں کا مقتضی ایک ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جب ان کے پاس وہ پیغمبر آ گئے جن کو انہوں نے پہچانا تو ان کو اوپرا اقرار دے کر انکار کر دیا۔ یا ان کا انکار کر دیا۔

بِئْسَمَا : (بری ہے وہ چیز) نحو: ما نکرہ موصوفہ ہے اور بئس کے فاعل کی تفسیر کر رہا ہے۔

قراءت : ابوعمرو اس کو بِيْسَمَا غیر مہموز پڑھتے ہیں تمام باب میں۔ مطلب یہ ہے، بہت بری ہے وہ چیز۔

اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ : (جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنی جانوں کو) یعنی فروخت کر دیا یہ بئس کا مخصوص بالذم ہے۔

اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ : (کہ انکار کرنے لگے اس کلام کا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا) انزل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔

بَغْيًا : (ضد کی وجہ سے) یہ مفعول ہے یعنی حسد اور اس چیز کی طلب میں جو انکے مناسب نہیں۔ یہ اشتروا کی علت ہے بیچنے کا سبب تھا۔

ان کا معنی:

اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ : (کہ اتارا اللہ نے) نمبر۱: لام کے معنی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا یا علٰی کے معنی میں اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ انہوں نے حسد کیا اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو اتارا گیا ہم پر، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے

بِمَا وَرَآءَهٗ ق وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ

وہ اس کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اس کی تصدیق کرنے والا جو ان کے پاس ہے، آپ فرما دیجئے سو تم کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ

کرتے رہے ہو اگر تم مومن ہو، اور بلاشبہ موسیٰ تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو

الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾

معبود بنا لیا، حالانکہ تم ظالم تھے۔

قراءت: یُنْزِلُ مکی و بصری تخفیف سے پڑھتے ہیں۔

مِنْ فَضْلِهٖ : (اپنے فضل سے) فضل سے مراد وحی ہے

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ : (اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے) من عبادہٖ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

پے در پے غضب:

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ : (پس کمایا انہوں نے غصہ پر غصہ) پس وہ دہرے غضب کے حق دار بن گئے اس لیے کہ انہوں نے ایک برحق پیغمبر کا انکار کر دیا۔ اور اس کے خلاف سرکشی کی۔ یا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد محمد ﷺ کا انکار کیا۔ یا اس قول کے بعد عزیر اللہ کا بیٹا ہے جو سورۃ التوبہ آیت نمبر ٣٠ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ اور اس قول کے بعد جو آیت نمبر ٦٤ سورۃ المآئدہ میں ہے ید الله مغلولہ۔ کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ وغیرہ اقوال کے بعد وہ پے در پے غضب کے مستحق ہوئے۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ : (اور کافروں کے لیے ذلت والا عذاب ہے) مھین کا معنی ذلت آمیز۔

تفسیر آیت ٨١:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ : (جب ان سے کہا جاتا ہے) یعنی ان یہود کو۔

اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ : (تم ایمان لے آؤ اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اتارا) نمبر ١: اس سے مراد قرآن مجید ہے نمبر ٢: ما انزل اللّٰه سے مراد جو بھی اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ اس طرح ہر کتاب کو شامل ہے۔

قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا : (وہ کہتے ہیں ہم تو ایمان لائیں گے اسی پر جو اتارا ہم پر) یعنی تورات

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ : (اور وہ کفر کرتے ہیں اس کے ساتھ جو اس کے بعد ہے) یعنی وہ کہتے تو یہ ہیں کہ ہم تورات پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ تورات کے بعد اترنے والی کتاب کا انکار کرتے ہیں۔

مقولہ یہود کا رَد:

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ : (حالانکہ وہ برحق ہے تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو ان کے پاس ہے) اس تورات کے مخالف نہیں۔اس میں ان کے اسی مقولہ (کہ ہم اس تورات پر ایمان رکھتے ہیں) کی تردید ہے اس لیے کہ جب انہوں نے اس وحی کا انکار کر دیا جو تورات کے موافق ہے تو گویا انہوں نے تورات کا انکار کر دیا۔خواہ زبان سے ایسا نہیں کہا۔

نحو: مصدّقًا یہ حال ہے جو تاکید کے لیے لایا گیا۔

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ : (کہہ دیں پس تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو) یعنی تم نے کیوں (ان کو) قتل کیا۔آیت میں یہ واقعہ ماضی کا ہے۔اور مضارع اس کی جگہ لائے۔اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے۔

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ : (اس سے پہلے اگر تم مؤمن ہو) قبل سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس میں ان پر اعتراض کیا گیا۔کہ تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور ادھر انبیاء علیہم السلام کو قتل بھی کرتے ہو حالانکہ تورات تو قتل انبیاء علیہم السلام کی گنجائش نہیں دیتی۔کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایک دن میں تین سو انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں قتل کیا۔

۹۱: وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ : (تحقیق آچکے تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام دلائل کے ساتھ) بینات سے نو آیات مراد ہیں۔

قراءت: دال کو جیم میں ہمیشہ ادغام کر دیا جاتا ہے۔جہاں بھی آئے یہ ابو عمرو، حمزہ اور علی کا قول ہے لقد جاء میں اسی طرح ہے۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ : (پھر تم نے بنالیا بچھڑا) یعنی معبود

مِنْ بَعْدِهٖ : (ان کے بعد) موسیٰ علیہ السلام کے طور کی طرف جانے کے بعد

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ : (اور تم ظالم تھے) **نحو**: یہ حال ہے یعنی تم نے بچھڑے کی عبادت کی اس حال میں کہ تم عبادت کو اس کے مقام سے ہٹانے والے تھے۔یا یہ جملہ معترضہ ہے یعنی تم ایسی قوم ہو کہ تمہاری عادت ظلم کرنا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور بلند کر دیا تمہارے اوپر طور کو، لے لو جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ اور سن لو،

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ

وہ کہنے لگے ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں۔ اور پلا دیا گیا ان کے دلوں میں بچھڑا ان کے کفر کے سبب، آپ فرما دیجئے

بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

کہ بری ہیں یہ باتیں جن کا تمہیں حکم دیتا ہے تمہارا ایمان اگر تم مومن ہو۔

۹۳: وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ : (اور جب لیا ہم نے تم سے پختہ وعدہ اورتمہارے اوپر طور کو اٹھایا۔ پکڑو جو کچھ دیا ہم نے تم کو مضبوطی کے ساتھ) طور کے اٹھانے کا دوبارہ تذکرہ کیا۔ اس میں یہ اضافہ بھی ملا دیا۔ جو پہلے مقام کے تذکرے میں موجود نہیں۔

وَّاسْمَعُوْا : (اور سنو) جو حکم تمہیں تورات میں ملا۔

قَالُوْا سَمِعْنَا : (انہوں نے کہا ہم نے سنا) تمہارا قول۔

وَعَصَیْنَا : (اور نافرمانی کی ہم نے) تیرے حکم کی

صورتِ مطابقت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان کے جواب کے ساتھ اس طرح مطابقت رکھتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا۔ اسمعوا۔ تم سنو۔ اور تمہارا سننا قبولیت اور اطاعت والا ہونا چاہیے۔ انہوں نے جواب میں کہا ہم نے سنا لیکن اطاعت والا سننا نہیں۔

بچھڑے کی محبت کا رچنا:

وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ : (رچ گیا انکے دلوں میں بچھڑا) یعنی اسکی محبت ان کے دلوں میں داخل ہوگئی اور اس کی عبادت کی حرص ان میں رچ بس گئی۔ جیسا کہ کپڑے پر رنگ چڑھتا ہے۔ اور فی قلوبھم میں پائے جانے کی جگہ کا ذکر ہے۔ اور مضاف جو کہ محبت ہے وہ محذوف ہے ای اشرب حب العجل فی قلوبھم۔ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی۔

بِكُفْرِهِمْ : (ان کے کفر کی وجہ سے) ان کے کفر کے سبب اور اعتقادِ تشبیہ کے سبب۔

اضافت تھکم:

قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ : (کہہ دیں بہت بری بات سکھاتا ہے تم کو تمہارا ایمان) یعنی تورات کے متعلق یہ بہت برا ہے۔ اس لیے کہ توراۃ میں گاؤ سالہ پرستی نہیں ہے۔ امر کی اضافت ان کے ایمان کی طرف یہ تھکم کے لیے ہے اسی طرح ایمان

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

آپ فرما دیجئے اگر آخرت والا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے ہی لئے ہے دوسروں کے لئے نہیں

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ

تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو انہوں نے آگے

اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى

بھیجے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اور یہ واقعی بات ہے کہ تم ان کو زندہ رہنے پر سب لوگوں سے زیادہ حریص

حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ

پاؤ گے اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جنہوں نے شرک کیا، ان کا ایک ایک فرد یہ آرزو رکھتا ہے کہ اس کو ہزار سال کی عمر دے دی جائے، اور حال یہ ہے

بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

کہ اسے یہ چیز عذاب سے بچانے والی نہیں ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہو جائے اور اللہ دیکھنے والا ہے ان کاموں کو جن کو وہ کرتے ہیں

معانقہ ۲ ع

کی اضافت بھی ان کی طرف اسی لیے ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ: (اگر تم سچے مؤمن ہو) ان کے ایمان میں تشکیک کا اظہار اور ان کے دعویٰ کی صحت کا انکار و مذمت ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ: (کہہ دیں اگر تمہارے لیے آخرت کا گھر ہے) دار آخرت سے مراد جنت ہے۔

عِنْدَ اللّٰهِ: (اللہ تعالیٰ کے ہاں) نحو: یہ ظرف ہے اور لکم کان کی خبر ہے۔

خَالِصَةً: (خالص) یہ الدار الاخرۃ سے حال ہے۔ مطلب یہ ہے مکمل تمہارے لیے ہے۔

اور تمہارے سوا اور کسی کا اس میں حق نہیں۔ یعنی اگر تمہارے قول لن ید خل الجنة الا من کان ھودا سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۱۱ (کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی داخل نہ ہوگا) صحیح ہے۔

مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ: (لوگوں کی بجائے) الناس میں الف لام جنس کا ہے۔

مشتاقانِ موت:

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: (تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو) اس بات میں جو تم کہتے ہو کیونکہ جس کو یقین ہو کہ وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ اس کے لیے مشتاق ہوگا۔ ایسے گھر سے چھٹکارہ پانے کے لیے جو مصائب سے پر ہے جیسا کہ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں منقول ہے کہ ان میں سے ہر ایک موت کو پسند کرتا اور اس کا شوق مند تھا۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا : (وہ ہرگز تمنا نہ کریں گے) ابدًا کو ظرفیت کی وجہ سے نصب دیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ ہرگز (موت کی) تمنا نہ کریں گے۔ جب تک وہ زندہ ہیں۔

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ : (بسبب اس کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا) یعنی جو انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گذشتہ زمانہ میں کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تحریف وغیرہ کی۔ یہ معجزات نبوت میں سے ہے کہ گذشتہ زمانے کی خبر بتلائی۔ اور جیسا آپ نے خبر دی۔ یہ اسی طرح واقع ہوا۔ جیسا کہ ولن تفعلوا۔ البقرہ آیت نمبر ۲۴ میں (مستقبل میں نہ کر سکنے کی پیش گوئی ہے) اگر یہود موت کی تمنا کرتے۔ تو ضرور قرآن مجید نقل کر دیتا جس طرح دیگر حوادث نقل کیے۔

تہدید کفار:

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ : (اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو جاننے والے ہیں) میں ان کو تہدید کی گئی (دھمکی دی گئی ہے)

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ : (اور تم ضرور پاؤ گے ان لوگوں کو سب سے زیادہ حریص)

نحو :ہم اور احرص الناس۔ یہ دونوں وجد کے مفعول ہیں۔

عَلٰى حَيٰوةٍ : (زندگی پر) حیات کی تنوین تنکیر پر دلالت کرتی ہے اور مراد مخصوص قسم کی زندگی ہے اور وہ مہلت والی زندگی ہے اسی وجہ سے تنوین والی قراءت زیادہ بہتر ہے۔ (علی الحیاۃ) الف لام والی قراءت سے۔ جو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا : (اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جو مشرک ہیں) یہ معنی پر محمول ہے کیونکہ احرص الناس کا معنی احرص من الناس۔ لوگوں میں زیادہ حریص۔

الگ تذکرہ کی وجہ:

سوال :مشرک جب الناس میں داخل ہیں تو ان کا الگ تذکرہ کیوں کیا؟

جواب :مشرکین کی حرص سب سے زیادہ ہے جیسا کہ الملائکہ کہیں تو تمام فرشتے داخل ہیں۔ مگر جبرائیل و میکائیل کو خصوصاً ذکر کر دیا جاتا ہے۔ ان کی خصوصیت کی وجہ سے اسی طرح یہ حرص میں نمبر اول ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ یہود مشرکوں سے بھی زیادہ حریص ہیں۔ سابقہ کلام کی دلالت کی وجہ سے۔

''احرص '' کو حذف کر دیا۔ اس میں یہود کو سخت ڈانٹ پلائی گئی اس لیے کہ مشرکوں کو تو آخرت پر بھی ایمان نہیں اور وہ فقط دنیا ہی کی زندگی جانتے ہیں۔ اگر وہ دنیا کے بارے میں حرص کریں تو بعید نہیں۔ کیونکہ یہی ان کی جنت ہے۔ پس اگر کوئی اہل کتاب ہوتے ہوئے زیادہ حرص کرے۔ جبکہ اس کو جزاء وسزا کا اقرار بھی ہے۔ تو وہ عظیم توبیخ کا مستحق ہے۔ مشرکین سے ان کی حرص بڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں۔ کہ وہ آگ میں جائیں گے۔ کیونکہ ان کو اپنی حالت معلوم ہے (جس کی سزا جہنم ہی ہے) اور مشرکین کو اس کے متعلق کچھ بھی علم نہیں۔

شدتِ حرص:

يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ : (ان میں سے ہرایک چاہتا ہے کاش اسے عمر دی جائے ایک ہزار برس) جملہ مستانفہ لاکران کی شدت حرص ذکر کی۔ دوسرا قول یہ ہے۔ اَلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا سے مجوس مراد ہیں کیونکہ وہ اپنے بادشاہوں کے بارے میں کہا کرتے تھے۔عش الف نیروز۔! تو جیئے ہزار سال۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ عجمیوں کا قول ہے۔ ہزار سال جیو۔

تیسرا قول: وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔ یہ ابتدائی کلام ہے یعنی ومنھم ناس یود احد ھم اوران میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جن میں سے ہرایک چاہتا ہے گویا موصوف محذوف ہے،اس صورت میں والذین اشرکوا سے مراد یہود ہونگے۔ کیونکہ انہوں نے کہا۔عزیرابن اللہ کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ : (حالانکہ اس قدر جینا ان کو عذاب سے نجات دینے والا نہیں)

ضمیر کا مرجع:

نحو نمبر ۱: ہٖ کی ضمیر احدھم کی طرف لوٹتی ہے اوران یعمر یہ بمزحزحہٖ کا فاعل ہے۔

اَنْ يُّعَمَّرَ : (یہ کہ اس کو عمر دی جائے) یہ بمزحزحہٖ کا فاعل ہے۔مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کو اس کی عمر آگ سے بچالے۔

نمبر ۲: ھو ضمیر مبہم اوران یعمر اس کی توضیح۔ مطلب یہ ہوا وہ عمر دیا جانا ان میں سے کسی کو بھی آگ سے نہ بچا سکے گا۔

الزحزحة : دور ہونا۔ایک جانب ہونا۔کتاب جامع العلوم وغیرہ میں لکھا ہے کہ لو یعمّر کا معنی اَنْ یعمّر ہے۔یعنی عمر دیا جانا۔ یہاں لَو۔ اَن کا قائم مقام ہے۔اور اَنْ فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے اور یہ یودّ کا مفعول ہے ای یود احدھم تعمیر الف سنة۔ان میں سے ہرایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ : (اوراللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں جو وہ کرتے ہیں) یعنی ان کفار کا عمل (جانتا ہے) پس وہ اس پر ان کو سزا دے گا۔

قراءت: یعقوب رحمہ اللہ نے تعملون پڑھا ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا

آپ فرما دیجئے کہ جو شخص دشمن ہو جبریل کا سو اس نے اتارا ہے قرآن تمہارے قلب پر اللہ کے حکم سے جو تصدیق کرنیوالا ہے اس کتاب کی جو

بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

اس سے پہلے ہے اور ہدایت ہے اور بشارت ہے ایمان والوں کے لئے۔ جو شخص دشمن ہو اللہ کا اس کے فرشتوں کا

وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا تو بے شک اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

تفسیر آیت ۹۷:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ : (اے محمد ﷺ آپ کہہ دیں جو کوئی دشمن ہو جبرائیل کا)

قراءت۔ نمبرا: مکی نے جَبْرِيْلَ بغیر ہمزہ پڑھا۔

نمبر۲: حفص کے علاوہ باقی کوفی قراء نے جبرائیل۔ اشباع ہمزہ سے پڑھا۔

نمبر۳: بقیہ تمام قراء نے، جِبْرِيْل۔ بلا ہمزہ پڑھا

نحو : جبریل۔ معرفہ وعجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ اس کا معنی عبداللہ ہے۔ کیونکہ سریانی میں جبر۔ عبد کو کہتے ہیں۔ اور ایل اللہ کا نام ہے۔

حجت باز یہودی:

روایت میں ہے کہ ابن صوریا یہودی عالم نے نبی اکرم ﷺ سے حجت بازی کی۔ اور آپ سے سوال کیا۔ کہ آپ پر کون وحی لاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جبریل۔ ابن صوریا نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ اگر اور کوئی فرشتہ ہوتا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آتے۔ اس نے بارہا ہم سے دشمنی کی۔ ان میں سب سے شدید تر یہ تھی۔ کہ ہمارے پیغمبر پر یہ حکم اتارا۔ عنقریب بیت المقدس کو بخت نصر تباہ کر دے گا۔ پس ہم نے اس کو قتل کرنے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ اس نے بخت نصر کو بابل میں ایک مسکین لڑکے کی صورت میں پایا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے اس کا دفاع کر کے قاتل سے بچالیا۔ اور کہا جبرائیل علیہ السلام نے۔ اگر تمہارے رب نے اس کو تمہارے ہلاک کرنے کا حکم دیا ہے تو تمہیں اس پر غلبہ نہ دیں گے۔ اور اگر اس کے ہلاک کا حکم نہیں دیا۔ تو پھر کس گناہ کی وجہ سے اسے تم قتل کرتے ہو۔ (الواحدی فی اسباب النزول)

فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ : (اس نے تو اتارا ہے یہ کلام) پس جبرائیل علیہ السلام نے قرآن اتارا۔

اصول: ایسا اضمار جس کا پہلے تذکرہ نہ ہو۔ اس کو کثرت شہرت کی وجہ سے بطور عظمت شان کے ضمیر کی صورت میں لاتے ہیں۔ گویا وہ اپنی ذات پر خود دلالت کرتا ہے۔ اور اس لیے اس کے صریح نام کی بجائے اس کی کسی صفت کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

خصوصیتِ قلب کی وجہ:

عَلٰی قَلْبِكَ : (آپ کے دل پر) یعنی آپ کو یاد کرایا۔اور دل کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حفظ کا مقام ہے جیسے سورۃ شعراء آیت نمبر۱۹۳،۱۹۴ میں فرمایا۔نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ۔علی قلبك کلام کا تقاضا یہ تھا کہ علٰی قلبی کہا جاتا۔مگر کلام اللہ کی حکایت کے طور جس طرح آپ سے کلام کیا گیا تھا۔اسی طرح ذکر کر دیا گیا۔(یہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کی ایک دلیل ہے)

جواب شرط بنائیں:

نمبر١:اس طرح بھی درست ہے کہ فانّہٗ نزّلہ کوشرط کی جزا بنائیں ۔تقدیر عبارت اس طرح ہو۔

ان عادی جبریل احدٌ من اهل الكتب فلا وجه لمعاداته حيث نزّل كتابا مصدقًا للكتب بين يديه فلو انصفوا لاحبوه واشكروا له صنيعه فی انزاله ما ينفعهم ويصَحّح المنزل عليهم اگرکوئی اہل کتاب میں سے جبرائیل سے دشمنی کرتا ہے تواس کی دشمنی کی کوئی وجہ نہیں ۔اس لیے کہ اس نے ایک ایسی کتاب اتاری ہے جواپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اگر ان میں انصاف ہوتا تو وہ اس سے محبت کرتے اوراس کے شکر گذار ہوتے ۔ان کے اس احسان پر کہ اس نے ان کیلئے فائدہ مند کتاب اتاری۔اورانکی کتاب منزل(جس کی انہوں نے تحریف کردی) کی وہ تصحیح کرنے والی ہے۔

نمبر٢:جواب شرط کو محذوف مان کر تقدیر عبارت اس طرح ہو۔من كان عدو الجبريل فليمت غيضًا فانه نزل الوحی علی قلبك۔جوجبرائیلؑ کا دشمن ہے پس اسے غصے سے ڈوب مرنا چاہیے۔اس لیے کہ اس نے آپ کے دل پر وحی کو اتارا ہے۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ :(اللہ تعالیٰ کے حکم سے) یہاں اذن کا معنی حکم ہے۔

مُصَدِّقًالِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ :(جو تصدیق کرتا ہے اس کلام کی جو اس سے پہلے ہے اور ہدایت وخوش خبری ہے ایمان والوں کے لیے)اس میں یہود کے اس قول کی تردید ہے کہ جبرائیل تو سختی اور لڑائی لے کرآتا ہے۔توان کو جوابًا کہا گیا۔کہ وہ تو ہدایت و بشارت بھی لاتا ہے۔

نحو : باذن الله۔نزل کی ضمیر فاعلی سے حال ہے یعنی اس حال میں کہ اس کو اجازت دی جاتی ہے۔مصدقًا یہ نزلہ کی ۂ ضمیر سے حال ہے۔اسی طرح هدی و بشرٰی بھی اسی ضمیر سے احوال ہیں۔یعنی ہادی اورمبشر۔

فرقہ شیعہ باطنیہ کا ہذیان:

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان حروف میں نہیں اترا جن میں ہم پڑھتے ہیں بلکہ یہ الھام کے طور پر آپ کے دل پر اترا۔آپ نے عربی الفاظ میں اس کو تعبیر کر دیا۔ان حروف سے جن میں ہم پڑھتے ہیں۔پس قرآن وہ باطنی معنی ہے یہ الفاظ قرآن نہیں اس کی دلیل نزله علی قلبك ہے۔

جواب: مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ بات ان کی باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے نظم عجیب کو معجزہ بنایا۔سورۃ بقرہ آیت نمبر۲۳ میں فرمایا۔فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔اورسورۃ یوسف آیت نمبر۲ میں فرمایا۔قرانا عربيًّا(اور ظاہر ہے کہ سورۃ اورعربی زبان دونوں مجموعہ الفاظ سے بننے والی چیزیں ہیں محض معنی کو عربی نہیں کہا جاتا۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے آپ کی طرف واضح دلیلیں نازل کی ہیں۔اوران کا انکاروہی لوگ کرتے ہیں جوحکم عدولی کرنے والے ہیں۔ کیا جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد کیا

عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اس عہد کو ان میں سے ایک جماعت نے پھینک دیا بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔

۹۸: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ : (جو دشمن ہے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں اور رسولوں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا۔)

وجوہ قراءت:

نمبر ۱: بصری اور حفص نے مِیْکَال۔ **نمبر ۲:** مدنی نے میکائل اختلاس ہمزہ کے ساتھ۔

نمبر ۳: بقیہ قراء نے میکائیل ہمزہ اور مد مشبعہ کو کسرہ دے کر۔

وجہ تخصیص: خصوصاً دو فرشتوں کو افضل ہونے کی وجہ سے نام کے ساتھ ذکر کر دیا۔ گویا کہ وہ اور جنس سے ہیں۔ اس لیے کہ وصف میں تغایر یہ ذات کے تغایر کے قائم مقام شمار ہوتا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ : (بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے) یہاں ضمیر کی بجائے اسم ظاہر ذکر کیا گیا۔ تاکہ ظاہر کر دیا جائے کہ ان سے عداوت کی وجہ انکا کفر ہے اور فرشتوں کی عداوت بھی انبیاء علیہم السلام کی عداوت کی طرح کفر ہے۔ جو ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرتا ہے

تفسیر آیت: ۹۹: وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ : (یقیناً ہم نے اتار دیں آپ کی طرف کھلی نشانیاں اور نہیں انکار کرتے مگر نافرمان) فاسق سے مراد کفر میں آگے بڑھنے والے۔ الف لام جنس کا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے اہل کتاب کی طرف اشارہ مراد لیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابن صوریا نے آپ کو کہا ہمارے پاس آپ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس کو ہم پہچانتے ہوں۔ اور آپ پر کوئی نشانی نہیں اتری۔ جس کی وجہ سے ہم آپ کی اتباع کریں۔ پس یہ آیت اتری۔ (طبری فی تفسیرہ)

۱۰۰: اَوَكُلَّمَا : (کیا جب کبھی) اَوَ اس میں واؤ محذوف پر عطف کے لیے آیا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ أكفروا بالأيٰت البينات و كلما۔ کیا انہوں نے واضح آیات کا انکار کیا اور جب بھی۔

عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ : (وہ کوئی عہد کرتے ہیں توڑ دیا) اس عہد کو نبذ کا معنی اس کو توڑ دیا۔ اور اس کا انکار کر دیا۔

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ : (ایک گروہ نے ان میں سے) فرمایا کیونکہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے نہیں توڑا۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ : (بلکہ اکثریت ان کی تو ایمان ہی نہیں رکھتی) یعنی تورات کے ساتھ۔ پس وہ دین میں کسی چیز پر نہیں اس لیے وعدہ توڑنے کو گناہ نہیں سمجھتے۔ اور نہ اس کی پرواہ کرتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا جو تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو جن کو کتاب دی گئی تھی

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

ان میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ

اور انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جسے سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے۔ اور نہیں کفر کیا سلیمان نے لیکن

الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

شیاطین نے کفر اختیار کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور انہوں نے اس کا بھی اتباع کیا جو نازل ہوا دو فرشتوں پر بابل میں

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

یہ دو فرشتے ھاروت اور ماروت تھے اور یہ دونوں نہیں سکھاتے تھے کسی کو جب تک یوں نہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود ایک فتنہ ہے

فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا

لہٰذا تو کفر اختیار نہ کر، پس یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کر دیتے تھے۔ اور وہ لوگ

هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ

اس کے ذریعہ کسی کو کچھ بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے، اور وہ لوگ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو ضرر دینے والی ہے اور نفع دینے والی نہیں

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۣ وَلَبِئْسَ

اور البتہ تحقیق انہوں نے یہ بات جان لی کہ جس نے اس کو خریدا ہے اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بے شک وہ بری چیز ہے

مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ

جس کے ذریعہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا۔ اگر وہ جانتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کی

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

طرف سے اس کا ثواب بہتر تھا اگر وہ جانتے ہوتے۔

۱۰۱: وَلَمَّا جَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ : (جب آیا ان کے پاس اللہ کا رسول) یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ : (جوان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے تو پھینک دیا ایک گروہ نے ان میں سے جن کو کتاب دی گئی)۔الکتب سے مراد تورات۔اوتوا الکتب سے مراد یہود ہیں۔

کتب اللہ سے مراد:

كِتٰبَ اللّٰهِ : (اللہ تعالیٰ کی کتاب کو) **نمبرا:** کتاب اللہ سے مراد تورات۔کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے انکار کی وجہ سے جو کہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔درحقیقت تورات کا انکار کرنے والے اور اس کو چھوڑنے والے شمار ہوتے تھے۔
نمبر۲: یا کتب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔اس کو چھوڑ دیا اس کے بعد کہ اس کا قبول کرنا ان پر لازم تھا۔

اعراض کی تمثیل:

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ : (پس پشت ڈال دیا) یہ ان کے چھوڑ دینے اور اعراض کرنے کی تمثیل ہے ان کے اعراض کو اس چیز سے تمثیل دی۔جس کو بے پروائی اور بے توجہی کی وجہ سے اور اعراض کرنے سے پیٹھ پیچھے پھینک دیا جاتا ہے۔
كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ : (گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں) کہ وہ اللہ کی کتاب ہے۔
۱۰۲: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ : (اور پیچھے پڑ گئے ان چیزوں کے جو پڑھتے تھے شیاطین) یعنی یہود نے کتاب اللہ کو پھینک دیا۔اور سحر و منتر کی کتابوں کی اتباع کرنے لگے۔جن کو وہ پڑھا کرتے تھے۔

عہدِ سلیمانی میں شیاطین کی حرکات:

عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ : (سلطنت سلیمان علیہ السلام میں) سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں اور وہ اس طرح کہ شیاطین فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سن لیتے پھر اس کے ساتھ اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ کر ملاتے۔پھر وہ کاہنوں کے دلوں میں لا ڈالتے۔کاہنوں نے ان کو کتابوں کی صورت میں مرتب کر لیا تھا۔جس کو وہ خود پڑھتے اور لوگوں کو سکھاتے تھے۔یہ چیزیں سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں پھیل گئیں۔یہاں تک کہ وہ کہنے لگے جنات غیب جانتے ہیں اور یہ بھی کہا کرتے تھے۔کہ یہ سلیمان علیہ السلام کا علم ہے اور سلیمان علیہ السلام کی سلطنت بھی اس علم سے مکمل ہوئی۔اور اسی کے ذریعہ انہوں نے جنات کو تابع کیا اور انسانوں اور ہوا کو ماتحت بنایا ہے۔
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ : (اور نہیں کفر کیا سلیمان علیہ السلام نے) اس میں شیاطین کی تردید ہے اور سحر کے اعتقاد و عمل جس کا انہوں نے سلیمان علیہ السلام پر بہتان باندھا تھا اس کی تردید ہے
وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ : (لیکن شیاطین نے) وہی ہیں۔
كَفَرُوْا : (کفر کیا) یعنی سحر کو استعمال کر کے اور اس کو مدوّن کر کے۔
قراءت: ولکن الشیطین۔لکن تخفیف کے ساتھ ہے اور حمزہ، شامی اور علی نے شیاطین کو رفع کے ساتھ پڑھا۔
يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ : (وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے)

نحو : یہ جملہ حال کے مقام پر ہے یعنی انہوں نے کفر کیا اس حال میں کہ وہ لوگوں کو سحر سکھانے والے تھے۔ اس حال میں کہ وہ اس سے ان کی گمراہی واغواء کا قصد کرنے والے تھے۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ : (اس کی اتباع کی جو اتارا گیا دو فرشتوں پر)

عطف کہاں ہے؟

نمبر ۱: جمہور کہتے ہیں کہ مآ یہاں الذی کے معنی میں ہے۔ اور السحر پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی وہ ان کو تعلیم دیتے اس چیز کی جو دو فرشتوں پر اتاری گئی۔

نمبر ۲: اس کا عطف ماتتلوا پر ہے یعنی انہوں نے اتباع کی اس چیز کی جو دو فرشتوں پر اتاری گئی۔

ببَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ : (ہاروت ماروت پر بابل میں)۔ یہ دونوں ان کے نام ہیں۔

نحو : یہ ملکین کا عطف بیان ہے: ان فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا۔ وہ علم سحر تھا جو انسانوں کی آزمائش کیلئے اتارا گیا تھا۔ جس نے ان سے سیکھ کر عمل کیا وہ کافر ہو گیا اگر اس میں کوئی ایسی بات ہو جس سے ایمان کی تردید ہوتی تھی۔

اور جس شخص نے اس سے پرہیز کیا یا اس کو سیکھا تا کہ اس سے بچے اور اس کے دھوکے سے محفوظ رہ سکے۔ عمل کی خاطر نہیں سیکھا۔ تو ایسا شخص مؤمن ہے۔

شیخ ماتریدی کا قول:

شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سحر کے متعلق مطلقاً یہ کہہ دینا کہ یہ کفر ہے یہ غلط ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت کو جانچنا ضروری ہے۔ اگر اس میں کسی شرط ایمان کی تردید ہوتی ہو۔ تو یہ کفر ہے ورنہ نہیں۔ وہ سحر جو کفر ہے اس کے قائل و عامل کو قتل کیا جائے گا۔

البتہ اگر عورت ہوگی تو اس کو قتل نہ کیا جائے گا۔ اور جو قسم سحر کی کفر نہیں مگر اس سے نفس کو ہلاک کرنا لازم آتا ہے اس کا حکم ڈاکوؤں والا ہے۔

(اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ (الآیۃ) اس میں مؤنث و مذکر کا حکم ایک ہے اگر توبہ کر لیں تو توبہ قبول کی جائے گی۔ جنہوں نے توبہ کے قبول نہ کرنے کا قول کیا ہے انہوں نے غلط کہا۔ اس لیے کہ ساحرین فرعون کی توبہ قبول کر لی گئی۔

نمبر ۳: انزل کا معنی قذف فی قلوبھما مع النھی عن العمل۔ ان کے دلوں میں سحر ڈالا اس پر عمل کی ممانعت سمیت۔

من گھڑت حکایت کا رد:

نمبر ۴: یہ بھی کہا گیا کہ یہ دونوں فرشتے وہ تھے جن کا ملائکہ نے انتخاب کیا کہ ان میں شہوت پیدا کی جائے جب انہوں نے بنی آدم کو عار دلائی۔ یہ دن کو زمین میں فیصلہ کرتے اور رات کو آسمانوں پر چڑھ جاتے۔ دونوں نے زہرہ کی خواہش کی اس نے ان کو شراب پینے پر آمادہ کیا۔ پھر اس کے ساتھ وہ زنا میں مبتلا ہو گئے۔ ان کو ایک آدمی نے دیکھ لیا۔ ان دونوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر دونوں

نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کے عذاب کو ترجیح دی۔اور وہ دونوں بابل کے کنوئیں میں اوندھے لٹکے ہوئے ہیں۔ یہ من گھڑت کہانی ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔معتبر مفسرین نے اس کی تردید کی ہے۔
وجہ تسمیہ: بابل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ زبانیں اس میں وہاں مخلوط ہو جاتی تھیں۔
وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ : (وہ فرشتے کسی کو نہیں سکھاتے تھے)
حَتّٰى يَقُوْلَآ (یہاں تک کہ وہ کہتے) یہاں تک کہ اس کو تنبیہ کرتے اور اس کو نصیحت کرتے اور اس کو کہہ دیتے۔
اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ : (بے شک ہم آزمائش ہیں) فتنہ کا معنی ابتلاء ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے
فَلَا تَكْفُرْ : (تو کفر نہ کر) یعنی اس کو سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے اس انداز میں کہ جو کفر بن جائے۔

نحوی حکایت:

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا : (پس وہ ان دونوں سے سیکھتے) نمبر۱: فاء کا عطف يعلمون الناس السحر پر ہے۔یعنی وہ ان کو سکھاتے پس وہ جادو اور کفر ان سے سیکھتے۔جادو اور کفر سیکھنے پر کفروا اور يعلمون الناس السحر دلالت کرتے ہیں۔
نمبر۲: فاء کا عطف مضمر پر ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوگی۔فياتون فيتعلمون۔پس وہ ان کے پاس آتے اور ان سے سیکھتے۔اور ضمیر اس کی طرف جاتی ہے جس پر من احدٍ دلالت کرتا ہے۔یعنی فيتعلم الناس من الملكين۔پس لوگ ان دونوں فرشتوں سے سیکھتے۔
مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ : (وہ باتیں جو جدائی ڈال دیں مرد وعورت کے درمیان) یعنی وہ علم سحر جو زوجین کے درمیان تفریق کا سبب بنتا۔اللہ تعالیٰ ابتلاء کے طور پر عورت میں نافرمانی اور مخالفت پیدا فرما دیتے

اہلسنّت:

کے نزدیک سحر کی ایک حقیقت ہے اور معتزلہ کے ہاں یہ محض تخیل ہے اور ملمع سازی ہے۔
وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ : (حالانکہ وہ نقصان نہیں پہنچا سکتے) ہٖ سے مراد سحر ہے۔
مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ : (اس سے کسی کو بغیر حکم الٰہی کے) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ومشیت کے ساتھ۔
وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ : (اور وہ سیکھتے تھے جو ان کو نقصان نہ پہنچاوے اور نہ نفع) یعنی آخرت میں۔
مَسْئَلَہ: اس میں بتلا دیا کہ سحر سے بچنا ضروری ہے جیسا وہ فلسفہ جو گمراہی کی طرف لے جائے۔اس سے بھی بچنا ضروری ہے۔
وَلَقَدْ عَلِمُوْا : (تحقیق وہ جان چکے) یعنی یہود۔
لَمَنِ اشْتَرٰىهُ : (جس نے اس کو خریدا) کتاب اللہ کے بدلہ میں اس کو لیا جو شیاطین پڑھتے تھے۔
مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ : (اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں) خلاق کا معنی حصہ ہے۔
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ : (بہت بری چیز کے بدلے انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا) یعنی اپنے نفسوں کو بیچا۔
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ : (کاش وہ جان لیتے)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

اے ایمان والو! تم لفظ رَاعِنَا نہ کہو اور لفظ اُنْظُرْنَا کہو اور سنو ! اور کافروں کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

دردناک عذاب ہے۔

سوال: لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ سے علم کی نفی کی۔ اور ولقد علموا سے ان کے لیے علم کا اثبات وتاکید قسم کے ساتھ کیا۔

جواب: کاش لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کا معنی ہے وہ اپنے علم سے جان لیتے جب انہوں نے اپنے علم کو نہ جانا تو ان کو اس طرح قرار دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔

تفسیر آیت ۱۰۳:

۱۰۳: وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا : (اگر وہ ایمان لے آئے) اٰمنوا سے مراد رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر ایمان لانا ہے۔

وَاتَّقَوْا : (اور تقویٰ اختیار کرتے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو کتاب اللہ کا پیٹھ پیچھے پھینکنا اور شیاطین کی کتابوں کی اتباع چھوڑ دیتے۔

لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ : (تو ضرور ثواب ہوتا اللہ تعالیٰ کے پاس سے بہتر اگر وہ جان لیتے) بے شک اللہ تعالیٰ کا ثواب بہت بہتر ہے ان غلط چیزوں سے جن میں وہ مبتلا تھے۔ اور وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن جب انہوں نے اپنے علم پر عمل ترک کیا۔ تو ان کو جاہل قرار دیا گیا۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بہتر بدلہ ملتا (اگر اپنے صحیح رخ پر قائم رہتے)

کنایت ثواب:

سوال: لَوْ کے جواب میں جملہ فعلیہ کی بجائے اسمیہ لائے؟

جواب: کیونکہ اس میں ثواب کے ثابت کرنے اور پختہ کرنے کی زیادہ دلالت ہے۔

سوال: لمثوبة الله خير نہیں کہا بلکہ لمثوبة من عند الله خير کہا گیا۔

جواب: اس لیے کہ لمثوبة من عند الله خير کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا ثواب بھی ان کے لیے کافی تھا۔ لَوْ کو یہاں تمنی کے لیے بھی قرار دیا گیا۔ گویا انہیں یہ کہا گیا۔ کاش کہ وہ ایمان لاتے پھر نیا کلام شروع کر کے کہا لمثوبة من عند الله خير۔

۱۰۴: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا : (اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو) جب مسلمانوں کو آپ کوئی بات فرماتے تو مسلمان کہتے راعنا یا رسول اللہ۔ یعنی ہمارا خیال وانتظار فرمائیں۔ یہاں تک کہ ہم اس کو سمجھ کر یاد کر لیں۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ نازل کی جائے تمہارے اوپر تمہارے رب کی

خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

طرف سے کوئی خیر۔ اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرمائے اپنی رحمت سے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے

الْعَظِيْمِ ﴿١٠٥﴾

فضل والا ہے۔

رَاعِنَا کی وجہ ممانعت:

اور ادھر یہود کے ہاں عبرانی یا سریانی زبان میں، راعینا "" کا کلمہ تھا جس سے وہ ایک دوسرے کو گالم گلوچ کرتے تھے۔ جب انہوں نے مسلمانوں سے راعنا کا لفظ سنا تو انہوں نے فرصت کو غنیمت جانا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہی کلمہ کہنا شروع کر دیا۔ اور مراد اس سے وہ اپنا گالی والا کلمہ لینے لگے۔ پس مسلمانوں کو اس کلمہ سے روک دیا گیا۔ اور اس کا ہم معنی کلمہ انظرنا کہنے کا حکم دیا۔ یہ انظر نظر سے انتظار کے معنی میں ہے۔

وَاسْمَعُوْا : (اور غور سے سنو) **نمبر۱:** غور سے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور فرامین کو سنو۔ کہ تمہارے کان ان کو محفوظ کرنے والے اور دماغ حاضر ہوں۔ تا کہ اعادہ اور رعایت کرنے والے کے مطالبہ کی حاجت پیش نہ آئے۔

نمبر۲: قبولیت واطاعت کی غرض سے سنو۔ تمہارا سننا یہود کی طرح نہ ہونا چاہئے کہ انہوں نے کہا۔

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی)

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ : (اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے) یہود کے لیے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو گالی دی ہے دردناک عذاب ہے۔

۱۰۵: مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (اہل کتاب میں سے کافر اور مشرک یہ نہیں چاہتے کہ اتاری جائے تم پر بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے)

قراءت: يُنَزَّلَ کو ابو عمرو اور مکی نے يُنْزَلَ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

اقسام مِن:

مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ : (کوئی بھلائی تمہارے رب کی طرف سے)

نمبر۱: پہلا مِنْ بیانیہ ہے۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر

شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ

قادر ہے۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ کے لئے آسمان اور زمین کا ملک ہے اور تمہارے لئے اللہ کے

دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۰۷﴾

سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔

نمبر۲: اور دوسرا زائدہ ہے جو خیر میں استغراق کا معنی پیدا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی کسی قسم کی کوئی بھلائی۔

نمبر۳: تیسرا مِنْ ابتداء غایت کے لیے ہے۔ الخیر سے وحی اور اسی طرح رحمت مراد ہے۔

وَاللّٰهُ يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ : (اور اللہ تعالیٰ خاص کرتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں) یعنی وہ اپنے بارے میں خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ وحی اتارے جانے کے زیادہ حقدار ہیں۔ پس اے مسلمانو۔ وہ تم سے حسد کرتے ہیں۔ اور پسند نہیں کرتے کہ تم پر کوئی چیز وحی میں سے اتاری جائے، اللہ تعالیٰ تو نبوت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ : (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں) اس میں بتلایا کہ نبوت کا ملنا بہت بڑا فضل ہے۔

شانِ نزول: کفار نے نسخ کے سلسلہ میں یہ اعتراض اٹھایا کہ محمد ﷺ کو دیکھو۔ کہ اپنے اصحاب کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں پھر ان کو منع کر کے اس کے الٹ حکم دیتے ہیں آج ایک بات کہتا ہے اور کل اس سے رجوع کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں۔

۱۰۶: مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا : (جو کوئی آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں)

لغوی معنی:

لغت میں نسخ تبدیل کرنے کو کہتے ہیں۔

شرعی تعریف:

کسی ایسے مطلق شرعی حکم کی انتہاء کو متاخر بیان کرنا کہ جس کا ہمیشہ رہنا ہمارے دماغوں میں پختہ ہو چکا ہو۔ یہ ہمارے حق میں تو بظاہر تبدیلی ہے مگر صاحب شرع کے لیے یہ بیان محض ہے۔

ہم نے ان لوگوں کا جواب یہ کہہ کر۔ ''یہ صاحب شرع کے حق میں محض بیان ہے'' ''دے دیا جو نسخ کے منکرین ہیں'' اور نسخ کو بداء قرار دیتے ہیں۔ میری مراد اس سے یہود ہیں۔ (یا اس طرح کے دیگر گروہ بھی)

محل نسخ:

ایسا حکم جس میں وجود وعدم کا ذاتی طور پر احتمال ہو۔ اور اس حکم کے ساتھ ایسی چیزیں جو نسخ کے خلاف ہوں وہ نہ پائی جائیں۔ مثلاً توقیت، تابید خواہ وہ توقیت وغیرہ نص سے ثابت ہو یا دلالت نص سے۔

شرط نسخ:

دل کے ارادے سے قدرت کافی ہے تمکن فعل سے قدرت ضروری نہیں۔ عندنا۔ البتہ معتزلہ فعل سے قدرت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

نسخ کی صورت:

نمبر۱: تلاوت اور حکم سے نسخ بھی جائز ہے اور
نمبر۲: یہ بھی جائز ہے۔ کہ حکم منسوخ ہو۔ اور تلاوت منسوخ نہ ہو۔
نمبر۳: اور اس کا عکس ہو کہ تلاوت منسوخ ہو مگر حکم منسوخ نہ ہو۔
نمبر۴: اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حکم کا کوئی وصف منسوخ ہو جیسے نص پر اضافہ قید یہ ہمارے نزدیک نسخ ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں۔

الانساء : دلوں سے اس کی یادداشت کا مٹ جانا۔
قراءت: ابوعمرو اور مکی نے نَنْسَأْ ھا ہمزہ سے پڑھا ہے۔ نَنْسأ کا معنی موخر کرنا ہے یہ نسأت سے لیا گیا ہے جس کا معنی اَخرتُ ہے۔ میں نے مؤخر کیا۔
نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا : (تو نازل کر دیتے ہیں اس سے بہتر) یعنی ہم کوئی آیت لے آتے ہیں جو بندہ کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ عمل میں ثواب کے لحاظ سے
اَوْ مِثْلِهَا : (یا اس جیسی) اس میں اس کی مثل ہوتی ہے اس لیے کہ بعض آیات کو بعض پر (بحیثیت آیت کے) کوئی فضیلت نہیں۔
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ : (کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) یعنی وہ قادر ہے پس خیر اور اس کی مثل پر یکساں قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر آیت :۱۰۷:

۱۰۷: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : (کیا تم کو معلوم نہیں کہ آسمان وزمین کی سلطنت اسی اللہ کی ہے۔) وہ تمہارے معاملات کا مالک اور مدبر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ناسخ منسوخ میں سے کس کے ساتھ تم سے عبادت کروانی ہے۔
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ : (اور تمہارے لیے اللہ کے مقابل کوئی مددگار دوست نہیں) ایسا جو تمہارے معاملے کا ذمہ دار ہو۔
وَّلَا نَصِيْرٍ : (اور نہ مددگار) اور نہ کوئی مددگار جو تمہیں عذاب سے بچائے۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے اور جو شخص ایمان کے بدلہ کفر کو

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

اختیار کرے۔ سو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔

تفسیر آیت ۱۰۸...... بیجا سوالات کی ممانعت:

اَمْ تُرِيْدُوْنَ : (کیاتم یہ چاہتے ہو کہ) یہ اَمْ منقطعہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ اَتُرِيدُون کیا تم ارادہ رکھتے ہو؟

اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ : (سوال کرو جس طرح سوال کئے گئے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے قبل) روایت میں آیا ہے کہ قریش نے کہا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونا بنادے۔ اور مکہ کی زمین سے پہاڑ ہٹا کر اس کو کھلا میدان کر دے۔ پس اس آیت میں ان کو نشانیاں مانگنے کی ممانعت کردی گئی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا۔

اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۳۸

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ : (جو بدل لے کفر کو ایمان سے) جس نے آیات منزلہ پر یقین کو چھوڑ دیا۔ اور ان میں شک کیا اور اپنی طرف سے اور کو ایجاد کیا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ : (پس وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا) سواء کا معنی سیدھا اور درمیانہ راستہ۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ

اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کاش تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا لیں

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا

اپنے دلوں کے حسد کے باعث، بعد اس کے کہ ان کے لئے حق ظاہر ہو گیا ہے، سو تم معاف کرو

وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو کچھ پہلے سے بھیج دو گے اپنی جانوں کے لئے کوئی خیر

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اسے اللہ کے پاس پا لو گے، بے شک اللہ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو

تفسیر آیت ۱۰۹:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ : (اہل کتاب میں سے بہت سے چاہتے ہیں کہ تم کو پھیر دیں) یہ کہ وہ تم کو لوٹا دیں۔
مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا : (ایمان کے بعد کفر کی حالت میں) یہ کُمْ ضمیر سے حال ہے مطلب یہ ہوا۔ یعنی تم کو تمہارے دین سے کفر کی حالت کی طرف لوٹا دیں۔

شانِ نزول: یہ آیت اس وقت اتری جب یہود نے واقعۂ احد کے بعد کہا۔ کیا تم نے غور نہیں کیا۔ کہ جو تکلیف تمہیں پہنچی۔ اگر تم حق پر ہوتے تو تمہیں شکست نہ ہوتی۔ تم ہمارے دین میں واپس لوٹ آؤ۔ وہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

حَسَدًا : (حسد کی وجہ سے) یہ مفعول لہ ہے یعنی حسد کی وجہ سے۔ حسد دوسرے کے پاس نعمت کے ہونے پر افسوس کرنا (جلنا اور اس کے زوال کی تمنا کرنا)۔

مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ : (جو ان کے دلوں میں ہے) یہ وَدَّ کے متعلق ہے یعنی وہ اپنے دلوں سے چاہتے ہیں اپنی شہوت کی بناء پر۔ دین داری اور حق کی طرف میلان کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ وہ اس کو پسند کرتے ہیں۔

مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ : (اس کے بعد کہ ان پر ظاہر ہو چکا حق) کہ ان کو معلوم ہے کہ تم حق پر ہو۔ یا حسد کی بناء پر یعنی ایسا حسد شدید جو ان کے دلوں کی گہرائی سے پھوٹنے والا ہے۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا : (تم معاف کرو اور درگزر کرو) پس تم ان کے ساتھ درگزر اور معافی کا راستہ اختیار کرو اگر ان سے جہالت

وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ

اور انہوں نے کہا کہ ہرگز کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔ سوائے اس کے جو یہودی ہو یا نصرانی ہو، یہ ان کی آرزوئیں ہیں، آپ فرما دیجئے

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

کہ لے آؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو ہاں جس نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری کے لئے جھکا دیا اور وہ محسن ہو

فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اس کے رب کے پاس، اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں، اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہوں گے

ودشمنی ظاہر ہو۔

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ : (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ لے آئے اپنا حکم) یعنی لڑائی والا حکم۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ : (بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) وہ ان سے انتقام کی قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر آیت ۱۱۰:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ : (اور قائم کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ بھیج دو آگے اپنے لیے بھلائی) خیر سے مراد کوئی نیکی، نماز یا ان کے علاوہ دیگر عبادات۔

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ : (وہ پاؤ گے اللہ تعالیٰ کے پاس) اس کا ثواب اس کے ہاں پالو گے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ : (بے شک اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے) اس کے ہاں کسی عامل کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا۔

ادعاء یہود و نصاریٰ:

۱۱۱: وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى : (وہ کہتے ہیں ہرگز نہ جائیں گے جنت میں مگر جو یہودی یا عیسائی ہو) قالوا کی ضمیر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی یہود نے کہا جنت میں فقط یہودی جائیں گے۔ نصاریٰ نے کہا جنت صرف نصاریٰ کیلئے ہے ان دونوں قولوں میں صنعت لف کا لحاظ رکھا گیا۔ کہ ہر فریق دوسرے کی تضلیل کر رہا ہے۔ اور دوسرے کو یقینی طور پر گمراہ قرار دے رہا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۱۳۔ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ! میں یہ بات مذکور ہے ھودجمع ھائد کی جس طرح عائذ جمع عوذ کی۔ مَن کے لفظ کا لحاظ کر کے کان کا اسم واحد لائے۔ اور معنی کی طرف نظر کر کے خبر جمع لائے۔

باطل تمنا:

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ : (یہ ان کی تمنائیں ہیں) اس سے ان کی مذکورہ تمناؤں کی طرف اشارہ کیا۔ اور وہ یہ کہ ایمان والوں پر رب کی طرف سے خیر نہ اترے گی، اور ایک تمنا یہ تھی۔ کہ وہ مسلمانوں کو کفر کی طرف لوٹا دیں۔ اور ایک تمنا یہ تھی کہ ان کے علاوہ کوئی جنت میں نہ جائے گا اس قسم کی باطل تمنائیں ان کی تمنائیں تھیں۔ الامنیة۔ یہ تمنی سے افعولة کا وزن ہے۔ جیسے اضحوکة۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ : (کہہ دیں اے محمد ﷺ تم اپنی دلیل لاؤ) تم اپنے جنت میں داخلے کی دلیل لاؤ۔ ھاتِ کا لفظ بمنزلہ ھاء کے ہے۔ جس کا معنی اُحْضُرْ ہے یہ ان کے قول لن ید خل الجنة الا من کان ھودا او نَصٰرٰی سے متصل ہے اور تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ کا جملہ معترضہ ہے

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ : (اگر تم سچے ہو) اپنے دعویٰ میں۔

مذمت اہل کتاب:

۱۱۲: بَلٰى : (کیوں نہیں) دوسروں کے جنت میں داخلے کی یہود و نصاریٰ نے جو نفی کی۔ یہ اس کا اثبات ہے۔

مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ : (جس نے حوالے کیا اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے) جس نے اپنے آپ کو اس کے لیے خالص کر لیا۔ اور وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ : (اور وہ نیکوکار بھی ہے) وہ قرآن کی تصدیق کرنے والا ہے۔

فَلَهٗ اَجْرُهٗ : (اس کے لیے اس کا ثواب ہے) یہ من اسلم کا جواب ہے۔ من اسلم یہ ایسا کلام ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے۔ اور بلٰی سے ان کی تردید ہے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہ جائے گا۔

عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ : (اس کے پروردگار کے ہاں نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ص وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ

اور کہا یہود نے کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کسی

عَلٰی شَیْءٍ لا وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ

چیز پر نہیں ، حالانکہ وہ لوگ کتاب پڑھتے ہیں۔ ایسا ہی کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے انہی کی

قَوْلِهِمْ ج فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

سی بات، پس اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس بات میں جس میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں

تفسیر آیت ۱۱۳:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ : (یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی راہ پر نہیں) کسی صحیح شئی پر جوشمار کی جا سکے۔
وَقَالَتِ النَّصٰرٰی لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ : (اور نصاریٰ نے کہا یہود کسی راہ پر نہیں)
وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ : (حالانکہ وہ سب کتاب الٰہی پڑھتے ہیں) وهم يتلون الكتب میں واؤ حالیہ ہے اور الکتاب کا الف لام جنس کا ہے۔یعنی انہوں نے ایسی بات کہی حالانکہ وہ اہل علم اور کتابیں پڑھنے والے ہیں۔اور جو تورات وانجیل کو اٹھانے والا اور ان پر ایمان لانے والا ہے اسے باقی کا انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ دونوں کتابیں ایک دوسرے کی مصدق ہیں۔
كَذٰلِكَ : (اسی طرح) اس جیسی بات جو تو سن چکا۔

توبیخ اہل کتاب:

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ : (کہی ان لوگوں نے جو بے علم ہیں ان جیسی بات) یعنی وہ جاہل جن کو نہ کچھ علم ہے اور نہ ان کے پاس کتاب ہے۔جیسے بت پرست۔دہریئے وہ ہر دین والے کو کہتے ہیں۔کہ وہ کسی ایسی چیز پر نہیں جو کسی شمار وقطار میں آئے۔اس آیت میں اہل کتاب کو سخت توبیخ کی گئی کہ انہوں نے علم کے باوجود اپنے آپ کو جاہلوں کی لڑی میں پرو دیا ہے۔
فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ : (پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کرے گا۔جس میں یہ جھگڑتے تھے) یعنی یہود ونصاریٰ کے درمیان اس سزا کا جو ہر فریق کے لیے اس کے مناسب تجویز کی جائیگی۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اس بات سے روکے کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لیا جائے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔

اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ

ان لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اوران کے لئے

فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

۱۱۴: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ : (اوراس سے بڑھ کرظالم کون ہوگا جومنع کرے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے) قراءت: من ابتداء کی وجہ سے موضع رفع میں ہے اور یہ استفہامیہ ہے۔ اظلم یہ اس کی خبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے۔

نحوی تراکیب:

نمبر۱: ان یذکر یہ مَنَعَ کا مفعول دوم ہے کیونکہ محاورہ ہے منعته کذا۔ اس کی مثال سورۃ اسراء کی آیت و مامنعنا ان نرسل بالاٰ یات میں منع کا مفعول اول نا اور دوم ان نرسل بالاٰ یات ہے۔ اور اسی سورت کی آیت نمبر۹۴ وما منع الناس ان یؤمنوا۔ میں الناس اور ان یؤمنوا دومفعول ہیں۔

نمبر۲: یہ بھی جائز ہے کہ ان کے ساتھ حرف جر کو حذف کر دیں۔ اصل اس طرح ہے۔ من ان یذکر اورتم اس کو نصب دو بطور مفعول لہ کے۔ نصب کا مطلب یہ ہے۔ منعھا کراھة ان یذکر (ان مساجد سے روکے ذکر سے نفرت کی بناء پر)

ایک مسئلہ :

اللہ تعالیٰ کی تمام مساجد کے لیے یہ حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے ان میں روکنے والا ظلم میں حد سے نکلنے والا ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عیسائیوں نے بیت المقدس میں گندگی ڈال دی۔ لوگوں نے ان کو اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ یا مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ کے سال مسجد حرام میں داخلے سے منع کیا۔

جمع کی وجہ:

سوال: یہاں مساجد اللہ فرمایا گیا۔ حالانکہ روکا تو ایک مسجد سے تھا۔ مسجد بیت المقدس یا مسجد حرام سے۔

جواب: حکم عام ہے اگر چہ سبب خاص ہے اس کی مثال سورۂ ہمزہ کی آیت نمبر۱ ویل لکل همزة ہے۔ جو اخنس بن شریق کے بارے میں اتری۔ حالانکہ مراد عام ہر طعنہ زن ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب، سو تم جس طرف بھی رخ کرو ادھر اللہ کا رخ ہے، بیشک اللہ واسع ہے، علیم ہے

وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا : (اور کوشش کرے ان کے اجاڑنے کی) اللہ کی یاد کو منقطع کر کے۔ مَنْ سے عام مراد ہے جیسا کہ مَسٰجِدَ اللّٰهِ سے مراد عام ہے یعنی ہر ایک مسجد مراد ہے۔

اُولٰٓئِكَ : (یہ لوگ) اولئک کا مشار الیہ وہ رکاوٹ ڈالنے والے ہیں۔

مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ : (اس لائق نہیں کہ ان میں داخل ہوں) یعنی ان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مساجد میں داخل ہوں۔

عاجزانہ داخلہ کی اجازت:

اِلَّا خَآئِفِيْنَ : (مگر ڈرتے ڈرتے) یہ ید خلو ھا کی ضمیر سے حال ہے۔ **نمبر ۱:** یعنی مؤمنوں سے ڈرنے کی اور کپکپی کی حالت میں کہ کہیں پکڑ نہ لیے جائیں۔ بجائے اس کے کہ وہ ناجائز تسلط جمائیں اور منہ موڑیں۔ اور ایمان والوں کو اس سے روکیں۔

مطلب یہ ہوا کہ ان کا یہی حق تھا۔ اگر کفار کا ظلم وسرکشی وغرور نہ ہو۔

نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا۔ کہ ما کان لھم فی حکم اللّٰہ یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ وہ مؤمنوں کی مدد فرمائے گا۔ اور ان کو مضبوط کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ اسمیں داخل نہیں ہونگے۔ مگر اس حال میں کہ وہ ڈرنے والے ہونگے۔

روایت میں ہے کہ بیت المقدس میں کوئی عیسائی داخل نہیں ہوتا۔ مگر ناواقف بنکر اس خطرہ کے پیش نظر کہ قتل نہ کر دیا جائے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ بیت المقدس میں جو عیسائی پایا جاتا ہے اس کی خوب پٹائی کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا۔ الالا یحجن بعد ھذا العام مشرك (بخاری ومسلم) خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک ہرگز حج بیت اللہ کو نہ آئے۔

بعض نے اس ارشاد کا معنی یہ کیا ہے۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کو بطور صاحب اقتدار کے وہاں غالب نہ ہونے دو۔ کہ اس کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہونے دو۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے جو سورۃ احزاب آیت نمبر ۵۳ میں ہے۔ وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللّٰہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء مت دو۔

لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ : (ان کے لیے دنیا میں رسوائی) خزی سے مراد حربی کافر کا قتل وقید کرنا ہے اور ذمی کا جزیہ کی ذلت اٹھانا

وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ : (اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے) عذاب سے مراد یہاں آگ ہے۔

۱۱۵: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ : (مشرق ومغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے) یعنی مشرق ومغرب کے سارے ملک اس کے ہیں۔ اور وہی ان کا مالک ہے اور متولی ہے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا : (جدھر تم اپنا منہ کرلو گے) یہ شرط ہے تولوا یہ جزاء فعل اس کی وجہ سے مجزوم ہے یعنی جس جگہ میں ہوتم چہروں کا رخ قبلہ کی طرف پھیرو۔اس مطلب کی دلیل سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۴۔فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ۔ کہ تم اے پیغمبر پھیرو اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف اور جس جگہ بھی تم ہو) تم (مسلمانو) پھیرو اپنے چہروں کو اسی کی طرف۔

فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ : (پس ادھر ہی اللہ کا سامنا ہے) یہ جواب شرط ہے۔یعنی وہ جہت جس پر وہ راضی ہے اور جس کا اس نے حکم دے رکھا ہے۔پس مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں مسجد حرام یا مسجد بیت المقدس میں نماز سے روک دیا گیا۔تو تمہارے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔پس تم زمین کے جس ٹکڑے پر چاہو نماز ادا کرو۔اور اس میں بیت اللہ کی طرف منہ کرلو کیونکہ جہت کی طرف منہ تو ہر جگہ ممکن ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ : (بے شک اللہ وسعت والے علم والے ہیں)یعنی وہ وسیع رحمت والے ہیں وہ بندوں پر اپنی رحمتوں کو وسیع کرنا چاہتے ہیں اور وہ بندوں کی مصلحتوں سے بخوبی واقف ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مسافر کی نماز کے سلسلہ میں یہ آیت اتری۔کہ جب وہ اپنی سواری پر ہو تو جدھر اس کی سواری رخ کر لے ادھر ہی مسافر منہ کر کے نماز پڑھ لے۔

اشتباہ قبلہ کا حکم:

یہ بھی کہا گیا۔کہ کچھ لوگوں پر قبلہ مشتبہ ہو گیا۔انہوں نے مختلف اطراف کی طرف رخ کر کے (اپنے اجتہاد کے مطابق) نماز پڑھ لی۔جب صبح ہوئی تو ان کو اپنی خطا کا علم ہوا۔پس ان کا عذر قبول کر لیا گیا۔یہ روایت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حجت ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جہتِ قبلہ:

کیونکہ وہ قبلہ کے مشتبہ ہو جانے والوں میں سے قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھنے والے کی نماز درست قرار نہیں دیتے۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ اینما تولوا یہ ذکر و دعا کیلئے ہے۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ

اور انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے، بلکہ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، سب

لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

اسی کے لئے فرمانبردار ہیں۔ وہ بلا مثال کے پیدا فرمانے والا ہے، آسمانوں اور زمین کو اور جب فیصلہ فرمائے کسی امر کا تو بس یوں فرما دیتا

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

ہے کہ ہو جا، پس ہو جاتا ہے۔

۱۱۶: وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا : (وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا) ان کے قول سے مراد مسیح ابن اللہ اور عزیر ابن اللہ ہے۔

قراءت: شامی نے قالوا پڑھا ہے پس واؤ کو ثابت ماننے کی صورت میں یہ واقعہ ماقبل پر معطوف ہوگا اور اگر واؤ کا حذف مانیں تو یہ جملہ مستانفہ اور الگ واقعہ ہے۔

سُبْحٰنَهٗ : (وہ سبحان ہے)۔ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے اور منزہ ہے۔

بَلْ لَّهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : (بلکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے) یعنی وہ اس کا خالق و مالک ہے۔ اور مسیح و عزیر اس کے مملوک مخلوق ہیں۔ اور ولادت بذات خود مالکیت کے منافی ہے۔

کل کی نحوی تحقیق:

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ : (سب اسی کے تابعدار ہیں) مطیع ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی اس کی تکوین و تقدیر سے نکل نہیں سکتی۔ کُلٌّ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں آئی ہے۔ یعنی کل ما فی السموت والارض ۔ (آسمان و زمین کی ہر چیز) یا تقدیر عبارت یہ ہے۔

کل من جعلوه لله ولداً له قانتون مطیعون عابدون مقرون بالربوبیة منکرون لما اضافوا الیهم۔ کہ ہر وہ جس کو لوگوں نے اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اس کے سامنے عاجزی کرنے والے عبادت کرنے والے اور اس کی ربوبیت کے اقراری ہیں۔ اور جس چیز کی نسبت لوگوں نے ان کی طرف کی ہے اس کا انکار کرنے والے ہیں۔

سوال: یہاں ما کا لفظ لایا گیا جو غیر ذوی العقول کے لیے ہے جبکہ قانتون جمع سالم عقلاء کے لیے ہے۔

جواب: یہ اسی طرح ہے جیسا کہا جاتا ہے سُبحٰن ما سخرلنا۔ ما بمعنی مَنْ ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو ہمارے کام میں لگایا۔

تَفْسِیْر آیت ۱۱۷:

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ : (وہ آسمان وزمین کا موجد ہے) ان کا مخترع اور بغیر مثال کے ان کو بنانے والا ہے۔عرب ہر اس آدمی کو جو ایسا کام کرے جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو کہتے ہیں۔اَبدعت اس لیے اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرنے والوں کو مبتدع کہا جاتا ہے۔

اس لیے کہ وہ دین اسلام میں ایسی چیز رواج دے رہا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نے نہیں کی۔

وَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا : (جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی کام کا) قضٰی کا معنی حکم دینا یا مقدر کرنا ہے۔

فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ : (تو بس فرما دیتا ہے کہ ہو وہ ہو جاتا ہے)

جلد وقوع کی تمثیل:

کن فیکون۔ یہ کان تامہ ہے یعنی وہ کہتا ہے پیدا ہو جاوہ وجود میں آجاتا ہے۔یہ حقیقتاً تو جلدی وقوع پذیر ہونے کو مجاز و تمثیل سے ذکر کیا گیا۔ورنہ نہ وہاں قول ہے نہ حاجت قول مطلب یہ ہوا کہ جن معاملات کا وہ فیصلہ اور ارادہ کرتا ہے تو وہ بلا روک ٹوک وجود میں آجاتے ہیں۔جس طرح کہ فرمانبردار نوکر اطاعت کرتے ہوئے ذرا توقف نہیں کرتا۔اور نہ اس سے انکار بن پڑتا ہے ولدیت کے استبعاد کو اس سے اور مؤکد و پختہ طور پر ثابت کر دیا۔اس لیے کہ جو قدرت کی ایسی صفات کاملہ رکھتا ہو۔جس کی یہ صفات جسمیت کے منافی ہیں پھر توالد کا تصور کیوں کر ممکن ہو؟

قراءت: فیکونُ میں رفع ہی سب سے بہتر ہے اور عام قراء کی قراءت یہی ہے۔وہ اسے جملہ متانفہ جانتے ہیں۔ای فھو یکون۔

یا یقول پر عطف کی وجہ سے ضمہ آئے گا۔

ابن عامر رحمہ اللہ نے اس کو کن کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس صورت میں امر ہے اور امر کا جواب فاء کی صورت میں منصوب ہوتا ہے۔(ان مقدرہ کی وجہ سے)

قول فیصل:

کن حقیقت میں امر نہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کہا جائے اذا قضٰی امرا فانما یکون فیکون یا اس طرح کہا جائے فانما یقول له کن فیکون۔تو یہ دونوں برابر ہیں۔

جب اس کا امر ہونا ثابت نہ ہوا تو نصب کا کوئی مطلب نہیں۔اور اس کی وجہ یہ ہے اگر وہ امر ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔یا تو اس سے موجود کو خطاب ہوگا۔تو موجود کن سے مخاطب کیا نہیں جاتا۔یا معدوم کو مخاطب کریں۔تو معدوم قابل خطاب ہی نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے، کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ، یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی دلیل، ایسا ہی

قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ

کہا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے انہی جیسی بات، ان کے دل آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے۔ بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لئے دلیلیں بیان

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

کر دی ہیں جو یقین لاتے ہیں۔

تفسیر آیت ۱۱۸:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ : (اور کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں جانتے) مشرکین میں سے یا اہل کتاب میں سے۔ ان سے علم کی نفی کی۔ کیونکہ انہوں نے اس پر عمل نہ کیا تو گویا ان کو علم ہی نہ تھا۔

لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ : (کیوں نہیں باتیں کرتا ہم سے اللہ تعالیٰ) وہ ہم سے ہمکلامی کیوں نہیں کرتا۔ جیسا کہ ملائکہ سے کرتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوا یہ بات وہ تکبر و سرکشی کی بناء پر کہتے ہیں۔

اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ : (یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گذرے) شدید انکار کی وجہ سے۔ کیونکہ ان کو دی جانے والی آیات وہ آیات ہی تو تھیں۔ ان آیات کی تحقیر کرتے ہوئے (وہ انکار کرتے تھے)

مِّثْلَ قَوْلِهِمْ : (ان جیسی بات)

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ : (ملے جلے ہیں ان کے دل) ان کے دل اور ان سے پہلے والوں کے دل اندھے ہیں۔ گویا اندھے ہونے میں مشابہ ہیں۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ : (بے شک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں) یعنی اس قوم کے لیے جو انصاف پسند ہیں پس وہ ان آیات پر یقین کرتے ہیں۔ کہ یہ آیات ہیں جن پر یقین لانا اور اعتراف کرنا ضروری ہے۔ اور انہی پر وہ اکتفا کرتے ہیں۔ مزید کے متلاشی نہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور دوزخ والوں کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نصاریٰ یہاں تک کہ آپ ان کے دین کا اتباع کر لیں۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ

اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ

کی ہدایت جو ہے وہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے تو نہ ہوگا

مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

آپ کے لئے کوئی ولی اور مددگار جو اللہ سے بچا دے۔

تفسیر آیت ۱۱۹:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا : (بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا) یعنی مؤمنوں کو ثواب کی خوش خبری اور کفار کو عقاب سے ڈرانے والے۔

وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ : (تجھ سے پوچھ نہ ہوگی دوزخ والوں کے متعلق) ہم ان کے متعلق آپ سے پوچھ گچھ نہ کریں گے کہ وہ آپ کے پیغام پہنچانے اور دعوت میں پوری کوشش صرف کرنے کے باوجود کیوں ایمان نہیں لائے۔

نحو: بِالْحَقِّ یہ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا کی طرح حال ہے۔ یعنی غیر مؤول ہے یہ جملہ مستانفہ ہے

قراءت: نافع رحمۃ اللہ علیہ نے لَا تَسْـَٔلْ نہی کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

دو تفسیریں:

مطلب یہ ہے کہ کفار جس چیز میں مبتلا ہیں اس کا عذاب بہت ہی بڑا ہے اس کا کیا پوچھنا ہے جیسے کہتے ہیں۔ کیف فلان جبکہ وہ مصیبت میں مبتلا ہو تو جواباً یہی کہا جاتا ہے۔

لا اقال اس کے بارے میں مت پوچھو۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کفار کے احوال کے بارے میں سوال سے روک دیا۔ جب کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے والد کا کیا حال ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ط اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ط وَمَنْ

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور جو شخص

یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اس پر ایمان نہ لائے سو یہ لوگ پوری طرح خسارہ میں ہیں۔

تفسیر آیت ۱۲۰:

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ : (ہرگز تم سے یہودونصاریٰ خوش نہ ہونگے جب تک کہ تم اختیار نہ کرو ان کا دین) گویا انہوں نے اس طرح کہا۔ کہ ہم ہرگز تم سے راضی نہ ہونگے اگرچہ تم ہماری رضامندیوں کی طلب میں انتہا کردو۔

یہود کے دخولِ اسلام سے مایوسی:

یہاں تک کہ تو ہماری ملت کی اتباع کرے۔

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودونصاریٰ کے دخول اسلام سے مایوس ہونا ظاہر کیا گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کا کلام ذکر کیا۔

تفسیر آیت ۱۲۰:

قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ : (کہہ دیں کہ اللہ ہی کی ہدایت) وہی ہدایت جس کو وہ اپنے بندوں کے لیے پسند کرتے ہیں۔

هُوَ الْهُدٰی : (ہدایت ہے) یعنی اسلام جو کہ خالص ہدایت ہے اس سے بڑھ کر کوئی ہدایت نہیں اور جس کی طرف تم (اے یہودونصاریٰ) دعوت دیتے ہو وہ ہدایت نہیں بلکہ ضلالت ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ : (اگر آپ چلے ان کی خواہشات پر) یعنی ان کے ان اقوال پر جو کہ خواہشات، بدعات پر مبنی ہیں۔

بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ : (اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا) یعنی العلم سے مراد یہ کہ جان لینا کہ وہ، وہ دین اسلام ہے یا جانا پہچانا ہوا دین۔ کہ جس کے دلائل واضح اور ثبوت روشن ہیں۔ وہ مراد ہے۔

مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ : (آپ کے لیے کوئی حمایتی) یعنی اللہ کے عذاب سے

مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ : (مددگار نہ ہوگا) نصیر بمعنی ناصر (مددگار) کے معنی میں ہے۔

تفسیر آیت ۱۲۱:

اَلَّذِیْنَ : (وہ لوگ) نحو : الذین اسم موصول مبتدا

اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ : (جن کو ہم نے کتاب دی) نحو : یہ صلہ ہے۔ نمبر ۱: ھم سے مراد اہل کتاب کے مؤمن۔ الکتب سے مراد تورات وانجیل ہے۔

يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۱۲۲﴾

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر انعام کیا اور اس بات کو بھی کہ میں نے تم کو جہانوں پر فضیلت دی،

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی شخص کسی جان کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہ کرے گا اور نہ کسی کی طرف سے جان کا کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۱۲۳﴾

شفاعت نفع دے گی، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

نمبر۲: یا اصحاب محمد ﷺ۔ کتاب سے مراد قرآن مجید۔

يَتْلُونَهٗ : (وہ اس کو پڑھتے ہیں) یہ ھم سے حال مقدرہ ہے کیونکہ کتاب دیئے جانے کے وقت وہ اس کی تلاوت کرنے والے نہ تھے۔ اور

حق تلاوت کا مطلب:

حَقَّ تِلَاوَتِهٖ : (جیسے تلاوت کا حق ہے) مصدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

ای یقرؤونہ حق قراء تہ فی الترتیل۔ یعنی وہ اس کو پڑھتے تھے۔ جیسے پڑھنے کا حق ہے یعنی ترتیل اور ادائیگی حروف' تدبر و تفکر کے ساتھ۔

یا اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور اس کے مضمون پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس میں پیغمبر ﷺ کی تعریف کو نہیں بدلتے۔

اُولٰٓئِكَ : (یہی لوگ) نحو : یہ مبتدا ہے۔ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ یہ اس کی خبر ہے۔ اور یہ جملہ الذین کی خبر ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ یتلونہ کو خبر مانیں۔ اور یہ جملہ دوسری خبر ہے

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ :۔ (اور جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں) اس لیے وہ خسارہ پانے والے ہیں کہ انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں لے لیا۔

تفسیر آیت ۱۲۲:

۱۲۲: يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ : (اے بنی اسرائیل تم یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر کیں) یعنی انعمتھا علیکم۔ تم پر میں نے انعام کیا۔

وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ : (اور میں نے تمہیں فضیلت دی جہاں کے لوگوں پر) میں نے تمہیں تمہارے زمانے کے لوگوں پر فضیلت دی۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ تو انہوں نے ان کو پورا کیا۔ ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے، ان کے رب نے فرمایا کہ میرا عہد ظلم کرنے والوں کو نہ ملے گا

تفسیر آیت ۱۲۳:

۱۲۳: وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ اور نہ اس کی طرف سے معاوضہ قبول کیا جاویگا اور نہ کسی کی سفارش اسے فائدہ دے گی اور نہ ان لوگوں کی مدد کیجائے گی)

نحو: هم مبتدا اور ینصرون خبر ہے۔ اور چاروں جملے یومًا کی صفت ہیں۔ یعنی واتقوا یومًا لا تجزی فیه۔ ولا یقبل فیه۔ ولا تنفعها فیه، ولا هم ینصرون فیه۔

بارِ دیگر لانے کی وجہ:

سوال: ان دونوں آیات کو دوبارہ کیوں لایا گیا؟

جواب: ان سے گناہ بار بار ہوئے گویا ہر دفعہ نیا گناہ ہوا۔ بنی اسرائیل کے واقعہ کو جس سے شروع فرمایا اسی پر ختم کیا۔

۱۲۴: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ : (جب آزمایا ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات کے ساتھ) واذ۔ اذکر محذوف ہے۔ ابتلاء کا معنی اوامر و نواہی سے امتحان کرنا ہے اور بندوں کے اختبار کا مطلب اس چیز کا ظہور جس کو ہم نہیں جانتے۔ اللہ کی طرف سے اختبار کا مطلب جس کو اپنے علم سے جانتا ہے اس کا ظاہر فرمانا۔

نتیجہ ابتلاء:

شاہد و غائب میں کسی خفی امر کا ظاہر ہونا۔ اسی وجہ سے تو ابتلاء کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جا سکتی ہے۔

دوسرا قول: یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ کا امتحان کرنا یہ مجاز ہے۔ اس سے کہ بندے کو دو کاموں میں ایک کے کرنے کا اختیار دے دیا جائے۔ جن کاموں کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے اور بندہ چاہتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ اس کا امتحان لے رہے ہیں۔ اس کام میں جو بندے سے سرزد ہوگا۔ تاکہ اس کے مطابق وہ بدلہ عنایت فرمائے۔

قراءت: ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ابراهیم ربَّهٗ ابراہیم کو رفع دیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے یعنی دعا کے کلمات سے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ جیسے امتحان لینے والا کرتا ہے۔ کہ آیا مخاطب اس کو جواب دے گا یا نہیں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

اور جب ہم نے بنایا خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن، اور بنا لو مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ

اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک کرو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے

السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

والوں کے لئے۔

اکثر مفسرین کا قول:

اکثر مفسرین نے کلمات کو عشر خصال قرار دیا۔ جن میں پانچ سر اور پانچ جسم میں ہیں۔ مضمضہ، سواک، ناک میں پانی ڈالنا، مونچھیں کٹوانا۔ مانگ نکالنا۔ استنجاء۔ زیر ناف بال لینا۔ بغل کے بال نوچنا، ناخن کاٹنا، ختنہ کرنا۔

فَاَتَمَّهُنَّ : (پس انہوں نے ان کو پورا کر دیا) یعنی ان کو صحیح طور پر ادا کر دیا۔ بغیر کسی سستی اور اضافے کے جیسا کہ سورۃ نجم آیت نمبر ۳۷ میں فرمایا۔ وَاِبْرَاهِيْمُ الَّذِىْ وَفّٰى۔

قراءت: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مطابق مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے وہ دے دیا۔ جو ابراہیم علیہ السلام نے طلب کیا۔ اور ان چیزوں میں کمی نہ کی۔ اب اس کے مطابق کلمات سے مراد وہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے مانگی نمبر ۱: رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا (البقرہ آیت نمبر ۱۲۶) نمبر ۲۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا (البقرہ آیت نمبر ۱۲۷ نمبر ۳) وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ (بقرہ آیت نمبر ۱۲۸)

سنن:

وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (البقرہ آیت نمبر ۱۲۹) اور قراءت مشہورہ کے مطابق کلمات پانچ سر میں ہیں۔ مانگ نکالنا۔ مونچھیں لینا۔ مسواک کرنا۔ مضمضہ، استنشاق پانچ بقیہ جسم میں ہیں۔ ختنہ۔ ناخن کاٹنا۔ بغل کے بال اکھاڑنا۔ زیر ناف بال، استنجاء۔

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شرائع کے تیس احکام ہیں جن میں سے دس سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۱۲۔ التَّائبون، دس احزاب کی آیت ۳۵ میں اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ اور دس سورت مؤمنون کی آیت نمبر ۹ اور معارج کی آیت نمبر ۳۴ یحافظون۔ تک میں مذکور ہیں۔

قول آخر: یہ ہے کہ یہ حج کے احکامات ہیں۔

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا : (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھ کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں) امام اس کو کہتے ہیں جس کی اقتداء کی جائے۔ یعنی وہ اپنے دین میں تیری اقتدا کریں گے۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ : (ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور میری اولاد میں سے) یعنی تو میری اولاد میں سے مقتدا بنا جس کی لوگ اقتدا کریں، ذریۃ الرجل۔ مذکر ومؤنث ہر دو اولاد کے لیے آتا ہے۔ یہ ذرء سے فعلیۃ کا وزن ہے۔ ذرء کا معنی پیدا کرنا۔ ہمزہ کو یاء سے بدل دیا۔

مسلمانوں کا مقتدیٰ کافر نہیں ہوسکتا:

قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ : (کہا ہمارے اس عہد میں وہ داخل نہیں جو ظالم ہیں)

قراءت: الظالمین، حمزہ اور حفص کے نزدیک سکون یاء کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امامت تیری اولاد میں سے اہل ظلم کو نہ ملے گی۔ اہل ظلم سے اہل کفر مراد ہیں۔ اس سے بتلا دیا گیا۔ کہ مسلمانوں کی امامت اہل کفر کے لیے ثابت نہیں ہوسکتی۔ اور ان کی اولاد میں مسلمان وکافر دونوں ہونگے۔ جیسا سورۃ الصافات آیت نمبر ۱۱۳ میں بارکنا علیہ تا محسن وظالم لنفسہ مبین۔ محسن سے مراد مؤمن اور الظالم سے کافر مراد ہیں۔

معتزلہ کا قول:

فاسق امامت کا حقدار نہیں۔ ظالم کا امامت کے منصب پر مقرر کرنا جائز نہیں اس لیے کہ امام تو دفع ظلم کے لیے ہوتا ہے جب ظالم کو مقرر کر دیا جائیگا۔ تو وہ مشہور مثال کے مطابق بن جائے گا۔ من استرعی الذئب ظلم۔ جس نے بھیڑیئے کو چرواہا بنایا اس نے ظلم کیا۔

جواب معتزلہ: یہ ظالم سے مطلق یعنی کافر مراد ہے کیونکہ مطلق ظالم وہی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا کہ ان کا بیٹا نبی ہو۔ جس طرح ان کو نبوت ملی تو ارشاد ہوا کہ ظالم نبی نہیں ہوگا۔

۱۲۵: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ : (اور جب ٹھہرایا ہم نے گھر کو) بیت سے مراد کعبہ ہے یہ نام اس پر غالب آ گیا جیسا کہ ثریا کو نجم کہا جاتا ہے۔

ملتجی فی الحرم کی دلیل:

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ : (لوگوں کے لیے اجتماع کی جگہ) حجاج وعمار کے لیے مرجع ہے۔ کہ وہاں سے جدا ہو کر پھر اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

وَاَمْنًا : (اور امن کا مقام) امن کی جگہ جنایت کرنے والا وہاں پناہ لے تو اس پر تعرض نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ خود نکل جائے اور یہ ہمارے لیے مسئلہ ملتجی فی الحرم کے متعلق دلیل ہے۔

مقام ابراہیم (علیہ السلام) کی مراد:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی : (اور بنالوابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز) ہم نے کہا وہاں نماز کی جگہ مقرر کرلو۔ جہاں نماز ادا کیا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا یہ مقام ابراہیم ہے تو عمر نے کہا۔ اس کو نماز کی جگہ نہ بنالیں ۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں ہوا۔ ابھی سورج غروب نہ ہوا تھا کہ یہ آیت اتری۔ (ابو نعیم، ابن ابی داؤد فی المصاحف بحوالہ کنز العمال ج ۷/۳۸۱)

دوسرا قول: یہ ہے کہ مصلّٰی سے مراد مدعیٰ اور وہ پتھر جس پر ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا اثر موجود ہے یہ مقام ابراہیم ہے۔

تیسرا قول: سارا حرم مقام ابراہیم ہے۔

قراءت: شامی ونافع نے وَاتَّخَذُوْا۔ ماضی پڑھا۔ اور جعلنا پر عطف کیا۔ یعنی **اتخذالناس من مکان ابراھیم الذی وسم به لا ھتما مه به وامکان ذریته عندہ قبلة یصلون الیھا** یعنی لوگوں نے ابراہیم کے اس نشان زدہ کھڑے ہونے کی جگہ کو مہتم بالشان سمجھ کر اوران کی اولاد کے وہاں ٹھہرنے کی وجہ سے قبلہ قرار دیا۔ کہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ : (اور ہم نے کہہ دیا ابراہیم واسماعیل کو) ان دونوں کو ہم نے حکم دیا۔

طہارت کا معنی:

اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ : (کہ صاف رکھو میرے گھر کو) **قراءت**: بَیْتِیَ۔ یاء کے فتح کے ساتھ مدنی اور حفص نے پڑھا۔ مطلب یہ ہوا کہ تم دونوں پاک کرو۔ یا مطلب یہ ہے کہ بتوں سے اس کو پاک رکھو۔ اور تمام قسم کی انجاس وخبائث سے صاف رکھو

لِلطَّآئِفِیْنَ : (طواف کرنے والوں) اس کے گرد طواف کرنے والوں کے لیے۔

وَالْعٰکِفِیْنَ : (اور اعتکاف کرنے والوں) نمبر ۱: جو اس کے پاس اعتکاف کرنے والے ہیں۔

نمبر ۲: وہ مجاور جو اس کے پاس اقامت اختیار کرنے والے ہیں۔ کہ اس کے پاس سے جدا نہیں ہوتے

دوسرا قول: طائفین کے متعلق یہ ہے کہ اپنے شہروں سے وہاں کھنچ کر آنے والے ہیں۔ اور عاکفین سے مراد اہل مکہ۔

۱۲۵۔ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ :(اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے) نماز ادا کرنے والے۔ **الرُّکع** یہ راکع کی جمع ہے اور **السجود** جمع ساجد ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا دے اس شہر کو امن والا، اور رزق دے یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو

اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ

ان میں سے ایمان لائے اللہ اور یوم آخرت پر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو شخص کفر اختیار کرے گا سو میں اسے تھوڑا سا نفع پہنچاؤں گا۔ پھر

اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٢٦

اسے دوزخ کے عذاب کی طرف جبراً پہنچاؤں گا۔ اور وہ بری جگہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا: (جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب بنا اس شہر کو امن والا) یعنی نمبر ا: اس شہر کو کر دے۔ نمبر ۲: اس مکان کو کر دے۔

بَلَدًا اٰمِنًا کا مطلب:

بَلَدًا اٰمِنًا: (امن والا شہر) نمبر ا۔ امن والا۔ یہ اس طرح ہے جیسے عیشة راضية۔

نمبر ۲۔ ان کے لئے امن والا بنا جو اس میں رہیں یہ اس طرح ہے جیسا کہتے ہیں۔ لیل نائم۔ گہری نیند والی رات۔

نحو! ھذا۔ یہ مفعول اول ہے اور بلدا مفعول دوم ہے اور امنا اس کی صفت ہے۔

وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ: (اور عطا کر اس کے رہنے والوں کو پھل) کیونکہ اہل مکہ کے ہاں پھل نہ تھے۔ پھر اس کا بدل دے۔

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: (ان لوگوں کو جو ان میں ایمان لائیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر) اس کے رہنے والوں میں سے۔ یہ بدل الکل سے بدل البعض ہے۔ یعنی رزق المومنین من اہلہ خاصة۔ خاص کر اس کے رہنے والے مومنین کو رزق عنایت فرما۔ رزق کو اپنی امامت پر قیاس کر کے ایمان والوں کے ساتھ خاص کر دیا۔

قَالَ: (فرمایا) اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا۔

وَمَنْ كَفَرَ: (جو کفر کرے) یعنی میں ان کو بھی رزق دوں گا۔ جنہوں نے کفر کیا۔

فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا: (پس اس کو فائدہ اٹھانے دوں گا تھوڑا)

نمبر ا۔ تھوڑا فائدہ۔ نمبر ۲۔ تھوڑا زمانہ جو اس کی زندگی کا ہے۔

قراءت: شامی۔ فَاَمْتِعُهٗ

ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ: (پھر اس کو مجبور کروں گا) مجبور کروں گا۔

اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ: (آگ کے عذاب کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے)

مصیر کا معنی وہ لوٹنے کی جگہ جس کی طرف پہنچتے ہیں وہ آگ ہے پس مخصوص بالذم یہاں محذوف ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ

اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اور اسمٰعیل بھی، اے ہمارے رب قبول فرما لے ہم سے

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً

بے شک تو ہی خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب اور بنا دے ہم کو تو اپنا فرمانبردار، اور بنا دے ہماری اولاد میں سے ایک امت

مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

جو تیری فرمانبردار ہو، اور ہمیں بتا دے ہمارے حج کے احکام، اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

۱۲۷۔وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ : (جب ابراہیم بلند کر رہے تھے) یہ زمانہ ماضی کی حکایت بیان کی۔

الْقَوَاعِدَ : (خانہ کعبہ کی بنیادیں) القواعد جمع قاعدہ کی ہے اور قاعدہ کہتے ہیں جو اوپر کے لئے بنیاد و جڑ کا کام دے۔ یہ صفت غالبہ ہے ورنہ اس کا معنی قائم ہونے والی اور رفع الاساس اس پر تعمیر کرنے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ جب اس پر تعمیر کی جائے گی۔ تو وہ پستی سے بلندی میں منتقل ہو جائے گی اور قصیر ہونے کے بعد طویل ہو جائے گی۔

مِنَ الْبَيْتِ : (بیت اللہ کی) بیت سے مراد بیت اللہ وہ کعبہ شریف ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلُ : (اور اسماعیل) اس کا عطف ابراہیم پر ہے ابراہیم علیہ السلام معماری کر رہے تھے اور اسماعیل ان کو پتھر پکڑا رہے تھے۔

رَبَّنَا : (اے ہمارے رب) وہ دونوں ربنا کہتے تھے۔ یہ فعل حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور عبداللہ نے اپنی قراءت میں اس کو ظاہر بھی کیا ہے اور اب اس کا معنی یہ ہے وہ دونوں دیواروں کو ربنا کہتے ہوئے بلند کر رہے تھے۔

تَقَبَّلْ مِنَّا : (تو ہم سے قبول کر) اس گھر کی تعمیر کے سبب ہمارا قرب اپنی بارگاہ میں قبول کر۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ : (بے شک تو ہر بات سننے والا ہے) ہماری دعاؤں کو سننے والے۔

الْعَلِيْمُ : (اور ہر بات جاننے والا ہے) ہمارے بواطن اور نیات کو جاننے والے ہیں۔ آیت میں قواعد کو پہلے مبہم رکھا اور پھر اس ابہام کے بعد واضح کر دیا اس میں مبین کی عظمت شان کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

تفسیر آیت ۱۲۹:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ : (اے ہمارے رب تو بنا ہمیں اپنا فرمانبردار)

نمبر۱۔ مسلمین کا معنی ہم اپنے چہروں کو تیرے لئے خالص کرنے والے ہیں اور یہ اسی طرح ہے جیسا البقرہ آیت نمبر ۱۱۲ میں من اسلم وجهه لله۔

دوسرا قول: عاجز و فرمانبرداری اختیار کرنے والے ہیں۔ یہ اس طرح ہے جیسے کہیں اسلم له و استسلم۔ یعنی عاجزی کی اور یقین کر لیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے اخلاص اور اپنے اوپر یقین میں اضافہ فرما۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

اے ہمارے رب اور بھیج دے ان میں ان میں سے، ایک رسول ان میں سے، جو تلاوت کرے ان پر تیری آیات، اور سکھائے ان کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۭ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

اور حکمت، اور ان کا تزکیہ کرے، بے شک تو ہی عزیز ہے، حکیم ہے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا : (اور ہماری اولاد میں سے) **نحو** : یہ اجعل کے متعلق ہے تو ہماری اولاد میں سے کر دے۔

اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ : (ایک فرمانبردار جماعت) نمبرا۔من تبعیضیه ہے نمبر۲۔بیانیہ ہے۔

مراد امت:

امت سے مراد ایک قول کے مطابق امت محمد ﷺ ہے۔

سوال : اپنی اولاد کو دعا میں کیوں خاص کیا؟

سوال کا مدلل جواب :

جواب : اولا د شفقت کی سب سے زیادہ حقدار ہے جیسا کہ سورۃ التحریم آیت نمبر ۶ میں قوا انفسکم و اھلیکم نارا فرمایا ہے۔ (کہ تم اپنے آپ اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ)

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا : (اور ہماری عبادت کے طریقے ہمیں بتا) اَرِ کا لفظ رأی سے بنا ہے اس کا معنی دکھانا یا بتلانا ہے۔اس لئے اس کو دو مفعولوں کی ضرورت نہیں پڑی۔یعنی تو ہمیں حج میں عبادت کے مقامات دکھا۔یا بتلا۔مناسک کا واحد منسک ہے۔سین (س) کی زیر و زبر دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی عبادت کے مقامات ہیں۔اس لئے عبادت کرنے والے کو ناسک کہتے ہیں۔

قراءت: (مکی نے اَرْنَا پڑھا۔اس کو فَخْذٌ کے لفظ پر قیاس کیا۔ابو عمرو نے رکو کسرہ کا اشمام دے کر پڑھا۔

وَتُبْ عَلَيْنَا : (اور توبہ قبول کر) نمبرا۔جو ہم سے کوتاہی پیش آ گئی ہو۔

نمبر۲۔اپنی اولاد کے لئے دونوں نے توبہ طلب کی۔یعنی ہماری اولاد کو معاف فرما۔

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ : (بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے)

تفسیر آیت ۱۲۹:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ : (اے ہمارے رب تو بھیج ان میں) سے مراد امت مسلمہ ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ

اور ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کرے گا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا، اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کرلیا

فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ

دنیا میں، اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں، جب فرمایا ان کے رب نے کہ

اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

فرمانبردار ہوجا، توانہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ : (رسول انہی میں سے) انہی میں سے پس اللہ تعالیٰ نے ان میں محمد ﷺ کو بھیجا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ انا دعوة ابی ابراهیم و بشریٰ عیسی و رؤیا امی۔ (رواہ احمد۔ الحاکم' البزار) میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں) خواب یہ تھا۔ کہ آپ کی والدہ محترمہ نے ولادت سے قبل ایک روشنی اپنے سے نکلتی ہوئی دیکھی جس نے مکہ کو بھر دیا۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ : (جوان پر تیری آیات پڑھے) ان پر پڑھتا ہے اور ان کو پہنچاتا ہے۔ جو اس کی طرف وحی کے ذریعہ تیری وحدانیت کے دلائل اور انبیاء اور رسل علیہم السلام کی صداقت کے دلائل بھیجے جاتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ : (اور ان کو تعلیم دے کتاب) کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

وَالْحِكْمَةَ : (وحکمت کی) سنت اور فہم قرآن مراد ہے۔

وَيُزَكِّيْهِمْ : (اور ان کو پاک وصاف بنائے) وہ ان کو شرک اور تمام نجاستوں سے پاک کرتا ہے۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ : (بے شک تو زبردست) وہ غالب جو مغلوب نہ ہو۔

الْحَكِيْمُ : (تدبیر والا ہے) اس چیز میں جس کا اس نے تمہیں مالک بنایا۔

تفسیر آیت ۱۳۰:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ : (نہیں اعراض کرتا ملت ابراہیم سے) یہ استفہام انکاری ہے اور اس بات کا شدت سے انکار کیا گیا۔ کہ واضح حق سے بے رغبتی اختیار کرنے والا عقل مند نہیں ہے۔ اور واضح حق ملت ابراہیم ہے۔ الملّة۔ طریقہ، سنت۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔

اِلَّا مَنْ : (مگر وہ)

نحوی تراکیب:

یہ یرغب کی ضمیر سے بدل ہے اور محل رفع میں واقع ہے اور بدل ہی صحیح ہے۔ کیونکہ جو منہ موڑنے والا ہے وہ لازم کرنے والا نہیں۔ جیسا کہتے ہیں۔ هل جاء ك احدٌ الا زید' تیرے پاس سوائے زید کے کوئی نہیں آیا۔ اب آیت کا معنی یہ بنے گا۔ نہیں اعراض کرتا ملت ابراہیم سے مگر وہ۔

مفاہمت کا مفہوم:

سَفِهَ نَفْسَهٗ : (بے وقوف ہے جس کا نفس) یعنی جس کا نفس جاہل ہے۔
نمبر۱۔ ای جهل نفسه (یعنی وہ اپنے دل میں سوچتا نہیں)۔ یہاں سفہ کو جھل کی جگہ لائے اور اس کو اس کی طرح شمار کرلیا۔
نمبر۲۔ دوسرا قول۔ یہ ہے کہ جس کے نفس میں حماقت ہے۔ پس فی کو حذف کر دیا جس طرح من کو اعراف آیت نمبر ۱۵۵ سے واختار موسٰی قومه۔ اور علٰی کو سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۳۵ ولا تعزموا عقدة النكاح ای علی عقدة النكاح۔ یہ دو صورتیں زجاج کے نزدیک ہیں مگر فراء رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ وہ معرفہ ہے۔

ملت ابراہیم (علیہ السلام) کا حکم:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ : اِس میں اُس آدمی کی رائے کی غلطی بتلائی جو ملت ابراہیم سے مُنہ موڑنے والا ہے کیونکہ جو شخص دونوں جہاں کی عظمت کا جامع ہو تو اس کے طریقے کی طرف رغبت کرنے سے بڑھ کر کسی کا طریقہ نہیں۔

تفسیر آیت ۱۳۱:

اِذْ قَالَ : (جب کہا) نحو۔ نمبر۱۔ یہ اصطفیناہ کا ظرف ہے۔
نمبر۲۔ یا اذکر مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ اس وقت کو یاد کرو تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے وہی منتخب و صالح ہیں۔ کہ جن کی ملت قابل اعراض نہیں۔

لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ : (ان کو ان کے رب نے کہا تو فرمانبردار ہو جا) یقین کر یا اطاعت کر یا اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر۔
قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ : (کہا میں نے اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کیا۔ میں خالص ہوا میں نے خالص کیا۔ یا میں مطیع ہوا۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ

اور ملت ابراہیمیہ کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی، اے میرے بیٹو بے شک اللہ نے منتخب فرمایا ہے تمہارے لئے اس دین کو،

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ

سو ہرگز مت مرنا مگر اس حالت میں کہ تم دین اسلام پر ہو۔ کیا تم حاضر تھے جس وقت آنے لگی یعقوب کو

الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ

موت، جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ کس کی عبادت کرو گے میرے بعد، انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی اور

اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی، جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں

مرجع ضمائر:

وَ وَصّٰى بِهَآ : (اوراس کی وصیت کی) قراءت مدنی وشامی نے اَوْصٰی پڑھا۔
نمبرا۔ ھَا کی ضمیر سے مراد ملت ہے یانمبر۲۔کلمہ اسلمت لرب العالمین ہے۔
اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ :(ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کواور یعقوب نے کہا) یعقوب یہ ابراہیم پر معطوف ہے اوراس کے حکم میں داخل ہے اور مطلب یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بھی وصیت کی۔
یٰبَنِیَّ : (اے میرے بیٹو) قال مضمر ہے۔

چنا ہوا دین:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ : (بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن کر دین دیا) یعنی تمہیں وہ دین دیا جو دینوں میں منتخب شدہ ہے۔وہ دین اسلام ہے اس کو تھامنے کی تمہیں توفیق دی۔

ثابت قدمی کا حکم:

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ : (پس تم مسلمان ہو کر ہی مرنا) تمہاری موت اسلام پر ثابت قدمی کی حالت میں ہونی چاہیے۔حقیقت میں اس بات کی ممانعت کی گئی کہ موت کے وقت ان کی حالت اسلام کے خلاف نہ ہونی چاہیے۔جیسا کہتے ہیں۔ لاتصل الا وانت خاشع یعنی تمہیں نماز خشوع کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔اس میں نماز کی ممانعت نہیں بلکہ نماز میں خشوع کے ترک کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

تفسیر آیت ۱۳۳:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ : (کیاتم موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا)

ام کی اقسام:

نمبرا۔''اَمْ''منقطعہ ہے۔ہمزہ انکار کے لئے ہے شہداء جمع شہید اس کا معنی حاضر ہے۔یعنی یعقوب علیہ السلام کی موت کے وقت تم حاضر نہ تھے۔یہاں خطاب ایمان والوں کو فرمایا۔اب مطلب یہ ہوا۔کہ تم اس وقت موجود نہ تھے۔تمہیں ان کے متعلق وحی سے علم ہوا۔

نمبر۲۔دوسرا قول۔''اَمْ''متصلہ ہے اس سے قبل مقدر محذوف ہے اور اس وقت خطاب یہود کو ہے۔کیونکہ وہ کہا کرتے تھے۔کہ جو پیغمبر بھی فوت ہوا۔وہ یہودیت پر فوت ہوا۔تو ان کو مخاطب کر کے گویا فرمایا کہ تم انبیاء علیہم السلام پر یہودیت کے دعویدار ہو؟ کیا تم حاضر تھے جبکہ یعقوب علیہ السلام کو موت آئی؟

اِذْ قَالَ : (جب انہوں نے اپنے) نمبرا۔یہ پہلے اذ سے بدل ہے اور ان دونوں میں شہداء کا لفظ عامل ہے۔

یا نمبر۲۔حَضَرَ کا ظرف ہے۔

لِبَنِيْهِ مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ : (بیٹوں کو کہا تم لوگ میرے بعد کس کی پوجا کرو گے)

ما کی تفصیل:

نحو :ما استفہامیہ ہے اور تعبدون کی وجہ سے محل نصب میں واقع ہے مطلب یہ ہے۔کس چیز کی تم عبادت کرتے ہو؟ ما عام ہے ہر چیز کے لئے آتا ہے یا ما معبود کی صفت کے متعلق سوال کے لئے ہے۔جیسا تم کہو۔مازید تريد أفقيه ام طبيب زید کے متعلق تم کیا جانتے ہو کہ وہ فقیہ ہے یا طبیب من بعدی ۔میری موت کے بعد

الٰہ کو دوبارہ لانے کی وجہ:

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ : (انہوں نے کہا ہم اس کی عبادت کریں گے جو تیرا اور تیرے آباء کا ہے)۔ الٰه کا ذکر دوبارہ کیا گیا تا کہ ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادۂ حرف جار کے لازم نہ آئے۔

اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ : (ابراہیم' اسماعیل' اسحٰق کا معبود ہے) یہ اباء ك سے عطف بیان ہے۔

سوال : آباء میں اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیا حالانکہ وہ ان کے چچا ہیں۔

جواب : چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔آپ علیہ السلام نے عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا۔هذا بقية آبائى (ابن ابی شیبہ)

نحوی لطائف:

اِلٰهًا وَّاحِدًا : (یعنی ایک معبود ہے) نمبرا۔یہ الٰه ابائك سے بدل ہے جس طرح العلق کی آیت ۱۵۔۱۶ میں ناصیہ۔ بالناصية ناصية كاذبة۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ

وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا، اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے عمل کیا، اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

جو وہ کیا کرتے تھے۔

نمبر۲ دوسرا قول : اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے۔یعنی ہم تیرے آباء کے معبود سے ایک ہی معبود مراد لیتے ہیں۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (اور ہم اسی کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں) نحو نمبرا: یہ نعبد کے فاعل سے حال ہے ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔اس حال میں کہ ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

نمبر۲ دوسرا قول: یہ نعبد پر جملے کا عطف ہے گویا یہ مقولہ ثانی ہے۔

تیسرا قول : جملہ معترضہ ہے جو تاکید کے لئے لایا گیا۔

۱۳۴۔ تِلْكَ : (وہ) یہ امت مذکورہ کی طرف اشارہ ہے یعنی ابراہیم اسماعیل ویعقوب اور ان کی موحد اولاد

اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ : (ایک جماعت تھی جو گزری) گزر چکی

غیر کی کمائی کام نہ آئے :

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ : (ان کے لئے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے جو تم نے کمایا) یعنی کسی کو غیر کی کمائی کام نہ دے گی۔خواہ کان کو مقدم مانیں یا مؤخر۔کہ ان کو وہ چیز فائدہ دے گی جو انہوں نے کمائی۔پس اسی طرح تمہیں وہ چیز کام آئے گی جو تم نے کمائی۔ یہ بات فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے باپوں پر فخر کر کے (برائیوں پر ڈھٹائی اختیار کرنے والے تھے) اور اعمال کو کوئی حیثیت نہ دیتے تھے۔

وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ :(اور تم سے ان کے عملوں کی باز پرس نہ ہوگی) انکی برائیوں کا تمہیں مؤاخذہ بھگتنا نہ پڑے گا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

اور انہوں نے کہا کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تم ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرمایئے بلکہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جو پوری طرح

حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ

حق ہی کی طرف تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے، تم لوگ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر بھی جو اس نے نازل کیا

اِلَیْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

ہماری طرف، اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب پر، اور ان کی اولاد پر،

وَمَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَعِیْسٰى وَمَاۤ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ

اور اس پر بھی جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو کچھ عطا کیا گیا دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے

بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ٘ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

۱۳۵۔ وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى : (اور کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ) یعنی یہود نے کہا تم یہودی بن جاؤ۔ نصاریٰ نے کہا تم نصرانی بن جاؤ۔

تَهْتَدُوْا : (تو ہدایت پا جاؤ گے) یہ مجزوم ہے کیونکہ یہ امر کا جواب ہے۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ : (کہہ دیں بلکہ ہم تو ملت ابراہیم پر رہیں گے) بلکہ ہم تو ملت ابراہیم کی اتباع کریں گے۔

حنیف کا مفہوم :

حَنِیْفًا : (جو تمام سے یکسو تھے) حنیفاً یہ ابراہیم سے حال ہے جیسا کہ کہتے ہیں رایت وجہ ھند قائمۃً میں نے ہندہ کا چہرہ دیکھا اس حال میں کہ وہ کھڑی ہے۔ الحنیف ہر دین باطل سے دین حق کی طرف جھکنے والا۔

تعریض بر مشرکین :

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ : (اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے) یہ اہل کتاب پر تعریض ہے کیونکہ وہ سب ملت ابراہیم کی اتباع کے دعویدار تھے حالانکہ وہ شرک پر تھے۔

۱۳۶۔ قُوْلُوْا : (تم کہو) نمبر ۱۔ یہ ایمان والوں کو خطاب ہے۔

نمبر ۲۔ یہ کفار کو خطاب ہے یعنی تم ان کو کہو کہ تم حق قبول کر لو ورنہ تم باطل پر ہو۔

فَإِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ

سو اگر وہ ایمان لے آئیں ان چیزوں پر جن پر تم ایمان لائے تو وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو بس وہ مخالفت ہی میں

شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

لگے ہوئے ہیں۔ پس عنقریب اللہ آپ کی طرف سے ان کے لئے کافی ہوگا اور وہ سمیع ہے علیم ہے

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا : (ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف اتارا گیا) انزل الینا سے مراد قرآن مجید ہے۔

سبط کی تفسیر:

وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ : (اور جو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل اسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد کی طرف بھیجا گیا) السبط کا معنی پوتے، نواسے، حسن وحسین رضی اللہ عنہما سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ای الاسباط حفدۃ یعقوب کے پوتے اور ان کے بارہ بیٹوں کی اولاد مراد ہے۔

نحوی تحقیق:

نحو : انزل کا لفظ الی اور علی دونوں کے ساتھ متعدی بنتا ہے اس لئے یہاں الی کے ساتھ ہے۔ اور آلِ عمران میں عَلٰی کے ساتھ ہے۔

تفسیر آیت ۱۳۶:

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ : (اور اس پر جو دیئے گئے موسیٰ، عیسیٰ اور جو انبیاء علیہم السلام کو ان کے رب کی طرف سے ملا ہم ان میں سے کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے) جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے کیا۔ احد۔ کا معنی یہاں جماعت ہے اس لئے بین کا لفظ اس پر داخل ہوسکتا ہے۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ : (اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص اختیار کرنے والے ہیں۔

مثل کے صحیح مفہوم کی وضاحت میں تین اقوال:

۱۳۷۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا : (پس اگر وہ ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو بے شک وہ ہدایت پا جائیں گے) آیت کا ظاہر مشکل ہے اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مثل ہو حالانکہ وہ اس سے بلند و بالا ہے۔

نمبر ا۔ پس کہا گیا ہے کہ بازاء اور مثل یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یہ ہے۔

فان امنوا ایمانا مثل ایمانکم۔ پس اگر وہ ایمان لائیں ایسا ایمان جو تمہارے ایمان کی طرح ہو وہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی

ہے۔اور بآء کا اضافہ نئی چیز نہیں ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس آیت نمبر ۲۷ والذین کسبوا السیئات جزاء سیئۃ بمثلھا۔تقدیر عبارت یہ ہے۔ جزاء سیئۃ مثلھا۔ برائی کی جزا اس کی مثل سے ہے۔جیسا کہ دوسری آیت میں ہے جزاء سیئۃٍ سیئۃٌ مثلھا۔الشوریٰ آیت نمبر ۴۰ میں ہے۔ برائی کی جزاء اس کی مثل برائی سے ہے۔

دوسرا قول :مثل کا لفظ زائد ہے تقدیر عبارت یہ ہے فان امنوا ما امنتم بہ (اگر وہ ایمان لائیں جس ذات پر تم ایمان لائے ہو۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت بما آمنتم بہ۔اس کی تائید کرتی ہے۔

ما الذی کے معنی میں ہے اور اس کی دلیل حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت بالذی آمنتم بہ ہے۔

تیسرا قول : باء استعانت کے لئے ہے جیسا کہتے ہیں۔ کتبت بالقلم۔اب مطلب یہ ہوا فان دخلوا فی الایمان بشھادۃ مثل شھادتکم التی امنتم بھا۔ پس اگر وہ داخل ہوں ایمان میں شہادت کے ساتھ جو تمہاری اس شہادت جیسی ہو جس کے ساتھ تم ایمان لائے ہو۔

انحراف کا مطلب:

وَاِنْ تَوَلَّوْا : (اور اگر وہ انحراف کریں) نمبر ا۔اس میں سے جو تم انہیں کہتے ہو تو انہوں نے انصاف نہ کیا۔

نمبر ۲۔دوسرا قول : اگر تم شہادت اور ایمان میں شہادت کے ساتھ داخلے سے منہ موڑو۔

فَاِنَّمَاهُمْ فِيْ شِقَاقٍ : (تو پس وہ ضد پر ہیں) یعنی پس وہ مخالفت اور دشمنی میں مبتلا ہیں۔وہ طلب حق میں کسی چیز پر نہیں۔

غلبہ اہل کتاب:

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ : (پس کافی ہے تمہاری طرف سے ان کو اللہ) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب پر غلبہ کی ضمانت دی گئی ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ان یہود میں سے بعض کے قتل اور بعض کی جلاوطنی سے پورا ہوا۔سین کا معنی یہ ہے کہ وہ وعدہ ہر صورت میں پورا ہونے والا ہے۔اگرچہ کچھ دیر ہی۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ : (اور وہ ہر بات کو سننے) جو کچھ وہ کہتے ہیں۔

ممانعت و وعید:

الْعَلِيْمُ : (اور جاننے والا ہے) جو وہ حسد اور کینہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خود سزا دیں گے۔نمبر ا۔ یہود کے لئے وعید ہے۔

نمبر ۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وعدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ سنتے ہیں۔ جو آپ دعائیں کرتے ہیں۔اور وہ آپ کی نیت سے واقف ہے اور آپ کے غلبہ دین کے ارادے کو جانتا ہے۔وہ ان دعاؤں کو قبول فرمائے گا اور آپ کو منزل مقصود پر پہنچائے گا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور وہ کون ہے جس کا رنگ دینا اللہ تعالیٰ کے رنگ دینے سے اچھا ہو اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں

صِبْغَةَ اللّٰهِ کی مراد حقیقی:

۱۳۸۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ : (ہم نے اللہ تعالیٰ کا رنگ لے لیا) نحو۔ صبغة اللّٰه سے مراد اللہ کا دین یہ مصدر مؤکد ہے اور امنا باللّٰه سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۸۔ منصوب ہے۔ یہ فِعلةٌ کا وزن ہے جو صبغ سے ہے جیسے جلسة جَلَسَ سے۔ صبغة دراصل اس حالت کو کہتے ہیں۔ جس پر رنگنا واقع ہوتا ہے۔ مراد اللہ تعالیٰ کا پاک کرنا ہے کیونکہ ایمان دلوں کو پاک کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ نصاریٰ اپنے بچوں کو زرد پانی میں ڈبوتے اور اس کو معمودیہ کہتے اور کہتے یہ بچوں کی تطہیر ہے جب ان میں سے کوئی یہ فعل کر لیتا تو کہتا اب وہ واقعۃً نصرانی بن گیا اس پر مسلمانوں کو حکم ملا کہ وہ ان کو کہیں۔

امنا باللّٰه و صبغنا اللّٰه بالایمان صبغة ولم نصبغ صبغتکم ہم اللہ پر ایمان لائے اور اللہ نے ہمیں ایمان سے خوب رنگ دیا۔ ہم تمہارے رنگ میں اپنے آپ کو نہیں رنگتے آیت میں لفظ صبغہ مشاکلت کے لئے لایا گیا۔ جیسے کہتے ہیں جو درخت لگائے۔ اغرس کما یغرس فلان۔ مراد اس سے وہ آدمی ہے جو نیکی کا کام کر رہا ہو۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً :(اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے) یہ صبغةً تمیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لا صبغة احسن من صبغته۔ کہ کوئی رنگ اس کے رنگ سے زیادہ خوب نہیں۔ مراد اس سے دین یا تطہیر ہے۔

عطف آمنا پر:

وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ : (اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں) یہ آمنا باللہ پر عطف ہے۔ یہ عطف اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ صبغۃ اللہ کا قول یہ قولوا آمنا کے مفعول میں داخل ہے۔ ان قولو اھذا و ھذا و نحن لهٗ عابدون۔ کہ تم یہ کہو اور یہ بھی کہو کہ ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

بعض کا قول:

یہ ترکیب ان لوگوں کی تردید کر رہی ہے جو صبغۃ اللہ ملۃ ابراہیم کا بدل مانتے ہیں۔ یا اغراء کی بناء پر منصوب قرار دیتے ہیں۔ یعنی علیکم صبغة اللّٰه تم صبغة اللّٰه کو لازم پکڑو۔ کیونکہ اس سے نظم قرآن ٹوٹتا ہے اور کلام کا اپنے باہمی جوڑ ربط سے نکلنا لازم آتا ہے۔ (جو مناسب نہیں) اور مصدر مؤکد کہہ کر منصوب قرار دینا یہ سیبویہ کا قول ہے اور بہتر قول وہی ہے جو حزام نے کہا اور ہم نے اولاً نقل کیا۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ

آپ فرمائیے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور ہم اللہ تعالیٰ

مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا

کے لئے اخلاص والے ہیں کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم و اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ آپ فرما دیجئے کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ زیادہ جاننے والا ہے، اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے چھپایا

شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

اس گواہی کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے جنہیں تم کرتے ہو

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ

وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا، اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے عمل کیا، اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

جو وہ کرتے تھے۔

ركوع

تفسیر آیت ۱۳۹:

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ : (کہہ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہو) یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کی شان میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو اور اس پر جھگڑتے ہو کہ اس نے تمہاری بجائے عرب سے پیغمبر چنا۔ اور تم کہتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی پر کلام اتارنا ہوتا تو وہ ہم پر اتارتا۔ گویا تم اپنے کو نبوت کا بڑا حق دار قرار دیتے ہو۔

وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ : (حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب) ہم اس کے بندے ہونے میں سب شریک ہیں اور وہ ہمارا رب ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور عظمت اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان کو پہنچاتا ہے۔

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ : (اور ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے (اعمال) یعنی عمل امر کی بنیاد ہے جس طرح کے تمہارے لئے اعمال ہیں اور اسی طرح کے ہمارے لئے بھی ہوں گے۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ : (اور ہم اسی کو خالص ماننے والے ہیں) کہ ہم اس کی وحدانیت کو ماننے والے ہیں اس کو ایمان میں خالص کرتے ہیں اور تم شریک ٹھہراتے ہو اور مخلص عظمت کے زیادہ لائق ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور وہ دوسروں کی بہ نسبت

نبوت کا بھی حقدار ہے۔

١٤٠۔ اَمْ تَقُوْلُوْنَ : (کیا تم کہتے ہو) قراءت۔ یہ شامی اور کوفی نے ابوبکر کے علاوہ تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

اَمْ کونسا ہے؟

نمبر١۔ اس صورت میں اَمْ ہمزہ کے معادل ہے جو اَتُحَاجُّوْنَنَا میں ہے یعنی کونسا کام تم کرو گے؟ اللہ کے حکم میں حجت بازی یا دعویٰ یہودیت اور نصرانیت انبیاء علیہم السلام کے متعلق؟

نمبر٢ دوسرا قول : اَمْ منقطعہ ہے یعنی بلکہ کیا تم کہتے ہو؟

یقولون دوسروں نے یاء سے پڑھا ہے اس صورت میں ہمزہ منقطعہ ہی ہوسکتا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى :(کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے) پھر اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ کہ ان کو بطور استفہام کہے انہی کی بات کو ان پر لوٹاتے ہوئے۔

قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ : (کہہ دیں کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ) یعنی بے شک اللہ نے ان کے لئے (مسلمانوں کیلئے) تو ملت اسلام کی گواہی دی ہے۔ اپنے اس قول میں۔ ما کان ابراهيم يهوديا ولا نصرانيا ولكن كان حنيفا مسلما۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ٦٧

ملت حنیفی کا چھپانے والا ظالم:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ : (اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اس گواہی کو چھپائے جو اس کے پاس ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جس نے اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کو چھپایا جو اس کے پاس ہے۔ وہ شہادت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق حنفیت کی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اہل کتاب سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس گواہی کو چھپا دیا۔ حالانکہ اس کو جانتے ہیں۔ یا اگر ہم اس گواہی کو چھپاتے تو ہم سے بڑا کوئی ظالم نہ ہوتا۔ پس ہم تو اس کو نہیں چھپاتے۔ اس میں ان پر تعریض کی۔ کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نبوت کی گواہی کو جو ان کی کتابوں میں موجود ہے چھپا رہے ہیں۔ مِنَ اللّٰهِ میں مِن اس طرح ہے جیسے کہتے ہیں هذه شهادة منّي لفلان اذا شهدت له گویا یہ اس کی صفت ہے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ : (اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان عملوں سے جو تم کرتے ہو) یعنی تکذیب رسل اور کتمانِ شہادت۔

مَا كَسَبَتْ کا مقصد:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ : (یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے لئے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے کام آئے گا جو تم کرتے ہو۔ تم سے ان کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہوگی۔

نمبر١۔ یہ تاکید کے لئے لائے۔

نمبر٢۔ پہلی مرتبہ لا کر انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔ اور دوسری مرتبہ لا کر اسلاف یہود و نصاریٰ مراد لیے ہیں۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ

عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگ کس چیز نے پھیر دیا ان کو ان کے اس قبلہ سے

كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى

جس پر وہ تھے۔ آپ فرما دیجئے اللہ ہی کے لئے مشرق اور مغرب ہے۔ وہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

سیدھے راستہ کی طرف۔

تفسیر آیت ۱۴۲:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ : (عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ ان کو کس بات نے پھیر دیا ہے ان کے اس قبلہ سے جس پر یہ تھے کہہ دیں کہ مشرق و مغرب خدا ہی کے ہیں وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف چلاتا ہے)

سفیہ کی مراد:

السّفهآء۔ کم عقل اصل سفہ کی ہلکا پن ہے۔ اس سے مراد۔ نمبر۱۔ یہود ہیں کیونکہ وہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ناپسند کرتے تھے اور شریعت کے منسوخ ہونے کے قائل نہ تھے۔

نمبر۲۔ منافقین ہیں۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں پر طعن واستہزاء کے بہت دلدادہ تھے۔

نمبر۳۔ مشرکین ہیں کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آباؤ اجداد کے قبلہ سے اعراض کیا پھر اب اس کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ قسم بخدا وہ اپنی قوم کے دین کی طرف بھی ضرور لوٹ آئیں گے۔

نکتہ: معاملے کے پیش آنے سے پہلے بتلانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس عظیم انقلاب کا نفس عادی بن جائے دفعۃً خلاف طبع چیز سے زیادہ گرانی ہوتی ہے نیز مخالف کے اعتراض کا جواب دینے کے لئے طبیعت مستعد ہو جائے۔ جیسا کہ تیر اندازی سے پہلے تیر کو پر لگائے جاتے ہیں۔

قبلہ کا معنی:

مَا وَلّٰهم۔ کس چیز نے ان کو پھیر دیا۔ عن قبلتهم التی كانوا عليها۔ اس سے مراد بیت المقدس لیتے تھے۔ القبلة وہ جہت جس کا نماز میں انسان رخ کرتا ہے کیونکہ نمازی اسی کا سامنا کرتا ہے۔ (اصل میں ہیئت قبلہ کو کہتے ہیں) قل للّٰه المشرق والمغرب۔ کہہ دیں کہ مشرق و مغرب خدا ہی کے ہیں۔ یعنی مشرق و مغرب کے علاقے اور تمام زمین اسی کی ملکیت ہے۔ یهدی من يشآء الی صراط مستقیم۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف چلاتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا جو اعتدال والی ہے تاکہ تم ہو جاؤ لوگوں پر گواہ اور ہو جائے رسول تم پر

شَهِيْدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ

گواہ اور جس قبلہ پر آپ تھے اسے ہم نے مقرر نہیں کیا مگر اس لئے کہ ہم جان لیں کون اتباع کرتا ہے رسول کا اس سے ممتاز ہو کر جو

يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۗ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۗ

پیچھے پلٹ جاتا ہے اپنے الٹے پاؤں، اور بے شک یہ قبلہ بدلنا بھاری بات ہے مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱۴۳)

اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ضائع کرے تمہارے ایمان کو بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا مشفق مہربان ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۖ فَوَلِّ

ہم دیکھ رہے ہیں آپ کا آسمان کی طرف بار بار منہ اٹھانا پس ہم آپ کو ضرور ضرور متوجہ کردیں گے ایسے قبلہ کی طرف جس سے آپ راضی ہوں گے سو آپ پھیر دیجئے

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف، اور جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو سو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف متوجہ کیا کرو

شَطْرَهٗ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۗ

اور بلاشبہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی وہ ضرور جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حکم حق ہے۔ ان کے رب کی طرف سے ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (۱۴۴)

اور اللہ غافل نہیں ہے ان کاموں سے جن کو وہ کرتے ہیں

درست قبلہ؟

مستقیم۔ برابر، درست یعنی جس کو چاہتا ہے اس کی راہنمائی درست قبلہ کی طرف کر دیتا ہے۔
نمبرا۔ اور وہ کعبہ ہے جس کی طرف ہمیں رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
یا نمبر۲۔ تمام مکان اللہ ہی کے ہیں۔ پس وہ جدھر چاہتا ہے ادھر رخ کرنے کا حکم دیتا ہے کبھی کعبہ کی طرف اور کبھی بیت المقدس کی طرف (اس میں خصوصیت مکانی کو دخل نہیں) اور نہ کسی کو اعتراض کا حق ہے۔ کیونکہ حقیقی اکیلا بادشاہ وہی ہے۔

تفسیر آیت ۱۴۳:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا : (اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا) كذلك جعلنكم اس عجیب بنانے کی طرح ہم نے تمہیں بنایا۔

نحوی تحقیق:

نحو : كذلك میں کاف تشبیہ کے لئے ہے اور ذا اسم اشارہ ہے جو کاف کا مجرور ہے لام اشارہ قریب (ذا) اور اشارہ بعید کے درمیان فرق کے لئے لایا گیا۔ ک ضمیر خطاب ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔

امت وسط کا معنی:

امۃ وسطا نمبرا۔ افضل و بہتر۔ بہتر کو وسط بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ خرابی اطراف میں جلد اثر پذیر ہوتی ہے اور درمیان محفوظ رہتا ہے۔

سب سے بہتر قبلہ:

مطلب یہ ہے جس طرح میں نے تمہارا قبلہ سب قبلوں سے بہتر بنایا۔ اسی طرح میں نے تمہیں سب سے افضل امت بنایا اور بنانے کی وجہ یہ ہے تاکہ تم غور سے وہ دلائل جان لو جو تمہارے لئے مقرر کیے گئے۔ اور تم پر کتاب اتاری گئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی بخل نہیں کیا اور نہ ظلم، بلکہ راستے واضح کر دیئے اور رسولوں کو روانہ فرمایا۔ جنہوں نے اس کے پیغامات کو پہنچا دیا اور امتوں کی کامل خیر خواہی کی مگر پھر بھی کفار کو ان کی بدبختی نے شہوات کی پیروی اور دلائل سے اعراض کی طرف موڑ دیا۔
پس اے امت محمد یہ تم اس بات کی گواہی اپنے ہم عصروں اور اپنے سے ماقبل اور مابعد کے متعلق دو گے۔

وسط کی تفسیر دوم:

وسط کا معنی معتدل۔ کیونکہ وسط اطراف کے درمیان میں ہوتا ہے وہ کسی بھی طرف کے قریب تر یا بعید نہیں ہوتا۔ معنی یہ ہوگا۔ جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ کو مشرق و مغرب کے درمیان معتدل بنایا۔ اسی طرح تمہیں معتدل امت بنایا۔ جو غلو اور تقصیر کے درمیان ہے۔ پس تم نہ تو نصاریٰ جیسا غلو کرتے ہو کہ مسیح علیہ السلام کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا اور نہ کوتاہی کرنے والے ہو جس طرح یہود نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا پر تہمت زنا لگائی اور عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) ولد الزنا قرار دیا۔

علت امت وسط:

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ (تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو) نحو: شهدآ غیر منصرف ہے اس میں الف ممدودہ برائے تانیث ہے۔
عَلَى النَّاسِ: یہ شہداء کا صلہ ہے یکون الرسول علیکم شھیدا اور رسول تم پر گواہ ہوں یہ لتکونوا پر عطف ہے (لام تعلیلیہ لا کرامت وسط کی علت بیان کردی)

روایت میں ہے کہ امتیں قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا انکار کردیں گی۔ پس اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے ان کے پیغام پہنچانے کے گواہ طلب کرے گا۔ حالانکہ وہ تو خوب جانتا ہے پس امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہی کے لئے لایا جائے گا۔ وہ گواہی دیں گے تو اس وقت امتیں کہیں گی۔ تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے پیغام پہنچایا۔ پس امت محمد یہ جواب دے گی۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطلاع دینے سے معلوم کیا جو اس نے اپنے پیغمبر صادق کی زبان پر اتاری۔ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا اور امت کا حال دریافت کیا جائے گا۔ پس آپ اپنی امت کی عدالت کی گواہی دیں گے اور تزکیہ کا سٹرفکیٹ عنایت کریں گے۔ باقی شہادت کبھی بلا مشاہدہ بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مشہور اشیاء کے بارے میں سن کر شہادت۔

لفظ عَلٰی کا راز:

یہ حرف استعلاء ہے اور شہادت نگرانی کی طرح ہے اور شہید نگران کی طرح ہے اسی لئے کلمہ استعلاء لائے۔ جیسا ارشاد الٰہی ہے۔
کنت انت الرقیب علیھم مائدہ آیت نمبر ۱۱۷

ایک اور تفسیر:

یہ ہے تاکہ تم لوگوں پر دنیا میں گواہی دینے والے بنو یہ شہادت عدول واخیار کی معتبر ہے۔
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا: (اور رسول اللہ تم پر گواہ ہوں) یعنی رسول تمہارا تزکیہ کریں اور عدالت بیان کریں گے۔

قول شیخ ابومنصور رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی صفت عدل سے بیان کی اور عادل ہی مستحق شہادت ہے اور اسی کی شہادت قابل قبول ہے۔ پس جب امت کے لوگ کسی بات پر جمع ہو جائیں اور اس کی گواہی دے دیں۔ تو اس بات کا قبول کرنا ضروری ہے۔
نکتہ: شہادت کے لفظ کا صلہ پہلی مرتبہ تو بعد میں لائے اور دوسری مرتبہ پہلے لائے۔ کیونکہ پہلی دفعہ میں امتوں کے خلاف ان کی شہادت کو ثابت کرنے کا ذکر ہے اور دوسرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص امت کے حق میں گواہی دینا مذکور ہے۔ (علیکم کی تقدیم کیا لطف دے رہی ہے)

القبلہ کی مراد:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ: (اور نہیں بنایا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ پہلے تھے) یعنی نہیں بنایا ہم نے اس قبلہ والی

جہت کو جس پر آپ تھے۔ اور وہ کعبہ ہے پس التی کنت علیها یہ القبلہ کی صفت نہیں بلکہ یہ جعل کا مفعول دوم ہے۔ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں کعبہ کی طرف نماز ادا کرتے تھے پھر ہجرت کے بعد بیت المقدس کی طرف نماز کا حکم ہوا۔ تا کہ یہود مانوس ہوں۔ (آپ کا نبی قبلتین ہونا تورات میں ہے اس لئے صخرہ کی طرف نماز کا حکم ہوا۔

اصول : اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سنت کا نسخ کتاب اللہ سے جائز ہے۔ (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے) کیونکہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنا وحی غیر متلو سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن مجید کی آیت سے ہوا۔

نعلم کی تفسیر:

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ : (مگر اس لئے کہ ہم ظاہر کر دیں ان لوگوں کو جو پیروی کریں رسول کی ان لوگوں سے جو پھر جائیں الٹے پاؤں) نمبرا۔ یعنی تبدیلی کعبہ والی جہت جو آپ کو پسند ہے۔ اس غرض سے ہوئی۔ تا کہ ہم اس شخص کو جان لیں جو اسلام پر پختگی سے قائم رہنے والا ہے اور کون اضطراب کی وجہ سے الٹے پاؤں پھرنے والا ہے۔ اس سے یہ بتلایا کہ تحویل قبلہ کے وقت کئی لوگ اسلام سے پھر جائیں گے۔

قول شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **لنعلم** کا معنی یہ ہے کہ جس شخص یا چیز کا ہم پہلے ہونا جانتے تھے۔ اس کا موجود ہونا جان لیں۔ یعنی ہمارا علم اس کے وجود سے متعلق ہو جائے کہ وہ پائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اس شئ کو جانتا ہے جس کے وجود کا وہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ چیز اس وقت پائی جائے گی جس میں وہ اس کا وجود چاہے گا اور ازل میں یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی فلاں شئ کو جواب تک موجود نہیں ہوئی۔ ازل میں موجود جانتا ہے۔ کیونکہ جو شئ موجود نہیں ہوئی اس کو موجود کس طرح جان سکتا ہے۔ پس جب وہ وجود میں آ جائے گی تو وہ علم ازلی کے تحت داخل ہو جائے گا۔ پس وہ چیز اس کو معلوم ہو جائے گی اور وہ موجود ہو جائے گی۔ تو اس اعتبار سے تبدیلی معلوم میں آئی۔ علم میں تبدیلی لازم نہیں آئی۔

دیگر اقوال:

یا دوسرا قول یہ ہے تا کہ ہم جدا کر دیں تابع کو نافرمان سے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (الانفال: ۳۷) پس اس قول میں علم کی جگہ تمیز کا لفظ لایا گیا۔ کیونکہ تمیز علم سے حاصل ہوتی ہے۔

یا تیسرا قول : تا کہ رسول اللہ ﷺ اور مؤمن جان لیں گویا ان کے علم کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔

یا چوتھا قول : یہ ہے کہ جو نہیں جانتے ان کو ملاطفت کے طور پر خطاب کیا جس طرح کہتے ہیں۔ اس آدمی کو جو سونے کے پگھلنے کا منکر ہو۔ فلنلقه فی النار لنعلم أیذوب۔ کہ ہم اس کو آگ میں ڈالتے ہیں۔ تا کہ ہم جان لیں کہ آیا وہ پگھلتا ہے۔

(تو یہاں منکر کو سمجھانے کے لئے اپنے آپ کو اس کے ساتھ شامل کر کے اس پر فعل کو ثابت کرنا مقصود ہے) آیت میں بھی نعلم کا صیغۂ خطاب ان سے ملاطفت کے لئے استعمال فرمایا گیا ہے۔

لکبیرہ کی تفسیر:

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً :(بے شک یہ گراں گزرا ہے)یعنی تحویل یا جعل یعنی کرنا' بنانا یا قبلہ۔نحو۔کانت کی ضمیر ان تین میں سے کسی ایک کی طرف ہے۔

لکبیرۃً بھاری اور گراں۔یہاں اِنْ دراصل اِنَّ ہے اور لکبیرۃ،کان کی خبر ہے اور لام ان شرطیہ اور مخففہ میں فرق کیلئے لایا گیا ہے۔

اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ :(مگران پر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی)یعنی اللہ تعالیٰ نے جن کو ہدایت و اتباع رسول پر صادق وثابت قدم فرمایا۔

ایمان سے مراد نماز ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ :(اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کر دے تمہارے ایمان)ایمان سے مراد بیت المقدس کی طرف پڑھی جانے والی نمازیں ہیں۔نماز کو یہاں ایمان فرمایا۔کیونکہ نماز اہل ایمان پر ہی واجب ہے اور وہی اس کو قبول کرنے والے ہیں اور جماعت کے ساتھ اس کی ادائیگی علامت ایمان ہے۔

شانِ نزول : جب رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر لیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا۔ان لوگوں کا کیا بنے گا؟ جو تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے۔تو یہ آیت اتری۔(بخاری و مسلم)

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ :(بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت رکھنے والے بڑے مہربان ہیں)یہ ماقبل کی تعلیل ہے۔(یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کی کی ہوئی عبادات جو اس کے حکم کے مطابق تھیں ضائع کر دے)

اختلافِ قراءت :حجازی' شامی' حفص رحمہم اللہ نے لَرَءُوْفٌ کو فعول کے وزن پر ضمہ کو خوب ظاہر کر کے پڑھا اور دیگر قراء نے فَعُلٌ کے وزن پر اختلاس حرکت کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔الرأفۃ بہت زیادہ رحمت و شفقت۔رحیمٌ مہربان جو ان کے اجر کو ضائع نہ کرے گا۔

نکتہ :(دونوں کو اسی طرح جمع کر دیا جیسا بسم اللہ میں الرحمٰن الرحیم کو(بہت زیادہ رحمت کو مقدم اور خصوصی کو مؤخر لایا گیا۔نیز مقطع آیات کا بھی لحاظ ہو گیا)

توقع رسول اللہ ﷺ :

۱۴۴:قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ :(ہم دیکھ رہے ہیں آپ کے منہ کا آسمان کی طرف بار بار پھرنا)تقلّب کا معنی بار بار چہرے کا لوٹانا۔اور نگاہ کا آسمان کی طرف پھیرنا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے رب سے توقع رکھتے تھے۔کہ وہ آپ کا رخ کعبہ کی طرف ابراہیم ؑ کی موافقت اور یہود کی مخالفت میں پھیر دیں گے۔اسلئے کہ آپ اہل عرب کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور کعبہ اہل عرب کیلئے باعث فخر زیارت گاہ اور طواف کا مقام تھا۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا :(بس ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جس کو آپ پسند کرتے ہیں)

فلنولینك کا معنی۔ نمبرا۔ضرور ہم آپ کواس کے استقبال پر قدرت عطا کر دیں گے۔ یہ اس طرح ہے جیسے کہتے ہیں۔ ولیتہٗ کذا۔ جب تم اس کواس چیز کا والی بنادو۔

نمبر۲۔ ہم آپ کو بیت المقدس کی سمت کی بجائے بیت اللہ کی سمت کے قریب کر دیں گے۔

ترضٰها۔ تو پسند کرتا ہے اوراس کی طرف صحیح اغراض کے پیش نظر میلان رکھتا ہے۔ مگران اغراض کو دل میں رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مشیت وحکمت کی موافقت کرنے والا ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ : (تم اب پھیرلواپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف)

شطر کا معنی:

اصل میں ''الگ'' ہے پھر طرف کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ یہ ظرف ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ یعنی اجعل تولیة الوجه تلقاء المسجد۔ یعنی اس کی طرف' اس کی سمت میں۔

عین قبلے کا استقبال دُور والے کے لئے مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی بجائے مسجد حرام کا ذکر کر کے ثابت کر دیا۔ کہ جہت قبلہ کی رعایت ضروری ہے۔ عین کعبہ کی نہیں۔

روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ قدم رنجہ فرمانے کے بعد سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ پھر کعبہ کی طرف رخ کرلیا۔

(تحویل صحیح قول کے مطابق ۱۵ رجب ۲ھ بدر سے دو ماہ قبل بوقت زوال ہوئی جبکہ ہجرت ۵ ربیع الاول بروز سوموار اور مدینہ میں ۱۲ ربیع الاول بروز سوموار تشریف آوری ہوئی اس سے سولہ ماہ اور چند دن بنتے ہیں)

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ : (اور تم جہاں کہیں ہو) یعنی جس زمین میں ہو اور نماز کا ارادہ کرو تو۔

فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ط وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ :(تم اپنے منہ اسی کی طرف کرلیا کرو اور وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ برحق ہے ان کے رب کی طرف سے) یعنی تحویل قبلہ برحق ہے کیونکہ بشارات انبیاء میں موجود تھا کہ وہ رسول دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے۔

واحدی کا قول:

(بقول واحدی آپ نے مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھائی تو اسی میں تحویل ہوئی یہ مسجد قبلتین ہے۔ بخاری میں ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف پڑھی جانے والی عصر ہے قباء والوں نے دوسرے دن فجر میں تحویل کی خبر پر عمل کیا۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ کعبہ کے اندر آپ نے دوستون بائیں ایک دائیں کے درمیان بیت اللہ کے اندر نماز پڑھی۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ : (اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں)

اختلافِ قراءت:

مکی۔ ابوعمرو' نافع وعاصم رحمہم اللہ نے یعملون پڑھا ہے اور دیگر قراء نے تاء کے ساتھ پہلی قراءت کے مطابق یہ کفار کے

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی اگر آپ ان کے پاس تمام دلیلیں لے آئیں تب بھی آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے۔ اور نہ

اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں، اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں۔ اور البتہ اگر آپ نے اس کے بعد کہ آپ کے پاس

اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

علم آچکا ہے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو بے شک آپ اس وقت یقیناً ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے

وقف لازم

لئے وعید ہے ان کے انکار پر سزا سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ضرور تمہیں سزا دے گا۔

اور دوسری قراءت کے مطابق ایمان والوں سے قبول واداء کا ثواب دینے کا وعدہ ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں وہ ضرور ثواب دیں گے۔

تفسیر آیت ۱۴۵: وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ :(اگر آپ لے آئیں تمام دلائل ان لوگوں کے پاس جن کو کتاب دی گئی تو وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے)

عنادی لوگ:

اوتوا الکتب۔ وہ لوگ مراد ہیں جو حسد وعناد رکھتے ہیں اٰیۃ سے مراد قطعی دلیل کہ کعبہ کی طرف رخ نہ کرنا ہی برحق ہے۔ ماتبعوا قبلتك وہ آپ کے قبلہ کی اتباع نہیں کرینگے کیونکہ انکا آپ کی اتباع نہ کرنا۔ کسی شبہ کی وجہ سے نہیں کہ جس کو دلیل سے زائل کر دیا جائے۔ تو وہ ماننے لگیں بلکہ ترک اتباع محض حسد وعناد اور ضد کی وجہ سے ہے اسلئے کہ وہ آپ کی صفات اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔ جس سے آپ کا حق پر ہونا ان کو خوب معلوم ہے۔ ماتبعوا یہ جواب قسم ہے جو کہ جواب شرط کے قائم مقام آیا ہے۔

تمنائے یہود کا جواب:

وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ :(اور آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں) اس میں اہل کتاب کی رسول اللہؐ کے متعلق رجوع الی القبلہ کی تمنا کو ختم کرنا مقصود ہے۔ اسلئے کہ اس سلسلہ میں وہ بڑے بے تاب تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر یہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ممکن ہے ہم ان کو نبی منتظر مان لیتے اور یہ بات صرف اسی خاطر کہتے کہ آپ دوبارہ ان کے قبلہ کی طرف لوٹ جائیں اور قبلہ آپ کا اور انکا ایک ہو جائے حالانکہ یہود ونصاریٰ کا خود الگ الگ قبلہ ہے۔ مگر باطل پر اور حق کے خلاف ہونے میں دونوں یکساں ہیں۔ (اسلئے قبلتھم کو واحد لایا گیا) جب انکے قبلے موافق نہیں تو آپ سے قبلہ میں موافقت کا مطالبہ بیجا ہے۔

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ (اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں)۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ :(اگر آپ ان کی خواہشات کا اتباع کریں اس علم کے حاصل

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِيْقًا

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بلاشبہ ان میں سے ایک فریق

مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤٦﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ

ایسا ہے جو ضرور حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں، حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ ع

نہ ہو جائیں۔

وقف منزل

١٧ ع ٢

ہو جانے کے بعد) نمبر ا۔ یعنی کعبہ کے قبلہ ہونے کے روشن دلائل آ جانے اور اسلام کے دین برحق ہونے کا علم ہو جانے پر۔

ثبات پر اُبھارنا:

اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ: (تو بے شک ایسی حالت میں آپ بھی نافرمانوں میں سے ہوں گے) یعنی ظلم صریح کا ارتکاب کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اس آیت میں سامعین کے ساتھ مہربانی کی گئی ہے اور حق پر ثبات کے لئے ان کو آمادہ کیا گیا ہے اور ایسے آدمی کو خبردار کیا گیا جو روشن دلیل کے بعد خواہشات کی اتباع کرنے لگے۔

خطاب بامت:

دوسرا قول: کہ ظاہراً خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے۔ الظالمین پر وقف لازم ہے ورنہ معنی بگڑ جاتا ہے۔

(یہ آیت مخالف عصمت نہیں کیونکہ یہ قضیہ شرطیہ ہے جس کے طرفین کا صدق لازم نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے دوسری آیت ان کان للرّحمٰن ولد فانا اول العابدین)

تفسیر آیت: يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ:

١٤٦: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ: (جن کو ہم نے کتاب دی وہ محمد ﷺ کو پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) نحو۔ الذین یہ کلام مبتدا اور یعرفونه اس کی خبر ہے ہٗ کی ضمیر سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ یہی راجح ہے۔ بعض نے قرآن اور تحویل قبلہ بھی کہا مگر وہ مرجوح ہے۔ کیونکہ کما یعرفون ابناء هم فرمایا۔ اگر ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی تو ابناء کی بجائے تورات لاتے۔ عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا میں آپ کو اپنے بیٹے سے بھی زیادہ پہچانتا ہوں۔ عمرؓ نے کہا وہ کیسے؟ تو انہوں نے جواب دیا مجھے محمد ﷺ کے نبی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ باقی میرا بیٹا (تو اسکے متعلق گمان ہے) شاید اسکی والدہ نے خیانت کی ہو۔ اس پر عمرؓ نے انکے سر کو چوما۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ: (کچھ لوگ ان میں سے حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں) فریق سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام نہیں لائے اور ان کی حق پوشی کی بنیاد حسد و عناد ہے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کی کتاب میں واضح کر دیا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

اور ہر جماعت کے لئے ایک جہت ہے، جس کی طرف وہ اپنا رخ کرنے والے ہیں۔ لہٰذا تم نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو، جہاں کہیں بھی تم ہوگے اللہ تعالیٰ تم سب کو لے

جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

آئے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الحق کی مراد:

۱۴۷۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ: (حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں) الحق ۔نمبر ۱۔ الف لام جنس کا ہے یعنی حق وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نہ کہ کسی غیر کی طرف سے۔

مطلب یہ ہے کہ حق وہی ہے جس کا برحق ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت ہو۔ جیسا کہ وہ جس پر آپ ہیں اور جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہونا ثابت نہ ہو وہ باطل ہے۔ جیسا کہ اہل کتاب جس کو لیے پھرتے ہیں۔

نمبر ۲: یا الف لام عہد کا ہے اس سے خاص وہ حق مراد ہے۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

نحو : الحق مبتداء من ربك خبر ہے۔ یا مبتداء محذوف ہو اور یہ خبر اور من ربك دوسری خبر یا حال۔ الممترین کا معنی رب تعالیٰ کی طرف سے ہونے میں شک کرنے والے۔

تفسیر آیت ۱۴۸:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: (ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرنے والا ہے پس تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔ تم جہاں کہیں ہو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اکٹھا لائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) یعنی ادیان مختلفہ میں سے ہر گروہ کا ایک قبلہ ہے۔

مرجع ضمیر:

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قراءت میں وجھۃ کو وجھۂ پڑھا۔ هُوَ۔ یہ کل کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہے۔ مولیھا۔ نمبر ۱۔ ھا ضمیر وجھۃ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی ھو مولیھا وجھۃ۔ وہ پھیرنے والا ہے اس کی طرف اپنا منہ۔ پس ایک مفعول حذف کر دیا۔

دوسرا قول: هُوَ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ خاص اس کو اس کی طرف پھیرنے والے ہیں۔

قراءت: شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مُوَلَّاهَا پڑھا یعنی وہ حقیقی مولیٰ ہے اس جہت کا جس کا یہ والی بنایا گیا۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہر امت خواہ تم میں سے ہو یا تمہارے غیروں میں سے اس کے لئے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہوتی ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ

اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔ اور بلاشبہ یہ ضرور حق ہے

مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

آپ کے رب کی طرف سے، اور اللہ غافل نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو، اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۙ

طرف پھیر دیجئے اور جہاں کہیں بھی تم ہو سو اپنے چہرے اس کی طرف پھیر لو،

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔ سوائے ان کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا۔ لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو

وَاخْشَوْنِي ۚ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

اور مجھ سے ڈرو تاکہ میں پوری کر دوں تم پر اپنی نعمت اور تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

سبقت کی تفسیر میں اقوال:

فاستبقوا الخیرات۔تم بھلائیوں کی طرف دوسروں سے آگے بڑھو۔ خواہ وہ قبلہ کا معاملہ ہو یا دیگر این ماتکونوا۔ یعنی جہاں بھی تم ہو اور تمہارے دشمن ہوں گے۔ یات بکم اللہ جمیعا۔ اللہ عزوجل تم کو لے آئے گا قیامت کے دن پس حق پرست اور باطل پرست کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

دوسرا قول:

(اے امت محمدؐ! تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک طرف ہے جنوبی یا شمالی یا شرقی یا غربی جس کی طرف منہ کر کے وہ نماز پڑھتا ہے۔تم اطراف کے فاصلوں کی طرف سبقت کرو۔ وہی اطراف کعبہ کی چوکھٹ ہے۔ اگرچہ وہ مختلف ہیں۔ این ماتکونوا۔ تم مختلف جہات میں سے جس طرف ہوگے۔ یات بکم اللہ یعنی اللہ تم کو جمع کر دیں گے اور تمہاری نماز کو اس طرح قرار دیں گے۔ گویا وہ ایک طرف ہی پڑھی گئی اور گویا تم سب مسجد حرام میں حاضر ہو کر نماز پڑھ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔

تفسیر آیت ۱۴۹:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ : (جس جگہ سے آپ نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیں اور وہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو بے خبر نہیں) ومن حیث یعنی شہر سے تم سفر کے لئے نکلو تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ جب نماز پڑھو۔

وانهٗ ۔ بے شک یہ حکم تیرے رب کی طرف سے برحق ہے اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔
قراءت : (ابوعمرو نے یاء کے ساتھ پڑھا۔ یعملون۔

تفسیر آیت ۱۵۰ ...... وجہ تاکید :

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ : (اور اے محمد ﷺ جہاں کہیں سے آپ نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیجئے ۔ اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو تو اپنا منہ اس طرف کر لیا کرو۔) ومن حیث سے حکم کو دوبارہ بیان کر کے تاکید کر دی اور حکم کو پختہ کر دیا۔ کیونکہ نسخ کا حکم محل فتنہ اور شبہ کا باعث ہے پس مناسب ہوا کہ مسئلہ دوبارہ لائے تاکہ وہ ثابت قدم ہو جائیں اور ہر ایک موقعہ سے وہ چیزیں معلق کیں جو دوسرے مقام میں معلق نہ کیں ۔ جس سے دوبارہ لانے سے فوائد مختلف ہوگئے ۔ پہلی مرتبہ شرف نبوی کو اوّل مرتبہ ذکر کیا۔ پھر علت ذکر کی ۔ کہ ہر نبی کا قبلہ الگ ہوتا ہے اس آیت میں شرف نبوی اور علت دونوں کو ذکر کر دیا۔

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ : (تاکہ لوگوں کا تم پر الزام نہ رہے) یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ نے قبلہ کے سلسلہ میں حجت کا طریقہ بتلایا۔ جو کہ ولکل وجهة میں ذکر کیا گیا۔ الناس سے مراد یہود ہیں۔ علیکم حجة تورات میں جو تحویل قبلہ مذکور ہے اس کے خلاف کوئی دلیل نہ رہے۔ یہاں معاندین کی بات کو حجت کہا۔ کیونکہ وہ اپنی بات بطور حجت ہی کرتے تھے۔

ترک بیت المقدس قوم کی رعایت ہے :

اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ : (سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہیں) نمبر ا ۔ یہ الناس سے استثناء ہے یعنی تاکہ لوگوں کے پاس کوئی حجت جس سے وہ تم پر اعتراض کر سکیں نہ رہے۔ مگر ظالم کہ ان کے پاس تو سرے سے حجت ہوتی ہی نہیں ۔ یہود اس طرح کہتے ہیں ۔ کہ اس نے بیت المقدس کا قبلہ اپنی قوم کی رعایت کی خاطر ترک کیا ہے اور اپنے وطن کی محبت کی خاطر چھوڑا ہے۔ اگر یہ حق پر ہوتے تو انبیاء علیہم السلام کے قبلہ کو لازم پکڑتے۔

ظالم سے مراد کون؟

نمبر ۲ ۔ دوسرا قول : یہ ہے تاکہ عرب کے پاس تمہارے خلاف الزام اعتراض نہ رہے۔ کہ تم نے کعبہ کی طرف منہ کرنا ترک کر دیا۔ جو کہ ابراہیم ؑ واسماعیل ؑ کا قبلہ ہے جو کہ تمام عرب کے جد امجد ہیں ۔ مگر وہ لوگ جو ان میں سے ظالم ہیں اور وہ اہل مکہ ہیں کہ جو اب اس طرح کہنے لگے ہیں کہ اب اپنے آباؤ اجداد کے قبلہ کی طرف لوٹنا شروع ہوئے ہیں۔ عنقریب انکے دین کی طرف بھی لوٹ آئینگے۔

طعن سے مت گھبراؤ :

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ : (پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔ تاکہ میں اپنا فضل تم پر پورا کروں اور تم ہدایت پاؤ) فلا تخشوهم یہ جملہ مستانفہ بطور تنبیہ لایا گیا۔ کہ تم اے مسلمانو! کفار کے قبلہ کے سلسلہ میں طعن و تشنیع سے مت گھبراؤ۔ انکے طعن تمہارا کچھ بھی نقصان نہ کر سکیں گے اور مجھ سے ڈرو اور میرے حکموں کی مخالفت نہ کرو۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ

جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے اندر ایک رسول جو تم میں سے ہے وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیات اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ

تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ چیزیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ سو تم مجھ کو یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، اور میرا شکر کرو،

وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

اور میری ناشکری نہ کرو۔

معانقہ ۲۳ ع ۵ ۱۸ ۲

نحوی تحقیق:

ولا تم۔ نمبر ا۔ یہ لئلا پر عطف ہے یعنی عرفتکم لئلا یکون حجة ولا تم نعمتی علیکم بھدایتی ایا کم الی الکعبة۔ میں نے تمہیں بتلا دیا تا کہ تمہارے خلاف ان کے پاس کوئی حجت نہ رہے اور تا کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں تمہاری کعبہ کی طرف راہنمائی کروں تا کہ تم قبلۂ ابراہیم کی طرف راہ پاؤ۔

تفسیر آیت ۱۵۱:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔

(جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے جو پڑھتے ہیں تم پر ہماری آیات اور تم کو پاک وصاف کرتے ہیں اور کتاب وحکمت تم کو سکھاتے ہیں اور جو باتیں تم نہ جانتے تھے وہ تم کو بتاتے ہیں)

کاف کا تعلق ماقبل سے ہے یا مابعد سے:

قول اوّل: (کما ارسلنا۔ کاف کا تعلق ماقبل سے مانیں تو عبارت اس طرح ہوگی۔ ولا تم نعمتی علیکم فی الاٰخرة بالثواب کما اتممتھا علیکم فی الدنیا بارسال الرسول۔

اور تا کہ میں اپنی نعمت تم پر آخرت میں ثواب دے کر پوری کروں کہ جس طرح کہ میں نے اس نعمت کو دنیا میں رسول بھیج کر پورا کیا۔ اس صورت میں تھتدون پر وقف نہیں۔

دوسرا قول: (کاف کا تعلق مابعد سے ہو۔ای کما ذکرتکم بارسال الرسول فاذکرونی بالطاعة اذکرکم بالثواب یعنی جس طرح میں نے تمہیں رسول بھیج کر یاد رکھا۔ تو تم اطاعت سے مجھے یاد رکھو۔ میں ثواب سے تمہیں یاد رکھوں گا۔ اس صورت میں تھتدون پر وقف لازم ہے۔ منکم سے عرب مراد ہیں۔ یتلوا کا معنی پڑھتا ہے۔ 'ایاتنا سے قرآن مجید اور الکتاب سے بھی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا ادراک نہیں کرتے۔

قرآن مجید مراد ہے الحکمة سے سنت وفقہ مالم تکونوا تعلمون سے مراد وہ باتیں ہیں کہ جن کی پہچان کا سوائے وحی کے کوئی راستہ نہ تھا۔

تفسیر آیت ۱۵۲......ذکر کی بابت چھ اقوال:

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ :(تم مجھے یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا۔ اور میرا احسان مانو اور میری ناشکری نہ کرو) نمبرا۔ فاذکرونی پس تم مجھے مقدور بھر یاد کرو۔ اذکرکم میں تمہیں مغفرت سے یاد کروں گا۔

دوسرا قول: تم مجھے ثناء سے یاد کرو۔ میں عطاء سے یاد کروں گا۔

تیسرا قول: تم سوال سے یاد کرو۔ میں نوال سے یاد کروں گا۔

چوتھا قول: تم توبہ سے یاد کرو۔ میں معافی سے یاد کروں گا۔

پانچواں قول: تم اخلاص سے یاد کرو۔ میں چھٹکارے سے یاد کروں گا۔

چھٹا قول: تم مناجات سے یاد کرو۔ میں نجات سے یاد کروں گا۔

واشکرو الی۔ تم میرا ان نعمتوں پر شکریہ ادا کرو۔ جو میں نے تمہیں دیں۔ ولا تکفرون۔ تم میری نعمتوں کا انکار نہ کرو۔

تفسیر آیت ۱۵۳:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ :(اے ایمان والو مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) صبر سے ہر فضیلت حاصل کی جاتی ہے۔ الصلوٰة، نماز ہر رذیلہ سے روکنے والی ہے۔ مع الصابرین۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت اور قبول دعا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر آیت ۱۵۴: شہدائے بدر:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ :(اور تم نہ کہو ان کو جو لوگ مارے جائیں اللہ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ

اور ضرور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں میں اور جانوں اور پھلوں

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا

میں کمی کر کے، اور خوشخبری سنا دیجئے صبر کرنے والوں کو جن کی صفت یہ ہے کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَ

کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے عام رحمتیں ہیں اور خاص رحمت بھی ہے اور

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم سمجھ نہیں سکتے) ولا تقولوا یہ شہدائے بدر کے متعلق نازل ہوئی ان کی تعداد چودہ تھی۔ اموات یہ مبتدا محذوف ھُمْ کی خبر ہے کہ وہ مردہ ہیں۔ بل احیاء یعنی وہ زندہ ہیں۔

عدم شعور کی تفسیر:

لاتشعرون۔ یعنی تم اس کو نہیں جانتے۔ کیونکہ شہید کی زندگی حساً معلوم نہیں ہو سکتی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہداء اللہ کے ہاں زندہ ہیں۔ ان کا رزق ان کی ارواح کو پہنچایا جاتا ہے پس ان کو راحت وخوشی پہنچتی ہے جیسا کہ آگ ال فرعون کی ارواح پر صبح وشام پیش کی جاتی ہے۔ پس ان کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان کو جنت کے پھلوں سے رزق ملتا ہے اور اس کی ہوائیں ان کو پہنچتی ہیں۔ مگر وہ جنت میں نہیں۔

معمولی مصائب سے آزمائش:

۱۵۵۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ :(اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کسی قدر ڈر اور بھوک اور اموال وانفس اور پھلوں کی کمی سے اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوش خبری سنا دیں صبر کرنے والوں کو) ولنبلونکم یعنی ہم کسی قدر مصائب پہنچا کر برکات سماویہ سے مستفید کریں گے جیسے کوئی کسی قوم کو آزمائے آیا وہ بلاء پر صبر کرتے ہیں یا نہیں اور اطاعت پر باقی رہتے ہیں یا نہیں۔ بشیء۔ یعنی تھوڑے سے ان مصائب میں سے اور معمولی سے۔ تنوین تنکیر شیء پر لا کر انتہائی قلت بیان کر دی۔ تا کہ بتلا دیا جائے کہ ہر مصیبت جو انسان کو پہنچتی ہے خواہ وہ کتنی بڑی ہو مگر وہ ان مصائب کے مقابلہ میں قلیل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے بچایا ہوا ہے۔ تا کہ ان بندوں کو دکھلا دیا جائے کہ اللہ کی رحمت کسی حال میں بھی بندے سے جدا نہیں اور مصیبت کے وقوع سے پہلے یہ پیشینگوئی اس لئے دی تا کہ نزول مصائب کے وقت نفس مطمئن رہے

اور وہ پریشانی کے وقت اس کو برداشت کرنے کا خوگر بنالے۔ من الخوف۔ خوف سے دشمن کا خوف یا اللہ کا خوف مراد ہے۔ والجوع سے قحط یا بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صوم رمضان مراد ہے۔ ونقص من الاموال و الانفس۔ کبھی مویشیوں کی موت یا زکوۃ سے (ظاہر ہوگی)

نحو: اس کا عطف شیء پر یا خوف پر ہے یعنی شیء من نقص الاموال۔ تھوڑی سی اموال کی کمی سے والا نفس۔ نفوس کی کمی قتل یا موت یا مرض یا بڑھاپے سے۔ والثمرات۔ ثمرات کی کمی سے۔ کھیتی کے ثمرات (غلہ و پھل) یا اولاد کی موت (بمنزلہ ثمرہ ہے) اولاد بمنزلہ ثمرہ قلب ہے۔

صبر والے لوگ:

بشر الصابرین۔ تم انکو خوش خبری دو۔ جو ان مصائب پر صبر کرنے والے ہیں۔ یا مصائب کے وقت انا للہ کہنے والے ہیں۔ کیونکہ استرجاع اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اسکے حکموں پر یقین کرنا ہے حدیث میں آتا ہے جس نے مصیبت کے وقت استرجاع کیا اللہ تعالیٰ اسکی مصیبت کو درست کردیتے ہیں اور اسکا انجام اچھا کردیتے ہیں اور اچھا پسندیدہ بدلہ عنایت فرماتے ہیں۔ (بیہقی۔ طبرانی)

روایت ابوداؤد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ بجھ گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انا للہ پڑھا تو صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جی ہاں! ہر وہ چیز جس سے مؤمن کو ایذاء پہنچے۔ (ابوداؤد)

کم کا مخاطب:

کم نمبرا۔ کا خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا گیا۔
نمبر۲۔ دوسرا قول: ہر وہ شخص مراد ہے جو بشارت کے لائق ہو۔

تفسیر آیت ۱۵۶:

الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ: (جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)

نحوی تحقیق:

نمبرا۔ الذین۔ صابرین کی صفت ہونے کی بناء پر منصوب ہے اس صورت میں اس پر وقف نہیں۔ بلکہ راجعون پر وقف ہے۔
نمبر۲۔ صابرین پر وقف کریں تو الذین مبتدا ہے اور اولئک خبر ہے۔ مگر پہلی صورت زیادہ بہتر ہے کیونکہ الذین اور اس کا صلہ وغیرہ صبر کا بیان ہے۔ اذا اصابتھم مصیبة سے مراد ناپسندیدہ بات یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اصابت کا معنی لحقت بمعنی پہنچنا۔ ملنا ہے۔ مصیبة پر وقف نہیں کیونکہ قالوا یہ اذا کا جواب ہے اور یہ شرط جزاء مل کر الذین کا صلہ ہے۔ انا للّٰہ۔ یہ اللہ کی مالکیت کا اقرار و اعتراف ہے اور انا الیه راجعون اپنے نفوس کے متعلق فناء کا اقرار ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ سو جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

اس پر اس بات میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آنا جانا کرے اور جو شخص خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ

شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

قدردان ہے جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت ۱۵۷:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ :(یہ وہی لوگ ہیں جن پر رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت پر ہیں)

رحمت وصلوٰۃ کے جمع کی حکمت:

الصلوات جمع صلوٰۃ شفقت ومہربانی۔ اس کو رأفة بمعنی مہربانی کی جگہ لائے اور رحمت اور صلوٰۃ کو جمع کر دیا۔ جیسا سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۱۷ میں رؤف رحیم۔ اور سورۃ الحدید میں رأفة و رحمة۔ اب مطلب یہ ہوا ان پر مہربانی کے بعد مہربانی اور رحمت کے بعد رحمت ہے۔ (صلوٰت کو جمع لانے میں انواع کی طرف اشارہ ہے) و اولئك هم المهتدون۔ وہ وہی راہ پانے والے ہیں۔ سیدھے راستے کی طرف اس لئے کہ انہوں نے استرجاع کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ دو چیزیں بہترین ساتھی ہیں اور ان پر ایک شاندار اضافہ ہے اور وہ صلوٰۃ اور رحمت ہیں اور اضافہ زیادتی ہدایت ہے۔

تفسیر آیت ۱۵۸:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ :(بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے۔ تو اس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے اور جو شوق سے کوئی نیکی کرے۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ قدردان واقف کار ہیں)

ان الصفا و المروة۔ صفا و مروہ مکہ میں دو پہاڑ ہیں۔ من شعائر الله۔ شعائر جمع شعيرة علامت کو کہتے ہیں۔ شعائر اللہ سے مراد عبادت کے مقام اور حج کے مقامات ہیں حج البیت کا معنی کعبہ کا قصد کرنا۔ اعتمر زیارت کعبہ کرنا حج لغت میں قصد کرنے اور اعتمار زیارت کرنے کو کہتے ہیں پھر شرعی معنی غالب آ گیا۔ اب دو عبادتوں کے نام ہیں۔ اس کی مثال اعیان میں النجم البیت ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں جو واضح چیزیں ہیں اور ہدایت کی باتیں ہیں بعد اس کے

مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِۙ اُولٰٓىٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَۙ﴿۱۵۹﴾

کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کیا یہ چھپانے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے۔ اور ان پر لعنت بھیجتے ہیں لعنت کرنیوالے،

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا فَاُولٰٓىٕكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْۚ وَ اَنَا

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور بیان کیا سو یہ وہ لوگ ہیں میں جن کی توبہ قبول کروں گا۔ اور میں

التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴿۱۶۰﴾

بہت توبہ قبول کرنے والا ہوں رحیم ہوں۔

لا جناح سے نفی گناہ:

فلا جناح علیہ یعنی اس پر گناہ نہیں۔ نحو: ان یطوف بھما تاء کو طا میں ادغام کیا یتطوف سے یطوف بن گیا۔ الطوف۔ کسی چیز کے گرد چلنا۔ یہاں مراد دونوں کے درمیان سعی کرنا ہے جاہلیت میں صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ دو بت نصب کیے گئے تھے۔ روایت میں ہے کہ یہ دو مرد وعورت تھے جنہوں نے کعبہ میں زنا کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا۔ عبرت کے لئے ان کو پہاڑوں پر رکھ دیا گیا۔ جب طویل عرصہ گزر گیا۔ تو ان کی پوجا شروع ہوگئی۔ اہل جاہلیت سعی میں ان کو ہاتھ لگاتے تھے۔ اسلام نے آکر بت تڑوا دیئے۔ مسلمانوں نے جاہلیت کا فعل سمجھ کر ان کے درمیان طواف کو ناپسند کیا۔ لا جناح کہہ کر گناہ کی نفی کی گئی ہے۔

❶ نکتۂ فقہیہ:

معلوم ہوا کہ ان کے درمیان سعی رکن نہیں جیسا کہ امام مالک وشافعی رحمہما اللہ کا قول ہے۔ و من تطوع خیرا۔ جو کوئی شوق سے کوئی نیکی' ان کا طواف کر کے کرے۔

❷ نکتۂ فقہیہ:

یہاں بھی تطوع کا لفظ رکن نہ ہونے کا اشارہ کر رہا ہے۔

قراءت: حمزہ اور علی نے یطّوّع یا سے پڑھا اصل میں یتطوع ہے تاء کو طا میں ادغام کیا۔ فان اللّٰہ شاکر علیم۔ بے شک اللہ قدر دان ہیں قلیل پر کثیر بدلہ دیتے ہیں۔ علیم۔ جاننے والے ہیں اشیاء کو خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔

تفسیر آیت ۱۵۹:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ اُولٰٓىٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے سو یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا،

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع

اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمٰن ہے، رحیم ہے ۔

وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ :(بے شک جولوگ چھپاتے ہیں وہ کھلی نشانیاں جو ہم نے فیصلہ اور ہدایت کی اتاریں۔ اسکے بعد کہ ہم نے ان کو کتاب میں لوگوں کیلئے بیان کر دیا۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں)الذین یکتمون یہ چھپانے والے علمائے یہود ہیں۔ ما انزلنا جو اتاری یعنی تورات۔ البینات سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو حضرت محمدؐ کے متعلق شاہد عدل تھیں۔ الھدٰی۔ ہدایت سے مراد آپؐ کے وصف کے سبب اسلام کی طرف راہ پانا ہے بیناہ جس کو ہم نے واضح کر دیا۔

للناس فی الکتاب۔ لوگوں کے لئے تورات میں کہ اس میں کوئی اشکال کی جگہ نہیں چھوڑی مگر انہوں نے اس واضح کا قصد کر کے اس کو چھپا دیا۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتے ہیں اور ان پر ملائکہ اور مؤمن لعنت کرتے ہیں۔

تفسیر آیت ۱۶۰:

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ :(مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور صاف صاف بیان کر دیا۔ پس یہ لوگ ہیں جن کی توبہ میں قبول کروں گا اور میں توبہ کا بڑا قبول کرنے والا مہربان ہوں)تابوا مگر جن لوگوں نے کتمان حق اور ترک ایمان سے توبہ کی۔ اور اصلحوا اور اصلاح کر لی اس خرابی کی جو کر بیٹھے تھے اور جو زیادتی ہوئی تھی اس کا تدارک کر لیا۔ اولٰئک اتوب علیھم۔ ان کی توبہ میں قبول کروں گا اور میں توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔

مستحقین لعنت:

۱۶۱: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ :(بے شک جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مر گئے انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور تمام آدمیوں کی پھٹکار ہے)ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار۔ یعنی ان حق چھپانے والوں میں سے جو مر گئے اور توبہ نہ کی۔

کیا الناس سے مؤمن و کافر دونوں مراد ہیں:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ ان پر اللہ ملائکہ و تمام لوگوں کی زندگی اور موت کے بعد لعنت

ہوگی۔ الناس سے مؤمن مراد ہیں۔ یا مؤمن و کافر دونوں مراد ہیں۔ اس لئے کہ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کو لعنت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف آیت نمبر ۳۸ میں فرمایا: كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا کہ جب ان میں سے ایک جماعت جہنم میں داخل ہو چکے گی۔ تو اپنے بعد میں آنے والی جماعت کو لعنت کرے گی۔

تفسیر آیت ۱۶۲ ...... ینظرون کا معنی:

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ: (ان سے عذاب کو ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ملے گی) خالدین یہ علیهم کی هُمْ ضمیر سے حال ہے فیها اس لعنت میں یا آگ میں ضمیر لائی گئی اس چیز کی بڑائی بیان کرنے اور ڈرانے کے لئے۔ ان سے عذاب کو ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ نمبرا۔ ینظرون۔ انظار سے ہے جس کا معنی مہلت دینا ہے۔ یعنی معذرت کرنے کے لئے مہلت نہ دی جائے گی۔

یا دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ نظر سے ہے کہ ان کو نظر رحمت سے نہ دیکھا جائے گا۔ جیسا فرمایا۔ ولا ینظرا لیهم یوم القیٰمة (الأية)

تفسیر آیت ۱۶۳:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ: (تمہارا معبود وہ ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے)۔

الله واحد۔ الوهیت میں یکتا ہے۔ الوهیت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ دوسرے کو اِلٰه کا نام دینا درست ہے۔ لا الٰه الا هو۔ اس میں وحدانیت کی تقریر اور غیر کی نفی اور اس کے لئے اثبات ہے۔

نحوی تحقیق:

هو مرفوع ہے۔ کیونکہ یہ موضع لا الله کا بدل ہے یہاں نصب جائز نہیں۔ کیونکہ بدل دلالت کرتا ہے کہ اعتماد دوسرے پر ہے اور آیت میں مقصود یہی ہے۔ اگر نصب مانیں تو اس میں اول پر اعتماد ماننا پڑتا ہے (جو کہ درست نہیں) نحو: الرحمٰن الرحیم۔ مرفوع ہے یہ مبتدا کی خبر ہے یعنی وہ تمام نعمتیں۔ وہ اصول ہوں یا فروع ان کا والی ہے۔ کوئی چیز اس کے سواء یہ صفت نہیں رکھتی۔ جو اس کے سواء ہے وہ یا تو خود نعمت ہے بلکہ بدل ہیں کیونکہ ضمیر کی صفت نہیں آتی۔ اب مطلب یہ ہوا کوئی معبود نہیں۔ مگر وہی یعنی بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَ

بلاشبہ آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے میں اور رات و دن کے الٹ پھیر میں اور

الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

کشتیوں میں جو کہ چلتی ہیں سمندر میں وہ سامان لے کر جو لوگوں کو نفع دیتا ہے اور جو کچھ نازل فرمایا اللہ نے

السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ

آسمان سے یعنی پانی پھر زندہ فرمایا اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور پھیلا دیئے زمین میں ہر قسم کے

دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

چلنے پھرنے والے جانور اور ہواؤں کے گردش کرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ضرور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

توحید کے دلائل عقلیہ :

۱۶۴۔ شانِ نزول : مشرکین کو اکیلے معبود پر تعجب ہوا تو انہوں نے اس پر نشانی کا مطالبہ کیا تو یہ آیت اتری۔
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ :(بے شک زمین وآسمان کے پیدا کرنے اوردن رات کی آمدورفت میں اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں وہ چیزیں لے کر جس سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے اور پانی میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا پھر اس سے زمین کو زندہ کر دیا۔ اس کی موت کے بعد اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو آسمان وزمین کے درمیان تابع کیے ہوئے ہیں۔ ان سب میں سمجھدار لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں) اختلاف الیل والنھار۔ دن ورات۔ رنگ میں۔ طول وقصر میں اور آنے جانے میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں مختلف ہیں۔ ینفع الناس۔ کشتی میں جو چیزیں لاد کر لائی جاتی ہیں۔ اس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یا کشتیاں لوگوں کے نفع کے ساتھ چلتی ہیں۔ یعنی چلنے میں فائدہ ہے۔ من السماء۔ یہ من ابتدائیہ ہے من ماءٍ سے بارش مراد ہے یہ من بیانیہ ہے کیونکہ آسمان سے اترنے والی بارش اور دوسری چیزیں ہیں۔ فاحیابہ۔ اس کو انزال پر عطف کیا۔ بہ یعنی پانی کے ساتھ۔ الارض بعد موتھا۔ موت سے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے علاوہ اس کے شریک تجویز کر رکھے ہیں وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی واجب ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ

اور جو لوگ ایمان لائے ان کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے، اور اگر جان لیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جس وقت دیکھیں عذاب کو

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

کہ بلاشبہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

مراد خشک ہونا ہے وبث کو فاحیا پر عطف کیا۔ بَثَّ کا معنی بکھرنا ہے فیھا یعنی زمین میں من کل دآبة۔ دآبة وہ ہے جو رینگ کر چلے۔

ہواؤں کے پھرنے کا معنی:

و تصریف الریاح۔ نمبر۱۔ ہواؤں کا پھیرنا ان کا مشرق و مغرب اور جنوب و شمال سے چلنا اور گرم و ٹھنڈا اور تند، ہلکا اور فائدہ مند اور مضر ہونا ہے۔

نمبر۲۔ دوسرا قول کبھی رحمت کی اور کبھی عذاب کی۔ السحاب المسخر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطیع ہیں۔ جہاں چاہتا ہے وہاں برستے ہیں۔ بین السمآء والارض آسمان و زمین کے درمیان یعنی فضا میں لقوم یعقلون۔ عقل مندوں کے لئے جو عقل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔

پس ان اشیاء سے ان کے ایجاد کرنے والے کی عظیم قدرت اور نو ایجاد کرنے والے کی حکمت اور پیدا کرنے والے کی وحدانیت پر استدلال کرنے والے ہیں۔

عظیم فائدہ:

حدیث شریف میں فرمایا جس نے یہ آیت پڑھی اور اس میں سوچ و بچار کر کے اس سے عبرت حاصل نہ کی اس کے لئے ہلاکت ہے (دیلمی)

موحد و مشرک کا اندازِ محبت:

۱۶۵۔وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ :(بعض لوگ اللہ کے سوا اوروں کو شریک بناتے ہیں اور جو ایمان والے ہیں ان کو ان سے زیادہ اللہ کی محبت ہے اگر کوئی ان ظالموں کو دیکھے جبکہ یہ عذاب دیکھیں گے (تو یہ بڑے

خوف کا وقت ہوگا) اس لئے کہ ہر طرح کی قوت اللہ ہی کے لئے ہے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے) و من الناس ۔یعنی اس واضح دلیل کے بعد بھی لوگ من دون اللّٰہ اندادا ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک بناتے ہیں ۔یحبونھم ۔یعنی بتوں کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے اور ان کے سامنے عاجزی کرتے ہیں یعنی بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی محبت میں برابری کرتے ہیں کیونکہ وہ ذات باری تعالیٰ کا اقرار کرتے اور اس کا قرب ان کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔

دوسرا قول: ان سے وہ محبت کرتے ہیں جس طرح مؤمن اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ ۔اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت ہے۔ مشرکین کی اس محبت کے مقابلے میں جو ان کو اپنے معبودوں سے ہے۔ کیونکہ مؤمن کسی حال میں بھی اپنے رب سے منہ موڑنے والا نہیں۔ بخلاف مشرکین کے کہ وہ سخت مصائب میں اپنے معبودوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے سامنے گڑگڑاتے اور عاجزی کرتے ہیں۔

اختلافِ قراءت:

ولو یری ۔کو نافع اور شامی نے تَرٰی پڑھا ہے اس صورت میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہوگا ۔یا ہر مخاطب کو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اے مخاطب اگر تو وہ منظر دیکھے تو بہت سخت معاملہ دیکھے گا۔ الذین ظلموا ۔ سے مراد شریک بنانے والے لوگ ہیں ۔اِذْ یَرَوْنَ کو یا کے ضمہ کے ساتھ یُرَوْنَ شامی نے پڑھا ہے اول صورت میں جب وہ دیکھیں گے اور دوسری صورت میں جب وہ دکھائے جائیں گے۔

نا قابلِ بیان حسرت:

العذاب ان القوۃ لِلّٰہ جمیعا ۔جمیعاً یہ حال ہے۔ وان اللّٰہ شدید العذاب ۔یعنی سخت ہے اس کا عذاب ۔اب مطلب آیت کا یہ ہوا۔ اگر یہ لوگ جو اپنے شرک کے سبب ظلم عظیم کا ارتکاب کرنے والے ہیں جان لیں کہ ہر چیز پر ثواب ۔عقاب کی قدرت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ان کے معبودوں کو نہیں اور وہ ظالموں کو دیئے جانے والے سخت عذاب کو بھی جان لیں ۔جبکہ قیامت کے دن اس عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ تو ان کو نا قابل بیان حسرت وافسوس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہاں لَوْ کا جواب حذف کیا گیا ہے کیونکہ لَوْ جب کسی شوق مند چیز یا خطرناک چیز پر داخل کریں۔ تو اس کا جواب بہت کم ساتھ لایا جاتا ہے۔ تاکہ دل اس میں ہر راستہ پر جائے۔ جبکہ یہ ماضی پر داخل ہو۔ اسی طرح اِذْ کی وضع بھی ماضی پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

سوال : مگر یہاں دونوں ۔لو اور اذ مضارع پر داخل ہوئے ہیں۔

جواب : اللہ تعالیٰ کے کلام میں مستقبل بھی ماضی کی طرح قطعی اور سچا ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ

جب کہ بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی ۔ اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور کٹ جائیں گے

بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا

ان کے آپس کے تعلقات اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی کاش ہم کو واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم ان سے بیزار ہو جاتے، جیسا کہ

تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ

وہ ہم سے بیزار ہو گئے۔ اللہ اسی طرح دکھائے گا ان کو ان کے اعمال حسرتیں بنا کر اور وہ

بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

آگ سے نکلنے والے نہ ہوں گے۔

۲۰ ع ۴

تفسیر آیت ۱۶۶:

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ۔ :(یاد کرو اس وقت کو جب الگ ہو جائینگے وہ سردار جنکی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھیں گے اور انکے سب تعلقات ٹوٹ جائینگے)

اختلافِ قراءت:

اِذْ تَبَرَّاَ۔ عاصم کے علاوہ قرائے عراق نے سارے قرآن میں جہاں ذال اور تاء جمع ہوں تو وہاں ادغام کر کے پڑھا ہے۔

نحوی تحقیق:

یہ اذ یرون سے بدل ہے الذین اتبعوا سے مراد رؤساہیں جن کی پیروی کی گئی۔

من الذین اتبعوا سے مراد متبع و پیروکار۔ وَرَاَوُا العذاب۔ واو حالیہ ہے ای تبرء وا فی حال رؤ یتهم العذاب۔ یعنی وہ عذاب دیکھنے کی حالت میں بیزاری کا اظہار کریں گے۔ و تقطعت۔ اس کا عطف تبرّاَ پر ہے ای تبرّاَ و تقطعت۔

تعریف سبب:

بهم الاسباب۔ اسباب سبب کی جمع ہے وہ تعلق مراد ہے جو ایک دین پر ہونے کی وجہ سے ان کے مابین تھا۔ اسی طرح نسب و محبت کا تعلق بھی اس میں شامل ہے اصل سبب ملانے والے ذریعہ کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیت :۱۶۷......اعمال پر حسرتیں:

وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا۔ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ

اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور مت پیچھے چلو شیطان کے قدموں کے

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى

بے شک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تم کو صرف برائی کا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

جن کو تم نہیں جانتے۔

وَمَاهُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ :(جنہوں نے اتباع کیا تھا وہ کہیں گے ہائے کاش، ہمیں ایک بارلوٹ جانا میسر ہوتو ہم بھی ان سے الگ ہو جائیں جیسے یہ ہم سے آج الگ ہو گئے اسی طرح اللہ تعالیٰ افسوس کرنے والوں کے لئے ان کے عمل ان کو دکھائے گا۔اور انہوں نے آگ سے نکلنا نہیں)۔

وقال الذین اتبعوا سے مراد تبعین ہیں۔ کرّۃ واپس لوٹنا دنیا کی طرف فنتبرّاَ۔ لَوْ جو تمنّی کیلئے ہے یہ اس کا جواب ہے۔ مطلب یہ ہوگا کاش ہمارے لئے واپسی ہوتو ہم ان سے بیزار ہو جائیں۔ کما تبرء وامنا جیسا یہ اب ہم سے بیزار ہو گئے۔ کذلك سے مراد اس رسوا کن دکھلاوے کی طرح۔ اعمالھم یعنی بت پرستی۔ حسرات علیھم۔ حسرات یہ حسرت کی جمع ہے اس کا معنی شرمندگیاں۔ یریھم۔ یہ افعال قلوب سے ہے اور حسرات اس کا تیسرا مفعول ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال ان پر حسرتوں میں بدل جائیں گے۔اور وہ اپنے اعمال کی جگہ حسرتوں کے سواء کچھ نہ دیکھیں گے۔ وماھم بخارجین من النار۔انہوں نے آگ سے نکلنا نہیں۔ بلکہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر آیت ۱۶۸:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ :(اے لوگو۔ کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں ہیں حلال اور ستھری اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)

شانِ نزول : یہ ان لوگوں کے متعلق اتری جنہوں نے بحیرہ وسائبہ وغیرہ تحریمات بنا رکھی تھیں یٰۤاَیُّها الناس کلوا۔ کلوا کا امر اباحت کے لئے ہے۔ان لوگوں کو مخاطب کیا جنہوں نے بحیرہ وغیرہ بنا رکھے تھے۔

نحوی تحقیق:

مما فی الارض میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی زمین کی بعض اشیاء کیونکہ تمام اشیاء زمین سے کھانے والی نہیں۔ حَلٰلًا۔ نمبرا۔ یہ کلوا کا مفعول ہے یعنی تم حلال چیزیں کھاؤ۔

دوسرا قول: یہ مما فی الارض سے حال ہے یعنی تم کھاؤ زمین کی چیزیں اس حال میں کہ وہ حلال ہوں۔ طیّبًا۔ ستھری یعنی ہر شبہ سے پاک۔ وَلَا تتّبعوا خطوات الشیطان۔ خطوات سے وہ راستے مراد ہیں جن کی طرف وہ دعوت دیتا ہے۔ یہ خطوۃٌ کی جمع ہے قدموں کی درمیانی مسافت کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں اتبع خطوته یعنی اس نے اقتداء کی یا اس کے طریقے پر چلا۔

اختلافِ قراءت:

خطوات کو ابو عمرو نے طاء کے سکون سے خُطْوَات پڑھا ہے۔ عیاش، نافع وحمزہ، ابوبکر نے طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا خُطُوَات۔

انهٗ لکم عدو مبین۔ بے شک وہ تمہارا ایسا دشمن ہے جس کی عداوت ظاہر ہے اس میں ذرہ بھر اخفاء نہیں۔ مبین کا لفظ ابان سے ہے یہ متعدی ولازم دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

ظاہری تضاد کا ازالہ:

سوال: والذین کفروا اولیاؤُهم الطاغوت سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۷ اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

جواب: وہ آیت اس کے خلاف نہیں کیونکہ طاغوت سے مراد شیطان ہے اور اس کی دوستی فقط ظاہر میں ہوتی ہے اس ظاہری دوستی جتانے کی وجہ سے اولیاؤهم الطاغوت فرمایا گیا۔ ورنہ باطن میں تو وہ دشمن ہے۔ وہ دوستی اعمال کو مزین کرنے کے لئے کرتا ہے ورنہ دشمن کی بات کون مانتا ہے اور اس کا اصل مقصد ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

تفسیر آیت ۱۶۹:

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ :(بے شک وہ تمہیں بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے اور اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ پر تم وہ بات کہو جو تم نہیں جانتے) انمایأ مرکم۔ اس میں بیان کیا کہ اس کی اتباع سے باز آنا ضروری ہے اور اس سے ظاہر میں عداوت رکھنی چاہیے۔ یعنی شیطان کبھی بھی بھلائی کا حکم نہیں دے سکتا۔ بلا شبہ وہ تو تمہیں حکم دے گا۔

سوء وفحشاء کا فرق:

نمبر ا۔ بالسوء۔ برائی کا۔ والفحشاء اور بے حیائی کا۔ فحشاء وہ برا کام جو قباحت میں حد سے بڑھ جائے۔

دوسرا قول: سوء جس گناہ میں حد نہیں آتی۔ فحشاء۔ جس میں حد لازم ہو جاتی ہے۔

نحو: بالسوء پر عطف کی وجہ سے ان تقولوا محل جر میں ہے ای بان تقولوا۔ مالا تعلمون جو تم نہیں جانتے بغیر علم کے۔ جیسے تمہارا کہنا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

مسئلہ: اس میں ہر بات شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق کہنی درست نہیں مگر وہ اس کی طرف منسوب کر دی گئی ہو۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو، جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ

کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں، اور ہدایت پر نہ ہوں۔ اور مثال ان لوگوں کی

كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ

جنہوں نے کفر کیا اس شخص کی مثال ہے جو آواز دے ایسی چیز کو جو نہ سنے سوائے پکار کے اور بلاوے کے، بہرے ہیں، گونگے ہیں،

فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

اندھے ہیں سو وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

تفسیر آیت ۱۷۰:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ (جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر چلو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں نہیں۔ بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ بھلا۔ اگر ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے راستے پر ہوں۔ تو پھر بھی ان کے راستہ پر چلیں گے)

هُمْ کا مرجع:

نمبر۱۔ واذا قیل لھم اتبعوا۔ ضمیر جمع کی الناس کی طرف لوٹتی ہے اور التفات کے طور پر ان سے رخ پھیرا گیا گویا اس طرح کہا۔ عقل مندوں کی طرف توجہ کر کے کہ ان احمقوں کو دیکھو۔ کہ ٹھیک بات بتلائی تو کیا جواب دیا؟

نمبر۲۔ دوسرا قول: ھُمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف لوٹتی ہے۔

نمبر۳۔ تیسرا قول: یہ یہود کا ایک گروہ تھا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان و قرآن کی طرف بلایا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ قالوا بل نتبع ما الفینا۔ الفینا کا معنی وجدنا ہے علیه اٰبَاءَ نا جس پر ہم نے آباء کو پایا وہ ہم سے بہتر تھے اور زیادہ علم والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولو کان اٰباؤھم۔ سے ان کی تردید کی۔ واؤ اس میں حالیہ ہے ہمزہ تعجب اور تردید کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کیا یہ ان کی اتباع کریں گے اگر ان کے آباء دین کی کوئی بات نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہی درست راستے کی طرف راہ پانے والے ہوں۔

سابقہ آیات سے ربط :

پہلے ان کی تردید کی پھر ان کے متعلق مثال بیان فرمائی۔

تفسیر آیت ۱۷۱:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَالَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً صُمٌّ ۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ (کافروں کی مثال اس شخص جیسی ہے جو چلاّ چلاّ کر ایسی چیز کو پکار رہا ہو جو سوائے چلاّنے اور پکارنے کے کچھ نہیں سنتا۔ بہرے گونگے' اندھے ہیں پس وہ کچھ نہیں سمجھتے) **مثل الذین کفروا**۔ اس سے پہلے مضاف محذوف ہے ای **داعی الذین کفروا کمثل الذی ینعق**۔ **ینعق** کا معنی چیختا ہے۔ **بما لا یسمع الا دعاء و نداء** سے مراد بہائم ہیں۔

مفہوم آیت :

اب مطلب آیت کا یہ ہے کہ ان کافروں کو دعوت دینے والے کی مثال جیسے کوئی حیوانات کو آواز دے جو کہ آواز میں سے گھنٹی کی سر اور آواز کی گونج سنتے ہیں۔ بغیر ذہنوں میں ڈالنے اور سمجھنے کے۔ جیسا کہ بہائم کو آواز دینے والا جو پکارنے والے کی پکار و نداء ہی سنتا ہے جس سے ان کو آواز دیتا۔ اور ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے وہ جانور اور کچھ نہیں سمجھتے جیسے عقل مند سمجھتے ہیں۔

نعق و نداء میں فرق :

النعیق آواز دینے کو کہتے ہیں جیسے **نعق المؤذن نعق الراعی بالضّأن**۔ چرواہے نے بھیڑوں کو آواز دی۔ **النداء**۔ جو سنی جائے ۔

الدعآء جو آواز کبھی سنی جائے اور کبھی نہ سنی جائے۔ **صُمٌّ**۔ یہ **ھم** ضمیر کی خبر ہے ای **ھم صم بکم** یہ اسی مبتداء کی دوسری خبر ہے **عمی** یہ خبر ثالث ہے یعنی وہ حق سے اندھے ہیں۔ **فھم لا یعقلون**۔ پس وہ نصیحت کو نہیں سمجھتے۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اے ایمان والو! کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ اور شکر کرو اللہ کا اگر تم

اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ

اس کی عبادت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جن کے ذبح کرتے وقت

اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ

غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو، اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

بیشک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔

سابقہ آیات سے ربط : تفسیر آیت ۱۷۲:

اس میں بتلایا کہ جن چیزوں کو مشرکین حرام قرار دینے والے ہیں وہ حلال ہیں چنانچہ فرمایا۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ :(اے ایمان والو۔ ہم نے جو تم کو رزق دیا ہے اس سے حلال اور ستھری چیزیں کھاؤ اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو) یآیھا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم۔ (۱) طیبات سے مراد لذیذ چیزیں' (۲) حلال چیزیں واشکروا للہ : اور تم اس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ جس نے تمہیں رزق دیا۔ ان کنتم ایاہ تعبدون۔ اگر یہ واقعی صحیح ہے کہ تم عبادت کے ساتھ اس کو خاص کرنے والے ہو اور اس بات کے اقراری ہو کہ تمام نعمتیں فرمانے والے وہی ہیں۔

ماقبل سے ربط ...... تفسیر آیت ۱۷۳:

اب حرام چیزوں کو بیان کیا۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (بے شک اس نے حرام کیا تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر پکارا گیا اللہ تعالیٰ کے غیر کا نام پھر جو کوئی مجبور ہو جائے نہ ہو خلاف کرنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔

میتة کی تعریف:

انما حرم علیکم المیتة' میته ہراس جانور کو کہتے ہیں جس کی روح ذبح بے پاک کرنے کے بغیر نکل جائے۔ انما حرمت میتة کو ثابت کرنے اور ماسواء کی نفی کے لئے ہے ای ماحرم علیکم الا المیتة۔ نہیں حرام کیا تم پر مگر مردار۔ والدم۔ بہنے والا خون۔ کیونکہ دوسری آیت سورۂ انعام نمبر ۱۴۵ میں او دمًا مسفوحًا ہے۔

دودم حلال:

اور دو میتہ اور دودم حدیث سے ان کی حلت ثابت ہے احلت لنا میتتان ودمان السمك والجراد والکبد والطحال (احمد ابن ماجہ) ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال ہیں۔ مچھلی۔ مکڑی۔ جگر اور تلی۔

ولحم الخنزیر۔ یعنی خنزیر اپنے تمام اجزاء کے ساتھ۔ گوشت کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کیونکہ کھانے میں وہ اصل ہے۔ وما اھل به لغیر اللّٰه۔ یعنی جو بتوں کے لئے ذبح کیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا نام لیا جائے۔ الھلال۔ آواز بلند کرنا یعنی بت کے لئے اس پر آواز بلند کی گئی ہو اور اہل جاہلیت کہتے تھے: باسم اللات والعزّٰی۔ فمن اضطر جو مجبور ہو جائے۔

نحو وقراءت:

نون کو کسرہ دیا دو ساکن آنے کی وجہ سے یعنی نون اور ضاد یہ بصری حمزہ اور عاصم کے نزدیک ہے دیگر قراء طاء کے ضمہ کی وجہ سے نون کو ضمہ دیتے ہیں فَمَنُ اضْطُرّ۔ غیر یہ حال ہے ای فاکل غیر اس نے کھایا اس حال میں کہ وہ بغاوت کرنے والا نہ تھا۔

باغی کا معنی:

نمبر ا۔ باغٍ کا مطلب یہ ہے کہ لذت وشہوت کی خاطر کھانے والا نہ ہو۔ ولا عادٍ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کرنے والا ہو۔

دوسرا قول: کہ امام کا باغی نہ ہو اور سفر حرام کی وجہ سے تجاوز نہ کرنے والا ہو یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ سفر طاعت بغیر ضرورت مباح نہیں اور بلا سفر گھر میں رکا رہنا مباح ہے اور دوسری بات یہ بھی کہ بغاوت اس کو ایمان سے خارج نہیں کرتی۔ پس وہ محرومی کا حقدار نہیں۔

اور مجبور آدمی کو اتنا کھا لینا درست ہے جس سے زندگی بچ جائے اور اس سے گزارہ ہو سکے سیری نہ ہو۔ کیونکہ اضطراری اباحت اتنی مقدار میں ہے جس سے ضرورت ٹل سکے۔ فلا اثم علیه۔ تو اس کو کھا لینے میں گناہ نہیں۔ ان اللّٰه غفور۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دینے والے ہیں تو پھر اضطراری حالت میں مردار کے کھا لینے سے کیونکر مؤاخذہ فرمائیں گے رحیم مہربان ہے اس لئے رخصت دے دی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے نازل فرمائی یعنی کتاب اور خریدتے ہیں اس کے بدلہ تھوڑی قیمت

أُولَٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ

تو یہ وہ لوگ ہیں جو نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ، اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا

وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَٰلَةَ

اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا گمراہی کو

بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ

ہدایت کے بدلے، اور عذاب کو مغفرت کے بدلے، سو وہ کس قدر صبر کرنے والے ہیں آگ پر، یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ

نَزَّلَ الْكِتَٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾

نے نازل فرمایا کتاب کو حق کے ساتھ، اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا بے شک وہ بڑی دور کی خلاف ورزی میں ہیں۔

۱۷۴۔ شانِ نزول: یہ آیت یہود کے ان سرداروں کے متعلق اتری جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صفت تبدیل کر دی اور اس پر رشوت بھی لی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ :(بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں ان آیات کو جو اللہ تعالیٰ نے اتاریں کتاب میں اور اس کے بدلے لیتے ہیں قیمت یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر کر کھاتے ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے) یکتمون مآ انزل اللّٰہ وہ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا یعنی صفات محمد ﷺ ثمناً قلیلا تھوڑی قیمت یعنی بدلہ یا قیمت والی (مراد دنیا اور اغراض دنیا ہیں)۔

اکل بطن کی تشریح:

اولٰٓئك مایأ كلون فی بطونهم ۔ وہ اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے یعنی پیٹ بھر۔ عرب کہتے ہیں فلان اکل فی بطنه وا کل فی بعض بطنه یعنی پیٹ بھر کھایا' الا النار ۔ مگر آگ ۔ اس لئے کہ جب ایسی چیز کھائی جس کی سزا آگ ہے تو گویا آگ کھائی۔ اور عرب کہتے ہیں۔ اکل فلان الدم کہ فلاں تو خون کھاتا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی مال دیت کھا جائے۔ کیونکہ دیت خون کے بدلہ میں حاصل ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا۔

یا کلن کل لیلة اکافًا۔اکاف سے ثمن اکاف مراد ہے
وہ ہررات پالان یعنی پالان کی قیمت کھاتی ہیں ثمن اکاف کو اکاف بہت مناسبت کی وجہ سے کہہ دیا۔

کلام سے مراد:

ولا یکلمھم اللّٰہ۔ان سے اللہ تعالیٰ کلام نہ فرمائیں گے۔کلام سے مسرور کن کلام مراد ہے لیکن اس طرح کا کلام اخسئوا فیھا ولا تکلمون۔المؤمنون آیت نمبر ۱۰۸ جو دھتکارنے کے لئے ہے وہ کہا جائے گا۔ولا یز کیھم۔نمبرا۔نہ ان کو گناہوں کی میل سے پاک کریں گے۔
نمبر۲۔یا اللہ تعالیٰ انکی مدح وثناء نہ کرے گا۔ولھم عذاب الیم۔اوران کے لئے دردناک عذاب ہے۔الیم: بمعنی مولم ہے۔
نحو: تینوں جملوں کا عطف اِنَّ کی خبر پر ہے۔گویا چاروں جملے اِنَّ کی خبر ہیں۔

تفسیر آیت ۱۷۵:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ:(یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مہر کے بدلے قہر لے لیا پس کتنا صبر ہے ان کو آگ پر۔یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچی کتاب اتاری اور جنہوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ سخت ضد میں ہیں) اُولٰٓئِكَ یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب یعنی حضرت محمد ﷺ کی تعریف کو چھپایا۔(تا کہ انکار کریں جو عذاب وگمراہی کا سبب ہیں)۔

استفہام توبیخی:

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۔ کتنا صبر ہے ان کا آگ پر یہ استفہام توبیخی ہے یعنی کس چیز نے ان کو صابر بنا دیا۔اس عمل پر جو آگ کی طرف لے جانے والا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جہنم کی آگ پر بڑا صبر ہے۔

تفسیر آیت ۱۷۶:

ذٰلك : اس کا مشار الیہ عذاب ہے یعنی یہ عذاب اس سبب سے ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتب سماویہ اتاری ہیں وہ برحق ہیں۔اختلفوا جنہوں نے اختلاف کیا یعنی اہل کتاب فی الکتٰب۔اس میں الف لام جنس کا ہے اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں مراد ہیں۔انہوں نے بعض کتابوں کو برحق اور بعض کو باطل قرار دیا۔

شقاق بعید کا مطلب:

لفی شقاق ۔شقاق کا معنی مخالفت۔بعید۔دور یعنی حق سے دور۔
دوسرا قول: ان کا یہ کفر اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن برحق اتارا اور جنہوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا وہ ایسی مخالفت میں مبتلا ہیں جو ہدایت سے بہت دور ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ

نیکی اس میں نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لیا کرو۔ لیکن نیکی

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى

یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر، اور اپنا

الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ

مال دے اس کی محبت ہوتے ہوئے قرابت والوں کو اور یتیموں کو، اور مسکینوں کو، اور مسافروں کو،

وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ

اور سوال کرنے والوں کو، اور گردنوں کے چھڑانے میں، اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکوۃ کو، اور جو پورا کرنے والے ہیں

بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

اپنے عہد کو جبکہ وہ عہد کریں۔ اور صبر کرنے والے ہیں سختی میں اور تکلیف میں اور جنگ کے

الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

موقعہ پر۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچائی کی راہ اختیار کی اور یہی لوگ متقی ہیں۔

تفسیر آیت ۱۷۷:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ۔ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا۔ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ (نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق ومغرب کی طرف کرو۔ بلکہ نیکی ان کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور پیغمبروں پر اور مال کی محبت کے باوجود مال دیا رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم کرتے رہے نماز اور پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب وہ عہد کرتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں۔ تنگی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

اصلی بِرّ کیا ہے؟

لیس البر ان تولوا۔ تمہارا مشرق ومغرب کی طرف منہ پھیرنا نیکی نہیں اس میں خطاب نصاریٰ کو ہے کیونکہ ان کا قبلہ بیت

المقدس کی جانب مشرق تھا اور یہود کا قبلہ بیت المقدس کی مغربی جانب تھا اور ان میں سے ہر ایک کا خیال یہی تھا۔ کہ اصل نیکی اسی کے قبلہ کی طرف منہ پھیرنا ہے۔ ان کی تردید فرمائی کہ جو تم کہتے ہو یہ درست نہیں بلکہ وہ تو منسوخ ہے۔

نمبر۱۔ ولکن البر۔ لیکن نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔

نمبر۲۔ دوسرا قول: نیکی والا وہ ہے جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر۔ ان دونوں اقوال کے مطابق مضاف محذوف ہے مگر پہلا قول ان میں سے عمدہ ہے۔ البرّ۔ کا معنی ہر نیکی اور ہر پسندیدہ فعل کو کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ مسلمانوں اور اہل کتاب نے قبلہ کے معاملے میں بہت دلچسپی لی۔ تو ان کو یہ بات سمجھائی گئی یہ کوئی بڑی نیکی نہیں۔ کہ جس میں مصروف ہو کر تم نیکی کی سب اقسام کو بھول جاؤ۔ لیکن جو نیکی واجب الاہتمام ہے وہ اس شخص کی ہے۔ جو ایمان لایا اور ان اعمال کو انجام دیا۔

نحو: البر لیس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ان تولوا بتاویل مصدر اسم ہے۔

اختلافِ قراءت:

البرّ کو نصب کے ساتھ حمزہ اور حفص نے پڑھا ہے اور نافع اور شامی نے وَلٰکِنَّ الْبِرُّ امام مبرد فرماتے تھے اگر میں قاری ہوتا تو میں اس طرح پڑھتا۔ لٰکِنَّ الْبِرَّ ایک قراءت میں لٰکِنَّ الْبَارَّ پڑھا گیا ہے۔

و الیوم الاٰخر۔ آخرت کے دن سے مراد اٹھنے کا دن ہے۔

و الملائکۃ و الکتاب۔ نمبر۱۔ الف لام کتاب پر جنس کا ہے اللہ تعالیٰ کی تمام کتب اگر عہد کا ہو تو قرآن مجید مراد ہے۔ و النّبیین

وآتی المال علٰی حبہٖ۔

ضمیر کے مراجع:

نمبر۱۔ حُبّہٖ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے یعنی مال اللہ تعالیٰ کی محبت میں خرچ کیا۔

نمبر۲۔ یا مال کی طرف یعنی مال کی محبت کے باوجود اس کو دیا۔

نمبر۳۔ الایتاء کی طرف لوٹتی ہے مراد یہ ہے مال دے رہا ہو اس حالت میں کہ وہ اس کے دینے میں دل سے راضی وخوش ہو۔

ذوی القربٰی۔ قرابت والے ان کو مقدم زیادہ حقدار ہونے کی وجہ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا مسکین پر صدقہ تو ایک صدقہ شمار ہوگا اور رشتہ دار پر صدقہ اور صلہ رحمی کا ثواب ملے گا۔ (ترمذی، نسائی)

و الیتامٰی۔ یتیم سے مراد قرابت والے فقراء اور یتامٰی ہیں اور مطلق اسلئے لائے۔ کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں۔

مسکین کی تعریف:

و المساکین جمع مسکین جو لوگوں میں ہمیشہ سکون پکڑنے والا ہو کیونکہ اسکے پاس کچھ نہیں جس سے چلے پھرے مثلاً سِکّیر۔ جو ہمیشہ نشہ میں رہتا ہو۔ و ابن السبیل اگرچہ لفظاً مفرد ہے مگر مراد اس سے جنس ہے اسکو ابن السبیل کہنے کی وجہ سے سفر کا لازم لینا ہے یا مہمان ہونے کی وجہ سے ابن سبیل کہا۔ و السائلین۔ سوال کرنے والے سے مراد کھانا طلب کرنے والے۔ وفی الرقاب۔ گردنوں میں سے مراد مکاتبین کی گردنیں آزاد کروانے میں یا قیدی چھڑوانے میں و اقام الصلوٰۃ صلوٰۃ سے فرضی نماز مراد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ

اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا مقتولین کے بارے میں آزاد کو

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ

آزاد کے بدلہ اور غلام کو غلام کے بدلہ، اور عورت کو عورت کے بدلہ، سو جس شخص کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی کردی جائے تو بھلائی کے ساتھ

بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ

اس کا مطالبہ ہو اور اچھے طریقہ پر اس کی ادائیگی ہو۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٨﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي

پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے درد ناک عذاب ہے اور تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾

والو! تاکہ تم پرہیز کرتے رہو۔

یہاں زکوٰۃ سے مراد:

واتی الزکوۃ۔ فرضی زکوٰۃ ہے بعض نے کہا یہ اول کی تاکید ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اول سے مراد نفلی صدقات اور نیکی کے اعمال ہیں۔ الموفون پورے کرنے والے اپنے عہد کو جب وہ عہد کرتے ہیں۔ اس کا عطف مَنْ اٰمن پر ہے اور عہد سے اللہ کا عہد یا لوگوں کا عہد مراد ہے۔ والصابرین۔ شدائد میں صبر کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے فعل مدح و تخصیص سے منصوب ہے ای امدح الصابرین۔ اسی طرح قتال کے مقامات کی فضیلت تمام اعمال سے برتر ثابت کرنے کے لئے اسے منصوب ذکر کیا۔ فی الباساء۔ بأساء سے فقر و شدت مراد ہے والضراء مرض اور اپاہج پن۔ حین الباس۔ لڑائی کا وقت اولئك الذین صدقوا یعنی ان صفات والے ہی وہ لوگ ہیں جو دین میں سچے ہیں اور وہی متقی ہیں۔

آیت: ۱۷۸ ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ۔ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

(اے ایمان والو فرض کیا جاتا ہے تم پر بدلہ لینا مقتولوں میں۔ آزاد کے بدلے آزاد قتل کیا جائے غلام کے بدلے غلام اور

عورت کے عوض عورت۔ پس جس شخص کو معاف کر دیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ تو دستور کے موافق چلنا چاہیے اور اچھے انداز سے چلنا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے پھر جو شخص زیادتی کرے۔اس کے بعد تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے)۔

طرزِ جاہلیت:

روایات میں آیا ہے کہ عرب کے بعض قبیلوں میں جاہلیت کے زمانے میں خون کا معاملہ تھا اور ایک کو دوسرے پر طاقت اور قوت حاصل تھی۔تو انہوں نے قسم اٹھائی۔کہ ہم دوسرے قبیلے کے آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کریں گے اور ان کے مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کریں گے اور ایک کے بدلے میں ان کے دو قتل کریں گے۔جب اسلام آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے معاملے میں فیصل بنایا۔پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔یآیھا الذین امنوا کہ اے ایمان والو۔ کُتب یعنی فرض کر دیا گیا۔

مفہوم قصاص:

علیکم القصاص۔قصاص اصل میں برابری کو کہتے ہیں۔اصل میں یہ اس محاورے سے لیا گیا ہے۔قص اثرہ واقتصہ۔یہ اس وقت کہتے ہیں جب کسی کا پیچھا کیا جائے۔اسی لئے قصہ کہانیاں بیان کرنے والے کو قاص کہتے ہیں۔کیونکہ وہ حکایات کا پیچھا کرتے ہیں۔القتلٰی جمع قتیل۔اب مطلب یہ ہوا۔کہ تم پر فرض کیا گیا کہ تم برابری اور مساوات اختیار کرو۔مقتولین میں الحر بالحر یعنی آزاد پکڑا جائے گا یا مقتول ہوگا آزاد کے بدلے العبد بالعبد امام شافعی کا قول آزاد کو غلام کے بدلے میں اس آیت کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے گا اور ہمارے نزدیک قصاص آزاد اور غلام کے درمیان بھی جاری ہوگا۔جیسا اس آیت میں ہے جو سورۃ مآئدۃ آیت نمبر:۴۵۔ان النفس بالنفس۔کہ جان کے بدلے جان۔جیسا کہ مذکر و مؤنث کے درمیان آپ کے اس ارشاد سے المسلمون تتکافأ دماءھم۔ (ابوداؤد۔ابن ماجہ) مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔

نفوس میں تفاضل معتبر نہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک جماعت ایک آدمی کو قتل کرے تو اس کے بدلہ میں ان سب کو قتل کیا جائے۔اس لیے کہ حکم کا کسی نوع سے مخصوص ہونا دوسری نوع کی نفی نہیں کرتا۔بلکہ حکم اس میں دلیل کے آنے تک موقوف رہے گا اور یہاں تو دلیل موجود ہے۔جیسا ہم واضح کر چکے۔

عفو کی تحقیق:

فمن عفی لہ۔عفو یہ عقوبت کی ضد ہے۔کہا جاتا ہے۔ عفوت عن فلان جب کہ اس سے درگزر کیا جائے اور اس کی سزا سے اعراض کیا جائے۔یہ جانی یا جنایت کی طرف متعدی عن کے ساتھ ہوتا ہے۔جیسا کہ البقرہ ۵۲ ثم عفونا عنکم پھر ہم نے تمہارا گناہ معاف کر دیا اور الشوریٰ آیت نمبر ۲۵ ویعفوا عن السّیّاٰت۔وہ بہت سی برائیاں معاف کرتا ہے اور جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو پہلے کی طرف لام سے متعدی ہوگا۔جیسے عفوت لہ عن ذنبہ۔میں نے اسے اس کا گناہ معاف کر دیا۔اور حدیث میں ہے عفوت لکم عن صدقۃ الخیل والرقیق۔(ابوداؤد) میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ تمہیں معاف کر دی۔یعنی

چھوڑ دی۔

حضرت امام زجاج رحمۃ اللہ علیہ کا بیان:

زجاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ من عفی له کا معنی جس کا دیت کی وجہ سے قتل چھوڑ دیا جائے۔ (یعنی معاف کر دیا جائے) ازہری نے کہا عفو لغت میں زائد کو کہتے ہیں۔ جیسے سورۃ بقرہ کی آیت ۲۱۹ میں ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو۔ اور کہا جاتا ہے عفوت لفلان بمال۔ جبکہ مال اس کو دے اور مہربانی سے زائد دے۔ وعفوت له عمالی علیه جبکہ اس کے ذمہ جو کچھ تھا اس کو چھوڑ دیا جائے۔

قولِ جمہور:

جمہور مفسرین آیت کا معنی یہ بتاتے ہیں۔ بس جس آدمی کو اس کے بھائی کی جانب سے معاف کر دی جائے کوئی چیز زائد۔ اس معنی میں فعل کی نسبت مصدر کی طرف کی گئی ہے جیسے کہ اس مثال میں سیر بزید بعض السیر زید کو کچھ چلایا گیا۔

الاخ لانے کی حکمت:

الاخ اس سے مراد مقتول کا وارث بھائی ہے اور اس لفظ سے تعبیر کر کے درحقیقت مہربانی پر آمادہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ دونوں آدم علیہ السلام کی اولاد اور اسلام کے رشتے میں منسلک ہیں۔ مَن سے مراد وہ قاتل ہے جس کو اس کا گناہ معاف کیا جا رہا ہے۔ یہاں آیت میں دوسرے مفعول کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔ اور بعض نے کہا۔ کہ لہٗ کا لفظ عنه کی بجائے لایا گیا۔ اور ضمیر لہٗ اور اخیه میں یہ من کی طرف راجع ہے اور علیه میں بھائی کی طرف راجع ہے۔ یا تبع کے لئے ہے اس کے لئے فاتباع کا لفظ دلالت کر رہا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ مطالبہ کرنے والا قاتل کا پیچھا کرے۔ کس طریقے کے ساتھ۔ یعنی اچھے انداز سے مطالبہ کرے۔ تاکہ اس کو مطلوب ادا کر دیا جائے یعنی قاتل خون کا بدلہ احسان کے ساتھ ادا کرے ٹال مٹول نہ کرے۔ اور نہ اس میں کمی کرے۔ شیٔ من العفو کہا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اگر بعض خون کا حصہ معاف کر دیا گیا۔ یا بعض وارثوں نے معاف کر دیا۔ تو اس وقت معافی کامل ہو گئی۔ اور قصاص ختم ہو گیا۔

دوسرا قول:

نمبر۲۔ جنہوں نے عفی کی تفسیر شیٔ کے لفظ کو مفعول بہ بنانے کے بغیر کی ہے اور اسی طرح جنہوں نے اعطی کے ساتھ کی ہے یعنی ان الولی اذا أعطی له شیٔ من مال اخیه۔ یعنی القاتل بطریق الصلح فلیا خذه بمعروف من غیر تعنیف و لیؤدّه القاتل الیه بلا تسویف۔ بے شک ولی کو جب کوئی چیز اپنے بھائی کے مال میں سے دی جائے یعنی قاتل کے مال میں سے بطور صلح تو اس ولی کو چاہیے کہ وہ اس مال کو دستور کے مطابق لے لے۔ اس میں کوئی سختی نہ برتے۔ اور قاتل بھی اس کو مال بغیر افسوس کے ادا کرے۔

نحو: اتباع کا لفظ مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتداء مضمر کی خبر ہے یعنی الواجب اتباع یعنی واجب ہے اتباع کرنا اس حکم کا جو کہ

معافی کے سلسلے میں ذکر کیا گیا۔ ذٰلك اس سے مراد عفو اور دیت لینے کا جو حکم پیچھے ذکر ہوا تخفیف من ربکم ورحمة۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی ہے۔ اس لئے تورات میں قتل کے علاوہ دوسرا حکم نہیں تھا اور انجیل میں معافی بغیر بدلے کے تھی۔ اور کوئی حکم نہ تھا۔ ہمارے لئے قصاص اور عفو اور مال صلح کے طریقے سے لینا آسانی اور وسعت کی خاطر جائز کیا گیا۔

دلالتِ آیت:

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والا مؤمن ہے کیونکہ قتل کے پائے جانے کے باوجود ایمان کے ساتھ اس کی تعریف ذکر کی گئی اور ایمان کے ساتھ قائم ہونے والا بھائی چارہ باقی رہا۔ اور وہ تخفیف اور رحمت کا حق دار بن گیا۔

تعدی کی تفسیر:

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ : (جو شخص حد سے بڑھا اس کے بعد) یعنی تخفیف کے بعد اور اس نے تجاوز کیا۔ جو اس کے لئے جائز نہیں تھا۔ جیسے غیر قاتل کو قتل کرنا یا دیت لینے کے بعد بھی قاتل کو قتل کر دینا فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ پس اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ الیم۔ سے مراد یہاں آخرت میں سخت دردناک قسم کا عذاب ہے۔

تفسیر آیت ۱۷۹:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ : (تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو) یہ کلام انتہائی فصیح ہے کیونکہ اس میں غرابت پائی جاتی ہے۔

قصاص بڑی زندگی ہے:

نمبر۱۔ قصاص میں انسان قتل ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر آیت میں اس کو حیٰوۃ کے لئے بطور ظرف کے ذکر کیا گیا اور قصاص کو معرفہ لایا گیا۔ اور حیٰوۃ کے لفظ کو نکرہ لا کر خوب بلاغت ظاہر کر دی۔ کیونکہ مطلب یہ بنا۔ کہ تمہارے لئے حکم کی اس قسم میں سے جو کہ قصاص ہے۔ بہت بڑی زندگی ہے۔ اس لئے کہ اس سے اس چیز کی روک تھام کی گئی کہ جو ان میں ایک شخص کے بدلے ایک جماعت کا قتل کر دینے کا رواج تھا۔ تو گویا سب کی زندگی بچ گئی۔

نمبر۲۔ پس فرمایا کہ قصاص میں زندگی ہے۔ یعنی خاص قسم کی زندگی ہے۔ یا اعلیٰ قسم کی زندگی ہے اور وہ وہی زندگی ہے جو قتل سے رک جانے کے بنا پر حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس کو بھی معلوم ہو گیا۔ کہ اگر وہ بھی قتل کرے گا۔ تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اس لئے جب وہ قتل کا ارادہ کرے گا۔ تو یہ بات یاد آتے ہی وہ قتل سے باز رہے گا۔ پس اس کا ساتھی اس کے ہاتھ سے قتل ہونے سے بچ جائے گا۔ اور وہ قصاص سے بچ جائے گا۔ پس قصاص کا حکم انسانوں کی زندگی کا سبب بن گیا۔ یٰاولی الالباب۔ اے عقل والو۔ لعلکم تتقون۔ تاکہ تم قتل سے بچ جاؤ قصاص سے ڈرتے رہو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت حاضر ہو جائے تو اپنے والدین اور قرابت

وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا

داروں کے لئے وصیت کرے۔ بشرطیکہ مال چھوڑا ہو۔ یہ حکم لازم ہے ان لوگوں پر جو خدا کا خوف رکھتے ہیں پھر جو شخص سننے کے بعد اس کو

سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ

بدل دے اس کا گناہ انہیں لوگوں پر ہوگا جو اس کو تبدیل کر دیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ سو جو شخص

خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی جانب داری یا گناہ کا خوف کھائے پھر ان کے درمیان صلح کرا دے سو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸۲﴾

غفور ہے رحیم ہے۔

تفسیر آیت ۱۸۰:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ: کتب۔ فرض کیا گیا۔ اذا حضر احد کم الموت۔ جب موت آ موجود ہو موت آ موجود ہونے کا مطلب اسباب موت کا ظاہر ہونا ہے۔

مال کو خیر فرمایا:

خیر۔ کا معنی کثیر مال۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے آزاد کردہ غلام نے وصیت کا ارادہ کیا اور اس کے پاس سات سو درہم تھے۔ تو میں نے اس کو منع کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے وصیت کے بارے میں فرمایا۔ ان ترک خیرا۔ اگر بہت مال چھوڑے اور تیرے پاس مال نہیں۔ (ابن ابی شیبہ)

الوصیۃ۔ یہ کُتِبَ کا نائب فاعل ہے۔

وصیتِ وارث:

نمبر۱۔ ابتدائے اسلام میں وصیت وارث کے حق میں ثابت تھی۔ پھر سورۂ نساء کی آیت میراث سے منسوخ کر دی گئی جیسا کہ ہم شرح المنار میں ذکر کر چکے ہیں۔

نمبر۲: یہ منسوخ نہیں بلکہ یہ ان کے متعلق ہے جو کفر کی وجہ سے وارث نہیں کیونکہ وہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے۔ آدمی مسلمان ہوتا اور اس کے والدین اور دیگر قرابت والے اسلام نہ لاتے اور اسلام رشتۂ وراثت کو منقطع کر دیتا ہے پس ان میں قرابت کے حق کی ادائیگی کے لئے استحباب کے طور پر وصیت جاری کی گئی۔ اس صورت میں کُتِبَ کا معنی فرض نہیں ہوگا۔ (بلکہ لکھ دیا گیا ہوگا) بالمعروف کا معنی عدل ہے۔ اس طرح نہیں کہ مال دار کے لئے وصیت کرے اور فقیر کے لئے نہ کرے اور ثلث مال سے تجاوز بھی نہ کرے حقاً یہ مصدر مؤکد ہے یعنی حق ذلك حقاً۔ یہ ثابت ولازم کیا گیا ہے لازم کرنا علی المتقین۔ ان لوگوں پر جو شرک سے بچنے والے ہیں۔

تفسیر آیت ۱۸۱:

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ: (جو وصیت کو بدل دے اس کے بعد کہ سن چکا۔ تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والے خبر رکھنے والے ہیں)

فمن بدله۔ جس شخص نے اپنی طرف سے بدل دیا۔ جبکہ وصیت کرنے والوں اور گواہوں کی طرف سے وصیت شرع کے موافق تھی۔ بعد ماسمعه۔ سن لینے کے بعد یعنی وصیت کر دینے کے بعد فانما اثمه علی الذین یبدلونه۔ اس کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدلتے ہیں۔ یعنی تبدیل کرنے کا گناہ بدلنے والوں کے ذمہ ہے۔ موصی یا موصیٰ لہٗ کے ذمہ نہیں۔ کیونکہ وہ تو اس ظلم سے بری الذمہ ہیں۔ ان اللّٰه سمیع علیم: بے شک اللہ وصیت کے قول کو سننے والا اور تبدیل کرنے والے کے ظلم سے واقف ہے۔

تفسیر آیت ۱۸۲:

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: (جس کو خطرہ ہو وصیت کرنے والے کی طرف سے طرفداری کا یا گناہ کا پس اس نے اصلاح کر دی ان کے درمیان تو اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں)

خوف کا مطلب:

فَمَنْ خَافَ۔ جس کو خطرہ ہوا خاف کا معنی جاننا ہے اور کلام عرب میں یہ معروف ہے۔ کہا جاتا ہے اخاف ان یرسل السماء۔ مقصد اس سے ظن غالب ہوتا ہے جس کو علم کے قائم مقام لاتے ہیں۔ جیسا اس آیت میں فان خفتم ان لا یقیما۔ اگر تم جانو کہ وہ قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ من موصٍ۔ وصیت کرنے والے سے۔ قراءت۔ یہ قراءت کوفی میں مُوَصٍّ پڑھا گیا۔ سوائے حفص کے۔

جنف و اثم کا فرق:

جَنَفًا اَوْ اِثْمًا۔ وہ طرف داری جو خطاء سے وصیت میں واقع ہو۔ اثم وہ زیادتی جو جان بوجھ کر کی جائے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ

اے ایمان والو! فرض کئے گئے تم پر روزے جیسا کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم سے

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ط فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا

پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ چند دن کے روزے رکھ لو سو جو شخص تم میں سے مریض ہو

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ

یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے اور جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی طاقت ہے ان کے ذمہ ہے فدیہ

طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ط وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ

ایک مسکین کے کھانے کا۔ پس جو شخص اپنی خوشی سے کوئی خیر کا کام کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمہارے لئے بہتر ہے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

اگر تم جانتے ہو۔

ہر تبدیلی باطل نہیں:

فاصلح بینهم۔اس نے ان کے درمیان اصلاح کر دی۔یعنی اولاد اور قرابت داروں کو طریق شرع پر لا کر ان میں اصلاح کر دی۔تو اس صورت میں اس پر گناہ نہ ہوگا۔کیونکہ اس کی یہ تبدیلی تو تبدیلی باطل الی الحق ہے۔اس کا تذکرہ جو باطل سے تبدیل کر کے پھر اس کو حق سے بدل دے تو پھر بھی گناہ نہیں۔تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہر تبدیلی سے گناہگار نہیں ہوتا۔

دوسرا قول: یہ وصیت کرنے والے کی زندگی میں حکم ہے یعنی جو آدمی کسی وصیت کرنے والے کی وصیت کے وقت موجود تھا۔پھر اس کو خلاف شرع پا کر اس سے اس کو منع کیا اور اس کو اصلاح پر آمادہ کیا۔تو اب وصیت کرنے والے کے پہلے قول پر اس کو گناہ نہ ملے گا۔بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

۱۸۳۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ :(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح فرض کیے گئے ان پر جو تم سے پہلے تھے۔تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ)

تفسیر آیت ۱۸۴:

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ :(چند گنتی کے دن ہیں۔پس جو شخص تم

میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہوتو دوسرے دنوں سے گنتی ضروری ہے۔اوران لوگوں پر جو طاقت نہیں رکھتے ایک محتاج کا کھانا کھلانا ہے پھر جو اپنی خوشی سے نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہےاورتمہارا روزہ رکھنا تمہارے واسطے بہتر ہے اگر تم سمجھو)

فرضیتِ روزہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ۔ کتب یعنی فرض کیے گئے۔صیام۔یہ صام کا مصدر ہے مراد رمضان المبارک کے روزے ہیں۔کما کتب۔یعنی لکھا جانا جس طرح کہ لکھا گیا۔یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔علی الذین من قبلکم۔تم سے پہلے لوگوں سے وہ تمام انبیاء علیہم السلام اور امتیں مراد ہیں۔جو آدم علیہ السلام سے تمہارے زمانے تک ہوگزریں۔یہ قدیم عبادت ہےاورتشبیہ صرف فرضیت میں ہے کہ ہر ایک پر ان سابقہ امم میں کچھ دنوں کے روزے تھے۔یعنی جس طرح تم ان دنوں روزہ سے عبادت کرنے والے ہو۔اس طرح دیگر امتیں بھی روزہ سے عبادت گزاری کرنے والی تھیں۔

روزہ ذریعۂ تقویٰ:

لعلکم تتقون۔تاکہ تم بچو۔یعنی روزے کے ذریعے گناہوں سے بچو۔

نمبرا۔کیونکہ روزے نفس کو اس کی خواہشات سے خوب روکنے والے ہیں اور برائی کے مقامات سے نفس کو زیادہ ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے ہیں۔

نمبر۲۔دوسرا قول: تاکہ تم زمرۂ متقین میں پرو دیئے جاؤ۔اس لئے کہ روزہ متقین کا شعار ہے۔

نحو: ایامًا یہ الصیام مصدر کی وجہ سے منصوب ہے۔یعنی ان تصوموا ایامًا لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کو صوموا محذوف کا مفعول مانیں۔کیونکہ مصدر کی صورت میں اجنبی فاصل حائل ہے۔معدودات۔گنتی کے معلوم دن یعنی تھوڑے سے دن ہیں۔ کیونکہ قلیل چیز کو ہی گنا جاتا ہے۔نہ کہ کثیر کو۔

حکم مریض:

فمن کان منکم مریضًا۔جو تم میں سے بیمار ہواور روزے کی وجہ سے مرض میں اضافہ کا خطرہ ہو۔یا وہ سفر پر ہو۔فعدۃ۔ بس اس پر گنتی ہے یعنی اگر اس نے روزہ نہ رکھا۔تو جتنے دنوں افطار کیا۔تو اس کے ذمے ان ایام افطار کے دنوں کی گنتی کے مطابق روزے ہیں۔پس عدۃ کا لفظ معدود کے معنی میں ہے۔من ایام اخر۔جو ایام سفر و مرض کے علاوہ ہوں۔اخر یہ غیر منصرف ہے کبریٰ سے کبر اور صُغریٰ سے صُغَر علی الذین یطیقونہ اوران لوگوں پر جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں اور وہ معذور بھی نہیں۔پس وہ روزہ نہ رکھیں۔(یہ ان مفسرین کے ہاں ہے جو اس آیت کو منسوخ مانتے ہیں اور جو اس کو منسوخ نہیں مانتے وہ باب افعال کا ہمزہ سلب کے لئے مانتے ہیں) تو ان پر فدیہ ہے۔ایک مسکین کا کھانا ہے۔جو گندم سے نصف صاع اور دوسری اجناس سے ایک صاع دیا جائے گا۔طعام یہاں فدیہ سے بدل واقع ہے۔

قراءت: ابن ذکوان اور مدنی نے فدیة طعام مساکین پڑھا ہے۔ابتدائے اسلام میں طبائع روزے کی عادی نہ تھیں اس لئے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کے بارے میں اس کے بیانات خوب

الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ ج فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ط وَ مَنْ كَانَ

واضح ہیں اور حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر کرنے والے ہیں سو جو شخص تم میں سے اس ماہ میں موجود ہو وہ اس میں روزہ رکھے اور جو شخص

مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ط یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا

مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے۔ دشواری کا ارادہ

یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَ

نہیں فرماتا اور تاکہ تم گنتی پوری کیا کرو۔ اور تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اور تاکہ تم شکر کرو۔

افطار وفدیہ کی رخصت دی گئی پھر اختیار آیت فمن شهد منكم الشهر (الآیة) اس سے منسوخ ہوگیا۔ اسی وجہ سے فمن کان منکم مریضا (الآیة) کو ناسخ ومنسوخ دونوں میں ذکر کردیا۔ تاکہ وہ حکم کی بقاء پر دلالت کرے۔

دوسرا قول: یہ بھی ہے کہ آیت کا معنی اس طرح ہے کہ جو طاقت نہیں رکھتے۔ لا مضمر ہے۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی قراءت اس کی تائید کرتی ہے۔ اس طرح منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں۔ فمن تطوع خیرا۔ جو مقدار فدیہ سے زائد ثواب کی خاطر دے۔ تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ یعنی تطوع یا خیر اس کے لئے بہتر ہے۔

اختلاف قراءت:

حمزہ وعلی رحمہما اللہ نے یطّوع بمعنی تطوع پڑھا ہے۔

تفسیر وَاَنْ تَصُوْمُوْا:

یعنی طاقت والو! تمہارا روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں فدیہ اور تطوع سے بہت بہتر ہے یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ تمہارا سفر ومرض میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔ کیونکہ وہ نفس پر زیادہ گراں ہے اگر تم روزے کی فضیلت کو جانتے ہو۔ گویا ان شرطیہ کا جواب محذوف ہے۔

۱۸۵۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ : (رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ جولوگوں کے لئے ہدایت ہے اور معجزہ (حق و باطل میں) فرق کرنے والی بات پس جو شخص موجود ہو تم میں سے اس مہینے میں پس چاہیے کہ وہ روزہ رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو پس وہ گنتی پوری کرے دوسرے دنوں سے اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں کرتے کہ تم پورا کرو گنتی کو اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اس نے راہنمائی فرمائی تاکہ تم احسان مانو)

نحو :۱۔شهر رمضان۔ یہ مبتداء ہو تو الذی اپنے صلہ کے ساتھ اس کی خبر ہے۔

نمبر۲۔ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی هو شهر تو صلہ موصول مل کر شهر رمضان کی صفت ہے۔

نمبر۳۔ کتب علیکم الصیام میں الصیام سے بدل ہے۔

انزل فیه القراٰن۔ **نمبر۱**۔ اس میں قرآن اتارا گیا۔ یعنی اتارنے کی ابتداء ہوئی اور لیلة القدر میں ابتداء کی گئی۔

دوسرا قول: انزل فی شانه۔ کہ اس کی شان میں قرآن مجید اتارا گیا۔ اور وہ یہ آیت ہے۔

کتب علیکم الصیام۔ رمضان۔ یہ رمض سے مصدر ہے۔ جس کا معنی گرمی سے جلنا ہے۔ پھر شہر کی اضافت اس کی طرف کر کے ایک خاص مہینے کا نام بنادیا۔ یہ غیر منصرف ہے۔ الف۔ نون۔ اور تعریف کی وجہ سے۔

رمضان کی وجہ تسمیہ:

اور اس کے نام رکھنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں بھوک سے جلتے اور سختی برداشت کرتے ہیں۔ اور انہوں نے مہینوں کے نام انہی اوقات سے رکھے تھے۔ جن میں وہ واقع ہوئے۔ یہ مہینہ گرمیوں کی شدت میں واقع ہوا اسی لئے یہ نام رکھ دیا گیا۔

سوال: حدیث میں آیا ہے من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه۔ اس میں مضاف اور مضاف الیہ قسمیہ کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

جواب: التباس کا خطرہ نہیں۔ یہ حذف مضاف کی قسم میں سے ہے گویا یہ من صام شهر رمضان ہوا۔

قراءت: القرآن کا لفظ:

القراٰن یہ پورے قرآن میں غیر مہموز ہے۔ مکی رحمہ اللہ کے ہاں۔

هُدًی۔ یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی وہ قرآن اتارا گیا اس حال میں کہ وہ لوگوں کے لئے حق کا ہادی ہے اور حق کی طرف راہنمائی کے لئے اس میں کھلی نشانیاں ہیں اور قرآن حق و باطل میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی پہلی صفت ہدایت بیان کی۔ پھر فرمایا یہ من جملہ ان واضح دلائل سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ راہنمائی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور کتب سماویہ کے ذریعہ حق و باطل میں واضح تفریق کر دی۔

فمن شهد۔ پس جو شاہد ہو یعنی موجود و مقیم ہو مسافر نہ ہو۔ پس وہ اس میں روزہ رکھے اور افطار ہرگز نہ کرے۔

نَحو : الشھر کا لفظ منصوب ہے مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے اسی طرح لیصمہُ کی ہٗ ضمیر بھی منصوب بوجہ مفعول بہ نہیں ۔ کیونکہ مقیم ومسافر مہینہ میں حاضر وموجود ہوتے ہیں ۔

افطار مرض وسفر میں مباح ہے :

ومن کان مریضًا تافعدة من ایام اخر عدة مبتدا اور خبر محذوف ہے یعنی فعلیہ عدةٌ ای صوم عدة ۔ پس اس پر گنتی کے روزے ہیں ۔ یرید اللّٰہ بکم الیسر ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں اسی لئے سفر ومرض میں افطار کو مباح کردیا ۔ ولا یرید بکم العسر اور تم پر سختی کرنا نہیں چاہتے ۔

مَسْئَلہ : جن حضرات نے مریض ومسافر پر افطار کو فرض قرار دیا ۔ انہوں نے اس آیت کے مفہوم سے اعراض کیا ۔ ولتکملوا العدة ۔ تاکہ تم گنتی پوری کرو ۔ قضا کے ساتھ جو تم نے افطار کیا ۔ جب مرض وسفر زائل ہو جائیں ۔ فعل معلل محذوف ہے اور ماسبق اس پر دلالت کرتا ہے ۔ تقدیر عبارت یہ ہے ۔ لتعلموا ولتکملوا العدة تاکہ تم جان لو اور تاکہ تم اس گنتی کو قضا سے پورا کرلو ۔ جو تم نے افطار کیا ہے ۔

حکم شکر :

ولتکبروا اللّٰہ علی ما ھدٰکم ولعلکم تشکرون ۔ (اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو ۔ اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ۔ اور تاکہ تم شکر ادا کرو) مشروعیت پر ۔ یعنی ان تمام باتوں پر جو مذکور ہوئیں ۔ حاضر کو مہینے کے روزہ کا حکم ۔ افطار کیے ہوئے ایام کو دوسرے دنوں میں گن کر پورا کرنے کا حکم اور رخصت کے وقت افطار کی اباحت پر شکر ادا کرو ۔ ولتکملوا گنتی کی رعایت کا حکم جو دیا اس کی یہ علت ہے ۔ ولتکبروا اللّٰہ ۔ یہ قضاء اور افطار کی ذمہ داری سے نکلنے کی جو کیفیت معلوم ہوئی ۔ اس کی یہ علت ہے ۔ اور لعلکم تشکرون ۔ یہ رخصت ملنے کی علت ہے ۔

عجیب ترتیب :

یہ انتہائی شاندار قسم کی ترتیب ہے ۔ تکبیر کو عَلٰی سے متعدی کیا گیا ۔ اس لیے کہ اس میں حمد کا معنی پایا جاتا ہے ۔ گویا یوں فرمایا تاکہ تم اس کی تعظیم کرو ۔ اس حالت میں کہ تم اس کی اس بات پر حمد کرنے والے ہو ۔ کہ اس نے اپنی طرف سے تمہیں ہدایت دی ۔

قراءت : ابوبکر رحمہ اللہ نے لتکملوا تشدید میم سے پڑھا ہے ۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں سو بلاشبہ میں قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے۔

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

سو وہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تا کہ وہ نیک راہ پر رہیں۔

تفسیر آیت ۱۸۶:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ :(جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہیں۔ میں قریب ہوں۔قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا جب وہ مجھ سے دعا کرے۔پس چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔تا کہ وہ سیدھا راستہ پائیں)

شانِ نزول: ایک بدو نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم چپکے چپکے دعا کریں۔یا دور ہے کہ زور سے پکاریں۔تو یہ آیت اتری۔(تفسیر طبری)

مرادِ قرب:

قرب سے مراد قرب مکانی نہیں۔کیونکہ اس سے ذات باری تعالیٰ بلند و بالا ہے۔قرب علم و اجابت مراد ہے۔(بلکہ قرب واقعی مراد ہے جس کا ادراک وحی سے ہوسکتا ہے)

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْن۔میں قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔تا کہ وہ سیدھا راستہ پائیں۔

اختلافِ قراءت:

سہل، یعقوب، ابوعمرو، نافع رحمہم اللہ نے سوائے قالون کے حالت وصل میں الداع، دعان کو الداعی، دعانی پڑھا ہے۔دیگر قراء نے دونوں حالتوں میں بغیر یاء پڑھا ہے۔

اجابت کے رخ :

اجیب۔اجابت دعا کا تو سچا وعدہ ہے وعدہ خلافی ناجائز ہے۔البتہ اجابت دعا میں حاجت کے پورے ہونے میں تخالف ہے۔اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اجابت دعوت یہ ہے کہ بندہ کہے۔یارب پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔لبیك عبدی۔تو یہ بات ہر بندۂ مؤمن کے لئے موجود ہے اور رہی قضائے حاجت یعنی مراد دینا۔نمبرا۔تو اس میں کبھی تو فوراً مل جاتی ہے۔
نمبر۲۔کبھی کچھ مدت بعد۔نمبر۳۔اور کبھی آخرت میں ملے گی۔نمبر۴۔اور کبھی اس مطلوب چیز کے علاوہ میں اس کے لئے خیر ہوتی ہے۔وہ دے دی جاتی ہے۔فلیستجیبوا لی۔پس ان کو میرا حکم ماننا چاہیے۔جبکہ میں ان کو ایمان و طاعت کی طرف

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ

حلال کیا گیا تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں بیویوں میں مشغول ہونا، وہ لباس ہیں تمہارے لئے

أَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ

اور تم ان کا لباس ہو۔ اللہ نے جان لیا کہ بلاشبہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے سو اس نے تمہاری توبہ

عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْـَٔانَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ

قبول فرمائی اور تم کو معاف فرما دیا۔ سو اب ان سے میل ملاپ کرو، اور تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ

اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے۔

مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ

یعنی فجر کا تاگہ پھر تم روزے پورے کرو رات تک اور بیویوں سے میل ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم

عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ

اعتکاف کئے ہوئے ہو مسجدوں میں۔ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہٰذا ان کے پاس نہ پھٹکو اسی طرح

يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اپنی آیات تا کہ لوگ پرہیزگار بنیں۔

بلاؤں جیسا کہ وہ حاجات کے وقت مجھے پکارتے ہیں۔ تو ان کی حاجات پوری کرتا ہوں۔ ولیؤمنوا بی۔ اور مجھ پر ایمان لائیں۔ ان دونوں میں لام امر ہے۔

لعلهم يرشدون تا کہ وہ سیدھا راستہ پائیں یعنی گزشتہ خصلتوں پر کاربند ہوں تا کہ ہدایت پانے کے امیدوار ہوں۔ رشد یہ غیؔ کی ضد ہے۔

شانِ نزول: ابتدائے اسلام میں جب آدمی عشاء کی نماز پڑھ لیتا یا اس سے پہلے سو یا رہتا تو اس پر کھانا پینا جماع اگلی رات تک حرام ہو جاتا۔ صرف کھانا پینا اور جماع شام کے بعد عشاء پڑھنے اور جاگتے رہنے تک درست تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد اپنی زوجہ سے صحبت کر لی۔ پس جب غسل کر چکے۔ تو رونے اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خبر دی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہیں یہ مناسب نہ تھا۔ تو یہ آیت اتری۔

۱۸۷: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْـَٔانَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ

الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَ سْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ :(حلال کر دیا گیا تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا وہ تمہارا لباس اور تم ان کا لباس ہو۔اللہ تعالیٰ نے جانا کہ تم چوری سے اپنا نقصان کرتے ہو۔پس اس نے معاف کیا۔اور تم سے درگزر کیا۔پس اب تم ان سے ہم بستر ہو اور تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تمہارے لئے اور کھاتے پیتے رہو۔یہاں تک کہ صاف نظر آنے لگے۔تمہیں صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے۔پھر پورا کرو روزہ رات تک۔اور نہ ہم بستر ہو ان سے جبکہ تم اعتکاف کرنے والے ہو۔مساجد میں یہ اللہ تعالیٰ کے ضابطے ہیں۔پس ان کے نزدیک بھی نہ جاؤ اسی طرح اللہ تعالیٰ صاف صاف بیان کرتا ہے اپنی نشانیاں لوگوں کے لئے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں)

لباس سے تشبیہ کی وجہ:

احل لکم لیلة الصیام الرفث۔رفث جماع کو کہتے ہیں۔الی نساء کم۔رفث کو اِلی سے متعدی کیا گیا ہے۔کیونکہ اس میں افضاء یعنی جماع کا مفہوم پایا جاتا ہے اور افضاء اِلی سے متعدی ہوتا ہے البتہ رفث کے لفظ کو کنایہ کے لئے استعمال کیا۔ حالانکہ اس میں قبح کا معنی پایا جاتا ہے افضاء کا لفظ نہیں لائے۔اس سے اس قباحت کی طرف اشارہ کیا۔جو قبل از اباحت پائی گئی تھی۔جیسا کہ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ میں خیانت سے تعبیر کیا۔اور چونکہ مرد و عورت ایک دوسرے سے لپٹتے ہیں اور ہر ایک دوسرے پر مثل لباس کے مشتمل ہو جاتا ہے۔اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی۔جو کہ جسم کو ڈھانپنے والا ہوتا ہے۔اپنے اس ارشاد سے ھن لباس لکم و انتم لباس لھن۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ لباس جس طرح پہننے والے کو چھپا لیتا ہے اسی طرح مرد اور عورت ایک دوسرے کو حرام سے چھپاتے اور روکتے ہیں۔

نحو: ھن لباس لکم یہ جملہ مستانفہ ہے جو کہ بیان کی طرح ہے احلال کے سبب کے لئے۔اب مطلب یہ ہوا کہ جب تمہارے اور ان کے درمیان اتنا گہرا میل جول ہے۔اور تمہارا ان سے صبر ممکن نہیں۔اور ان سے پرہیز تم پر گراں ہے اسی لئے ان کے ساتھ مباشرت کی اجازت تمہیں دے دی گئی۔علم اللّٰہ انکم کنتم تختانون انفسکم۔اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اپنے نفسوں پر جماع کر کے ظلم کرتے ہو۔اور اپنے خیر کے حصہ میں کمی کرتے ہو۔الاختنان یہ خیانت سے ہے جیسا کہ اکتساب کسب سے ہے۔مزید میں زیادتی اور شدت ہے۔فتاب علیکم۔پس اس نے تم پر رجوع فرمایا جبکہ تم نے ارتکاب ممنوع سے توبہ کی۔ وعفا عنکم اور اس نے معاف کر دیا جو تم نے رخصت سے پہلے کیا۔فالئٰن باشروھن۔اب ان سے ملو۔یعنی روزے کی راتوں میں جماع کرو یہ امر اباحت کے لیے ہے مجامعت کو مباشرت اس لیے کہا۔کیونکہ دونوں کے چمڑے آپس میں ملتے ہیں۔

تلاش کا مطلب:

وابتغوا ما کتب اللّٰہ لکم اور تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔یعنی

نمبر ا۔تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں مباشرت کے ساتھ اولاد لوح محفوظ میں لکھ دی ہے مطلب یہ ہوا کہ فقط قضائے

شہوت کی خاطر مت مباشرت کرو۔ بلکہ نکاح کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو توالد و تناسل کا سلسلہ بنایا ہے اس کو سامنے رکھو۔
نمبر۲۔ اس مقام میں تلاش کرو۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کر دیا ہے اور اس کو حلال کر دیا ہے نہ وہ مقام جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔

دھاگے کی مشابہت:

وکلوا واشربوا حتّٰی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود۔ خیط ابیض سفید دھاگے سے مراد افق میں پھیلنے والی سفیدی جو کھینچے ہوئے دھاگے کی طرح ہوتی ہے۔ سیاہ دھاگے سے مراد رات کی وہ سیاہی جو افق میں پھیلی ہوتی ہے۔ ان کے افق میں پھیلنے کی بناء پر سیاہ و سفید دھاگے سے تشبیہ دی۔ من الفجر۔ نمبر۱۔ یہ خیط ابیض کا بیان ہے کہ فجر کی سفید دھاری مراد ہے نہ اور کچھ۔ خیط اسود کا بیان ترک کر دیا۔ کیونکہ متضاد میں ایک کا بیان خود دوسرے کا بیان ہے۔
نمبر۲۔ مِنْ تبعیضیہ ہے کیونکہ یہ فجر کا بعض اور خصوصاً پہلا بعض ہے۔
بلاغت: اس کو استعارہ قرار دے کر تشبیہ بلیغ بنایا گیا جیسا کہو۔ رأیت اسدًا۔ مجاز ہے۔ اگر اس پر من فلان کا لفظ اضافہ کر دیا تو یہ تشبیہ بن گئی۔

حضرت عدیؓ بن حاتم ۹ ھ میں مسلمان ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے سفید و سیاہ دھاگے لے کر ان کو اپنے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ میں نے ان کو نکال کر دیکھا۔ تو سیاہ و سفید میں امتیاز نہ ہو سکا۔ پس میں نے نبی اکرم ﷺ کو اطلاع دی تو آپ نے فرمایا انک لعریض القفا یعنی تو سلیم القلب ہے کیونکہ یہ محاورہ تو قلت عقل و فہم پر بولا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے تو دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی مراد ہے۔

ثم اتموا الصیام الی الّیل۔ پھر تم روزہ پورا کرو رات تک یعنی ان چیزوں سے رات تک رکو۔

مسئلۂ عجیب:

نمبر۱۔ اس میں دلیل ہے کہ صوم رمضان کی نیت دن میں کی جا سکتی ہے۔
نمبر۲۔ فجر تک غسل کا مؤخر کرنا جائز ہے۔
نمبر۳۔ وصال کے روزے کی نفی کی گئی۔
نمبر۴۔ کھانے پینے سے بھی کنارہ لازم ہے۔
نمبر۵۔ جنابت روزے کے منافی نہیں۔

آیت سے ماخوذ مسائل:

وانتم عاکفون فی المسجد۔ اور تم اعتکاف کرنے والے ہو۔ مساجد میں۔ یعنی ان میں حالت اعتکاف میں ہو۔
مَسْئَلَۃ: اس سے واضح ہو گیا۔ کہ رمضان شریف کی راتوں میں جماع حلال ہے لیکن اس کی حلت غیر معتکف کے لئے ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ۔ اور نہ لے جاؤ ان کو حاکموں کی طرف

لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾

تاکہ کھا جاؤ ایک حصہ لوگوں کے مالوں میں سے گناہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو۔

وانتم یہ جملہ موضع حال میں ہے۔

مَسْئَلَه: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہی ہوسکتا ہے کسی بھی مسجد میں ہوسکتا ہے کوئی مسجد مخصوص نہیں۔

تلك۔اس سے ان احکام کی طرف اشارہ ہے جو ذکر ہو چکے۔ حدود اللّٰہ۔ اللہ کی حدود سے مراد مقررہ احکام ہیں۔ فلا تقربوھا۔ان کے قریب مت جاؤ یعنی ان کی مخالفت اور تبدیلی کے قریب بھی مت گزرو۔ کذٰلك یبین اللّٰہ ایاته۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر اپنی آیات بیان کرتے ہیں۔آیات سے مراد احکامات ہیں لعلھم یتقون۔تاکہ وہ متقی بن جائیں۔یعنی حرام سے بچیں۔

١٨٨۔ وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: (اور نہ کھاؤ آپس میں اپنے مال ناحق اور نہ ذریعہ بناؤ ان مالوں کو حاکموں تک رسائی تاکہ کھاؤ تم تھوڑا مال لوگوں کا گناہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو) ولا تاکلوا۔تم نہ کھاؤ اپنے اموال اپنے درمیان یعنی تم ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ بالباطل۔ ناحق کے ساتھ یعنی اس طریق سے جس کو اللہ تعالیٰ نے مباح نہیں کیا اور نہ مشروع قرار دیا ہے۔

ناحق فیصلے کی مذمت:

وتدلوا بھا الی الحکام اور نہ حکام کے پاس لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کے اموال میں سے کچھ کھاؤ یہ مجزوم ہے نہی کے تحت داخل ہے۔یعنی نہ ڈالو اموال کا معاملہ اور ان میں فیصلہ حکام کے پاس۔لتاکلوا، تاکہ تم کھاؤ یعنی فیصلہ کے ذریعہ۔فریقا، کچھ۔من اموال الناس بالاثم،لوگوں کے اموال میں سے گناہوں کے ساتھ۔اثم۔سے مراد جھوٹی گواہی یا جھوٹی قسم یا صلح کے ساتھ یہ جانتے ہوئے کہ جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے وہ ظالم ہے۔رسول اللہ ﷺ نے دونوں فریق کو فرمایا۔انما انا بشر وا نتم تختصمون الیّ ولعلّ بعضکم الحن بحجته من بعض فاقضی له علی نحو ما اسمع منه فمن قضیت له بشیٔ من حق اخیه فلا یأخذن منه شیئاً فان ما اقضی له قطعة من نار۔اے لوگو! میں تمہاری طرح انسان ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے، فیصلے کرانے کے لئے لاتے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض تم میں سے اپنی دلیل اور اظہار بیان میں دوسرے سے زیادہ زبان آور اور فصیح ہو پھر اسکے بیان پر میں اسکے موافق فیصلہ کر دوں تم کو چاہیے کہ جس کے لیے میں اسکے بھائی مسلمان کے حق میں سے کچھ دلاؤں۔اس کو نہ لو کیونکہ یہ لینے والے کے لئے میں نے گویا آگ کا ایک انگارہ دیدیا۔ (بخاری و مسلم)

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَیْسَ

وہ آپ سے چاندوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اور نیکی

الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اْتُوا

نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے آؤ لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقوی اختیار کرے، اور آ جاؤ تم

الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

گھروں میں ان کے دروازوں سے۔ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

پس اس فرمانے پر وہ دونوں رونے لگے اور ہر ایک نے کہا میرا حق میرے ساتھی کا ہے (احمد)

بعض نے وتدلوا بها کا مطلب یہ کیا بعض کو نہ لے جاؤ بڑے مقام کے پاس رشوت کے طور پر۔ عرب کہتے ہیں ادلی دلوہ۔ اس نے اپنا ڈول کنوئیں میں ڈالا پانی نکالنے کے لئے۔ وانتم تعلمون حالانکہ تم جانتے ہو۔ کہ تم باطل پر ہو اور جانتے ہوئے گناہ کا ارتکاب قباحت میں بر تر ہے اور اس کا مستحق توبیخ کا زیادہ مستحق ہے۔

شانِ نزول: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاند کیونکر دھاگے کی طرح باریک ظاہر ہو کر بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑھ کر برابر ہو جاتا ہے۔ پھر کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جس میں شروع میں تھا۔ آخر یہ سورج کی طرح ایک حالت میں کیوں نہیں رہتا۔ تو یہ آیت اتری۔

۱۸۹: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ وَ لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے لوگ پہلی رات کے چاند کا حال پوچھتے ہیں۔ فرما دیجئے کہ یہ وقت ہیں لوگوں کے (معاملات) کے لئے اور حج کے واسطے اور نیکی نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی اس کی ہے جو پرہیزگاری کرے اور آؤ گھروں میں ان کے دروازوں کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ) یسئلونك عن الاهلة۔ اهله هلال کی جمع ہے۔ ہلال کو ہلال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی آوازیں چاند دیکھتے وقت بلند کرتے تھے۔

چاند ذریعۂ وقت ہے:

قل هی مواقیت للناس والحج۔ کہہ دیں وہ لوگوں اور حج کے لئے اوقات ہیں۔ یعنی نشان ہیں۔ جن سے لوگ اپنے کھیتوں، تجارات، قرضہ جات، روزے، افطار، عدت نساء، ایام حیض، مدت حمل وغیرہ کے احکام کا وقت معلوم کرتے ہیں اور حج کے نشان ہیں۔ جن سے حج کے اوقات مقرر ہوتے ہیں۔

طریق انصار:

بعض انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ احرام باندھ لیتے تو وہ کسی دروازے کی طرف سے احاطۂ گھر اور نہ ہی کسی خیمہ میں داخل ہوتے۔ اگر وہ کچے مکانات والے ہوتے تو گھر کے پچھلی طرف سوراخ کر کے داخل ہوتے اور گھر سے نکلتے۔ اور اگر خیمے والا ہوتا تو خیمے کی پچھلی جانب سے نکلتا پس (اس رسم بد کے ازالہ کے لئے) یہ آیت نازل ہوئی۔ ولیس البر کہ نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں پچھلی جانب سے داخل ہو۔ یعنی نیکی نہیں دروازہ سے داخل ہونے میں بتکلف اپنے آپ کو تنگی میں ڈالنا۔

نحوی تحقیق:

البر کے رفع میں یہاں سب کا اتفاق ہے کیونکہ آیت اس جگہ دونوں احتمال رکھتی ہے جیسا کہ ہم نے واضح کیا تھا۔ پس رفع نصب اس جگہ درست ہے مگر اس آیت میں ایک ہی احتمال ہے اور وہ رفع ہے اس لئے کہ لیس کی خبر پر باء ہی داخل ہوتی ہے ولکن البر لیکن نیکی تو اس شخص کی ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا ان چیزوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

اختلافِ قراءت:

البیوت کو کسرہ اول کے ساتھ (ابن کثیر) ابن عامر' کسائی نے پڑھا اسی طرح اس کے باب العیون۔ الشیوخ وغیرہ میں مگر مدنی۔ بصری' حفص رحمہم اللہ نے البیوت کو ضمہ کے ساتھ اصل ہی پڑھا ہے۔ جیسے **کعب کعوب**۔

کسرہ کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس کے بعد یاء آ رہی ہے مگر اس سے لازم آتا ہے کہ کسرہ سے ضمہ کی طرف نکلنا لازم ہے۔ اس کے مطابق مطلب یہ ہوا۔ کہ جب جانداروں کے بارے میں انہوں نے سوال کیا اور اس کے نقصان کی حکمت دریافت کی۔ تو ان کو کہا گیا کہ تم بخوبی جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں وہ عین حکمت ہے پس یہ سوال ترک کر دو اور غور کرو۔ اس ایک خصلت کے متعلق کہ یہ نیکی میں سے کسی درجہ کی بھی نہیں۔ حالانکہ تم اس کو نیکی خیال کرتے ہو۔ ماقبل سے اس آیت کے تعلق کی یہ وجہ ہے۔

دوسرا قول: یہ بھی ممکن ہے کہ جن چیزوں کا ذکر ہوا یعنی مواقیت حج ان کے لئے بطور استطراد (کلام کو اس انداز سے ذکر کرنا کہ دوسرا کلام خود لازم آ جائے) لایا گیا ہو۔ چونکہ یہ ان کے من جملہ افعال حج میں سے تھا۔

تیسرا احتمال: ممکن ہے کہ یہ تمثیل ہو کیونکہ انہوں نے سوال الٹ کیا تو ان کو کہا گیا تمہاری مثال اس میں اس جیسی ہے جیسے کوئی گھر کا دروازہ چھوڑ کر گھر کی پشت سے داخل ہو اب مطلب یہ ہوا یہ کوئی نیکی نہیں اور نہ تمہیں اس پر قائم رہنا مناسب ہے کہ الٹ سوال کرو۔ لیکن اصل نیکی تو اس کی ہے جو ان چیزوں سے بچا اور اس نے پرہیز کیا۔ اور اس قسم کی جسارت نہ کی۔

افعالِ الٰہی میں حکمت:

وأتوا البیوت من ابوابھا۔ آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے یعنی معاملات کو اس طرح اختیار کرو۔ جیسے لازم ہوتے ہیں الٹ مت کرو۔ یا

دوسرا قول: مراد یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال میں حکمت ہے اور درست ہیں ان کے متعلق دل میں

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور زیادتی مت کرو،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ

بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اور تم ان کو قتل کرو جہاں بھی پالو،

وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ

اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا، اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ

اور ان سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اس میں خود نہ لڑیں۔ سو اگر

قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا

وہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کر دو۔ ایسی ہی جزا ہے کافروں کی۔ سو اگر وہ باز آ جائیں

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

تو اللہ غفور رحیم ہے۔ اور ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور ہو جائے دین اللہ ہی کے لئے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو زیادتی نہیں ہے مگر ظالموں پر۔

کوئی شبہ نہیں لانا چاہیے اور نہ کوئی اعتراض کر کے شک کرنا مناسب ہے بلکہ سوال بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ سوال کے متعلق شک کا قرین ہونے کی وجہ سے اتہام والزام ہے جیسا سورۂ انبیاء آیت نمبر ۲۲ میں فرمایا۔ لا یسئل عما یفعل وهم یسئلون۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں اس کا سوال نہیں کیا جا سکتا لوگوں سے پوچھا جائے گا۔ واتقوا اللّٰه اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ ان کے تمام احکام میں جن کا اس نے حکم دیا اور جن سے روکا لعلکم تفلحون۔ تا کہ تم کامیاب ہو کر سرمدی نعمتوں کو پالو۔

مفہوم آیت میں چار اقوال:

۱۹۰۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ : اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اللہ کے راہ میں مقاتلہ کا مطلب اعلائے کلمۃ اللہ اور عظمت دین کے لئے جہاد کرنا ہے الذین یقاتلونکم۔ جو تم

سے لڑائی کرتے ہیں نہ ان سے جو کہ باز رہنے والے ہیں اس صورت میں یہ آیت سورۃ التوبہ آیت نمبر ۲۶ قاتلوا المشرکین کآفة سے منسوخ مانی جائے گی۔

دوسرا قول: یہ آیت سب سے پہلی آیت ہے جو قتال کے سلسلہ میں اتری۔ پس رسول اللہ ﷺ اس سے لڑتے جو آپ سے لڑتا اور اس سے ہاتھ روکتے جو لڑائی سے باز رہتا۔

تیسرا قول: جو تم سے لڑائی قائم کرنے والے ہیں یعنی نوجوان نہ وہ جو لڑائی کے قابل نہیں مثلاً بوڑھے، بچے، رہبان عورتیں۔

چوتھا قول: تمام کفار مراد ہیں کیونکہ وہ تمام ہی مسلمانوں سے لڑائی کا قصد کرنے والے ہیں اور قاصدین مقاتلین کے حکم میں ہیں۔

حد سے نہ بڑھنے کا مطلب:

و لا تعتدوا۔ حد سے نہ بڑھو۔ یعنی قتال میں ابتداء کر کے۔

دوسرا قول: حد سے نہ بڑھو ان سے لڑائی کر کے ان سے لڑائی منع کی گئی مثلاً بوڑھے عورتیں وغیرہ

تیسرا قول: مثلہ کر کے حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر آیت ۱۹۱:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ : (اور ان کو قتل کرو جہاں تم ان کو پاؤ) الثقف کسی چیز کو جلدی پالینا اور اس پر غلبہ حاصل کر لینا۔ یعنی جس جگہ ان کے قتل پر قادر ہو۔

وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ :(اور ان کو وہاں سے نکالو۔ جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا) یعنی مکہ سے

وعدۂ الٰہی:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فتح مکہ کا وعدہ فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے اسلام نہ لانے والوں کے ساتھ ایسا سلوک فرمایا۔

فتنہ سے مراد:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ نمبرا۔ فتنہ سے مراد یہاں شرک ہے جو قتل سے عظیم تر ہے یہ قتل ایک وقت میں مسلمانوں کے لئے مباح کر دینگے۔

دوسرا قول: فتنہ سے عذاب آخرت مراد ہے۔

تیسرا قول: وہ مشقت و مصیبت جو انسان پر اترتی ہے اور قتل سے بڑھ کر اس سے سزا پاتا ہے۔

نکتہ: ایک عقل مند سے کسی نے پوچھا۔ ماالشد من الموت موت سے زیادہ سخت کونسی چیز ہے؟ اس نے جواب دیا وہ مصیبت جس میں موت کی تمنا کی جائے۔ تو گویا اخراج عن الوطن کو اُن فتن سے قرار دیا جن میں ابتداء کے وقت موت کی تمنا کی جاتی ہے۔

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ : (ان سے مسجد حرام کے پاس مت لڑو) یعنی حرم میں ان کے ساتھ لڑائی کی ابتداء نہ کرو۔ (یہاں تک کہ وہ ابتداء کریں)۔ عند المسجد سے مراد سارا حرم ہے۔

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ : (اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان سے لڑو) حرم میں۔ ہمارے نزدیک اشہر حرم میں بھی قتل نہ کریں گے۔ مگر جب کہ وہ ہمارے ساتھ قتل میں ابتداء کریں۔ پس اس وقت ہم ان کو قتل کریں گے۔ اگرچہ فاقتلوھم حیث ثقفتموھم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قتل ہر جگہ مباح ہے لیکن آیت۔ لاتقاتلوھم عندالمسجد الحرام سے حرم کی تخصیص ہوگئی۔ سوائے اس صورت کے جس میں وہ ابتداء کریں۔

(تفسیر شرح التاویلات میں اسی طرح مذکور ہے) كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ (کافروں کی سزا اسی طرح ہے) نحو۔ یہ مبتداء وخبر ہے۔

اختلافِ قراءت:

حمزہ اور علی رحمہما اللہ نے اس طرح پڑھا۔ ولا تقتلوھم حتّٰی یقتلوکم فان قتلوکم

تفسیر آیت ۱۹۲:

فَاِنِ انْتَهَوْا : (اگر وہ باز آ جائیں) یعنی شرک سے اور قتال سے

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ : (بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے) ان تمام سرکشیوں کو جو پہلے کی جا چکیں۔

رَّحِيْمٌ : (مہربان ہے) ان کے ایمان وتوبہ کو قبول فرمائے گا۔

۱۹۳۔ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ : (ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے) یعنی شرک

نحوی تحقیق:

یہ کان تامہ ہے اور حتی کَیْ کے معنی میں ہے یا اِلٰی اَنْ کے معنی میں

وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ : (اور دین ہو جائے خالص) اس طرح کہ شیطان کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔ یعنی اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کی جائے۔

ظالم سے مراد:

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ : (اگر وہ باز آ جائیں تو کسی پر زیادتی نہیں سوائے ظالموں کے) یعنی اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو ان سے مت لڑو۔ اس لئے کہ زیادتی صرف ظالمین پر ہی ہے اور یہ ایمان کی وجہ سے ظالم نہیں رہے)

دوسرا قول: ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہ کرو۔ جو ظالم باز نہ آنے والے ہوں۔

بلاغت: آیت میں مشاکلہ ہے کہ جزائے ظلم کو ظلم کہہ دیا جس طرح سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۹۴ میں فمن اعتدٰی علیکم فاعتدوا علیہ میں بدلہ اعتداء کو اعتداء کہہ دیا گیا ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى

حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے عوض، اور حرمتیں معاوضہ کی چیزیں ہیں، سو جو شخص تم پر کوئی زیادتی

عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر آیت ۱۹۴:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ :حرمت والا مہینہ بدلہ میں حرمت والے مہینے کے اور حرمت والی چیزوں میں برابری ہے۔ جو زیادتی کرے تم پر تو تم اس پر زیادتی کرو اسی قدر جتنی اس نے زیادتی کی۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کر لو اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے)

۶ ھ۔ ذیقعدہ حدیبیہ والے سال مشرکین نے مسلمانوں سے شہر حرام ذوالقعدہ میں لڑائی کی۔ پس عمرۃ القضاء ۷ ھ ذیقعدہ میں یہ بات کہی گئی۔ لڑائی کو ذیقعدہ کی بناء پر ناپسند کیا تو فرمایا۔ حرمت والا مہینہ بدلے حرمت والے مہینے کے ہے اور اس کی بے حرمتی ان کی بے حرمتی کے بدلے میں ہے۔ یعنی تم اس کی حرمت سے بے پروائی ان کے بے حرمتی کے مقابلہ میں کر رہے ہو۔

وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ۔ حرمت کی اشیاء میں برابری جاری ہوتی ہے جو کسی چیز کی بے حرمتی کرے۔ تو اس حرمت کا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کہ اس کی بے حرمتی کی جائے گی۔ پس جب انہوں نے تمہارے مہینے کی حرمت کو توڑا ہے تو تم بھی ان سے اسی طرح کرو اور کوئی پرواہ نہ کرو۔ اور فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠۔ کہ جو حد سے گزرے۔ پس اس پر اتنی زیادتی کرو۔ جتنی اس نے تم پر کی۔ سے اس کی تائید کر دی۔ مَنْ شرطیہ ہے اور بآء زائدہ نہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے بعقوبة مماثلة یعنی ایسی سزا جو مماثل ہو اور ان کی عداوت کے پیش نظر تقویٰ اختیار کرو۔

یا باء زائدہ مان لیں۔ تو تقدیر عبارت یہ ہے۔ عدوا نًا مثل عداونهم۔ یعنی ایسی زیادتی جو ان کی زیادتی جیسی ہو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس حالت میں کہ تم زیادتی کرنے والوں پر غلبہ پانے والے ہو۔ پس ان پر ایسی زیادتی نہ کرو۔ جو تمہارے لئے حلال نہ ہو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۔ اور یقین کر لو بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہیں۔ اپنی مدد کے ساتھ (معیت، نصرت و مدد ہی مراد ہے)

مع ۱ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں، اور خوبی کے ساتھ کام کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ خوبی کے ساتھ کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

تفسیر آیت ۱۹۵:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ : (اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک اللہ نیک لوگوں کو پسند کرتا ہے) وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور خرچ کرو اللہ کی رضامندی میں یہ انفاق جہاد اور دیگر میں عام ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ اور تم اپنے نفسوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ ایدیکم سے مراد نفس ہیں۔ باء زائدہ ہے۔ یا نہ قتل کرو اپنے نفسوں کو اپنے ہاتھوں جیسا عرب کہتے ہیں اهلك فلان نفسه بيده جب کہ وہ اپنے نفس کی ہلاکت کا سبب بنے۔ مطلب یہ ہوا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو ترک کرنے کی ممانعت ہے۔

ترک انفاق ممنوع ہے:

کیونکہ یہ ہلاکت کا سبب ہے یا خرچہ میں فضول خرچی کرے یہاں تک کہ فقیر ہو جائے اور اپنے اہل کو ضائع کر دے۔ یا نفس کو خطرات میں مبتلا کرنا۔ یا غزوہ کے ترک سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ کیونکہ وہ دشمن کی تقویت کا باعث ہے۔ التهلكه: ہلاک الهلك یہ ایک ہی ہیں۔ واحسنوا: اور نیکی کرو۔ یعنی اس کے بدلے کے متعلق اچھا گمان اللہ پر رکھو۔ ان الله يحب المحسنين۔ (بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) جو محتاجوں کو دیتے ہیں۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پس اگر تم کو روک دیا جائے تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دو،

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ

اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ مونڈو جب تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے

اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ

سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دیدے روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی کے جانور سے۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ وقفہ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ

پھر جب تم امن کی حالت میں ہو سو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہو تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دے، سو جو شخص

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ

نہ پائے تو تین دن کے روزے ہیں حج میں اور سات دن کے روزے ہیں جب کہ تم لوٹ آؤ۔ یہ پورے دس ہوئے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

یہ اس کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں۔ اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع ۲۴

کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

۱۹۶۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: (اورتم پورا کرو اللہ تعالیٰ کیلئے حج اور عمرہ کو پھر اگر تم روک لئے جاؤ۔ تو جو کچھ ہو سکے قربانی معین سے اور نہ منڈواؤ اپنے سر یہاں تک کہ ہدی اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جائے پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو اس پر بدلہ لازم ہے روزہ یا خیرات یا قربانی۔ پس جب تم امن میں ہو جاؤ۔ تو جو شخص نفع اٹھائے عمرہ کا حج کے ساتھ ملانے کا تو جو کچھ میسر ہو ہدی میں سے۔ پس جو شخص ہدی نہ پائے پس وہ حج کے دنوں میں تین دن کے روزے رکھے اور سات جب تم لوٹو۔ یہ دس دن مکمل ہوئے یہ حکم اس کیلئے

ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس موجود نہیں ۔اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔اور یقین کرو بے شک اللہ سخت بدلہ لینے والے ہیں)۔
وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ : اور پورا کرو حج وعمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے یعنی ان کی ادائیگی ان کی شرائط کے ساتھ اور فرائض کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے پوری کرو۔بغیر کسی نقص اور سستی کے اور یہ بھی کہا گیا۔تکمیل تو شروع کرنے کے بعد ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے ان دونوں کو شروع کیا۔اس پر ان کی تکمیل لازم ہے اور یہی ہم کہتے ہیں کہ عمرہ شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے پس اس آیت میں لزوم عمرہ کے لئے امام شافعی رحمہ اللہ کے لئے کوئی موقع استدلال کا نہ رہا۔کیونکہ یہاں تو تکمیل کا حکم ہے اور واجب ونوافل دونوں کی تکمیل کا بھی حکم دیا جاتا ہے۔

تکمیل کا حکم:

یا ان کا اتمام یہ ہے کہ اپنے گھر سے ان کا احرام باندھے۔
یا ان دونوں کے لئے الگ الگ سفر کرے۔
یا ان دونوں میں حلال مال خرچ کرے۔
یا ان دونوں کی ادائیگی کے ساتھ تجارت نہ کی جائے۔

احصار کا مفہوم:

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ : اگر تم روک دیئے جاؤ۔عرب کہتے ہیں۔احصر فلان۔جبکہ اس کو کچھ خوف یا مرض یا عاجزی نے روک دیا۔ وحصر۔جب دشمن جانے سے روک دے۔ ہمارے نزدیک احصار ہر رکاوٹ خواہ وہ دشمن یا بیماری یا ان کے علاوہ کسی بھی چیز سے پیش آجائے ظاہر نص سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ من کُسرا و عرج فقد حل کہ جس کی ہڈی ٹوٹ گئی یا لنگڑا ہو گیا اس کیلئے جائز ہے کہ وہ حلال ہو اور اس پر آئندہ سال حج ہے۔(ابوداؤد وترمذی) امام شافعیؒ کے نزدیک احصار صرف دشمن سے ہے اور ظاہر نص دلالت کر رہی ہے کہ احصار عمرہ کے دوران بھی واقع ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (جو ہدی میسر ہو) عرب کہتے ہیں یسر الامروا ستیسر۔اس کو میسر ہوا جیسا کہ صعب واستصعب بولتے ہیں۔مجرد ومزید دونوں کا ایک ہی معنی ہے الهدی ہدیۃ کی جمع ہے یعنی اگر بیت اللہ کی طرف جانے سے تم روک دیئے جاؤ اس حالت میں کہ تم حج کا احرام باندھنے والے ہو یا عمرہ کا پس تم پر لازم ہے کہ جب تم ان سے حلال ہونے کا ارادہ کرو۔تو جو ہدی میسر ہو خواہ اونٹ یا گائے یا بکری (وہ دیگر حلال ہو جاؤ)

نحو: ما یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے تقدیر عبارت فعلیکم ما استیسر ہے یا منصوب ہے تقدیر عبارت فاهدوا ما استیسر۔

مقام ذبح کونسا ہے؟

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ (اور تم سر نہ منڈ واؤ یہاں تک کہ ہدی اپنے حلال ہونے کی جگہ کو پہنچ جائے) اس میں ان لوگوں کو خطاب کیا جن کو روک لیا گیا ہو۔یعنی سر منڈا کر حلال نہ ہو یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ہدی جو تم نے حرم روانہ کی ہے وہ اپنے مقام ذبح پر پہنچ چکی ہے وہ مقام جہاں اس کا نحر کرنا ضروری ہے اور وہ حرم ہے۔

مَسْئَلَه: یہ آیت ہماری دلیل ہے کہ دم احصار حرم میں ہی ذبح ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک غیر حرم میں بھی اس کا ذبح کرنا درست ہے۔
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا : (پس جو تم میں سے بیمار ہو) جس شخص کو تم میں سے ایسی بیماری ہو جس سے حلق کی ضرورت پڑ جائے۔
اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ : اس کو سر کی تکلیف ہو۔ یعنی جوئیں پڑ جائیں۔ یا زخم ہو جائے۔
فَفِدْيَةٌ : (تو فدیہ ہے) یعنی اس کے ذمہ فدیہ ہے اگر وہ سر منڈوا دے۔
مِّنْ صِيَامٍ ۔ (روزوں سے) یعنی تین دن کے روزے۔ اَوْ صَدَقَةٍ ۔ (یا صدقہ) یعنی چھ مسکین پر صدقہ جبکہ ہر مسکین کو نصف صاع گندم کا دیا جائے۔
اَوْ نُسُكٍ ۚ (یا قربانی) یعنی بکری نسک مصدر ہے یا جمع نسيكةٌ ہے۔
فَاِذَآ اَمِنْتُمْ (جب تم امن میں ہو جاؤ۔ یعنی احصار سے یعنی احصار نہ ہو اور تم حالت امن و سلامتی میں ہو۔

نفع اٹھانا کیا ہے؟

فَمَنْ تَمَتَّعَ ۔ فائدہ اٹھایا جس نے بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ ۔ (عمرہ کو حج سے ملانے کا) اس کا نفع اٹھانا عمرہ کے ساتھ وقت حج میں یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قرب کا فائدہ حاصل کر لیا۔ حج کے تقرب سے پہلے اور یہ بھی کہا گیا کہ نفع اٹھانا یہ ہے کہ جب وہ عمرہ سے حلال ہو گیا تو اس نے نفع اٹھایا اس چیز کو اپنے لئے مباح کر کے جو اس پر احرام حج کی تکمیل تک حرام تھی۔ اب حج کے احرام باندھنے تک حلال رہے گی۔
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ (پس جو ہدی میسر ہو) یہ ہدی متعہ ہے یہ دم نسک یعنی شکرانہ ہے اس لئے اس کا گوشت کھایا جائے گا اور یوم نحر کو ذبح کریں گے۔

ہدی کے بدلے دس روزے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ : (پس جو شخص نہ پائے) یعنی ہدی۔ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ ۔ پس وہ تین دن کے روزے رکھے حج میں یعنی اس کے ذمہ تین دن کے روزے ہیں۔ حج کے ایام میں اور وہ اس کے مہینے ہیں جو دونوں احراموں کے درمیان ہونگے احرام عمرہ اور احرام حج۔ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ (اور سات جب تم لوٹو) یعنی جب تم سفر کر لو اور افعال حج سے فارغ ہو جاؤ۔ (خواہ مکہ میں ہو یا گھر پہنچ کر) تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ۔ (یہ دس پورے ہوئے) یعنی یہ دس روزے ہدی کے بدلے میں پورے ہیں۔ یا ثواب میں پورے ہیں۔ یا واو یہاں اس ابہام کو دور کرنے کے لئے لائے کہ واؤ کو یہاں اباحت کے لئے نہ سمجھ لیا جائے جیسا کہ اس مثال میں ہے جالس الحسن و ابن سيرين۔ اب اس مثال میں دونوں کے پاس بیٹھنا یا ایک کے پاس بیٹھنے میں وہ تکمیل حکم کرنے والا ہوگا۔
ذٰلِكَ : سے تمتع کی طرف اشارہ کیا اس لئے کہ مسجد حرام کے پاس رہنے والوں کے لئے تمتع و قران ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ عند الشافعی رحمہ اللہ۔ یہ اشارہ اس حکم کی طرف ہے جو وجوب ہدی صیام ہے حالانکہ ان پر کوئی چیز واجب نہیں۔
لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ ۔ (یہ اس کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس موجود نہ ہوں) وہ

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ

حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں، سو جس شخص نے ان میں حج کو اپنے ذمہ لازم کر لیا تو نہ کوئی فحش بات ہے نہ فسوق ہے

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ

نہ کسی قسم کا جھگڑا ہے۔ اور جو بھی کوئی نیک کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

اور زاد راہ ساتھ لے لیا کرو چونکہ بہتر زاد راہ، بچا رہنا ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ معاش تلاش کرو جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پھر جب

مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ

تم عرفات سے واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک۔ اور اس کو یاد کرو

كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے محض ناواقف تھے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ

پھر تم اسی جگہ سے واپس آؤ جہاں سے دوسرے لوٹ واپس آئیں، ور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

غفور ہے، رحیم ہے۔

اہل مواقیت پھر وہ جو ان کے علاوہ ہیں مکہ تک۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اور تم اللہ سے ڈرو) ان احکام میں جن کا اس نے تمہیں حکم دیا اور جن سے حج وغیرہ کے سلسلہ میں روک دیا۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (اور یقین کرلو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت بدلہ لینے والے ہیں ان سے جو اس سے نہ ڈرے)

آیت ۔۱۹۷: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: (حج کے مہینے مقرر ہیں پس جو شخص لازم کرے اپنے اوپر حج کو نہ وہ عورت کے پاس جائے اور نہ کوئی گناہ کا کام کرے اور نہ وہ جھگڑا کرے حج میں اور جو کچھ تم نیکی کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور زادِراہ لے لو پس بے شک بہترین زادِراہ تقویٰ ہے اور مجھ سے ڈرو۔ اے عقل والو! تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم تلاش کرو فضل (یعنی) رزق اپنے پروردگار کا۔ پس جب تم عرفات سے لوٹو پس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو مشعرحرام کے پاس اور اس کو یاد کرو جیسا اس نے تمہیں بتایا اور بے شک تم تھے اس سے پہلے گمراہوں میں پھر تم لوٹو جہاں سے دوسرے لوگ لوٹیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشن ہار رحم کرنے والے ہیں)

اَلْحَجُّ: سے مراد وقت حج ہے جیسے کہتے ہیں: البرد شھران۔ سردی کا وقت دو مہینے۔ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ معلومات سے مراد لوگوں کے ہاں معروف اور جانے پہچانے۔ جن کا لوگوں کو پہچاننا مشکل نہیں وہ شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں۔

فائدۂ توقیت:

ان مہینوں کو حج کے لئے مقرر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی فعل حج ان مہینوں کے علاوہ ادا نہیں ہوسکتا۔ حتیٰ کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو احرام بھی منعقد نہیں ہوسکتا۔ ہمارے نزدیک اگر پہلے باندھ لیا۔ کراہیت کے ساتھ منعقد ہو جائے گا۔

الاشھر۔ جمع لائے کیونکہ دو ماہ مکمل اور تیسرے کا کچھ حصہ ہے یا یہ اسم جمع ہے اور اسم جمع واحد کے بعد سب کو شامل ہوتا ہے اس کی دلیل سورۃ التحریم آیت نمبر۴ فقد صغت قلوبکما ہے۔

کہ قلوب جمع لائے دو کے لئے۔ فَمَنْ فَرَضَ جس نے فرض کیا۔ یعنی احرام سے اپنے اوپر لازم کرلیا۔ فِيْهِنَّ الْحَجَّ۔ ان مہینوں میں حج کو۔ فَلَا رَفَثَ۔ وہ نہ جماع کرے۔ رفث جماع کو کہتے ہیں یا تذکرہ جماع عندالنساء یا فحش کلام۔

فسوق کی وضاحت:

وَلَا فُسُوْقَ۔ نہ گناہ کرے۔ فسوق سے مراد گناہ یا گالم گلوچ ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سباب المؤمن فُسُوْقٌ (بخاری) مؤمن کو گالم گلوچ کرنا فسق ہے یا برے القاب سے یاد کرنا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورۃ الحجرات آیت نمبر۱۱۔ بئس الاسم الفسوق کہ فسق والا نام بہت برا ہے۔

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ اور نہ جھگڑا کرے حج میں۔ یعنی نہ جھگڑے رفقاء کے ساتھ اور نہ خدام اور جانور ہنکانے والوں کے ساتھ۔

ایک سوال کا جواب:

سوال: حج میں ان سے اجتناب کا حکم دیا حالانکہ ان سے ہر حال میں بچنا واجب ہے۔

جواب: حج کے ساتھ تو یہ اور زیادہ عیب والے اور برے ہیں۔ جیسا کہ نماز میں ریشم پہننا قرآن مجید کی قراءتِ نفی سے مراد یہاں ان کے انتفاء کا لازم ہونا ہے کہ وہ بالکل نہ پائے جائیں۔

اختلافِ قراءت:

ابوعمرو اور مکی نے پہلے دو فلا رفثٌ ولا فسوقٌ پڑھا اور دونوں کو نہی پر محمول کیا۔ گویا یوں کہا فلا یکونن رفثٌ ولا فسوقٌ۔ کہ ہرگز جماع وفسوق نہ کرو۔ اور تیسرے ولا جدال کو نصب سے پڑھا۔ خبر کے معنی میں۔ جدال کی نفی کی گویا اس طرح کہا لاشك ولا خلاف فی الحج۔ یعنی اس میں شک اور نزاع نہیں کہ حج ذوالحجہ میں قرار پکڑ گیا۔ (جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے) (اس میں اختلاف مت کرو) برائیوں سے روک کر پھر خیر پر ابھارا کہ وہ برائی کی جگہ اچھا کام کریں۔ اور برے اعمال کی جگہ بر و تقویٰ اختیار کریں اور جدال کی جگہ موافقت اور اخلاق جمیلہ کا مظاہرہ کریں۔ چنانچہ فرمایا: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ اور جو بھی تم بھلائی کا کام کرو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور تم یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ان افعال کو جاننے والے ہیں۔ وہ ان پر بدلہ عنایت فرمائیں گے۔

مَسْئَلَہ: اس آیت میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس بات کے قائل ہیں کہ اس کو جزئیات کا (نعوذ باللہ) علم نہیں۔

شانِ نزول: اہل یمن جب حج وعمرہ کے لئے جاتے تو زادِ سفر ساتھ نہ لیتے۔ بلکہ کہتے ہم تو متوکل ہیں۔ پس وہ لوگوں پر بوجھ بنتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ وَتَزَوَّدُوْا۔ تم زادِ راہ لے لیا کرو۔ لوگوں سے کھانا مانگنے اور تنگ کرنے سے بچو۔ اور ان پر بوجھ نہ بنو۔

بہترین زادِ راہ:

فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ؗ۔ پس بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ یعنی لوگوں کو تنگ کرنے اور ان پر بوجھ بننے سے بچنا۔

دوسرا قول: آخرت کے لئے زادِ راہ لو اپنے آپ کو محظورات احرام وحج سے بچاؤ اس لئے کہ بہترین آخرت کا زاد ممنوعات سے بچنا ہے۔ وَاتَّقُوْنِ اور میری سزا سے بچو۔ یہ دعا ان کی طرح ہے۔

قراءت: ابوعمرو نے وصل کی حالت میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور بقیہ تمام قراء نے وصل ووقف میں حذف یاء سے پڑھا ہے۔

يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ۔ (اے عقل والو) یعنی تقاضۂ عقل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اور جو شخص عقل والا ہو کر اس سے نہیں ڈرتا وہ گویا عقل سے خالی ہے۔

شانِ نزول: ان لوگوں کے متعلق اتری۔ جن کا خیال یہ تھا کہ اونٹ والے اور تاجر پر حج نہیں۔ اور وہ کہا کرتے: هؤلاء الداج ولیسوا ابا لحاج۔ کہ یہ معاون ہیں حاجی نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

حج میں تجارت ممنوع نہیں:

۱۹۸: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ (کہ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم تلاش کرو فضل اپنے رب کا) یعنی حج کے ایام میں روزی جو فضل وعطیۂ خداوندی ہے اس کی تلاش میں کوئی حرج نہیں۔ فضل سے مراد نفع یا تجارت ہے۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ : (جب تم عرفات سے لوٹو۔) یہ افاضۃ الماء سے ہے۔
پانی کا زور سے بہنا۔اوراصل اس طرح ہے افضتم انفسکم۔مفعول کوترک کردیا گیا یعنی جب تم کثرت سے چلاؤ۔اپنے آپ کواورلوٹو۔

عرفات جمع ہے:

عرفات۔یہ موقف حج کا نام ہے یہ نام جمع ہی ہے۔جیسے اذرعات۔اور یہ منصرف ہے۔کیونکہ اس میں تاءتانیث کی نہیں۔ بلکہ الف کے ساتھ یہ جمع مؤنث کی علامت ہے(واحداس کا عرفۃ ہے)

وجہ تسمیہ :اس کا نام عرفات اس لئے رکھا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کواس کی نشان دہی کی گئی توانہوں نے اس جگہ کوجونہی دیکھا پہلی نظر میں پہچان لیا۔

دوسرا قول :اس میں آدم علیہ السلام وحوا علیہا السلام کی ملاقات ہوئی توانہوں نے ایک دوسرے کوپہچان لیا۔

دلیل فرضیت عرفات:

مَسْئَلَہ :اس میں دلیل ہے کہ وقوف عرفات فرض ہے کیونکہ افاضہ ٹھہرنے کے بعد ہوتا ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ :(پس تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو) یعنی تلبیہ اور لا الہ الا اللہ اور حمد وثناءاور دعا کے ساتھ۔یا نماز مغرب وعشاء پڑھ کر۔

مشعرحرام کوجمع کہنے کی وجہ:

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص : (مشعرحرام کے پاس) اور یہ قزح ہے یعنی وہ پہاڑ ہے جس پر امام وقوف کرتا ہے اوراس پر میقدہ بطور علامت ہے۔المشعر۔علامت اورنشان کیونکہ وہ عبادت کے مقامات میں سے ہے۔الحرام۔اس کوحرام حرمت (بمعنی روکنا) حرم میں جو چیزیں ممنوع ہیں وہ اس میں بھی ممنوع ہیں۔یاعظمت کی وجہ سے کہہ دیا۔یا مشعرحرام مزدلفہ ہے اس کومزدلفہ اور جمع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام حواء علیہا السلام کے ساتھ یہاں جمع ہوئے اوران کے قریب ہوئے۔یایہاں دونمازیں جمع کی جاتی ہیں یایہاں وقوف کرکے لوگ اللہ تعالیٰ کاقرب حاصل کرتے ہیں۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ج :(اوراس کو یاد کروجیسا اس نے تمہاری راہنمائی کی) مَا مصدریہ ہے یا کافہ ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کواچھی طرح یاد کرو۔جیسا اس نے تمہیں سکھایا۔کہ کیسے تم نے اس کو یاد کرنا ہے اوراس سے عدول نہ کرو۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ :(اگرچہ تم اس ہدایت سے پہلے)

ان مخففہ:

لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ :(البتہ جاہلوں میں سے تھے) اورتم نہیں جانتے تھے کہ کس طرح اللہ کی عبادت اوراس کا ذکر کرنا ہے۔ان یہ مخففہ من المثقلہ ہے۔اورلام اس کے بعد فارقہ ہے۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ؕ

سو جب تم پورا کر لو اپنے حج کے کاموں کو سو اللہ کو یاد کرو، جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے رہے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ذکر کرو،

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ

سو بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں دے دیجئے، اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں

خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً

کوئی حصہ نہیں، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بہتری عطا فرمائیے، اور آخرت میں بہتری عنایت کیجئے

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا ؕ وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچائیے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لئے بڑا حصہ ہے ان کے اعمال کی وجہ سے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے

النصف

تفسیر آیت ۱۹۹:

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ : (پھر تم لوٹو جہاں سے ہو کر لوٹیں لوگ) صرف مزدلفہ سے ہی مت لوٹو۔ کہا گیا کہ یہ قریش کو عرفات سے ہو کر مزدلفہ آنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے جبکہ بقیہ تمام لوگ عرفات میں جاتے۔ اور کہتے ہم تو حرم کے باشندے ہیں۔ ہم حرم سے نہ نکلیں گے۔

افاضہ کا معنی:

دوسرا قول: افاضہ عرفات تو مذکور ہے یہاں سے مراد مزدلفہ سے منٰی کو لوٹنا ہے۔ اس صورت میں الناس سے مراد قریش ہوں گے۔ اور خطاب عام افیضوا کا مؤمنین کو ہوگا۔

حمس: یہ قریش کا لقب تھا۔ کیونکہ وہ اپنے دین میں مضبوط اور متشدد تھے۔

معافی مانگو:

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ ؕ: (اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو) جو تم نے موقف میں آج تک مخالفت کی۔ اسی طرح جاہلیت کے دیگر اعمال۔ یا اعمال حج میں اپنی کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور استغفار کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ: (بے شک اللہ غفور رحیم ہیں) تم پر

تفسیر آیت ۲۰۰:

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ: (جب تم اپنے افعال حج پورے کر چکو) جن کا تمہیں حکم دیا گیا حج میں اور وہاں سے کوچ کرو۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ :(تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح تم اپنے آباء کو یاد کرتے تھے) یعنی کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور اس میں مبالغہ کرو۔ جس طرح اپنے آباء کے تذکرہ میں مبالغہ کرتے تھے اور ان کے مفاخر اور ان کے واقعات زندگی بیان کرتے تھے۔

طریقۂ جاہلیت:

جب وہ حج کے افعال ادا کر لیتے تو مسجد منیٰ اور پہاڑ کے درمیان ٹھہرتے اور اپنے آباء کے فضائل و محاسن اور ان کے کارنامے بیان کرتے۔

طریقۂ جاہلیت:

اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا : (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر)

نحو : یہ کذکر کم پر عطف کی وجہ سے موضع جر میں ہے جیسا کہتے ہیں۔ کذکر قریش آباء ھم۔ یاقوم اشد منھم ذکرا۔ اس صورت میں ذکرًا تمیز ہے۔ یعنی ایسی قوم کی طرح یاد کرو۔ جو ان سے زیادہ یاد کرنے والی ہو۔
فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ۔ (پس بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ان لوگوں میں سے) جو حج میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے دنیا کی لذات مانگتے ہیں اور اس طرح کہتے ہیں۔

دُنیا کے طالب:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ : (اے ہمارے رب ہمارا عطیہ دنیا کے ساتھ خاص کر دے۔ ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں) یعنی مالداری، مرتبہ وغیرہ کیونکہ ان کا مقصد دنیا کے گرد ہے اس لئے کہ وہ آخرت کے انکاری ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اے حجاج تم اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرو اور اس سے دعا کرو۔ کیونکہ لوگ کوتاہی کرنے والے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے سوائے اغراض دنیا کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ اور کچھ لوگ کثرت والے ہیں جو ان دونوں جہاں کی خیر مانگتے ہیں۔ پس تم ان کثرت والوں میں سے بنو جن کے بارے میں جو کہا گیا وہ آگے آتا ہے۔
۲۰۱۔ وَمِنْهُمْ : (اور ان لوگوں میں سے) جو حج میں حاضر ہوتے ہیں بعض ایسے ہیں جو مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً (کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عنایت فرما) حسنة سے مراد نعمت اور عافیت یا علم و عبادت۔

آخرت کی بھلائی:

وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً : (اور آخرت میں بھلائی) یعنی معافی و مغفرت یا مال اور جنت یا تعریف خلق اور رضائے حق یا ایمان وامان یا اخلاص و خلاص جہنم یا سنت و جنت یا قناعت و شفاعت یا نیک عورت اور حور العین یا سعادت والی زندگی اور بشارت والی بعثت۔

نار سے مراد:

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ : (اور تو ہمیں عذاب سے بچا) تو جہنم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما۔ یا عذاب نار سے یا بری عورت سے

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ

اور اللہ کا ذکر کرو چند دنوں میں پھر جو شخص دو دن میں تعجیل کرے اس پر

اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

کچھ گناہ نہیں، اور جو شخص تاخیر کرے اس پر کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو تقوی اختیار کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

۲۰۲۔ اُولٰٓئِكَ : (یہ) یعنی دنیا و آخرت کی دعا کرنے والے۔

لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا : (ان کو ان کی کمائی کا حصہ ملے گا) یعنی اس جنس میں سے حصہ ملے گا۔ جو اعمال حسنہ انہوں نے کمائے اور وہ ثواب ہے جو کہ عمدہ منافع ہیں۔ یا من اجلیہ ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے کمائی کی۔

دُعا کمائی ہے:

سوال : دعا کو کسب کیوں کہا؟

جواب : کیونکہ دعا اعمال میں سے ہے اور اعمال کی تعریف کسب سے کی جاتی ہے یا ممکن یہ ہے کہ اولئك سے فریقین مراد لیں۔ کہ ہر فریق کو اس جنس سے حصہ ملے گا جو اس نے کمائی۔

سرعتِ حساب:

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ : (اللہ جلد حساب لینے والے ہیں) قریب ہے کہ قیامت قائم فرمادیں اور بندوں کا حساب لیں۔ پس کثرت ذکر میں جلدی کرلو۔ اور طلب آخرت میں تیزی کرو۔ یا اللہ تعالیٰ نے سرعت حساب کی صفت اپنے لئے بیان فرمائی کہ مخلوق اور اس کے اعمال کتنے زیادہ ہیں مگر وہ ان کا جلد حساب لے لے گا۔ تا کہ کمال قدرت کی دلیل بن جائے۔ اور ایسی کامل قدرت والے سے ڈرنا چاہیے۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ تمام مخلوق کا حساب اتنی دیر میں لے لے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک پل بھر میں مخلوق کا حساب لے لیں گے۔

تفسیر آیت ۲۰۳:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ : (اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرو گنتی کے دنوں میں پھر جو جلدی چلا گیا۔ تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو ٹھہر رہا اس پر بھی کچھ گناہ نہیں یہ ان کے لئے ہے جو پرہیز گاری اختیار کرے اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور یقین کرلو کہ تم اس کے ہاں جمع کیے جاؤ گے) وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔ گنتی کے دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى

لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو آپ کو دنیاوی زندگی میں پسند آتی ہے اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے اس بات پر جو

مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ

اس کے دل میں ہے۔ حالانکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے

لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

تاکہ اس میں فساد کرے اور کھیتی کو اور نسل کو برباد کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ

اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر تو اس کا غرور نفس اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ سو اس کے لئے جہنم کافی ہے

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اور بلاشبہ وہ برا بچھونا ہے۔

مراد ذکر:

اور وَاذْكُرُوا اللّٰهَ سے مراد نماز کے بعد کہی جانے والی تکبیرات اور رمی جمار کے وقت کی تکبیر ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ۔ جو جلدی کرے کوچ میں۔ یا کوچ میں سبقت کر جائے تعجل اور استعجل یہ دونوں ایک دوسرے کے مطاوع بن کر عجل کے معنی میں آتے ہیں۔ اور یہ متعدی بھی آتے ہیں۔ مگر مطاوعت زیادہ مناسب ہے کہ اس نے اسکو جلدی کا حکم دیا اس نے جلدی کر لی۔

فِىْ يَوْمَيْنِ۔ دو دنوں میں یعنی ان تین دنوں میں دو دن گیارہ' بارہ کی رمی پر اکتفاء کیا اور تیسرے دن کے لئے نہ رکا۔

نفی گناہ کی وجہ:

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ۔ اس پر گناہ نہیں۔ یعنی اس ایک دن کی رمی ترک کرنے سے وہ گناہگار نہ ہوگا۔ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ۔ اس کے لئے جو بچا شکار کرنے یا جماع اور فسوق سے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو جلدی کا اختیار ہے۔ اگرچہ تاخیر افضل ہے۔ کبھی فاضل و افضل میں تخییر واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ مسافر کو روزے اور افطار میں اختیار ہے اگرچہ روزہ افضل ہے۔

دوسرا قول: اہل جاہلیت دو قسم کے تھے بعض جلدی رمی کرنے والے کو گناہگار قرار دیتے اور بعض تاخیر کرنے والے کو گناہگار سمجھتے۔ پس قرآن مجید نے آکر دونوں کی نفی کر دی۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور تم اللہ تعالیٰ سے تمام امور میں ڈرو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ اور یقین جانو کہ تم اس کی بارگاہ میں جمع ہو گے۔ جب وہ تمہیں قبور سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔

۲۰۴۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ وَاِذَا

تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ : (بعض لوگ ایسے ہیں جن کی بات آپ کو پسند آتی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اس بات پر جو اس کے دل میں ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ کھیتی و نسل کو تباہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے اور جب اس کو کہا جاتا ہے اللہ سے ڈر تو غرور اس کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے پس اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ۔ یہ آیات اخنس بن شریق کے متعلق اتریں۔ جو رسول اللہ ﷺ سے ملتا تو نرم بات کرتا اور دعویٰ کرتا کہ وہ مسلمان ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور اپنی اس حجت میں سچا ہے تو اللہ نے وَمِنَ النَّاسِ نازل فرمائی۔

دعویٰ محبت سے مقصود دُنیا:

یُعْجِبُكَ قَوْلُهٗ آپ کو پسند آتی ہے اور تمہارے دل میں بڑی معلوم ہوتی ہے اسی سے الشیء العجیب یعنی وہ شئ جو نفس میں معظم معلوم ہو۔ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ فِیْ یہ قول کے متعلق ہے۔ ای یعجبك ما یقوله فی معنی الدنیا۔ آپ کو پسند آتی ہے وہ بات جو وہ کہتا ہے دنیا کے سلسلہ میں کیونکہ دعویٰ محبت سے اس کا مقصود دنیا ہے نہ کہ آخرت۔

دوسرا قول: آپ کو پسند آتا ہے یعنی اس کا شیریں کلام دنیا کے سلسلہ میں آپ کو پسند آتا ہے آخرت کے متعلق نہیں۔ کیونکہ اس موقعہ پر اس کی زبان میں لکنت پیدا ہو جاتی ہے۔

وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بناتا ہے یعنی وہ قسم اٹھا کر کہتا ہے۔ اللّٰه شاهد علی ما قلبی من محبتك۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور میں آپ پر ایمان رکھتا ہوں۔ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ حالانکہ وہ شخص جھگڑالو ہے۔

نحوی لطائف:

نحو : یہ اضافت فی کے معنی میں ہے کیونکہ افعل کا وزن اسکی طرف مضاف ہوتا ہے جو کہ اس کا بعض حصہ ہوتا ہے جیسے تم کہو۔ زید افضل القوم اور آدمی جھگڑے کا حصہ تو بن نہیں سکتا۔ پس تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ الد فی الخصومة۔ وہ جھگڑے میں سخت ہے۔ یا الخصام جمع خصم ہے جیسے صَعْبٌ وَ صِعَابٌ اب تقدیر عبارت اس طرح ہے وہ خصومت کے اعتبار سے سخت جھگڑالو ہے۔

۲۰۵۔ وَاِذَا تَوَلّٰی : (جب وہ تم سے منہ پھیر کر جاتا ہے) اور جاتے ہوئے نرم و میٹھی بات کہہ کر گیا۔

فسادی منافق:

سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا : (وہ دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ فساد برپا کرے) جیسا اس نے ثقیف کے ساتھ کیا۔ کہ اس کے اور ان کے درمیان مخالفت تھی۔ ان پر شب خون مارا اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کیا۔ اور کھیتیوں کو آگ لگا دی۔

وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ : (اور ہلاک کرے کھیتی اور نسل) یعنی کھیتی اور حیوان یا جب کہ یہ یاء کے ساتھ یهلك ہو تو پھر اس سے مراد وہ حرکت ہے جس کو برے حکام زمین میں فساد پھیلانے کیلئے کرتے ہیں۔ کھیتیوں کی ہلاکت اور نسل کشی کی صورت میں ایک اور

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو خرید لیتا ہے اپنے نفس کو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا

بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

مہربان ہے۔ اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے قدموں کے پیچھے

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ

نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، سو اگر تم لغزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں

الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

آ چکی ہیں تو جان لو کہ بلاشبہ اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

قول یہ ہے۔ کہ ظلم کو اختیار کرے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ظلم کی نحوست سے بارش کو بند کر دیں۔ جس سے کھیتیاں اور نسل برباد ہو جائیں۔ گویا ہلاکت کی نسبت مجازاً اس کی طرف کر دی گئی۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ : (اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے)

۲۰۶۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ : (جب اس کو کہا جاتا ہے) ۂ ضمیر کا مرجع اخنس ہے۔

اتَّقِ اللّٰهَ : (تو اللہ سے ڈر) زمین میں بگاڑ پیدا کرنے اور ہلاکت پھیلانے کے سلسلے میں

جاہلی غیرت کی مذمت:

اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ : (اس کو غرور گناہ پر آمادہ کرتا ہے) یعنی تکبر اور جاہلی غیرت اس کو گناہوں پر برانگیختہ کرتی ہے حالانکہ اس سے روکا گیا ہے مگر وہ اس کے ارتکاب کو لازم سمجھتا ہے۔

دوسرا قول: یا باء سببیہ ہے یعنی پکڑ لیتا ہے اس کو غرور اس گناہ کے سبب سے جو گناہ اس کے دل میں ہے اور وہ کفر ہے۔

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ : (پس اس کے لئے کافی ہے جہنم)

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ : (اور جہنم بہت برا بچھونا ہے)

شانِ نزول: یہ آیت حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ مشرکین نے انکو اسلام کے چھوڑنے کیلئے کہا اور انکے ساتھ والے کچھ لوگوں کو شہید کر دیا حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم چاہو کہ میں اپنا وہ مال جو مکہ میں چھوڑ آیا ہوں۔ وہ بتا دوں۔ اور تم اس پر قابض ہو جاؤ اور میرا راستہ چھوڑ دو۔ انہوں نے آمادگی ظاہر کی۔ انہوں نے پتہ بتا دیا اور مدینہ میں آ گئے تو یہ آیت اتری۔

۲۰۷۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ : یا ان لوگوں کے حق میں اتری جو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ یہاں تک کہ قتل کر دیئے جاتے ہیں۔

یَشْرِیْ نَفْسَہُ۔ کا معنی اپنے آپ کو بیچنا۔

اِبْتِغَآءَ : (واسطے طلب کرنے) کا معنی چاہنے کے لئے ۔مَرْضَاتِ اللّٰہِ ۔اللہ کی رضا مندی۔ یہاں اس کو حاصل ہو سکے۔

وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ : (اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نرمی کرنے والے ہیں)

۲۰۸۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ : (اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور شیطان کے قدموں پر مت چلو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر تم پھسل گئے اس کے بعد کہ واضح دلائل تمہارے پاس آ چکے تو یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں)

قراءت: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ ' علی اور حجازی نے سین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے سلم کا معنی اطاعت و فرمانبرداری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور مطیع بن جاؤ۔ یا اس کا معنی اسلام ہے اور خطاب اہل کتاب کو ہے کیونکہ وہ اپنے پیغمبر اور کتاب پر ایمان لائے تھے۔ یا منافقین کو خطاب ہے۔ کیونکہ وہ صرف زبانوں سے اسلام کے دعوے دار تھے۔ کَآفَّۃً۔ پورے پورے یعنی کوئی ایک بھی تم میں سے اپنا ہاتھ اسلام کی فرمانبرداری سے نہ نکالے۔ یہ ادخلوا کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا معنی ہے تمام'

دوسرا قول: یا یہ سلم کے لفظ سے حال ہے کیونکہ وہ بھی لفظاً مؤنث ہے اب مطلب یہ ہوگا گویا ان کو حکم دیا گیا کہ وہ تمام طاعات میں داخل ہو جائیں ۔یعنی ان کو انجام دیں۔

تیسرا قول: وہ اسلام کے شعبوں اور اس کے تمام احکام میں داخل ہو جائیں یہ کافۃ کا لفظ کف سے ہے گویا ان کو روک دیا گیا۔ کہ کوئی ایک ان میں سے اپنی اجتماعیت سے نہ نکلے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ۔ شیطان کے قدموں پر مت چلو۔ خطوات ۔ سے مراد وساوس ہیں ۔عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔یعنی اس کی عداوت ظاہر ہے۔

۲۰۹۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ ۔ پس اگر تم پھسل گئے یعنی اسلام میں داخل ہونے سے تمہارے قدموں نے لغزش کھائی ۔مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ ۔تمہارے پاس دلائل آنے کے بعد بینات سے مراد واضح ثبوت اور روشن شواہد ہیں۔ جس چیز میں داخل ہونے کے لئے تمہیں دعوت دی گئی ہے وہ برحق ہے فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ پس تم یقین کر لو اللہ زبردست حکمت والے ہیں۔ عزیز ایسے غلبے والے کو کہتے ہیں۔ جس کو کوئی چیز بھی مانع نہ بن سکے۔ حکیم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی حکمت والا ہے کہ وہ حق پر انتقام لیتا ہے۔

نکتہ: ایک قاری نے اس آیت میں عزیز حکیم کی بجائے غفور رحیم پڑھ دیا ایک بدو نے اس آیت کو اس کی زبان سے جب سنا۔ حالانکہ وہ قرآن پڑھا ہوا نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ۔ کیونکہ حکیم لغزش اور معصیت کے وقت مغفرت کا تذکرہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس طرح تو معصیت پر خود آمادہ کرنا لازم آتا ہے۔

هَلْ يَنظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس

وَقُضِىَ الْاَمْرُ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

آ جائیں اور سارا قصہ ختم ہو جائے۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے

۲۱۰۔هَلْ يَنظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِىَ الْاَمْرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ (نہیں وہ انتظار کر رہے مگر اس بات کا کہ آئے اللہ تعالیٰ ان کے پاس بادل کے سائبانوں میں اور فرشتے اور معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اللہ ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے۔هَلْ يَنظُرُوْنَ هَلْ۔ یہاں ما نافیہ کے معنی میں ہے۔نہیں وہ انتظار کر رہے اور یا تیکم اللّٰہ کا مطلب اللہ کا حکم اور اس کی پکڑ کا آنا ہے جیسا کہ سورۃ النحل آیت نمبر ۳۲ میں فرمایا او یاتی امر ربك اور سورۂ اعراف آیت نمبر ۴ میں فرمایا: فَجَآءَ هَا بَأْسُنَا ۔

دوسرا قول: جس چیز کو لایا جانا ہے وہ محذوف ہے اور معنی یہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ اپنی پکڑ لائے اس پر پچھلی آیت فاعلموا ان اللّٰہ عزیز حکیم۔دلالت کر رہی ہے۔فی ظلل۔ظلل جمع ظلۃ کی۔ظلہ اس چیز کو کہتے ہیں جو ڈھانپ لے غمام کا معنی بادل اس میں دراصل ڈرایا گیا ہے کیونکہ بادل سے بارش کا بھی گمان ہے جب اس سے عذاب اترے۔تو معاملہ زیادہ خوفناک اور رسوا کن ہوتا ہے۔والملئکۃ یعنی وہ فرشتے آ جائیں جن کو عذاب پر مقرر کیا گیا ہے یا اس سے مراد قیامت کے دن ان کا حاضر ہونا ہے۔ وقضی الامر اور معاملہ طے کر دیا جائے یعنی ان کی ہلاکت کا معاملہ پورا ہو جائے اور اس سے فراغت حاصل ہو جائے۔والی اللّٰہ ترجع الامور۔اور اللہ کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے یعنی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بعض امور کا اختیار دیا ہے۔ پس سارے معاملات حشر کے دن اسی کی طرف لوٹیں گے۔

اختلافِ قراءت:

قرآن مجید میں جہاں بھی تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ہے، شامی، حمزہ اور علی رحمہم اللہ کے نزدیک تَرْجِعُ الْاُمُوْرُ پڑھا جائے گا۔

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ

آپ بنی اسرائیل سے دریافت فرمائیے ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دیں۔ اور جو شخص

نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

اللہ کی نعمت کو بدل دے اس کے بعد کہ نعمت اس کے پاس آ جائے تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے

۲۱۱۔ سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ (اے محمد ﷺ آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتنی کھلی نشانیاں دیں۔ اور جس نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا۔ ان کے آ جانے کے بعد پس بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے) سَلْ اصل میں اسئل ہے۔ ہمزہ کو فتح سے بدل کر سین کر دیا اور ہمزہ کو حذف کر دیا۔ اب سین کے متحرک ہونے کی وجہ سے ہمزۂ وصل کی بھی ضرورت نہ رہی پس یہ سَلْ ہو گیا اس میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا۔ یا ہر مخاطب کو۔ یہ سوال توبیخ کیلئے ہے۔ جس طرح کہ کافروں سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

معجزات ودلائل:

اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ۔ سے مراد وہ آیات جو انبیاء کے ذریعے ان کو دی گئیں۔

دوسرا قول: یا وہ آیتیں جو ان کی کتابوں میں دین اسلام کے صحیح ہونے پر گواہی دے رہی ہیں۔

نحو: یہ کم یہاں استفہامیہ ہے یا خبریہ۔ کم استفہامیہ کی صورت میں سل کو مفعول ثانی کی ضرورت نہ ہو گی۔ مگر خبریہ کی صورت میں یہ سَلْ کا مفعول ثانی ہوگا۔

اسباب ہدایت کو گمراہی کے لئے استعمال کرنا:

وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ۔ نعمت اللہ سے مراد اللہ کی نشانیاں ہیں اور وہ حقیقت میں اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ کیونکہ وہ ہدایت کے اسباب اور گمراہی سے نجات کا ذریعہ ہیں اور یبدل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے وہ آیات اس لئے ظاہر فرمائیں۔ تاکہ وہ ان کی ہدایت کا سبب بن جائیں۔ انہوں نے انہی کو اپنی گمراہی کا سبب بنا دیا۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۲۵۔ فزادتھم رجسا الی رجسھم۔ میں فرمایا گیا کہ ان آیات نے ان کی پلیدی میں (بوجہ شدید انکار کے) اضافہ کر دیا۔

یا دوسرا قول: انہوں نے اپنی کتابوں کی ان آیات کو بدل ڈالا جو دین محمد ﷺ پر دلالت کرنے والی تھیں۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ (اس کے بعد کہ وہ آ چکیں)۔ آنے کا مطلب یہ ہے اس کے بعد کہ انہوں نے اس کو پہچان لیا اور ان کی صحت ان کے ہاں ثابت ہو گئی کیونکہ جب آدمی کسی چیز کو نہ پہچانے تو وہ چیز اس سے غائب شمار ہوتی ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے) اس کو جو اس کا مستحق ہو۔

وقف لازم

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ

مزین کی گئی ان لوگوں کے لئے دنیاوی زندگی جنہوں نے کفر کیا اور وہ ہنسی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو لوگ ایمان لائے

وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ

حالانکہ جن لوگوں نے پرہیز گاری کو اختیار کیا وہ قیامت کے دن ان سے بالا ہوں گے، اور اللہ جسے چاہے بلا حساب رزق عطا

حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

فرماتا ہے۔

تفسیر آیت ۲۱۲:

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (دنیا کی زندگی ان کے لئے خوش نما بنادی گئی جنہوں نے کفر کیا اور یہ کفار ان لوگوں سے ہنستے ہیں جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو متقی ہیں۔ان سے اوپر ہونگے قیامت کے دن اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے)

دُنیا کا پسندیدہ بنایا جانا:

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا۔ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی کو مزین کر دیا گیا۔ یہ تزیین کرنے والا شیطان ہے اس نے دنیا کو مزین اور اپنے وساوس سے خوبصورت بنایا اور پسندیدہ کر دیا کہ وہ اس کے سواء اور کسی چیز کو چاہتے ہی نہیں۔

دوسرا قول: اللہ تعالیٰ ہی انسانوں میں خواہشات پیدا کرنے والا ہے کیونکہ تمام کائنات اسی کی مخلوق ہے اور اس پر مجاہد ابن محیصن وحمید کی قراءت زَيَّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا معروف کے ساتھ دلالت کرتی ہے وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (وہ ایمان والوں سے ہنستے ہیں) کفار مکہ فقراء مؤمنین ابن مسعود، عمار، صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہم سے تمسخر کرتے تھے۔ کیونکہ کافر دنیا کو مقصود سمجھتے تھے۔ جن کے پاس دنیا نہیں تھی وہ ان سے تمسخر کرتے یا ان کا مذاق اڑاتے جو دنیا کے علاوہ اور کسی چیز کو مطلوب بناتا۔ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ۔ (اور وہ لوگ جو متقی ہیں ان سے اوپر ہوں گے قیامت کے دن) تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا ہے اور یہ بچنے والے فقراء مؤمنین تھے۔ اوپر ہونگے کیونکہ وہ بلند جنتوں میں ہونگے۔ اور کافر کو جہنم کے گڑھے میں۔

ہر توسع نعمت ہے:

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (اور اللہ تعالیٰ رزق دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب کے) بغیر کمی کے یعنی وہ توسیع کرتا ہے جس پر توسیع کا ارادہ فرماتا ہے۔ جیسا قارون وغیرہ پر توسیع فرمائی۔ اور یہ وسعت تم پر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے پیش نظر ہے اور وہ نعمت کے ساتھ استدراج ہے۔ اگر یہ اکرام ہوتا تو پھر اہل ایمان اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ

سب لوگ ایک جماعت تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے،

وَمُنْذِرِيْنَ ص وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

اور ڈرانے والے، اور ان کے ساتھ کتاب اتاری حق کے ساتھ، تاکہ فیصلہ فرمائے لوگوں کے درمیان

فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ

اس بات کا جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور یہ اختلاف ان ہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی۔اور انہوں نے یہ اختلاف باہمی ضدا ضدی کے باعث

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا

اس کے بعد کیا جبکہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں آ چکی تھیں، پھر اللہ نے اپنے فضل سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ

امرحق کی ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾

دیتا ہے

تفسیر آیت ۲۱۳:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے۔پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری۔تاکہ فیصلہ کرے لوگوں میں اس بات کا جس میں انہوں نے اختلاف کیا' اور نہیں اختلاف کیا اس کتاب میں مگران لوگوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ گئیں۔آپس کی ضد کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے وہ راہ دکھا دی جس میں اختلاف کرتے تھے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔)

اُمت سے مراد دین ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔امت واحدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام تک ایک دین پر متفق تھے۔یا نوح علیہ السلام اوران کے ساتھ جو کشتی میں تھے۔پس انہوں نے اختلاف کیا فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ۔پس پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ مَااخْتَلَفُوْا کے حذف پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی کان الناس امة واحدة فاختلفوا اورسورۂ یونس آیت نمبر۱۹۔وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا بھی دلالت کرتی ہے۔یا

دوسرا قول:

لوگ ایک ہی جماعت کفر کی حالت میں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا پس انہوں نے ان پر اختلاف کیا۔(پہلی توجیہ راجح ہے)مبشرین خوش خبری سنانے والے مؤمنین کوثواب ملنے کی و منذرین۔اور ڈرانے والے عذاب کے ساتھ کفار کو۔

نحو :مبشرین اورمنذرین دونوں حال ہیں۔وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ۔اوراس نے ان میں سے ہرایک کے ساتھ ایک کتاب اتاری۔بِالْحَقِّ یعنی جوحق کی وضاحت کرنے والی تھی۔لِيَحْكُمَ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ یا کتاب یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں جو اترا۔بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لوگوں کے درمیان ان باتوں میں جن میں لوگوں نے اختلاف کیا۔دین اسلام کے سلسلہ میں۔کیونکہ انہوں نے اتفاق کے بعد اختلاف کیاوَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ۔اس میں اختلاف نہیں کیا۔یعنی حق میں۔اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ۔مگر ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی تھی حالانکہ کتاب تو ازالۂ اختلاف کے لئے اتاری گئی تھی۔مطلب یہ ہوا کہ وہ اختلاف میں اور بڑھ گئے جب ان پر کتاب اتاری گئی۔مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ۔اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل اس کی سچائی کے آچکے۔بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ۔اپنے درمیان حسد اور ظلم کی بناء پر کیونکہ ان میں دنیا کی حرص اور قلت انصاف پائی جاتی تھی۔

نحو :بَغْيًا یہ مفعول لہٗ ہے۔

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔پس ہدایت دی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کوحق کی طرف وہ حق کہ جس میں اختلاف کیا جن لوگوں نے بھی کیا۔مِنَ الْحَقِّ یہ اخْتَلَفُوْا کا بیان ہے۔بِاِذْنِهٖ اپنے حکم کے ساتھ یعنی اپنے علم کے ساتھ۔وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ

کیا تم نے خیال کیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ان لوگوں جیسے واقعات تمہیں پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے

قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ

گزرے ہیں۔ ان کو پہنچی سختی اور تکلیف اور وہ لوگ جھنجھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ رسول نے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾

اور ان مؤمنین نے جو رسول کے ساتھی تھے کہہ دیا کہ کب ہو گی اللہ کی مدد، خبردار بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے

۲۱۴۔اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ (کیا تم نے یہ سمجھا کہ جنت میں یونہی چلے جاؤ گے حالانکہ جو تم سے پہلے (انبیاء مؤمنین) گزرے ان کی سی حالت (تنگی) تمہیں پیش نہیں آئی انہیں سختی پہنچی اور (فقر و بیماری کی) تکلیف سے بھی اور ان کو جھنجھوڑا گیا یہاں تک کہ رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے وہ کہنے لگے کہ خدا کی مدد کب آئے گی آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے)

نحو :اَمْ حَسِبْتُمْ یہ ام منقطعہ ہے متصلہ نہیں۔ کیونکہ متصلہ کی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے ہمزہ استفہام ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں أعندك زيدٌ ام عمرو؟ یعنی کونسا دونوں میں تیرے پاس ہے اس کے جواب میں زید کہیں گے اگر زید وہاں ہو یا عمرو کہیں گے جب عمرو وہاں ہو۔

باقی ام منقطعہ استفہام و خبر دونوں کے بعد واقع ہوتا ہے اور وہ ھل اور ہمزہ کے معنی میں آتا ہے اور تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ بَلْ اَحَسِبْتُمْ ہمزہ تقریر کے لئے ہو اور مؤمنین کے خیال کے انکار اور استبعاد کے لئے اس سے غرض یہ ہے کہ مؤمن سختی اور تکلیف میں صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے جب امتوں کا اپنے انبیاء علیہم السلام پر اختلاف کا ذکر کیا جو اختلاف امتوں نے واضح دلائل آنے کے بعد ڈالا۔ اس سے مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کو ثابت قدمی اور صبر پر تسلی دینا مقصود تھا۔ اس موقعہ پر جبکہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ ان کے ساتھ اختلاف کر رہے تھے اور ان کے ساتھ محض عداوت کی وجہ سے آیات کا انکار کر رہے تھے۔

ایسے موقع پر طریق التفات سے فرمایا۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ بلکہ تم نے گمان کر لیا کہ جنت میں یونہی چلے جاؤ گے۔ حالانکہ تمہارے پاس نہیں آئی یہاں لمّا بمعنی لم ہے اور لمّا میں معنی توقع کا بھی ہے۔ یعنی ایسے حالات آنے کی توقع و انتظار ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا خلوا کا معنی گزرنا ہے یعنی ان کا حال وہ مثال ہے شدت و سختی کی۔ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ سے مراد انبیاء علیہم السلام اور مؤمن ہیں۔ مستھم یہ حالت کا بیان ہے جملہ مستانفہ ہے گویا کہنے والا یوں کہہ رہا ہے کہ وہ حال کیسا تھا؟ تو جواب آیا مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ۔ ان کو تنگیوں نے گھیر لیا۔ وَالضَّرَّآءُ بیماری اور بھوک حملہ آور ہوئی وَزُلْزِلُوْا قسما قسم کی مصیبتوں سے

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو مال تم خرچ کرو اس کا مصرف والدین

وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ

اور قرابت دار اور یتیم اور مسکین لوگ ہیں۔ اور جو بھی خیر کا کوئی کام تم کرو گے

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢١٥﴾

سو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

ان کو حرکت دی گئی اور جھنجھوڑا گیا۔ جیسا زلزلہ سے حرکت آتی ہے۔

بے قراری انتہاء کو:

حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ اس حد تک کہ رسول اور مؤمن کہنے لگے۔ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ۔ کب آئے گی اللہ تعالیٰ کی مدد یعنی بے قراری انتہا کو پہنچ گئی اور صبر باقی نہ رہا حتی کہ وہ کہنے لگے مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ مطلب یہ ہے کہ مدد طلب کرتے اور اس کی تمنا میں شدت کا زمانہ طویل ہو گیا۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ جلدی مدد سے ان کی طلب کو پورا کرتے ہوئے انہیں کہا گیا۔ آگاہ رہو بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔

اختلافِ قراءت:

يَقُوْلُ نافع اور علی رحمہما اللہ نے رفع سے پڑھا اور اس کو حکایت حال ماضی میں قرار دیا' جیسے کہتے ہیں شربت الابل حتی یجیء البعیر یجر بطنه تو یہاں یجیء حکایت حال ماضی ہے باقی قراء نے اَن مقدرہ مان کر منصوب پڑھا ہے اور معنی استقبال کا کیونکہ ان اس کی علامت ہے۔

٢١٥۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔ آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں تم کہہ دو کہ جو مال تم خرچ کرو۔ تو ماں' باپ اور رشتہ داروں کو یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کو دو اور تم جو کچھ نیکی کرو پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔

شانِ نزول: جب حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ہم کس قسم کے اموال اور کہاں کہاں خرچ کریں تو یہ آیت اتری۔ (ابن حبان)

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ

فرض کیا گیا تم پر جنگ کرنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے، اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

تمہارے لئے بہتر ہو، اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾

نہیں جانتے۔

۲۶ ع ۱۰

صراحتِ مصارف میں حکمت:

يَسْـَٔلُوْنَكَ اللہ تعالیٰ نے مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ عام فرما کر خرچ کے مصارف کو صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا۔ اور سائل کے سوال کے جواب کو اشارہ میں بیان فرمایا۔ اس سے یہ واضح کر دیا کہ اصل قابل اہتمام مصرف کا لحاظ وخیال رکھنا ہے کیونکہ خرچ قابل اعتبار وہی ہوتا ہے۔ جو صحیح موقع پر صرف ہو جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ نفلی نفقہ جات کے سلسلہ میں ہے۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔ جو بھی تم بھلائی کرو پس اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں وہ اس پر بدلہ دیں گے۔

تفسیر آیت ۲۱۶:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور شاید تمہیں ایک چیز بری لگے۔ حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور شاید ایک چیز تمہیں اچھی معلوم ہو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہے اور اللہ تعالیٰ (تمہاری بھلائی اور برائی کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) كتب عليكم القتال۔ تم پر کفار سے جہاد فرض کیا گیا۔

صفت سے مقصود اظہارِ مبالغہ:

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ۔ یہاں مصدر کو صفت کی جگہ لایا گیا۔ تاکہ مبالغہ ظاہر ہو جیسا کہ اس شعر میں۔

فَاِنَّمَا هِيَ اِقْبَالٌ وَاِدْبَارٌ تو یہاں شاعر نے گھر کے پچھلے حصے اور سامنے والے حصے کو اقبال وادبار کہہ دیا۔ گویا بذاتِ خود وہ کوئی ناپسند چیز ہے کہ جس سے اتنی طبعی ناپسندیدگی ہے یا یہ فُعْلٌ کا وزن مفعول کے معنی میں ہے۔ جیسے خُبْزٌ بمعنی اَلْمَخْبُوْزُ۔ یعنی مکروہ لکم۔ وہ ناپسندیدہ ہے تمہیں۔ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہو۔ پس تم غزوہ کو ناپسند کر رہے ہو۔ حالانکہ اس میں دو میں سے ایک خیر ضرور مل جائے گی یا کامیابی اور

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ

آپ سے شہر حرام کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا جرم ہے،

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ

اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو

اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ

وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ پردازی قتل کرنے سے بڑا جرم ہے۔ اور کافر لوگ

يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ

برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں پھیر دیں تمہارے دین سے اگر ان سے ہو سکے، اور جو شخص تم میں سے

مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

اپنے دین سے پھر جائے پھر حالت کفر میں مر جائے، سو دنیا و آخرت میں ایسے لوگوں کے اعمال

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اکارت ہو جائیں گے اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے،

غنیمت یا شہادت و جنت۔ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا۔ اور شاید تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ غزوہ میں بیٹھ رہنا ہے۔ وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ اور وہ تمہارے لئے بہت بری ہو اس لئے کہ اس میں ذلت وفقر اور اجر وغنیمت سے محرومی ہے۔

اللہ جل شانہٗ جو فرمائیں کر ڈالو:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اللہ جانتے ہیں وہ چیز جو تمہارے حق میں خیر ہے وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اور تم نہیں جانتے اس کو پس جلدی سے وہ کر ڈالو جس کا وہ حکم دے رہے ہیں خواہ وہ تمہیں گراں ہو۔

نکتہ: عَسٰى یہاں لایا گیا۔ اصل میں یہ شک کے لئے ہے کیونکہ نفس جب پاک ہو جاتا ہے تو اس کی تمام خواہشات شریعت کے مطابق ہو جاتی ہیں پھر وہ ان چیزوں سے نفرت کرتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہیں اور ان چیزوں کو پسند کرتا ہے جو اللہ کو پسند ہیں۔

تفسیر آیت ۲۱۷:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

(اے محمد ﷺ وہ آپ سے ماہِ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں ان سے کہہ دو۔اس (ماہ حرام) میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور فساد اس قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر وہ قابو پالیں اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں مرجائے گا تو ایسے لوگوں کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ دنیا میں اور آخرت میں اور یہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے)۔

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ:

آیت یَسْئَلُوْنَكَ اس سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے متعلق اتری۔جس کو رسول اللہ ﷺ نے جمادی الاخری میں روانہ فرمایا تھا۔انہوں نے مشرکین سے لڑائی کر لی یہ سمجھ کر کہ رجب کا چاند نہیں ہوا حالانکہ رجب ہو چکا تھا۔قریش نے پروپیگنڈا کیا محمد (ﷺ) نے تو اشہر حرام کو بھی حلال کر دیا حالانکہ ان میں خائف کو بھی امن حاصل تھا۔یَسْئَلُوْنَكَ آپ سے کفار سوال کرتے ہیں یا مسلمان سوال کرتے ہیں کہ اشہر حرام میں قتال کا حکم کیا ہے؟

نحو: الشهر سے قتالٍ فيه بدل الاشتمال ہے۔

قراءت: عن قتالٍ فيه تکرار عامل کے ساتھ پڑھا گیا۔جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۷۵ میں لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ۔ میں لام کو دوبارہ لایا گیا ہے۔قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ۔ کہہ دیں کہ لڑائی اس میں بڑا یعنی گناہ ہے۔

نحو: قتالٌ، مبتداء کبیر، خبر ہے نکرہ کو مبتداء بنانا درست ہے کیونکہ فيه کی وجہ سے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی ہے وہ قتالٌ کی صفت ہے۔

رائے مفسرین: اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم التوبہ آیت نمبر ۵ سے منسوخ ہے (مگر جن دلائل کو نسخ کے لئے پیش کیا جاتا ہے وہ خود محل نظر ہیں البتہ بعض مفسرین نے الشهر الحرام بالشهر الحرام سے اس کو منسوخ مانا ہے جس سے ابتداء قتال فی الاشہر الحرام تو حرام رہے گی البتہ جوابی کارروائی اس آیت سے حلال ثابت ہوگی۔واللہ اعلم۔

حدیبیہ میں روکنا:

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا یعنی کفار کا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو حدیبیہ والے سال روکنا۔

نحو: یہ مبتداء ہے و کفر بہ اس کا معطوف علیہ ہے اور اخراج اهله یہ بھی اس کا معطوف علیہ ہے ان تینوں اسماء کی خبر

اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ہے۔ والمسجد الحرام۔ فراء رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ والمسجد الحرام کا عطف کفر به میں به پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے کفر به وبالمسجد الحرام

علمائے بصرہ کا قول: ضمیر مجرور پر عطف اس صورت میں جائز ہے جبکہ حرف جار کو دوبارہ لایا جائے۔ پس اس طرح نہیں کہہ سکتے مررت به وزید۔ بلکہ اس طرح کہیں گے مررت بہ وبزید پس اگر یہاں عطف بہ پر ہوتا تو عبارت اس طرح ہوتی۔ وکفر بہ وبالمسجد الحرام

وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ۔ وہاں کے رہنے والوں کا نکالنا یعنی مسجد حرام کے رہنے والوں کا نکالنا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمن تھے اس کا عطف بھی صَدٌّ پر ہے۔ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے جو کچھ کہ فعل قتال اشہر حرام میں سریہ نے خطاءً کیا ہے اور گمان کی بناء پر کیا۔ (قصداً نہیں) وَالْفِتْنَةُ۔ اور نکالنا یا شرک کرنا۔ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ یہ شہر حرام میں قتل سے بڑھ کر ہے یا کفار کا مسلمان کو دکھ دینا ان مسلمانوں کے شہر حرام میں قتل کفار سے زیادہ قبیح ہے۔

پیشینگوئی:

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ۔ وہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ تم کو تمہارے دین سے لوٹا دیں یعنی کفر کی طرف۔

اس آیت میں اطلاع دی گئی ہے کہ کفار کی ہمیشہ مسلمانوں سے عداوت رہے گی۔ اور وہ اس سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ایمان سے پھیر دیں۔

نکتہ: حَتّٰی یہاں تعلیل کے لئے ہے جیسے کہتے ہیں يَعْبُدُ اللّٰهَ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے گا تا کہ وہ جنت میں پہنچ جائے۔

آیت کا مطلب:

مطلب آیت کا یہ ہوا۔ کہ وہ تم سے لڑتے رہیں گے تا کہ وہ تمہیں ایمان سے لوٹا دیں۔ اِنِ اسْتَطَاعُوْا۔ اگر وہ ایسا کر سکیں ان میں ایسا کر سکنے سے استبعاد ظاہر کیا گیا۔ جیسے تم دشمن کو کہتے ہو۔ ان ظفرت بی فلا تبق علی۔ کہ اگر تم مجھ پر کامیابی پاؤ۔ تو مت چھوڑنا۔ حالانکہ تمہیں یقین ہے کہ وہ تم پر کامیابی نہ پاسکے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ ایسا نہ کر سکیں گے کیونکہ تم ایمان میں مضبوط ہو۔ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ۔ اور جو شخص تم میں سے پھر گیا اپنے دین سے یعنی اسلام سے کفر کی طرف۔

کفر سے مراد ارتداد ہے:

فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ۔ اور کفر کی حالت میں اس کی موت آ گئی۔ یہاں کفر سے ارتداد مراد ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ پس ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے۔ اس لئے کہ ارتداد سے مسلمانوں والے تمام ثمرات سے محرومی ہو گئی۔ اور آخرت میں ثواب اور اچھے ٹھکانے سے محروم ہو گیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ

یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾

اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ وہ آگ والے ہیں اور وہ اس آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

استدلال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ارتداد سے اعمال حبط نہیں ہوں گے جب کہ موت ارتداد پر نہ آئے۔ گویا اگر توبہ کر لی تو سابقہ اعمال بحال ہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدۃ آیت نمبر ۵ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ میں حبط عمل کو فقط ارتداد سے معلق فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ صرف ارتداد سے حبط اعمال ہو جاتا ہے۔ اصل اس اختلاف کی بنیاد وہ کلیہ ہے کہ مطلق کو مقید پر ہمارے ہاں محمول نہ کریں گے۔ بلکہ اپنے اپنے مقام پر رہیں گے اور ان کے ہاں مطلق کو مقید پر محمول کر کے اس میں بھی وہ قید معتبر مانیں گے۔

والدلائل فی اصول الفقه۔

شانِ نزول: مجاہدین سریہ نے عرض کیا کہ ہمیں اس جہاد کا اجر ملے گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر آیت ۲۱۸:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا ۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی۔ یعنی انہوں نے مکہ کو اور اپنے خاندانوں کو چھوڑا۔

وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا) مشرکین کے خلاف۔

قراءت: یہاں وقف نہیں۔ کیونکہ اولئك یرجون یہ انّ کی خبر ہے۔

اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں کہا جاتا ہے من وجاطلب و من خاف هرب۔

نکتہ: (امید کو ان کے لئے اس وجہ سے ثابت کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے۔ کہ عمل نہ موجب ثواب ہے اور نہ ثبوت ثواب کا یقین دلانے والا۔ خاص کر اس وقت جبکہ اعتبار خاتمہ کا ہے)

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں،

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ۥ قُلِ الْعَفْوَ ؕ

اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے، اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں، آپ فرما دیجئے کہ جو زائد ہو وہ خرچ کر دیں

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ

اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے آیات، تاکہ تم فکر کرو دنیا میں اور آخرت میں،

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ

اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں یتیموں کے بارے میں، آپ فرما دیجئے کہ اصلاح کرنا ان کے لئے بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ آپس میں ملا لو

فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ

تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ تم میں مفسد کون ہے مصلح کون ہے اور اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا،

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

۲۱۹۔يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔ (آپ سے اے محمد (ﷺ) یہ لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں ان سے کہہ دو۔ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں۔ اور ان کے فائدے سے انکا گناہ بڑا ہے اور آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں کہہ دو۔ جو ضرورت سے زیادہ ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم غور کرو)۔ شراب کے متعلق چار آیات اتریں۔ مکہ شریف میں نمبرا۔ سورۂ نحل ومن ثمرات النخيل والا عناب تتخذون منه سكرا ورزقا حسنا۔ مسلمان شراب کو استعمال کرتے تھے اور اس وقت حلال بھی تھی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں شراب کے بارے میں فتویٰ دیں۔ یہ عقل کو دور کرنے والی اور مال سلب کرنے والی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

واقعۂ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ:

نمبر۲۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ پھر کچھ لوگوں نے تو شراب پینی چھوڑ دی۔ جبکہ دوسرے استعمال کرتے رہے

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک دن دوستوں کی جماعت کو دعوت دی انہوں نے شراب پی اورنشہ چڑھ گیا۔نماز کا وقت آ گیا۔ توان میں سے کسی نے امامت کروائی۔توقل یآیہا الکفرون لا اعبد کو اعبد ماتعبدون پڑھ دیا۔اس پر یہ آیت اتری۔

واقعۂ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ:

نمبر۳۔ لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى۔ النساء آیت نمبر۴۳ اب اس کے بعد پینے والوں کی تعداد کم ہوگئی۔ پھر حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے دوستوں کی ایک جماعت کو بلایا۔ جب انہوں نے شراب پی اوراس کا نشہ چڑھا۔تو ایک دوسرے سے جھگڑے اور باہمی مار پٹائی ہوئی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا بَیَانًا شَافِیًا۔پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت۔
نمبر۴۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ۔تا۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔اتاری۔سورۃ المائدہ آیت نمبر۹۰۔۹۱اس آیت کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا۔انتھینا انتھینا یا رب اے ہمارے رب ہم باز آئے باز آئے۔

ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر ایک قطرہ شراب کنوئیں میں گر جائے پھر اس کی جگہ منارہ بنایا جائے۔ میں علی اس پر اذان نہ دونگا۔اور اگر دریا میں قطرہ گر جائے پھر وہ دریا خشک ہوجائے اوراس میں گھاس اُگ آئے تو میں اس کو اپنے جانوروں کو نہ چراؤنگا۔ خمر۔انگور کا شیرہ جو گاڑھا ہو جائے جھاگ نکالے اصل میں خمرہ خمراً مصدر پر اسمیت کا معنی غالب آ گیا۔اس نے ڈھانپا ڈھانپنا۔شراب بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔

میسر کا مآخذ:

المیسر۔کا معنی ہے جُوا یہ یسر سے مصدر ہے جیسا موعدا یہ فعل سے۔
کہا جاتا ہے۔یسرتہ۔جبکہ اس سے جوا کھیلے۔اور ایسر سے مشتق ہے۔کیونکہ دوسرے کا مال اس میں سہولت و آسانی بغیر محنت وتھکاوٹ کے حاصل کر لیتا ہے یا ایسار سے مشتق ہے گویا اس کے بائیں ہاتھ نے یہ مال چھین لیا ہے۔ جوئے کی صورت حال اس طرح تھی ان کے ہاں دس تیر تھے۔جن پر خطوط تھے۔اور وہ درج ذیل تھے۔

جوئے کے تیر:

نمبر ا۔ الفذ اس کا ایک حصہ تھا۔نمبر۲۔ التوام اس کے دو حصے تھے۔نمبر۳۔ الرتیب اس کے تین حصے تھے۔نمبر۴۔ الحلس اس کے چار حصے تھے۔نمبر۵۔ النافس اس کے پانچ حصے تھے۔نمبر۶۔ المسبل اس کے چھ حصے تھے۔نمبر۷۔ المعلیٰ اس کے سات حصے تھے۔تین تیر بلا علامت تھے ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔نمبر ا۔ المنیح نمبر۲۔ السفیح ۔نمبر۳۔ الوغد وہ ان تمام تیروں کو ایک تھیلے میں ڈالتے۔اور ایک عادل آدمی کے ہاتھ پر رکھ دیتے۔پھر وہ ان تیروں کو حرکت دیتا۔اور اپنا ہاتھ تھیلے میں ڈال کر ہر آدمی کے نام پر باری باری ایک ایک تیر نکالتا جاتا۔جس کا تیر ان تیروں میں سے نکلتا جن کے حصے مقرر تھے۔وہ مقررہ حصے لے لیتا۔اور جس کا ایسا تیر نکلتا جن کے حصے مقرر نہ تھے وہ کچھ وصول نہ کرتا۔ بلکہ سارے اونٹ کی قیمت بطور تاوان دیتا۔وہ حصے وصول

کرنے والے اپنے حصے فقراء پر بانٹ دیتے۔ اس میں سے خود کچھ بھی استعمال نہ کرتے اور اس پر فخر کرتے اور جو اس میں داخل نہ ہوتا۔ اس کی مذمت کرتے۔ قمار کی تمام اقسام۔ نرد۔ شطرنج وغیرہ اسی کے حکم میں ہیں۔

لین دین کے متعلق سوال:

وہ آپ سے ان کے لین دین کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمادیں۔ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (کہ ان میں گناہ بہت بڑا ہے اور لوگوں کے کچھ فائدے بھی ہیں)۔ باہمی جھگڑے اور گالم گلوچ کی وجہ سے اور فحش گوئی اور جھوٹ کی وجہ سے۔

قراءت: حمزہ اور علی رحمہما اللہ نے کبیر کی جگہ کثیر پڑھا ہے۔

و منافع للناس سے مراد تجارت خمر کے فوائد اور پینے کی لذت اور جوئے میں فقراء کا نفع یا مال بلامحنت کے میسر آجانا۔ وَاِثْمُهُمَآ۔ ان کے لین دین کے گناہ کی سزا۔ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ وہ ان دونوں کے فائدے سے بہت بڑھ کر ہے۔ کیونکہ شرابی اور جوا باز طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو فرمادیں جو بچ رہے۔ **عفو** زائد کو کہتے ہیں۔ یعنی تم وہ خرچ کرو۔ جو ضرورت سے بچا ہوا ہو۔ ابتدائے اسلام میں تمام زائد مال کا خرچ کرنا فرض تھا کھیتی والے کو اپنا سال کا خرچہ رکھ کر مہینے کے بعد زائد کے خرچ کرڈالنے کا حکم تھا۔

جب آیت زکوٰۃ نازل ہوئی۔ تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

نحو و قراءت: ابو عمرو نے اس کو ضمہ کے ساتھ اَلْعَفْوُ پڑھا ہے جنہوں نے اس کو نصب دیا تو انہوں نے ''مَاذَا'' کو ایک اسم قرار دے کر ینفقون سے منصوب بنایا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے **قل ینفقون العفو**۔ **نحو:** اور جنہوں نے رفع پڑھا انہوں نے مَا کو مبتدا اور ذا کو صلہ سمیت اس کی خبر بنایا ہے ذا یہاں **الّذی** کے معنی میں ہے **ینفقون** یہ **ذا** کا صلہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ **ما الذی ینفقون**؟ تو اس کے جواب میں **العفو** لایا گیا۔ یعنی **ھو العفو**۔ تو جواب کو سوال والا اعراب دے دیا۔ تاکہ سوال و جواب میں مطابقت ہو۔

كَذٰلِكَ۔ کاف یہ موضع نصب میں مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی تَبْيِيْنًا مِّثْلَ هٰذَا التَّبْيِيْنَ۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ تم سوچ و بچار کرو۔

تفسیر آیت ۲۲۰:

فِى الدُّنْيَا۔ (دنیا میں) یعنی دنیا کے معاملے میں۔

وَالْاٰخِرَةِ (اور آخرت میں) **فی** یہ **یتفکرون** سے متعلق ہے۔ یعنی تم دونوں جہانوں کے متعلق غور و فکر کرو۔ اور ایسے اعمال کرو۔ جو تمہارے لئے نہایت درست ہوں۔ یا دونوں جہانوں کے متعلق سوچ و بچار کرو اور ان میں جو باقی رہنے والا ہے اور کثرت منافع والا ہے اس کو ترجیح دو۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ یبین کے متعلق بھی ہوسکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔

یبین لکم الأیات فی امر الدارین وفیما یتعلق بهما اور وہ تمہارے لئے اپنی آیات دونوں جہانوں کے سلسلے میں اور جو چیزیں ان سے متعلق ہیں واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔لعلکم تتفکرون۔تا کہ تم سوچ بچار کرو۔ جب یہ آیت نمبر۱۰سورۃ نساء ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما اتری تو کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے یتامٰی سے علیحدگی اختیار کر لی۔اور ان سے میل جول چھوڑ دیا۔اوران کے مالوں کی نگرانی ترک کردی۔اوراس بات کا تذکرہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔تو یہ آیت اتری۔

مداخلت برائے احتیاج:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ۔(وہ آپ سے یتیموں کے بارے سوال کرتے ہیں تم کہہ دو اصلاح کرنا ان کے لئے بہتر ہے)یعنی ان کے معاملات میں اور اموال میں اصلاح کی خاطر مداخلت الگ تھلگ ہوجانے سے بہتر ہے۔

وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ (تم ان سے میل جول کرو)اور علیحدگی اختیار مت کرو۔

فَاِخْوَانُكُمْ۔(پس وہ تمہارے دینی بھائی ہیں)اور بھائی کا حق ہے کہ دوسرے بھائی کے ساتھ مل جل کر رہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔(اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ان کے اموال میں بگاڑ پیدا کرنے والے کا ان کی اصلاح کرنے والے سے)پس مداخلت کے مطابق بدلہ دے گا۔پس احتیاط کرو اور اصلاح کے علاوہ اور کوئی چیز مت تلاش کرو۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔(اور اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری تنگی منظور ہوتی)

لَاَعْنَتَكُمْ۔(تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا)تمہیں مشقت اٹھوا کر اور تنگی میں مبتلا کرتا۔اور شرکت کو مطلق مباح نہ کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ۔(بے شک اللہ تعالیٰ زبردست)یعنی غالب ہے وہ اپنے بندوں پر مشقت ڈالنے کی قدرت رکھتا ہے اور تنگی میں مبتلا کرنے کی۔

حَكِيْمٌ۔(حکمت والا ہے)وہ وسعت کے مطابق اور طاقت کے لحاظ سے حکم دیتا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، اور البتہ ایمان والی باندی بہتر ہے مشرک عورت سے اگرچہ

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ

وہ تمہیں اچھی لگے، اور نہ نکاح کرو اپنی عورتوں کا مشرکین سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، البتہ ایمان والا غلام بہتر ہے

مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ

مشرک سے اگرچہ وہ تمہیں اچھا لگے، یہ لوگ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف، اور اللہ

يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

بلاتا ہے جنت اور مغفرت کی طرف اپنے حکم سے، اور اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اپنی آیات تاکہ وہ نصیحت

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع

حاصل کریں۔

۲۲۱۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔ (اور مشرکہ عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں۔ان سے نکاح نہ کرو۔اور البتہ مؤمنہ لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھی معلوم ہو۔اور نہ نکاح کرو مشرک مردوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے بہت بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند آئے۔یہ دوزخ کی طرف بلانے والے ہیں۔اور اللہ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتے ہیں۔اپنے حکم سے اور اپنے احکام لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں)۔

شانِ نزول: جب مرثد رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آیا وہ عناق مشرکہ سے نکاح کرے۔تو یہ آیت اتری۔

تفسیر آیت ۲۲۱:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ۔تم مشرکہ عورتوں سے نکاح مت کرو۔جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔نکح کا معنی خود نکاح کرنا اور انکح نکاح کروانا۔

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ؕ۔مؤمنہ لونڈی بہت بہتر ہے مشرکہ سے خواہ وہ تمہیں زیادہ بھائے یعنی اگرچہ حالت یہ ہو کہ مشرکہ تمہیں پسند ہو اور تم اس سے محبت کرتے ہو۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى

اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ گندگی ہے، سو تم علیحدہ رہو عورتوں سے حیض

الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ

کے زمانہ میں، اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر وہ جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ

مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ

جس جگہ سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو، اور پسند فرماتا ہے خوب پاکیزگی

الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

اختیار کرنے والوں کو۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ ۔نہ نکاح کر کے دو مشرکین کو۔ یعنی کسی مسلمہ کا نکاح ان سے مت کرو۔
امام زجاج رحمہ اللہ نے اسی طرح کہا۔

جامع العلوم:

نے فرمایا۔ یہاں ایک مفعول کو حذف کیا گیا ہے۔
تقدیر عبارت یہ ہے: وَلَا تُنْكِحُوا هُنَّ الْمُشْرِكِيْنَ کہ نہ نکاح کر کے دو ان مسلمات کا مشرکین کو۔ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ۔ یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور مومن غلام بہت بہتر ہے مشرک سے اگر چہ وہ تمہیں پسند آئے۔
اُولٰٓئِكَ اس میں ماقبل کی علت بیان کی گئی اور اس کا مشار الیہ مشرکہ عورتیں اور مشرک مرد ہیں۔

ان سے رشتہ قطع کریں:

يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ۔ (وہ آگ کی طرف دعوت دینے والے ہیں) یعنی اس کفر کی طرف دعوت دینے والے ہیں جو اہل نار کا عمل ہے پس وہ اس بات کے مستحق ہیں۔ کہ ان سے دوستی نہ کی جائے۔ اور نہ ان سے دامادی کا رشتہ قائم کیا جائے۔

ان سے موالات واجب ہے:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ ۔ (اور اللہ تعالیٰ جنت و مغفرت کی طرف دعوت دینے والے ہیں) اور جو چیز انکی طرف پہنچانے والی ہو یہی وہ لوگ ہیں جن کی موالات واجب ہے اور انکی مصاہرت درست ہے۔ بِاِذْنِهٖ۔ اپنے اذن سے یعنی اپنے علم سے یا اپنے حکم سے۔ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ اور اپنی آیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔
۲۲۲۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا

تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ فرما دیجئے کہ وہ گندگی ہے۔ سو تم علیحدہ رہو عورتوں سے حیض کے زمانہ میں' اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں' پھر وہ جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو اور پسند فرماتا ہے خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو۔

شانِ نزول: اہل عرب حائضہ عورتوں کے ساتھ کھاتے پیتے نہ تھے۔ اور نہ ہی ان کے ساتھ رہائش رکھتے جیسا کہ یہود مجوس کرتے۔ حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق سوال کیا۔ یا رسول اللہ! حیض کی حالت میں عورتوں سے کس طرح معاملہ کریں؟ پس یہ آیت اتری۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ (وہ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں) المحیض۔ یہ مصدر میمی ہے کہا جاتا ہے۔ حاضت حیضًا۔ اس کو حیض آیا حیض آنا۔ جیسے جاء مجيئًا۔

قُلْ هُوَ اَذًى۔ (کہہ دیں وہ ناپاکی ہے)۔ یعنی حیض گندگی ہے اور صحبت کرنے والے کو ایذاء دیتی ہے۔

اعتزالِ عورت کا دائرہ:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ (تم عورتوں سے حیض میں الگ رہو) یعنی ان سے پرہیز کرو۔ یعنی مجامعت نہ کرو۔ یہ بھی کہا گیا کہ نصاریٰ ان سے مجامعت میں حیض کی پرواہ نہ کرتے۔ اور یہود ان سے بالکل علیحدگی اختیار کرتے پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان میں میانہ روی کا حکم دیا۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ازار کے نیچے والے حصہ سے پرہیز کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقط شرمگاہ سے پرہیز واجب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ خون کے نشان یعنی شرمگاہ سے بچے۔ اور اس کے لئے بقیہ جسم میں اختیار ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ۔ (ان کے قریب نہ جاؤ) یعنی مجامعت مت کرو۔ یا ان کی مجامعت کے قریب نہ جاؤ۔

حَتّٰى يَطْهُرْنَ۔ (یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں)

اختلافِ قراءت: حفص کے علاوہ کوفی قراء کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔ یعنی وہ غسل کر لیں اور یہ اصل میں یتطھرن۔ تاء۔ طاء کو قرب مخرج کی وجہ سے ادغام کر لیا۔ دیگر قراء نے يَطْهُرْنَ۔ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اس کا معنی خون کا منقطع ہونا ہے۔

مسئلہ: دونوں قراءتیں دو آیات کی طرح ہیں ہم نے دونوں پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ کہ دم حیض کے اکثر دن گزر جانے پر اگر خون منقطع ہو گیا۔ اور اگر عورت نے غسل نہیں بھی کیا۔ تو مرد اسکے قریب جا سکتا ہے قراءت تخفیف کا یہ تقاضا ہے اور اگر خون قلیل دنوں میں منقطع ہو گیا۔ تو جب تک عورت غسل نہ کرے اس کے قریب نہ جائے۔ یا اس پر ایک وقت نماز کا نہ گزر جائے۔ تا کہ انقطاع بالیقین ثابت ہو جائے۔ اس طرح قراءت تشدید پر عمل ہو گیا۔ اور اس پر محمول کرنا آیت کا یہ اس کے عکس پر محمول کرنے سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ عکس کی صورت میں ایک پر عمل کا ترک لازم ہوگا۔ جمع نہ کیا جا سکے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مرد اس وقت تک قریب نہیں جا سکتا۔ جب تک خوب طہارت حاصل نہ کرے۔ اور ان کی دلیل یہ آیت: فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، سو تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جس طرف سے ہو کر چاہو اور تم اپنی جانوں کے لئے آگے بھیج دو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو، اور مومنین کو خوشخبری سنا دو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صورتِ جمع:

آنے کا مطلب ان سے جماع کرنا ہے۔پس اس طرح انہوں نے دونوں آیات کو جمع کیا۔

مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۔(جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا) یعنی ان مقامات سے جہاں سے اس نے تمہیں آنے کا حکم دیا۔ اور اس کو حلال کیا اور وہ شرمگاہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ۔(بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) توابین سے مراد ممنوعات کے ارتکاب سے رجوع کرنے والے یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے خواہ وہ غلطی پر غلطی کرلیں۔اللہ تعالیٰ کی محبت کی پہچان یہ ہے کہ اس کی عظیم معافی کے سبب مایوس نہ ہو۔

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۔(اور خوب پاکیزگی والوں کو پسند کرتے ہیں) یعنی پانی سے پاکیزگی اختیار کرنے والے یا عورتوں کے ساتھ دبر میں وطی سے بچنے والے ہیں۔یا حیض میں جماع سے بچنے والے یا فواحش سے بچنے والے ہیں۔

شانِ نزول: یہود کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی اپنے اہل کے ساتھ بیٹھ کر وطی کرے تو لڑکا بھینگا پیدا ہوگا تو یہ آیت اتری۔

مقصودِ جماع بقائے نسل ہے:

۲۲۳۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۔(تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتی ہیں) یعنی کھیتی کے مقامات ہیں۔اور یہ مجاز ہے عورتوں کو کھیتیوں سے تشبیہ دی۔اس لئے کہ ان کے رحموں میں نطفے ڈالے جاتے ہیں جو نسل کے لئے بمنزلہ بیج ہے اور لڑکا بمنزلہ نبات کے ہے دراصل نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ یہ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ کا بیان اور توضیح بن گئی۔یعنی وہ مقام جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا۔وہ مقام کھیتی ہے مقام گندگی نہیں۔اس سے درحقیقت متنبہ کر دیا کہ مجامعت کا مقصد قضائے شہوت نہیں بقائے نسل ہے پس ایسے مقامات سے آؤ جس سے یہ مقصد متعلق ہے۔

فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۔(اپنی کھیتی میں آؤ جیسے تم چاہو) یعنی ان سے جماع کرو جب چاہو۔یا جس طرح چاہو۔آؤ بیٹھ کر۔یا چت لیٹ کر یا پہلو کے بل لیٹ کر مگر آنے کا مقام ایک ہی ہے۔وہ مقام حرث ہے۔

یہ درحقیقت تمثیل ہے یعنی تم ان کے پاس آؤ جیسا تم اپنی اراضی جن میں تم کاشت کرنا چاہتے ہو جس طرف سے آتے ہو کوئی ایک طرف مخصوص نہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ط

اور اپنی قسموں کے ذریعہ نیکی کرنے اور تقوی اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لئے اللہ کو آڑ نہ بناؤ

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بلاغت:

ان آیات میں لطیف کنایات اور خوبصورت تعریضات ہیں۔

تعلیم آداب:

هوا ذى فاعتزلوا النساء۔ من حيث امركم الله۔ فاتوا حرثكم انّٰى شئتم۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان آداب کو اختیار کرے۔ اپنے محاورات اور مکاتبات میں بتکلف یہ انداز اختیار کرے۔

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۔(اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو) یعنی جن اعمال صالحہ کا مقدم کرنا ضروری ہے اور ممنوعات کی مخالفت سے بچو یا اولاد طلب کرو یا اس سے مراد وطی ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۔(اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) یعنی ممنوعات پر جرأت مت کرو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۔(اور یقین کرلو بے شک تم اس کو ملنے والے ہو) یعنی تم اس کی طرف جانے والے ہو پس اس کی ملاقات کی تیاری کرو۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔(اور ایمان والوں کو خوش خبری دے دو) ثواب کے ساتھ اے محمد ﷺ۔

عجیب نکتہ:

تین مرتبہ يَسْئَلُوْنَكَ بغیر واؤ کے آیا۔ پھر تین مرتبہ واؤ کے ساتھ لایا گیا۔ کیونکہ پہلے تین حوادث کے متعلق سوال گویا متفرق حالات میں پیش آیا اس لئے حرف عطف نہیں لایا گیا کیونکہ ہر سوال ابتدائی سوال تھا اور پچھلے حوادث کے متعلق سوال ایک ہی وقت میں پیش آئے اس لئے واؤ جمع کا ان کے درمیان لایا گیا۔

۲۲۴۔ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔(اور نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کو روکنے والا اپنی قسموں کا کہ تم نیکی کرو گے۔ اور تقویٰ اختیار کرو گے اور اصلاح کرو گے لوگوں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ سننے والے اور جاننے والے ہیں)۔

عرضہ کی تفسیر:

العُرضه۔بروزن فُعله بمعنی مفعول ہے جیسا قبضہ بمعنی مقبوض۔اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے لئے رکاوٹ بنے۔یہ عرض العود علی الاناء سے لیا گیا ہے جو لکڑی اس برتن سے آڑ اور رکاوٹ بن جائے۔جیسے تم کہتے ہو۔عرضة دون الخیر۔فلاں آدمی بھلائی کے راستہ میں رکاوٹ ہے بعض لوگ صلہ رحمی کے بعض کاموں پر قسم اٹھاتے یا اصلاح رشتہ داری کرنے کی قسم کھالیتے یا کسی پر احسان نہ کرنے کی یا عبادت نہ کرنے کی۔پھر کہتے۔

اخاف الله ان احنث فی یمینی۔میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ میری قسم ٹوٹ جائے پس وہ نیکی کو اس لئے چھوڑتا ہے اپنی قسم میں نیکی کا ارادہ کرکے۔

قسم سے متعلق قسم کو چھوڑنا:

پس ان کو کہہ دیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔یعنی اس چیز کے لئے رکاوٹ نہ بناؤ اس چیز کو جس پر قسم اٹھائی ہے اور محلوف علیہ کو یمین کہا کیونکہ وہ قسم سے متعلق ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی چیز پر قسم اٹھائے پھر اس کے غیر کو اس سے بہتر دیکھے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔(احمد، نسائی) تو اس شئ کو یمین کہا گیا۔

اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ۔(کہ تم نیکی نہ کرو گے اور تقویٰ اختیار نہ کرو گے اور لوگوں کے مابین اصلاح نہ کرو گے)۔

لام کی دو قسمیں:

جملہ لایمانکم کا عطف بیان ہے یعنی للا مور المحلوف علیها التی هی البر والتقوی والاصلاح بین الناس۔یعنی وہ امور جن پر قسم اٹھائی گئی ہے وہ بر، تقویٰ اور اصلاح بین الناس ہے اور لام فعل سے متعلق ہے۔یعنی ولا تجعلوا الله عرضة لایمانکم نہ بناؤ اللہ کو اپنی قسموں کے لئے پردہ۔

دوسرا قول: لام تعلیل کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور ان تبروا فعل سے متعلق ہو یا عرضة سے متعلق ہو یعنی ولا تجعلوا الله لاجل ایمانکم به عرضة لان تبروا۔اللہ تعالیٰ کی قسموں کو لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے سے تم آڑ نہ بناؤ کہ تم قسم کھالو کہ فلاں کے ساتھ سلوک نہ کرو گے۔

وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ۔(اور اللہ سننے والے ہیں) تمہاری قسموں کو۔عَلِیْمٌ۔(اور جاننے والے ہیں) تمہاری نیات کو

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

اللہ تعالیٰ تمہارا مؤاخذہ نہیں فرمائے گا ۔ تمہاری لغو قسموں کے بارے میں، لیکن مؤاخذہ اس بات پر فرمائے گا جس کا تمہارے دلوں نے

قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

ارادہ کیا اور اللہ غفور ہے حلیم ہے۔

تفسیر آیت ۲۲۵:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ۔(اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہ کرے گا تمہاری قسموں میں بے ہودہ قسموں پر)

اللّغو ۔ وہ بے ہودہ اور نکمی چیز جس کا اعتبار نہ ہو خواہ کلام ہو یا اور کچھ۔

یمین لغو:

وہ بے ہودہ قسم جس کا قسموں میں اعتبار نہ ہو اور وہ یہ ہے کہ کسی ایسی چیز پر قسم کھائے کہ جس کے متعلق گمان ہو کہ اس نے قسم نہیں اٹھائی اور معاملہ اس کے الٹ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لغو یمین اٹھانے والے کو سزا نہ دیں گے۔

عندالشافعی رحمۃ اللہ علیہ ۔ جو زبان پر بلاقصد جاری ہو جائے مثلاً لا واللّٰہ وبلی واللّٰہ

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ ۔(لیکن وہ مؤاخذہ کریں گے) یعنی سزا دیں گے۔

یمین غموس اور مؤاخذۂ آخرت:

بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۔(اس پر جو کمایا تمہارے دلوں نے) یعنی جو جان بوجھ کر قسم میں جھوٹ بولا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ آدمی ایسی چیز کی قسم جان بوجھ کر کھائے جس کے متعلق جانتا ہو۔ کہ وہ اس کے برخلاف ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور یہی یمین غموس ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے یمین غموس پر کفارہ کو لازم کیا کیونکہ وہ دل کا کسب ہے۔ عزم اور قصد ہے اور مؤاخذہ یہاں واضح نہیں۔ بلکہ سورۃ المائدہ کی آیت میں واضح ہے۔ پس وہاں کا بیان یہاں کیلئے ہوگا۔

جواب : ہم کہتے ہیں اور وہ اگلے جہان کا معاملہ ہے اور مواخذہ اس جگہ دار ابتلاء سے مقید ہے پس ایک کو دوسرے پر محمول کرنا درست نہیں۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۔(اللہ تعالیٰ بخشنے والے بردبار ہیں) کہ تمہاری لغو قسموں پر مواخذہ نہیں کرتے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لئے چار مہینہ کا انتظار ہے پھر اگر رجوع کر لیں تو اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۲۶:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ۔وہ لوگ جو اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں۔یؤلون کا معنی قسم اٹھانا ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔مِنْ نِّسَآئِهِمْ یہ جار مجرور سے متعلق ہے۔یعنی للذین کے جیسا تم کہو۔
لك منی نصرۃ۔ ولك منی معونۃ۔اب مطلب یہ ہوا للمؤلین من نساء ھم۔اپنی عورتوں کے بارے میں قسم کھانے والوں کے لئے۔

ایلاء کی تحقیق:

تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۔(چار ماہ انتظار کرنا ہے)یعنی قسم اٹھانے والے کے لئے ثابت ہوا چار ماہ کا انتظار گویا یہ استقر کے متعلق ہوا۔یؤلون کے متعلق نہیں کیونکہ وہ آلی علی سے متعدی ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں آلی فلان علی امرأتہ۔صحیح محاورہ ہے اگر کسی نے آلی فلان من امرأتہ کہا۔تو اس آیت کو دیکھ کر غلط وہم کیا ہے۔البتہ اس طرح کہا جا سکتا ہے۔یہاں من سے آلی کو متعدی اس لئے کیا گیا کیونکہ اس قسم میں بُعد اور دوری کا معنی پایا جاتا ہے گویا تقدیر عبارت اس طرح ہے یبعدون من نساء ھم مؤلین وہ دوری اختیار کرتے ہیں اپنی عورتوں سے اس حال میں کہ وہ قسم اٹھانے والے ہیں۔
فَاِنْ فَآءُوْ ۔پس اگر وہ رجوع کریں ان مہینوں میں۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں فان فاء و فیھن ہے وہ اس معنی کی تاکید کرتی ہے یعنی وطی کی طرف لوٹ آئیں۔اور ترک پر اصرار چھوڑ دیں۔
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔(پس اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں)اسی لئے کفارہ مشروع کیا۔

تفسیر آیت ۲۲۷:

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ۔(اگر انہوں نے طلاق کا ارادہ کر لیا) رجوع کو ترک کر کے پس وہ مدت کے اختتام کا انتظار کریں۔
فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۔(پس اللہ سننے والا ہے)اس کی قسم والی بات کو۔

قولِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

عَلِيْمٌ ۔(اور جاننے والا ہے)اس کی نیت کو۔دراصل یہ جملہ اصرار علی القسم ترک رجوع پر وعید ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنی جانوں کو روکے رکھیں تین حیض آنے تک، اور ان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ

يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

جو کچھ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپائیں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور یوم آخرت

الْاٰخِرِؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ

پر، اور ان کے شوہر ان کے لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں اس مدت کے اندر اگر اصلاح کا ارادہ کریں،

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ

اور عورتوں کے لئے اس جیسا حق ہے جو ان کے اوپر ہے اچھے طریقہ پر، اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے

۲۸ ع ۷ ۱۲

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے پس اگر وہ رجوع کرلیں مدت کے گزرنے کے بعد گویا رجوع مدت کے گزرنے کے بعد ہے کیونکہ فاء تعقیب مع الوصل کے لئے ہے۔

شاندار جواب:

جواب: مگر اس کا جواب یہ ہے فان فاء و وان عزموا اور حقیقت للذین یؤلون من نساء ھم کی تفصیل ہے۔ اور تفصیل مفصل کے بعد آتی ہے۔ جیسا کہ تم کہو۔

انا نزیلکم ھذا الشھر فان احمدتکم اقمت عندکم الی آخرہ وإلّا لَمْ اُقِمْ الاریثما أتحول۔ میں اس مہینہ تمہارا مہمان ہوں پس اگر میں تمہاری تعریف کروں تو ہمیشہ تک کے لئے تم میں قیام کروں گا۔ ورنہ قیام نہ کروں گا اور تھوڑی دیر میں کوچ کرجاؤں گا۔

تفسیر آیت ۲۲۸: وَالْمُطَلَّقٰتُ۔ (اور طلاق شدہ عورتیں) یعنی مراد مدخول بہا حیض والی عورتیں۔

امر بصورتِ خبر:

يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ۔ (وہ اپنے آپ کو روکیں) یہ خبر ہے جو امر کا معنی دیتی ہے اصل کلام اس طرح ہو گا۔ ولتتربص المطلقات چاہیے کہ مطلقہ عورتیں انتظار کریں امر کو بصورت خبر لاکرتا کید امر مقصود ہے اور اس بات کی طرف نشان دہی کی گئی کہ یہ ان کاموں میں سے ہے جن کو فی الفور پورا کرنا مناسب ہے گویا ان عورتوں نے اس حکم کو انتظار سے تسلیم کرلیا ہے پس اس کے

پائے جانے کی خبر دی جارہی ہے۔اہل عرب دعا میں اس طرح استعمال کرتے ہیں۔ رحمك الله یہ کلمہ دعائیہ بھی خبر کی صورت میں اسی لئے لایا جاتا ہے۔ کہ قبولیت پر یقین واعتماد ہوتا ہے گویا رحمت ابھی موجود ہے اور یہ اس کے متعلق خبر دے رہا ہے۔ پھر یہاں مبتداء پراس کی بنیادرکھ کرتاکید میں اضافہ کردیا۔ کیونکہ جملہ اسمیہ دوام وثبات پر دلالت کرتا ہے بخلاف جملہ فعلیہ کے نیز انفس کا ذکر کرکے ان کو انتظار پر مزید برانگیختہ کیا گیا اور مزید اس پر ابھارا کیونکہ عورتوں کے نفس مردوں کی طرف مائل ہونے والے ہیں۔ پس ان کی ذوات کو حکم دیا۔ کہ وہ اپنے آپ کو ہٹائیں۔ اور طمع پر غالب کریں اور انتظار پر مجبور کریں۔

قرء بمعنی حیض کی اشارۃ النص سے دلیل:

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ (تین حیض) قُرُوٓءٍ جمع قرء یا قُرو ء کی اور اس کا معنی حیض ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دعی الصلوة ایام اقراء ك (دارقطنی)

تو نماز اپنے حیض کے ایام کی مقدار چھوڑ دو۔ اسی طرح یہ ارشاد طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان۔ (ابوداؤد، ترمذی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طہران نہیں فرمایا اور سورۃ الطلاق آیت نمبر۴ والّٰئی یئسن من المحیض من نساء کم ان ار تبتم فعدتهن ثلاثة اشهر۔ میں اشھر کو حیض کے قائم مقام قرار دیا گیا۔ اطہار کو قائم مقام قرار نہیں دیا گیا۔ (پس گویا اشارۃ النص سے اس معنی کی تاکید ہوگئی) ان نصوص کے علاوہ دلائل عقلیہ۔

اس معنی کے تین دلائل عقلیہ:

دلیل عقلی نمبرا: عدت کا مقصود استبراء رحم ہے حیض سے رحم کا استبراء حاصل ہوتا ہے نہ کہ طُہر سے اسی بناء پر بالاتفاق لونڈی کے لئے استبراء ایک حیض سے حاصل ہوتا ہے۔

نمبر۲۔ اگر طہر مراد لیا جائے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے تو عدت دو قرء اور تیسرے کے کسی قدر حصہ سے ختم ہو جائے پس تین کی عددیت حاصل نہ ہوئی کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طہر کے آخر میں طلاق دے تو وہ حیض امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں عدت میں پورا شمار کیا جاتا ہے۔ اور وہ اگر اس کو حیض کے آخر میں طلاق دے تو ہمارے ہاں وہ حیض گنتی میں نہ آئے گا اور یہ ظاہر بات ہے کہ تین ایک خاص عدد ہے جو تین سے کم پر بولا نہیں جاتا۔

نمبر۳۔ محاورۂ عرب ہے اقرأت المرأة جبکہ اس کو حیض آئے اور امرأة مقرئ حائضہ عورت

نحوی تحقیق:

نحو: ثلاثة منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یعنی یتربصن ثلاثة قروء نمبرا۔ یا ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے یعنی یتربصن مدة ثلاثة قروء نمبر۲۔ یعنی وہ روکیں اپنے کو مدت تین حیض کے گزرنے تک۔ تمیز جمع کثرت ہے نہ جمع قلت جو کہ اقراء ہے کیونکہ اتساعاً یہ جمعیت میں مشترک ہیں۔ شاید قروء کا لفظ قرء کی جمع کے طور پر اقراء سے زیادہ استعمال ہوتا ہے پس اس کو قلیل الاستعمال پر ترجیح دے کر ذکر کیا گیا۔ کیونکہ قلیل الاستعمال بمنزلہ مہمل کے ہے۔

کتمان کی مراد:

وَلَایَحِلُّ لَھُنَّ اَنْ یَّکْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ فِیْٓ اَرْحَامِھِنَّ۔ (اوران کے لئے جائز نہیں کہ وہ چھپائیں اس چیز کو جواللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے) یعنی حمل، یادم حیض یادونوں میں سے کوئی ایک اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ عورت اپنے خاوند سے جدائی کا ارادہ رکھتی ہو پس وہ حمل کو چھپائے تاکہ وہ خاونداس کی طلاق میں وضع حمل تک انتظار نہ کریں۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لڑکے کے بارے میں شفقت کرتے ہوئے اس کو رخصت سے گریز کرے۔ یا وہ عورت اپنا حیض چھپائے اور کہے کہ وہ حائضہ ہے حالانکہ وہ طہر میں ہو، تاکہ جلدی طلاق حاصل کرلے۔

اِنْ کُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (اگر وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں) یہاں ان کی اس حرکت کو بڑا کر کے پیش کیا گیا۔ کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کی سزا پر ایمان ہو وہ اس کے گناہ پر جرأت نہیں کرتا۔

وَبُعُوْلَتُھُنَّ۔ (اوران کے خاوند) البعول جمع بعل ہے تاء جمع مؤنث کے لئے لائی گئی ہے۔

اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ۔ (ان کے لوٹانے کے زیادہ حق دار ہیں) یعنی ان کے خاوند رجعت کے زیادہ حقدار ہیں۔

لفظ زوج کی حکمت:

مَسْئَلَہ: اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ طلاق رجعی سے وطی حرام نہیں ہوتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کو طلاق کے بعد بھی زوجاً کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے۔

فِیْ ذٰلِکَ۔ (اس میں) یعنی مدت انتظار میں۔ مطلب یہ ہے کہ جب آدمی رجوع کا ارادہ کرلے اور عورت انکار کرے تو مرد کی بات کو عورت کی بات پر ترجیح دی جائے گی۔ اور مرداس بات کا زیادہ حقدار ہے اس بناء پر نہیں کہ اس کو رجوع کا حق ہے۔

اِنْ اَرَادُوْٓا۔ (اگر وہ ارادہ کریں) یعنی رجوع کا۔

اِصْلَاحًا۔ (درستگی کا) اپنے اور ان کے مابین۔ اوران پر احسان کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ان کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔

طرفین کے حقوق وفرائض:

وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ (اوران عورتوں کا حق ہے اسکی مثل جیسا عورتوں پر ہے) یعنی ان عورتوں کا مردوں پر حق لازم ہے جیسے مہر ونفقہ اور حسن معاشرت اور ترک مضرت وغیرہ اسکی مثل جو خاوندوں کا ان عورتوں پر لازم ہے جیسے ناپسند باتوں سے روکنا اور اچھی باتوں کا حکم دینا۔

بالمعروف سے مماثلت فی الاصلاح مراد ہے:

بِالْمَعْرُوْفِ۔ (دستور کے موافق) یعنی اس انداز سے جو شریعت و عادات میں نامناسب خیال نہیں کیا جاتا۔ یہاں مماثلت سے جنس فعل میں مماثلت مراد نہیں بلکہ ایک دوسرے کے حقوق ذمہ ہونے اور اصلاح و درستی اختیار کرنے میں مماثلت مراد ہے۔

پس مرد پر لازم نہیں کہ جب عورت اس کے کپڑے دھوئے یا اس کے لئے کھانا تیار کرے تو وہ مرد بھی اسی طرح اس کے لئے کرے۔ بلکہ اس کے بالمقابل وہ کام کرے جو مردوں کے لائق ہیں۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط وَلَا

طلاق دو مرتبہ ہے پھر روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ، یا چھوڑ دینا ہے اچھے طریقہ پر، اور

يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا

تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تم کچھ بھی لے لو اس مال میں سے جو تم نے ان کو دیا ہے۔ مگر اس صورت میں کہ میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ حدود اللہ

يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ لا فَلَا جُنَاحَ

قائم نہ رکھ سکیں گے، سو اگر تم لوگوں کو یہ ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو کوئی گناہ نہیں

عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ج وَمَنْ

ان دونوں پر اس بارے میں کہ عورت اپنی جان کا بدلہ دے دے، یہ اللہ کے حدود ہیں۔ سو تم ان سے آگے مت بڑھو۔ اور جو کوئی

يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ

شخص اللہ کے حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں، پھر اگر اس کو طلاق دے دی تو اس کے لئے اس کے بعد حلال نہ

لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ط فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ

ہو گی یہاں تک کہ اس شوہر کے بعد کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ سو اگر اس نے طلاق دے دی تو ان دونوں پر کوئی

عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط وَتِلْكَ

گناہ نہیں کہ پھر آپس میں رجوع ہو جائیں۔ اگر دونوں کو اس بات کا گمان ہو کہ اللہ کے حدود قائم رکھیں گے اور یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

اللہ کی حد بندیاں ہیں وہ انہیں بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (اور مردوں کو ان پر درجہ حاصل ہے) یعنی زائد حق ہے اور اس کے معاملات کی ذمہ داری میں افضلیت ہے اگرچہ لذت و استمتاع، انفاق، ملک نکاح میں دونوں شریک ہیں۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ (اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) اس کے معاملات پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

حَكِيْمٌ (حکمت والے ہیں) وہ اسی بات کا حکم فرماتے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۲۹:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۔ (طلاق (رجعی) دو بار ہے) الطلاق بمعنی التطلیق یعنی طلاق دینا ہے جیسے السلام بمعنی تسلیم۔ مطلب یہ ہے کہ

شرعی طلاق ایک طلاق کے بعد طلاق متفرق طور پر دینا ہے۔ نہ کہ اکٹھی اور نہ ایک ہی لفظ سے مرتین سے مراد تثنیہ نہیں بلکہ دفعہ (مرتبہ) مراد ہے۔ جیسے سورۂ ملک آیت نمبر ۴ میں ثم ارجع البصر کرتین یعنی کرّۃً بعد کرّۃٍ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ ہے نہ کہ دو مرتبہ۔

طلاقِ بدعت :

مَسْئَلَہ: اس آیت میں ہماری دلیل ہے۔ دو طلاقوں اور تین کو اکٹھا ایک ہی طہر میں دینا بدعت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں الگ الگ کر کے دینے کا حکم دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر میں اگرچہ یہ خبر ہے مگر یہ امر ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر میں تخلف لازم آتا ہے اس لئے کہ طلاق اکٹھی بسا اوقات پائی جاتی ہے۔

ایک قول: یہ بھی ہے کہ ایک انصاریہ نے عرض کیا۔ میرے خاوند نے کہا ہے کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں پھر رجوع کرتا رہوں گا۔ پس یہ آیت اتری۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۔ کہ طلاق رجعی تو دوبار ہے کیونکہ تیسری طلاق کے بعد رجوع نہیں۔

بِمَعْرُوْفٍ۔ پھر دستور کے موافق رکھنا ہے یعنی رجوع کر کے مطلب یہ ہے کہ تم پر دستور کے موافق روکے رکھنا لازم ہے۔

اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ۔ (یا حسن سلوک سے رخصت کر دے) یعنی اس سے رجوع نہ کرے۔ یہاں تک کہ عدت سے بائنہ ہو جائے۔

تیسری طلاق اور خلع :

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس کو تیسری طلاق تیسرے طہر میں دے دے۔ یہ آیت جمیلہ اور ان کے خاوند ثابت بن قیس بن شماس کے بارے میں اتری۔ جمیلہ ان کو ناپسند کرتی تھی۔ جبکہ ثابت اس سے محبت کرتے تھے۔ ثابت نے ان کو مہر میں ایک باغ دے رکھا تھا۔ پس جمیلہ نے وہ باغ واپس کر کے ان سے خلع کر لیا۔ اسلام میں یہ سب سے پہلا خلع تھا (تفسیر طبری صفحہ ۴۶۱ جلد ۲)

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ۔ (اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے) اے خاوند یا اے حکام کیونکہ فیصلے کے وقت وہی لینے دینے کا حکم کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے انہی کو خود لینے' دینے والے کہہ دیا گیا۔

اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا ۔ (کہ تم لو اس میں سے کچھ جو کہ تم اُنہیں دے چکے ہو) یعنی اس میں سے جو مہر تم ان کو دے چکے ہو۔

اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ۔ (مگر جب دونوں کو خوف ہو کہ وہ دونوں خدائی قوانین پر قائم نہ رہ سکیں گے) یعنی مگر یہ کہ میاں بیوی' جان لیں کہ ازدواجی زندگی برقرار رکھنے میں حقوق زوجیت میں حدود اللہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اس لئے کہ بیوی کی بد اخلاقی اور نافرمانی ظاہر ہو چکی۔

فَاِنْ خِفْتُمْ۔ (پس اگر تمہیں ڈر ہو) یعنی اے حکام۔ یہ بھی جائز ہے کہ اول خطاب ازواج کو ہو اور دوسرا حکام کو۔

حدود اللہ کی مخالفت:

اَلاَّ یُقِیْمَا حُدُوْدَاللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا ۔(کہ وہ دونوں اللہ کے قوانین کی پابندی نہ کرسکیں گے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں) یعنی نہ مرد پر لینے کا گناہ اور نہ عورت پر دینے کا گناہ۔

فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ ۔(اس چیز میں جو وہ عورت اپنے خاوند کو فدیہ میں دے) یعنی اس چیز کے دینے میں جس سے وہ اپنی جان چھڑا لے۔اور جو مہر اس کو ملا ہے اس کے بدلے میں اپنے خاوند سے خلع کرے۔

نحو وقراءت:

حمزہ ٗ یعقوب ابوجعفر رحمہم اللہ نے الا ان یخافا کو مبنی للمفعول پڑھا ہے۔جبکہ دیگر قراء نے قراءت حفص کی طرح مبنی للفاعل ہی پڑھا ہے۔

اور الا یقیما یہ بمعنی صلہ یخافا کی ضمیر تثنیہ سے بدل الاشتمال ہے۔مثلاً خیف زیدترکہ اقامة حدود اللّٰہ۔ زید سے چھوڑنے کا خطرہ ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کی حدود کا قیام۔

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۔(یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں) پس تم ان سے تجاوز نہ کرو۔یعنی انکی مخالفت کر کے تجاوز نہ کرو۔

وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔(جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں وہی ظالم ہیں) یعنی اپنے نفسوں کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۳۰:

فَاِنْ طَلَّقَھَا ۔(پس اگر اس نے عورت کو طلاق دے دی) یعنی تیسری بار۔دو بار کے بعد۔

خلع طلاق بدل:

سوال: خلع ہمارے نزدیک طلاق ہے اور ایک قول امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی ہے۔تو اس طرح یہ چوتھی طلاق بن گئی۔

جواب: خلع طلاق بالبدل ہے (اور پہلی دو جو مذکور ہوئیں وہ بلا بدل ہیں) پس یہ تیسری طلاق ہوئی۔اور یہ اسی کا بیان ہے یعنی اگر اس نے تیسری طلاق بالبدل دے دی۔تو اس سے تحلیل کا حکم اس طرح ہے۔

فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْ بَعْدُ ۔(تو اب اس کے بعد وہ اسکے لئے حلال نہیں ہے) یعنی تیسری طلاق کے بعد۔حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ ۔(جب تک کہ شوہر ثانی کے نکاح میں نہ آئے) یعنی اس وقت تک جبکہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔نکاح کی اسناد عورت کی طرف کی جاتی ہے۔جیسے مرد کی طرف جیسے تزوج کا لفظ ہے۔اس میں دلیل ہے۔کہ نکاح عورت کی تعبیر سے بھی منعقد ہو جائے گا۔اور وطی کی قید حدیث عسیلہ سے لگائی ہے۔جیسا اصول فقہ میں معروف ہے۔

نکتہ: جب خاوند نے فراق کا اقدام کیا اور شرمندگی سے نکلنے کیلئے کوئی راستہ باقی نہ رہنے دیا تو عورت کو دوسرے خاوند کے دخول کے بغیر حلال نہ قرار دیا گیا۔جب اس نے دخول کر لیا تو اب یہ عورت حلال ہوگئی اور دخول اس لئے لازم کیا۔تاکہ آئندہ اس فعل

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت گزر جانے کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو روک لو بھلائی کے ساتھ یا

سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ

ان کو چھوڑ دو خوبی کے ساتھ، اور ضرر پہنچانے کے لئے انہیں روک کر کے نہ رکھو تاکہ تم زیادتی کرو، اور جو

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ز

شخص ایسا کرے گا سو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور مت بناؤ اللہ کی آیتوں کو مذاق کی چیز

وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ

اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تم پر ہیں، اور جو کچھ اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے کتاب اور حکمت اس کو بھی یاد کرو۔

يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٣١﴾ ع

اللہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بے شک ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

کے ارتکاب سے باز رہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا پس اگر اس نے اس عورت کو طلاق دے دی یعنی زوج ثانی نے وطی کے بعد فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ (ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں) یعنی پہلے خاوند اور اس عورت پر اَنْ يَّتَرَاجَعَآ (کہ پھر رجوع کرلیں) اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (اگر ان کو یقین ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے)۔

تعبیری حکمت:

سوال: (ان علما انهما يقيمان) نہیں فرمایا بلکہ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا کہا گیا۔

جواب: کیونکہ یقین ان سے غائب ہے۔ اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا (یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جن کو وہ بیان کرتے ہیں) قاری المفضل نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی نُبَيِّنُهَا۔ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں) یعنی اس کو سمجھتے ہیں جو ان کیلئے بیان کیا گیا۔

تفسیر آیت ۲۳۱:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ۔ (جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے کو ہوں) یعنی جب ان کی عدت انتہا کو پہنچ جائے اور اسکے انتہا کے قریب ہو جائیں۔

لفظ اجل کا معنی:

الاجل کالفظ تمام مدت پر بھی بولا جاتا ہے اور آخر مدت پر بھی انسان کی عمر کو بھی الاجل کہا جاتا ہے۔اور موت کو بھی الاجل کہتے ہیں۔جس سے عمر ختم ہوتی ہے۔

حسن معاشرت کا حکم:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔انہیں حسن معاشرت سے روک لو یا سلوک کے ساتھ انہیں رخصت کر دو۔ یعنی یا تو ان سے رجوع کر لے مگر اس سے ان کو دکھ دینا مقصود نہ ہو۔یا پھر اس کا راستہ چھوڑ دے تا کہ اس کی عدت ختم ہو جائے اور بلا ایذاء کے ہونا ظاہر ہو جائے۔

خاتمۂ رواج:

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا (اور ان کو تنگ کرنے کیلئے مت روکو) ضِرَارًا۔ مفعول لَهٗ (ترجمہ اسکے مطابق ہے) یا حال ہے۔ مت ان کو روکو اس حال میں کہ ان کو تنگی دینے والے ہو۔عرب میں رواج یہ تھا کہ عورت کو طلاق دے کر چھوڑ دیا جاتا۔ یہاں تک کہ اس کی عدت کا زمانہ قریب اختتام ہوتا۔تو پھر اس سے رجوع کر لیتے۔مگر یہ رجوع ضرورت کی بناء پر نہ تھا۔ بلکہ عدت کو لمبا کرنا مقصود ہوتا تھا۔اس کو قرآن مجید میں الامساك ضِرَارًا۔فرمایا گیا۔ لِّتَعْتَدُوْا تا کہ تم ان پر زیادتی کرو۔یعنی ان پر ظلم کرو یا ان کو فدیہ دینے پر مجبور کرو۔وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ۔(جو اس طرح کرے گا) یعنی دکھ دینے کیلئے روکے گا۔

تاکید عمل:

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۔(بس یقیناً اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا)۔اس جان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنا کر وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا (اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ)۔یعنی تم ان آیات کو اپنانے اور ان کے فرامین پر عمل کی کوشش کرو۔اور ان کی پوری پوری نگہبانی کرو۔ ورنہ تو تم انکا مذاق بنانے والے ہو عرب اس آدمی کو جو کسی معاملے میں کوشش نہ کرے کہتے ہیں۔ انما انت لاعب وھازیٌ۔تو تو کھیل تماشہ اور مذاق اڑانے والا ہے۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی ہیں)۔یعنی اسلام دے کر اور نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے کر۔

وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ (اور جو کتاب اس نے نازل کی اور حکمت)۔حکمت سے مراد کتاب اور سنت ہے۔ ذکر نعمت۔یہ ہے کہ اس کا شکریہ ادا کرے اور اس نعمت کا شکریہ ادا کرے۔

يَعِظُكُمْ بِهٖ (وہ اس کے ساتھ تمہیں نصیحت کرتے ہیں) یعنی ہ کی ضمیر ما انزل کی طرف جارہی ہے اور یہ حال واقع ہے۔وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اس چیز میں جس میں اس نے تمہارا امتحان لیا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔(اور یقین کرو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں) خواہ وہ ذکر ہو یا تقویٰ نصیحت حاصل کرنا وغیر ذلك یہ انتہائی بلیغ انداز میں وعدو وعید ہے۔

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ

اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کو تو ان کو اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے

اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ

نکاح کریں جبکہ آپس میں خوبی کے ساتھ رضا مند ہو جائیں۔ اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے

كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ

اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر آیت ۲۳۲:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ (اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں) یعنی ان کی عدت ختم ہو جائے۔

بلوغ کا معنی:

نکتہ: دونوں کلاموں کا سیاق ظاہر کر رہا ہے۔ کہ بلوغ کا دونوں جگہ معنی الگ الگ ہے۔ یہاں تو نکاح کے بعد بلوغ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ عدت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ پس یہاں معنی ختم ہونا اور پہلی آیت میں رجعت کے بعد ذکر کیا اور رجعت عدت کے دوران ہوتی ہے۔ اور پہلے میں معنی قریب اور اختتام ہونا ہے۔

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ۔ (پس تم مت ان کو روکو)۔ یعنی مت ان کو منع کرو۔

العضل۔ روکنا اور تنگی دینا۔

اَنْ يَّنْكِحْنَ۔ (یہ کہ وہ نکاح کریں)۔ یعنی اس بات سے کہ وہ نکاح کریں۔

اَزْوَاجَهُنَّ۔ (اپنے خاوندوں سے) یعنی وہ خاوند جن کی طرف یہ عورتیں رغبت رکھتی ہیں اور وہ ان کے لئے مناسب بھی ہیں۔

عجیب استنباط:

مسئلہ: اس سے بھی اشارہ نکلا کہ عورتوں کی تعبیر سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

نکتہ: آیت میں خطاب ان ازواج کو ہے۔ جو اپنی عورتوں کو ظلم کے طور پر عدت کے ختم ہونے کے بعد روکتے ہیں اور اس وقت بھی ان کو چھوٹ نہیں دیتے کہ وہ جن خاوندوں سے پسند کریں نکاح کرلیں۔ ان کو ازواج مایؤول کے اعتبار سے کہا گیا۔ یا خطاب اولیائے عورت کو ہے۔ جو ان عورتوں کو اپنے سابقہ خاوندوں کی طرف لوٹنے سے روکنے والے ہیں۔ ان کو ازواج ماضی کے اعتبار سے کہا۔

واقعۂ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ:

یہ آیت حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے متعلق اتری جب انہوں نے اپنی بہن جملاء بن یسار کو اپنے سابقہ خاوند بداح بن عاصم عجلانی کے ساتھ دوبارہ نکاح سے روکا۔ یا عام لوگوں کو خطاب ہے کہ تمہارے درمیان عضل یعنی روکنا نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ جب وہ پایا جائے اور لوگ اس سے راضی ہوں تو وہ تمام منع کرنے والے کے حکم میں ہوتے ہیں۔

اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ۔ (جب وہ باہم رضامند ہو جائیں) یعنی جب منگنی کا پیغام دینے والا اور عورتیں رضامند ہوں۔ بِالْمَعْرُوْفِ (دستور کے مطابق) جو دین و مروّت کے ساتھ اچھی شرائط یا مہر مثل کے ساتھ اور کفو میں کیونکہ جب دونوں میں سے ایک معدوم ہو تو اولیاء کو تعرض کرنا درست ہے۔ اور ذٰلک میں خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔ یا ہر ایک مخاطب کو۔ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو) اس لئے کہ نصیحت انہی میں کامیاب ہوتی ہے۔ ذٰلِكَ یہ (اے لوگو) یعنی منع کرنا۔

اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ۔ (یہ تمہارے حق میں نفع دینے والی اور زیادہ پاک کرنے والی ہے) یعنی تمہارے لئے گناہوں کی گندگی سے زیادہ پاک کرنے والی ہے یا افضل اور اطیب ہے۔

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ۔ (اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں) اس چیز کو جس میں پاکیزگی اور طہارت ہے۔

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اور تم نہیں جانتے ہو) اس کو

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے اس کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ج

اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ ماؤں کا کھانا اور کپڑا ہے قاعدہ کے مطابق، کسی جان کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی برداشت کے مطابق،

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ق وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ

نہ تکلیف دی جائے والد کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو تکلیف دی جائے جس کا بچہ ہے اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارث کے ذمہ اسی طرح

ذٰلِكَ ج فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ط

سے لازم ہے۔ سو اگر دونوں آپس کی رضا مندی اور باہم مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے،

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ

اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں ہے جبکہ تم سپرد کر دو

مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے قاعدہ کے موافق، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جنہیں تم کرتے ہو۔

تفسیر آیت ۲۳۳:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ (اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو) یہ صورۃً خبر ہے مگر امر مؤکد کے معنی میں ہے جیسا کہ یتربصن مگر یہ امر بطور استحباب ہے یا بطور وجوب جبکہ بچہ ماں کا دودھ ہی قبول کرتا ہو یا اس کے لئے کوئی دایہ نہ ملتی ہو یا والد اجرت سے عاجز ہو۔ یا مطلقہ والدات مراد ہوں۔ اور نفقہ اور کپڑے بطور رضاعت واجب کئے گئے ہوں۔

حَوْلَيْنِ (دو سال) یہ ظرف ہے كَامِلَيْنِ (پورے دو) یہ حَوْلَيْنِ کی تاکید ہے۔ کیونکہ اس میں تسامح ہو سکتا ہے۔ جس طرح تم کہتے ہو۔ انك اقمت عند فلان حولين ولم تستكملهما تم نے فلاں کے ہاں دو سال قیام کیا۔ اور ان کو پورا نہ کیا ہو۔

لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔ (اس شخص کے لئے جو رضاعت کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو) اس میں اس شخص کا بیان ہے جس کی طرف حکم متوجہ ہو۔ یعنی یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہتا ہو۔

باپ کی ذمہ داری:

حاصل کلام: یہ ہے کہ باپ کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو دودھ پلائے ماں کے ذمہ نہیں۔اور باپ کے ذمہ ہے یا لازم ہے کہ اس کے لئے ایک دایہ کا انتظام کرے۔مگر یہ کہ ماں دودھ پلانے پر خوش دلی سے راضی ہو۔اور وہ خود رضا مندی ظاہر کرنے والی ہو۔اس پر اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور ماں کو مزدوری طلب کرنی جائز نہیں۔جب تک کہ وہ بیوی ہے یا معتدہ ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ (اور والد پر) ہٗ ضمیر لام کی طرف لوٹتی ہے اور لام الّذی کے معنی میں ہے۔تقدیر عبارت یہ ہے علی الذی یولدله وهو الوالد

نحو: لہ فاعلیت کی وجہ سے محل رفع میں ہے جیسا کہ علیهم غیر المغضوب علیهم۔الفاتحہ آیت نمبر ۷ میں ہے۔

مولودلہ کی تعبیر میں حکمت:

سوال: یہاں مولود له فرمایا گیا والد نہیں فرمایا۔

جواب: تاکہ معلوم ہو جائے کہ ماؤں نے ان بچوں کو ان کے لئے جنا ہے۔اس لئے کہ اولاد باپوں کی ہے نسب کی نسبت باپوں کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماؤں کی طرف۔پس ان باپوں پر لازم ہے کہ وہ ان (والدات) کو کھانا اور کپڑا دیں۔جبکہ وہ ان کی اولاد کو دودھ پلائیں۔جیسا کہ دایہ کو کھانا کپڑا دیا جاتا ہے ذرا غور تو کرو۔جہاں ایسا موقعہ نہ تھا۔وہاں والد کا نام لے کر ذکر کیا سورۂ لقمان: ۳۳ ...... وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا ؕ اور تم ڈرو اس دن سے کہ والد اپنی اولاد کی طرف سے کام نہ آئے گا اور نہ مولود اپنے والد کے کچھ کام آ سکے گا۔

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (ان کے خرچے اور کپڑے کی دستور کے موافق ذمہ داری ہے) یعنی بغیر فضول خرچی اور بغیر کمی کے۔اس کی تفسیر لا تكلف نفس الا وسعها ہے۔کہ ان میں سے کسی کو ایسی چیز کی تکلیف نہ دی جائے گی۔جو اس کی وسعت میں نہیں۔اور نہ وہ دکھ دیئے جائیں گے۔

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا (نہ تکلیف دی جائے گی کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق) یعنی جو پائی جائے یا امکان کی حد تک۔التکلیف۔اس چیز کو لازم کرنا جس کو تکلف میں ترجیح دی جاتی ہے۔

نحو و قراءت:

نحو: وسعها۔یہ لا تکلف کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔استثناء کی وجہ سے نہیں اور الاّ دو مفعولوں کے درمیان آیا ہے لَا تُضَارَّ۔قراءت: قرائے مکہ و بصرہ ابن کثیر و یعقوب نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔اس وجہ سے کہ یہ لا تکلف سے بدل ہے پس یہ خبر بمعنی نہی ہے۔باقی قراء نے لا تضآرّ کو نصب سے پڑھا ہے نہی مان کر۔

ان دونوں صورتوں میں معروف و مجہول ہونے کا احتمال ہے اور اس کی اصل تُضَارِرْ یا تُضَارَرْ ہے بقیہ قراء نے لا تضآر نہی پڑھا اور اصل تُضَارَرْ پہلی راء کو ساکن کر دیا اور دوسری میں ادغام کر دیا۔اب دو ساکن جمع ہوئے تو دوسری راء کو فتح دیدیا۔

ضرر کی صورتیں:

وَالِدَۃٌ ۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّہٗ بِوَلَدِہٖ (والدہ اپنے بیٹے کی وجہ سے اور نہ والد تکلیف دیا جائے بیٹے کی وجہ سے) نہ ماں اپنے خاوند کو تکلیف دے اپنے بیٹے کے سبب سے۔ وہ یہ ہے کہ نخرے کرے اور اس سے رزق اور کپڑے ایسے مانگے جو خلاف انصاف ہوں۔ اور اس کے دل کو پریشان کرے۔ لڑکے کی دیکھ بھال میں کوتاہی برتے۔ اور بچے کو اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد کہے کہ کوئی دودھ والی دایہ اس کے لئے تلاش کر لو۔ بس اسی طرح کی دیگر مائیں۔ یعنی نہ والد اپنی بیوی کو بیٹے کی وجہ سے تکلیف دے کر اس سے ایسی چیز روک لے جو اس پر لازم ہے کپڑے اور رزق میں سے۔ یا اس سے بیٹا چھین لے حالانکہ وہ اس کو دودھ پلانا چاہتی ہو۔ جب یہ مجہول ہو پھر یہ ممانعت اس بات کی بنے گی۔ کہ عورت کو تکلیف پہنچے خاوند کی طرف سے اور تکلیف خاوند کو پہنچے عورت کی طرف سے لڑکے کی وجہ سے۔

دوسرا قول: لا تضار بمعنی لا تضر ہے اور باء اس کے صلہ میں آئی ہے۔ یعنی نہ نقصان پہنچائے والدہ اپنے بیٹے کو نہ اس کی غذا کا خیال رکھے۔ اور نہ نگہبانی اور نہ اپنے سے مانوس کرنے کے بعد والد کے سپرد کرے۔ اور والد نقصان دے بیوی کو اپنے بیٹے کے سبب۔ وہ اس طرح کہ عورت سے بچہ چھین لے یا اس کے حق میں کوتاہی کرے۔ جس کے نتیجہ میں وہ لڑکے کے حقوق میں کوتاہی کرے۔

نسبت میں حکمت:

نکتہ: والد اور والدہ دونوں کی طرف لڑکے کی نسبت کی تا کہ ان کی شفقت اور محبت میں جوش آئے۔ وہ دونوں اس پر خصوصی شفقت کریں۔ (اپنے اختلاف کو بھول جائیں)

نحو: وَعَلَی الْوَارِثِ۔ یہ علی المولود له رزقهن و كسوتهن پر معطوف ہے اور ان کے درمیان میں معروف کی تفسیر ہے جو بطور جملہ معترضہ معطوف اور معطوف علیہ میں حائل ہے۔

تقدیر عبارت یہ ہے۔ وعلی الوارث الصبی عند عدم الاب مثل ذٰلك۔ کہ بچے کے وارث پر والد نہ ہونے کی صورت میں اسی کی مثل ہے۔

مِثْلُ ذٰلِکَ۔ اس کی مثل سے مراد یعنی کپڑے اور رزق جو والد کی زندگی میں اس کے ذمہ تھا وارث پر بھی وہی لازم ہے۔

وارث کی تفسیر:

وارث کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ نمبر ۱: ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ جو اس کا وارث بنا۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔

نمبر ۲۔ احناف کے نزدیک۔ ذی رحم محرم مراد ہے۔ کیونکہ قراءت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں وعلی الوارث ذی الرحم المحرم مثل ذٰلك ہے۔

نمبر ۳۔ عند الشافعی رحمہ اللہ۔ والد کی جائیداد سے خرچہ ادا کیا جائے گا۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا (اگر دونوں دودھ چھڑانے کا ارادہ رکھتے ہوں) یعنی دونوں ماں باپ دودھ چھڑانے کا ارادہ رکھتے ہوں اور وہ ارادہ۔

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ (رضامندی اور باہمی مشورے سے صادر ہونے والا ہو)

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (تو ان دونوں پر اس سلسلہ میں کوئی گناہ نہیں) ان الفاظ سے تحدید کے بعد توسع فرمایا گیا۔ کہ دو سال سے بڑھائیں یا کم کریں۔

اَلتَّشَاوُرُ۔ (ایک دوسرے سے رائے لینا) یہ شُرتُ العسل سے لیا گیا۔ جب کہ تم شہد کو چھتے سے نکالو۔ اور یہ اس لئے فرمایا تا کہ باہمی رضامندی سوچ و بچار کے ساتھ ہو۔ جس سے بچے کو تکلیف و ضرر نہ پہنچے۔

مصنف کا ذوقِ سلیم:

سُبحان الذی ادب الکبیرو لم یهمل الصغیرواعتبر اتفا قهما لان للاب النسبة والو لایة وللام الشفقة والعنایة۔

مصنف کے یہ ذوقی جملے بعینہٖ نقل کئے گئے تا کہ پڑھنے والا ان کے ذوق سلیم کی داد دیئے بغیر نہ رہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے بڑے کو ادب سکھایا اور چھوٹے کو ضائع و بیکار نہ ہونے دیا۔ اور والدین کے اتفاق کا اعتبار کیا۔

کیونکہ باپ کو نسبت اور ولایت حاصل ہے۔ اور ماں کو ممتا اور عنایت وہاب حقیقی سے ملی ہے۔

اضافت عدمی کا فائدہ:

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ ۔ اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہتے ہو۔ یعنی اولاد کم کی اضافت لام کے معنی میں ہے۔ لا ولادکم۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ بعض نے کہا استرضع یہ ارضع سے منقول ہے۔ عرب کہتے ہیں ارضعت المرأة الصبی واسترضعتها الصبی عورت نے بچے کو دودھ پلایا۔ میں نے بچے کے لئے اس کا دودھ طلب کیا۔ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ یعنی تم دودھ پلانے والیوں سے اپنی اولاد کو دودھ پلواؤ۔ تو ایک مفعول حذف کر دیا گیا۔ یعنی ماں کے علاوہ اور کسی عورت سے تم دودھ پلواتے ہو۔ جبکہ ماں انکاری ہے۔ یا دودھ پلانے سے عاجز ہے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ (پس کوئی گناہ نہیں جبکہ تم سپرد کر دو)۔ دودھ پلانے والیوں کو۔ مَآ اٰتَيْتُمْ (جو تم نے دینا ہو) یعنی جو تم مزدوری دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔

قراءت: مکی نے اَتَيْتُمْ بِهٖ پڑھا ہے۔ یہ اَتٰی اِلَيْهِ اِحْسَانًا سے لیا گیا ہے۔ جبکہ وہ احسان کرے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سورۂ مریم۔ ۶۱ کان وعدهٗ ماتیا میں یہی معنی ہے۔ پورا کیا ہوا۔ التسلیم یہ حوالے کرنا مستحب ہے۔ جواز کی شرط نہیں۔

بِالْمَعْرُوْفِ یہ سلمتم کے متعلق ہے۔ یعنی اجرت مراضع کے سپرد کر دو بطیب خاطر اور بسرور نفس

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یقین کر لو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والے ہیں۔ یعنی اس پر تمہارے اعمال مخفی نہیں۔ پس وہ ان اعمال پر تمہیں بدلہ دے گا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو یہ بیویاں اپنی جانوں کو روکے رکھیں چار مہینے

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

دس دن، پھر جب وہ پہنچ جائیں اپنی میعاد کو سوتم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ عورتیں اپنی جانوں کے بارے میں خوبی کے ساتھ

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

کوئی فیصلہ کرلیں، اور جو تم کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔

۲۳۴: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ۔ (وہ جو تم میں سے مرجائیں) توفیت و استوفیت اس وقت بولتے ہیں۔ جب کسی چیز کو پورا پورا لیا جائے۔ یعنی ان کے ازواج کو پورا پورا لے لیا جائے۔ وَيَذَرُوْنَ (اور وہ چھوڑ جائیں)۔

انتظار کا مطلب:

اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ (وہ بیویاں وہ روکیں اپنے کو) یعنی ان کی بیویاں اپنے آپ کو روکیں جو تم میں سے فوت ہو جائیں۔ یعنی عدت گزاریں یا مطلب یہ ہے۔ ان کے بعد اپنے آپ کو روکیں اور انتظار کریں۔ بَعْدَهُمْ کو معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ جو جملہ خبر بنے اس میں ایک ضمیر ہونی چاہیے۔ جو مبتداء کی طرف لوٹنے والی ہو۔ تقدیر عبارت یہ ہے: وازواج الذین يُتَوَفَّوْنَ يَتَرَبَّصْنَ بَعْدَ هُمْ۔

قراءت: مفضل نے يَتَوَفَّوْنَ معروف یا کے فتحہ سے پڑھا اور اس کا معنی اپنی عمریں پوری کرلیں۔

تذکرہ میں لیالی کا لحاظ:

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ چار ماہ دس دن یعنی دس راتوں کے ساتھ دن بھی داخل ہوں گے۔ لفظ عشر کو مؤنث لانا لیالی کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ اہل عرب جب عدد کو لیالی و ایام میں مبہم ذکر کرتے ہیں۔ تو لیالی کا لحاظ کرتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔ صمت عشرًا۔ جبکہ قرآن مجید میں فرمایا: ان لبثتم الا عشراً۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ (جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں)۔ یعنی پس اگر ان کی عدت ختم ہو جائے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (تو تم پر کچھ گناہ نہیں) اے ائمہ اور حکام

فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ (جو وہ اپنے نفسوں کے بارے میں دستور کے مطابق کریں)۔ یعنی منگنی کرنے والوں کا پیغام وصول کرنا۔ بِالْمَعْرُوْفِ دستور کے مطابق یعنی اس طریق سے جس کو شرع درست قرار دیتی ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خبردار ہے)۔ یعنی تمہارے باطن سے واقف ہے۔ (اس کے مطابق جزا دے گا)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ

اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو کنایۃً نکاح کا پیغام دیدو یا اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھو،

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا

اللہ کو معلوم ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے۔ اور لیکن ان سے نکاح کا خفیہ طور پر وعدہ نہ کر لینا، مگر یہ کہ ان سے ایسی بات کہو

مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا

جو قاعدہ کے موافق ہو، اور تم نکاح کرنے کا ارادہ مت کرو یہاں تک کہ عدت قانون کے مطابق ختم ہو جائے، اور تم جان لو

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾

کہ بے شک اللہ جانتا ہے۔ جو تمہارے دلوں میں ہے، سو تم اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۳۰ ع ۱۴

تفسیر آیت ۲۳۵:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ (تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اسمیں کہ تم اشارۃً ان عورتوں کو نکاح کا پیغام دو)۔

تعریض وکنایہ کا فرق:

خطبہ کا مطلب طلب نکاح اور تعریض یہ ہے کہ تم کہو بیشک تو خوبصورت ہے۔ یا نیک ہے۔ اور میرا مقصد نکاح کرنا ہے۔ اس طرح کا قدم جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے آپ کو اس کے لئے روک کر رکھے۔ اگر وہ پسند کرے۔ البتہ صراحت نکاح کی نہیں کر سکتا۔ کہ اس طرح کہے۔

اِنی اریدان اتزوجك کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تعریض وکنایہ کا فرق۔ یہ معنی کہ کسی چیز کا ذکر ان الفاظ کے علاوہ دیگر الفاظ سے کرے۔ جو اس کے لئے بنائے گئے اور مخصوص ہیں۔ کنایہ کہلاتا ہے۔

اور تعریض کسی چیز کا تذکرہ کرنا جو دلالت کے انداز سے ہو مثلاً محتاج کہے کہ میں سلام کرنے آیا ہوں۔ اور آپ کے سخاوت والے چہرے کی زیارت کرنے آیا ہوں۔ اس لئے اہل عرب کہتے ہیں۔

حسبك بالتسليم منى تقاضيا گویا اس نے کلام ایسے انداز سے کیا جو قائل کی غرض پر دلالت کرتا ہے۔

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ (یا اپنے دلوں میں چھپاؤ) یعنی تم اپنے دلوں میں چھپاؤ اور اپنے دلوں میں رکھو اور زبان سے تعریض وتصریح کسی طور پر ظاہر نہ کرو۔

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ (اللہ تعالیٰ کومعلوم ہے کہ تم عنقریب ان کا تذکرہ کرو گے) یعنی ہرصورت ان کا تذکرہ کرو گے۔ان کی طرف رغبت کوزبان سے ظاہر کرنے سے نہیں رکو گے۔

وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا (لیکن ان سے خفیہ جماع کا وعدہ نہ کرو)۔کیونکہ یہ پوشیدہ کیے جانے والے افعال میں سے ہے۔یعنی عدت میں اس طرح مت کہو کہ میں جماع پرقدرت رکھتا ہوں۔

اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (مگر یہ کہ ان سے دستور کی بات کہو)۔تعریض وکنایہ سے اِلَّآ کا تعلق لا تواعدوهن سے ہے یعنی لا تواعدوهن مواعدة قط۔

الا مواعدة معروفة غير منكرة ان سے وعدہ نہ لو پختہ وعدہ مگر دستور کا وعدہ جونامناسب نہ ہو۔

عزم فعل کی طرح ہے:

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ (اورعقد نکاح کا قصد نہ کرو) یہ عزم الامر اورعزم علیہ پختہ ارادہ کرنا عقد نکاح کی نہی میں مبالغہ کیلئے عزم عقد سے منع فرمایا۔کیونکہ کسی فعل کا پختہ ارادہ اس پر اقدام کرنا ہی ہوتا ہے۔جب عزم سے منع فرمایا تو فعل کی ممانعت اور زیادہ ہوگئی۔مطلب یہ ہے کہ نکاح کی گرہ کو باندھنے کا عزم مت کرو۔یا دوسرا قول: نکاح کی گرہ کوقطعی مت کرو۔کیونکہ عزم کی حقیقت قطع ہے۔اوراس حدیث کا یہی معنی ہے۔

لا صيام لمن لم يعزم الصيام من الّيل۔جورات کوروزے کاقطعی فیصلہ نہ کرے اس کا روزہ نہیں۔اور دوسری روایت میں لم يبيت الصيام (نسائی) بھی وارد ہوئے ہیں۔قطعی فیصلہ مراد ہوگیا مطلب آیات کا یہ ہے۔عقد نکاح کا پختہ ارادہ مت کرو۔

حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ جب تک کہ لکھا ہوا اپنے وقت کو نہ پہنچ جائے۔یعنی یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔عدت کو کتاب کہا کیونکہ اس کی فرضیت کتاب سے ثابت ہوئی مطلب یہ ہوا کہ یہاں تک لکھا ہوا انتظار اپنے وقت مقررہ یعنی انتہاء کو نہ پہنچ جائے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ تم یقین کرلو۔اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔جوتمہارے دلوں میں ہے۔یعنی وہ پختہ ارادہ جو جائز نہیں۔

فَاحْذَرُوْهُ پس اس سے ڈرو یعنی اس کا پختہ ارادہ نہ کرو۔وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے حلم والے ہیں۔اسی لئے تمہیں جلدی سزا نہیں دیتے (بلکہ مہلت دیتے ہیں)

شانِ نزول: یہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے نہ تو بیوی کو طلاق دی تھی اور نہ ہی اس کا مہر مقرر کیا تھا۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ

کوئی گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دے دو عورتوں کو جبکہ تم نے ان کو چھوا نہ ہو اور مہر مقرر نہ

فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا

کیا ہو اور ان کو متعہ دے دو، گنجائش رکھنے والے پر گنجائش کے بقدر ہے، اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے موافق ہے، یہ فائدہ پہنچانا

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ

عمدہ طریقہ پر ہو، واجب ہے اچھا سلوک کرنے والوں پر۔ اور اگر تم ان کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ

تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ

ان کو چھوا ہو حالانکہ ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں اس کا آدھا ہے جتنا تم نے مقرر کیا ہے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں

اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا

یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اور یہ بات کہ تم معاف کر دو زیادہ قریب ہے تقویٰ سے۔ اور نہ

تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

بھولو آپس میں احسان کرنے کو، بے شک اللہ اس کو دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

تفسیر آیت ۲۳۶:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ۔ تم پر کچھ گناہ نہیں یعنی تم پر وجوب مہر کا تاوان نہیں۔

اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو۔ یہ شرط ہے۔ اور اس کے جواب پر لا جناح علیکم دلالت کر رہا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے۔ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں)۔

مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ (جب تک کہ تم نے عورتوں کو ہاتھ نہ لگایا ہو)۔ یعنی ان سے مجامعت نہ کی ہو۔ ما شرطیہ ہے۔ یعنی ان لم تجامعوھن۔ اگر تم نے ان سے مجامعت نہ کی ہو۔

اختلافِ قراءت:

حمزہ، علی رحمہما اللہ نے قرآن مجید میں جہاں بھی یہ لفظ آیا اس کو تُمَاسُّوْهُنَّ پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ فعل دو کے درمیان ہونے والا ہے۔

اَوْ تَفْرِضُوْا لَھُنَّ فَرِیْضَۃً اور نہ مقرر کیا ہو اُن کے لئے مہر۔ یعنی مگر یہ کہ مقرر کیا ہو تم نے ان کے لئے مہر یا یہاں تک کہ تم مقرر کرو۔ فرض الفریضۃ مہر مقرر کیا۔

غیر موطوءہ کا مہر:

مَسْئَلَہ: اگر مطلقہ غیر موطوءہ ہے۔ تو مقررہ مہر کا نصف اس کو دیا جائے گا اور اگر مہر مقرر ہی نہ ہو تو مہر مثل کا نصف نہ دیا جائے گا بلکہ جوڑا دیا جائے گا۔

وَمَتِّعُوْھُنَّ اور تم انہیں متعہ دو۔ یہ فعل محذوف کا معطوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ فَطَلِّقُوْھُنَّ وَ مَتِّعُوْھُنَّ طلاق دے دو اور انہیں فائدہ پہنچاؤ اور متعہ۔ تین کپڑے چادر اوڑھنی' کرتہ ہے۔ عَلَی الْمُوْسِعِ (وسعت والے پر) یعنی وہ جس کو وسعت حاصل ہے۔ قَدَرُہٗ اس مقدار کے مطابق جس کی وہ قدرت رکھتا ہو۔

قراءت: ابوبکر کے علاوہ باقی کوفی قراء نے قَدْرُہٗ دال کے جزم سے پڑھا ہے۔ اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔

وَعَلَی الْمُقْتِرِ تنگدست پر۔ تنگ حال والا۔ اور اس بات کی دلیل کہ مہر کا تاوان گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ تا فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ہے۔ پس نصف فرضتم سے اس گناہ کا اثبات جس کی اس جگہ نفی فرمائی قَدَرُہٗ اس کی حیثیت سے اور یہ متعہ مستحب ہے۔ مَتَاعًا یہ مَتِّعُوْھُنَّ کی تاکید ہے۔ یعنی متعوھن تمتیعًا۔ تم ان کو متعہ دو متعہ دینا۔

بِالْمَعْرُوْفِ (دستور کے موافق) یعنی اس انداز سے جو شرع میں مستحسن ہے۔ اور مروت کے اعتبار سے درست ہے۔ حَقًّا یہ حق ہے یہ متاعًا کی صفت ہے۔ یعنی ایسا متعہ جو ان پر واجب ہے۔

یا دوسرا قول: حَقَّ ذٰلِکَ حَقًّا یہ ثابت ہوا ثابت ہونا۔

مستقبل کا محسن:

عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ (نیکی کرنے والوں پر)۔ مسلمانوں پر یا ان لوگوں پر جو مطلقات پر متعہ دے کر احسان کرتے ہیں۔

سوال: ان کے فعل کرنے سے قبل ہی ان کو محسنین کیوں فرمایا۔ حالانکہ ابھی انہوں نے احسان تو نہیں کیا؟

جواب: یہ اسی طرح ہے جیسا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: من قتل قتیلا فله سلبه (بخاری و مسلم) تو قتیل مایؤل کے اعتبار سے کہا۔ اور یہ احسان و تبرع نہیں جو اس کے ذمہ نہ ہو بلکہ یہ متعہ تو واجب ہے۔

پھر اس عورت کا حق بتلایا کہ طلاق دیتے وقت اس کا مہر مقرر تھا مگر طلاق قبل المس واقع ہوگئی۔ پس فرمایا۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ (اگر تم ان کو طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم نے ان کو چھوا ہو)۔ اِنْ یہاں فعل پر داخل ہوا بتاویل مصدر فعل موضع جر میں ہے یعنی اس سے پہلے کہ تم نے ان کو چھوا ہو۔

وَقَدْ فَرَضْتُمْ (اور تم معین کر چکے ہو) یہ موضع حال میں ہے یعنی اس حال میں کہ تم نے معین کر دیا۔

لَھُنَّ فَرِیْضَۃً (ان کے لئے مہر)

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ (پس نصف ہے اس کا جو تم نے مقرر کیا مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں) مراد اس

سے مطلقات ہیں۔ان فعل کے ساتھ استثناء کی وجہ سے موضع نصب میں واقع ہے گویا اس طرح کہا گیا۔پس تم پر نصف ہے جو تم نے مقرر کیا۔تمام اوقات میں مگر اس وقت میں کہ وہ تم سے نصف مہر معاف کر دیں۔

صیغوں میں فرق:

سوال: مردوں کے لئے یعفوا اور عورتوں کے لئے یعفون کا صیغہ لایا گیا۔حالانکہ تانیث وتذکیر کا فرق ہونا چاہیے۔

جواب: یعفوا۔اس میں واؤ ضمیر ہے اور نون علامت رفع تھی ان کی وجہ سے گر گئی اور یعفون میں واؤ لام کلمہ ہے اور نون ضمیر جمع مؤنث ہے اس لئے عامل کا اس میں چنداں اثر نہیں۔او یعفوا۔یہ یعفون کے محل پر معطوف ہے۔

نکاح کی گرہ والا:

الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے یعنی خاوند جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تفسیر فرمائی۔اور یہی سعید بن جبیر اور شریح اور مجاہد۔امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قولِ جدید بھی یہی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے۔پس عقد کو باقی رکھنا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شرعی واجب تو نصف مہر ہی ہے مگر عورت کل کو ساقط کر دے تو اس کی مرضی۔یا مرد اپنی عظمت کا خیال کرتے ہوئے تمام ادا کر دے۔

امام مالکؒ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا پرانا قول یہ ہے کہ بیدہ عقدۃ النکاح سے ولی مراد ہے۔

ایک اہم سوال:

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے مسلک کے مطابق ولی چھوٹی بچی کے حق میں تبرع کا مالک نہیں تو یہاں بڑی عورت کے سلسلہ میں عقدۃ النکاح کیسے بن گیا۔

نحو: ان تعفوا۔یہ بتاویل مبتداء ہے اور اقرب للتقویٰ یہ خبر ہے اس میں خطاب ازواج اور زوجات کا بطور تغلیب ہے۔

مقام عفو:

زجاج رحمہ اللہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے۔مطلب یہ ہوا کہ خاوند کا عفو یہ ہے کہ وہ کل مہر دے دے اور یہ عفو اس کے حق میں بہت بہتر ہے اور عورت کا عفو تمام کا وصول نہ کرنا بلکہ تمام سے دستبردار ہونا یہ عورت کے لئے بہت بہتر ہے۔

یا دوسرا قول: خاوندوں کے لئے عفو بہت بہتر ہے۔

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ (اور تم فضل کو نہ بھلاؤ) یہاں فضل افضلیت کے معنی میں ہے۔

بَیْنَکُمْ (اپنے درمیان) یعنی اس بات کو مت بھولو کہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے جیسے دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے) پس وہ تمہاری افضلیت پر تمہیں بدلہ دیگا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

پابندی کرو نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی، اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لئے اس حال میں کہ عاجزی اختیار کئے ہوئے ہو۔

تفسیر آیت ۲۳۸:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ (تم تمام نمازوں کی حفاظت کرو) یعنی ان کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کا التزام کرو۔ اور ان کے ارکان اور شرائط کو پورا کرنے کا التزام کرو۔

نمازِ عصر کی عظمت:

وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (اور درمیانی نماز) یعنی جو نمازوں کے درمیان میں ہو۔ یعنی فضیلت والی۔ عرب کے لوگ فضیلت والی چیز کے لئے وسط کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

صلوٰۃ وسطیٰ کو مفرد لا کر صلوٰت پر عطف کیا کیونکہ یہ نماز فضیلت میں منفرد مقام رکھتی ہے اور وہ صلوٰۃ عصر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

دلیل نمبر ا: اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا۔ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے مشغول کیا یعنی صلوٰۃ عصر سے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے۔ (بخاری، مسلم، احمد)

نمبر ۲۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا یہی وہ نماز ہے کہ جس سے سلیمان ؑ مشغول ہوئے یہاں تک کہ سورج حجاب میں چھپ گیا۔ (ابن ابی شیبہ)

نمبر ۳۔ مصحف حفصہ رضی اللہ عنہا میں الصلوٰۃ الوسطیٰ۔ صلوٰۃ العصر کے الفاظ ہیں۔

نمبر ۴۔ یہ نماز دو دن اور دو رات کی نمازوں کے درمیان میں واقع ہے۔

نمبر ۵ اور اس کی فضیلت کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنی تجارت اور معیشت کے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔

تفسیری اقوال:

دوسرا قول: یہ نماز ظہر ہے کیونکہ یہ دن کے درمیان میں ہے۔

تیسرا قول: نماز فجر ہے۔ کیونکہ یہ دن کی دو اور رات کی دو نمازوں کے درمیان ہے۔

چوتھا قول: نماز مغرب ہے کیونکہ یہ دو اور چار رکعات کے مابین تین رکعات والی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ دو، سری نمازوں اور دو جہری نمازوں کے درمیان ہے۔

پانچواں قول: نماز عشاء ہے کیونکہ وہ دو طاق نمازوں کے درمیان ہے یعنی مغرب اور نماز وتر۔

چھٹا قول: یہ لیلۃ القدر کی طرح غیر معین ہے تا کہ تمام نمازوں کی حفاظت کریں۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ

پھر اگر تم کو خوف ہو تو کھڑے ہوئے یا سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو، پھر جب تم کو امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم

تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

نہیں جانتے تھے۔

قنوت قیام ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (تم اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے کھڑے رہا کرو) یعنی نماز میں

نحو: قانتین۔ یہ حال ہے۔ یعنی اس حال میں کہ تم اطاعت کرنے والے اور خشوع کرنے والے ہو۔ یا اللہ تعالیٰ کو قیام میں یاد کرنے والے ہو۔

القنوت۔ کا معنی قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔

دوسرا قول: اس میں کہ وہ قیام کو لمبا کرنے والے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۳۹:

فَاِنْ خِفْتُمْ (پس اگر تم کو خوف ہو) یعنی دشمن کا خوف ہو یا اور کوئی۔

فَرِجَالًا (پس پیدل) یہ حال ہے یعنی تم پیدل نماز پڑھو۔ رجالا جمع راجل ہے جیسے قائم اور قیام۔

اَوْ رُكْبَانًا (یا سواری پر) یعنی ایک اکیلے اشارہ کے ساتھ۔ اس صورت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہ ہوگا۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ (جب تم امن میں ہو جاؤ) یعنی خوف زائل ہو جائے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ (پس تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو) یعنی پس امن والی نماز پڑھو۔

كَمَا عَلَّمَكُمْ (جیسا اس نے تمہیں سکھایا) یعنی یاد کرنا اس طرح جیسا اس نے تمہیں سکھایا۔

مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (وہ باتیں جو تم نہ جانتے تھے) یعنی صلوۃ امن۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا

اور جو لوگ وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویوں کو وصیت کر دیں اپنی بیویوں کے لئے متتفع ہونے کی

اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِىْ مَا فَعَلْنَ فِىْٓ

ایک سال تک اس طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکالی جائیں، پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بات میں جو وہ اپنی

اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

جانوں کے لئے قاعدہ کے مطابق اختیار کرلیں، اور اللہ عزت والا ہے، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۴۰:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا (اور وہ جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور چھوڑ جائیں بیویاں وصیت کرنا ہے اپنی بیویوں کے لئے)

نحو واختلاف قراءت:

شامی، ابوعمرو، اور حمزہ حفص نے وصية کو نصب سے پڑھا ہے فليوصوا وصية۔ وہ وصیت کریں وصیت کرنا۔ یہ زجاج رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور دیگر قراء نے رفع سے پڑھا ہے یعنی فعليهم الوصية ان پر وصیت لازم ہے۔

نمبرا۔ متاعًا یہ وصیت کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر ليوصوا وصية متاعاً وہ وصیت کریں وصیت فائدہ دینے کی۔

منسوخ وناسخ کا ذکر:

دوسرا قول: متعوهن متاعًا۔ تم ان کو سامان کا فائدہ دو۔

اِلَى الْحَوْلِ (ایک سال تک) یہ متاعًا کی صفت ہے۔

غَيْرَ اِخْرَاجٍ (بلا نکالے) یہ مصدر مؤکد ہے جیسا تمہارا قول هذا القول غير ماتقول۔ میں غیر ماتقول قول کی تاکید ہے۔

دوسرا قول: متاعًا سے بدل ہے مطلب آیت کا یہ ہوا کہ ان لوگوں پر حق بنتا ہے کہ جو فوت ہو رہے ہوں کہ وہ قریب المرگ ہونے سے پہلے بیویوں کے متعلق وصیت کریں کہ ان کی بیویاں ان کے بعد ایک سال مکمل نان ونفقہ لے لیں گی۔ یعنی یہ خرچہ ان پر ترکہ میت مشترکہ میں سے کیا جائے گا اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالا جائے۔

ابتدائے اسلام میں یہ مقرر کیا گیا پھر اس آیت سے منسوخ کر دیا گیا۔

والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا الٰى قوله اربعة اشهر و عشرا۔ یہ نسخ والی آیت اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول میں متاخر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سيقول السفهاء من الناس سورۃ البقرۃ۔ آیت نمبر ۱۴۲ میں ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے فائدہ پہنچانا ہے اچھے طریقہ پر، یہ ضروری قرار دیا گیا ہے متقیوں پر، اسی طرح اللہ بیان

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع

فرماتا ہے اپنی آیات تاکہ تم سمجھو۔

ع ۱۵

قد نرٰی تقلب وجهك فی السمآء البقرہ آیت نمبر ۱۴۴۔ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول میں متاخر ہے اور قد نری تلاوت میں متاخر اور نزول میں مقدم ہے۔

فَاِنْ خَرَجْنَ (پس اگر وہ نکل جائیں) یعنی ایک سال کے بعد۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ (تو تم پر کچھ گناہ نہیں جو وہ اپنے نفسوں کے بارے میں کریں) یعنی زینت، پیغام منگنی کا وصول کرنا۔

مِنْ مَّعْرُوْفٍ (دستور کے مطابق) یعنی شرعاً غلط نہ ہو۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (اور اللہ زبردست حکمت والا ہے) ان احکام میں جو وہ کرتے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۴۱:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ (مطلقہ عورتوں کو فائدہ دینا ہے) یعنی عدت کا نفقہ۔

بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (دستور کے موافق یہ حق ہے متقین پر) حَقًّا یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

تفسیر آیت ۲۴۲:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر آیات بیان کرتے ہیں تاکہ تم سمجھو) اگر اس سے مراد متعہ ہو تو مراد مطلقہ مذکورہ کے علاوہ ہے اور یہ متعہ مستحب ہے۔

تَعْقِلُوْنَ یہ محل رفع میں اول کی خبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ص فَقَالَ لَهُمُ

تو نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ تعداد میں ہزاروں تھے، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ مُوْتُوْا قف ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

نے کہ مرجاؤ' پھر ان کو زندہ فرمادیا' بے شک اللہ ضرور فضل والا ہے لوگوں پر' لیکن اکثر

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾

لوگ شکر نہیں کرتے' اور قتال کرو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بے شک اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۴۳:

اَلَمْ تَرَ (کیا آپ نے نہیں دیکھا) یہ ہمزہ تقریر و تاکید کے لئے ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اہل کتاب اور احبار اولین سے یہ واقعہ سن رکھا تھا اور ان کی حالت پر تعجب کے اظہار کے لئے بھی ہے۔

دوسرا قول: یہ کلام تعجب دلانے میں ایک مثل بن گیا۔ اس سے ان لوگوں کو مخاطب کیا گیا۔ جنہوں نے اس واقعہ کو نہ دیکھا اور نہ سنا تھا۔ تاکہ مثل سے بے خبر ہونے سے ان پر تعجب کا اظہار ہو۔

دیار سے مراد:

اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (ان لوگوں کو جو اپنے گھروں سے نکلے) یعنی اپنی بستی و شہر سے بعض نے کہا یہ بستی واسط ہے جہاں طاعون پڑنے پر لوگ وہاں سے بھاگ نکلے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔ پھر حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے ان کو دوبارہ زندہ کیا۔

دوسرا قول: یہ بنی اسرائیل کے لوگ ہیں ان کے بادشاہ نے ان کو جہاد کی دعوت دی۔ تو یہ موت سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آٹھ دن تک موت کی نیند سلایا۔ پھر ان کو زندہ کیا۔

وَهُمْ اُلُوْفٌ (اور وہ ہزاروں تھے) نحو: یہ حال ہونے کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اُلُوْفٌ کا لفظ کثرت کے لئے بولا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ جمع کثرت ہے یہ اَلْف کی جمع ہے۔ الاف کی نہیں۔

حَذَرَ الْمَوْتِ (موت کے ڈر سے) یہ مفعول لۂ ہے۔

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا (پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ مرجاؤ) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔

موت' موت میں فرق:

نکتہ: یہ انداز تعبیر اس لئے اختیار فرمایا گیا تاکہ ظاہر ہو کہ ان تمام کی موت ایک آدمی کی طرح تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم و مشیت سے یہ

موت عادۃً موت سے مختلف ہے۔

اس میں مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا کہ جب موت کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ اور اس سے بھاگنے کا چارہ نہیں تو زیادہ بہتر ہے کہ وہ موت اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش آئے۔

ثُمَّ اَحْیَاھُمْ (پھران کو زندہ کیا) تا کہ وہ عبرت حاصل کریں اور جان لیں اللہ کے حکم و فیصلے سے بھاگنا ممکن نہیں۔ اس کا عطف فعل محذوف پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ پس وہ مر گئے پھران کو زندہ کر دیا۔ یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فقال لھم اللّٰہ موتوا کا معنی ہی یہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔ وہ معنوی اعتبار سے اس پر عطف تھا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَی النَّاسِ (بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربانی کرنے والے ہیں) اس طرح کہ ان کو ایسے واقعات دکھاتے ہیں جن سے وہ عبرت حاصل کریں۔ جیسا کہ ان کو دکھایا اور جیسا ان کا واقعہ بیان کر کے تمہیں دکھایا۔

یا دوسرا قول: لوگوں پر فضل فرمانے والے ہیں کہ ان لوگوں کو زندہ کر دیا۔ تا کہ وہ عبرت حاصل کریں اور کامیاب ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے۔ تو ان کو مردہ چھوڑ دیتے۔ قیامت کے دن تک

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ (لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اس پر)

۲۴۴: اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے لایا گیا۔ یہ بعد والا واقعہ لائے اور اس میں قتال کا حکم دیا۔ اور وہ یہ ارشاد ہے۔

آمادگی بر جہاد:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو) اس میں جہاد پر آمادہ کیا گیا۔ یہ بتلانے کے بعد کہ موت سے فرار فائدہ مند نہیں۔

یہ خطاب امت محمد ﷺ کو فرمایا۔ یا

دوسرا قول: ان کو خطاب ہے جن کو زندہ کیا گیا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ (اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والے ہیں) جو باتیں پیچھے رہنے والے اور سبقت کرنے والے کرتے ہیں۔

عَلِیْمٌ (جاننے والے ہیں) ان چیزوں کو جو انسان کو نقصان دینے والی ہیں۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ط وَاللّٰہُ

کون ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسن، پھر اللہ اس کے لئے اضافہ فرما دے چند در چند بہت سے اضافے فرما کر، اور اللہ

یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ص وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

تنگی فرماتا ہے اور کشادہ فرماتا ہے، اور اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔

۲۴۵۔مَنْ ذَا الَّذِیْ (کون ہے ایسا) جو قرض دے۔ **نحو** :مَنْ استفہام کے لئے ہے۔اور مبتداء کی وجہ سے موضع رفع میں ہے۔اور ذَا اس کی خبر ہے۔الذی یہ ذا کی صفت ہے۔یا بدل ہے۔

یُقْرِضُ اللّٰہَ (وہ اللہ تعالیٰ کو قرضہ دے) یہ جملہ الذی کا صلہ ہے۔

قرض کہنے کی حکمت:

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو خرچ کیا جاتا ہے اس کو قرض فرمایا۔ کیونکہ قرض اس کو کہا جاتا ہے جو اپنے مال میں سے دوسرے کو اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کے برابر اس کو واپس پھیر دے۔اور قرض کا لغوی معنی قطع کرنا ہے اور اس کو قرض کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو وہ اپنے مال سے قطع کرتا ہے اور مقروض کو دیتا ہے اور مقراض قینچی اور قرض الفار۔انقراض تمام میں کاٹنے کا مفہوم ہے اس کو قرض کہہ کر متنبہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اس مال کو اپنے پاس نہ رکھے گا۔ بے شک وہ ان کو بہر صورت اس پر بدلہ عنایت فرمائے گا۔

قَرْضًا حَسَنًا (قرض حسنہ) یعنی پاکیزہ مال میں سے جو بطیب خاطر دیا جائے اس سے مراد جہاد میں خرچ کرنا ہے اسلئے کہ جب قتال کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں تو اس میں مال کی ضرورت ہوگی۔اسلئے صدقہ پر آمادہ کیا تاکہ اسباب جہاد مہیا کیے جائیں۔

فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ (تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کو کئی گنا کر دے)

قراءت: نمبر ا۔ابن عامر اور عاصم نے استفہام کا جواب بنا کر اَنْ مقدرہ کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔باقی قراء ابو عمرو۔نافع، حمزہ اور علی رحمہم اللہ نے یقرض پر عطف کر کے اس کو مرفوع پڑھا ہے۔یا جملہ مستانفہ ہے۔ای فھو یُضَاعِفُہٗ۔

نمبر ۲۔شامی نے فَیُضَعِّفَہٗ پڑھا۔جبکہ مکی نے فَیُضَعِّفُہٗ پڑھا۔بقیہ قراء نے مفاعلہ کے صیغہ سے ہی پڑھا۔

اَضْعَافًا (بڑھانا) یہ مصدر کی جگہ ہے۔

کَثِیْرَۃً (بہت زیادہ) کہ جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں یہ بھی کہا گیا کہ ایک کا بدلہ سات سو۔

وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ (اور اللہ تعالیٰ تنگدست کرتا ہے اور کھولتا ہے) یعنی اپنے بندوں پر رزق کو تنگ کرتا ہے اور وسیع کرتا ہے پس تم بوقت وسعت بخل نہ کرو۔وہ وسعت کے بدلے تنگی نہ دے گا۔

قراءت: یبصط۔حجازی، عاصم اور علی رحمہم اللہ نے پڑھا۔

وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے) پس وہ تمہیں اس پر جو تم نے آگے بھیجا بدلہ عنایت فرمائے گا۔

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ

کیا آپ کو بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا قصہ معلوم ہے جو موسیٰ کے بعد پیش آیا، جب انہوں نے اپنے نبی سے عرض کیا

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

کہ مقرر کر دیجئے ہمارے لئے ایک بادشاہ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، انہوں نے فرمایا کیا ایسا ہو گا کہ اگر تم پر قتال فرض

الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کیا گیا تو تم قتال نہ کرو؟ وہ کہنے لگے اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں

وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ

حالانکہ ہم نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں کے پاس سے، پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا

تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

تو پھر گئے سوائے ان میں سے تھوڑے لوگوں کے، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے،

تفسیر آیت ۲۴۶:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ (کیا تم نے اس جماعت کو نہیں دیکھا) یعنی شرفاء۔ ان کو ملاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ دلوں کو راہنمائی سے بھر دیتے ہیں اور آنکھوں کو رعب سے۔

مِنْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ (بنی اسرائیل میں سے) یہاں مِنْ تبعیضیہ ہے۔

واقعۂ بنی اسرائیل:

مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى۔ (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) یعنی ان کی وفات کے بعد یہاں مِنْ ابتدائے غایت کیلئے ہے۔

اِذْ قَالُوْا (جب انہوں نے کہا)

لِنَبِىٍّ لَّهُمُ (اپنے پیغمبر کو) اور وہ شمعون یا یوشع یا شموئیل علیہم السلام تھے۔

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا (تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر) یعنی تو ہمارے ساتھ قتال کے لئے اٹھا بطور امیر کے ایک شخص تاکہ اس کی رائے سے ہم لڑائی کی تدبیریں کریں۔ اور اس کے حکم پر اتریں۔

نُّقَاتِلْ (ہم قتال کریں) یہ جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور نون کے ساتھ ہے۔

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) یہ نقاتل کا صلہ ہے۔

قَالَ (ان کو نبی علیہ السلام نے کہا)۔

هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (کیا قریب ہے کہ اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے)

قراءت: عَسَيْتُمْ۔ کو عَسِيْتُمْ جہاں بھی آئے نافع نے پڑھا ہے۔

عَسٰی کی خبر اور اسم میں فاصل شرط ان کتب علیکم القتال ہے۔ اور عَسٰی کی خبر اَلَّا تُقَاتِلُوْا ہے اب مطلب یہ ہوا کیا تم قریب ہو اس بات کے کہ نہ قتال کرو تم۔ یعنی کیا بات اس طرح ہے جیسے میں توقع کرتا ہوں۔ کہ تم نہ قتال کرو گے۔ بلکہ بزدلی کرو گے۔ ہل استفہامیہ داخل ہے تاکہ ان سے وہ پوچھا جائے جس کی ان کو ان سے توقع تھی۔ اور مقصد استفہام سے تقریر ہے اور ثابت کرنا ہے کہ جس کی توقع ہے وہ ہونے والا ہے اور وہ اپنی توقع میں درست ہے۔

قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (انہوں نے کہا ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ لڑیں گے) یعنی ترک قتال کی طرف کونسی چیز ہمیں دعوت دینے والی ہے اور ترک قتال میں ہمارا کیا مقصد پورا ہوتا ہے۔

قصۂ خروج بنی اسرائیل:

وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ اَبْنَآئِنَا (حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور بیٹوں سے نکالا گیا)

و قد میں واوٗ حالیہ ہے اور اس کا قصہ یہ ہے کہ قوم جالوت مصر و فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ انہوں نے ان کے ۴۴۰ شہزادے قید کر لیے تھے۔ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ جب معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے تو جہاد ضروری ہے۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ (جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا) یعنی جس چیز کی تم نے التماس کی ہے۔ آؤ اس کو قبول کرو۔

تَوَلَّوْا (انہوں نے منہ موڑا) یعنی اس سے اعراض کیا۔

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (مگر تھوڑے ان میں سے) ان کی تعداد ۳۱۳ تھی جتنی کہ اہل بدر کی تھی۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتے ہیں) اس میں انہوں نے ترک جہاد کی جو زیادتی کی تھی۔ اس پر یہ وعید ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ

اور کہا ان سے ان کے نبی نے بے شک اللہ نے مقرر فرما دیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ وہ کہنے لگے کہ ان کو

الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ

ہم پر حکمران ہونے کا حق کیسے پہنچتا ہے حالانکہ ہم ان سے زیادہ حکمرانی کے مستحق ہیں اور ان کو مالی گنجائش نہیں دی گئی،

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ

ان کے نبی نے کہا کہ بے شک اللہ نے ان کو تم پر حکمرانی کے لئے منتخب فرمایا ہے، اور ان کو علم میں اور جسم میں فراخی عطا فرمائی ہے۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ

اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے۔ اور کہا ان سے ان کے نبی نے

اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا

کہ بلاشبہ اس کے حکمران ہونے کی یہ نشانی ہے کہ آ جائے گا تمہارے پاس تابوت جس میں تسکین ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی

تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

چیزیں ہیں ان میں سے جنہیں چھوڑا تھا آل موسیٰ اور آل ہارون نے جس کو فرشتے اٹھا کر لے آئیں گے۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے تمہارے لئے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

اگر تم ایمان والے ہو۔

۳۲ ع ۱۶

۲۴۷: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ ان کے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو مقرر فرمایا ہے۔ نحو: طالوت یہ جالوت کی طرح عجمی نام ہے اور اسی طرح داؤد بھی یہ غیر منصرف ہیں علمیت کی وجہ سے اور عجمہ ہونے کی بناء پر

مَلِكًا۔ (ایک بادشاہ) یہ حال ہے۔

قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا (انہوں نے کہا کیسے ہوگی اس کو سربراہی ہم پر) یعنی کیسے؟ اور کہاں سے؟ اس میں طالوت کی سپہ سالاری کا انکار اور اس پر اظہار بعد ہے کہ یہ بہت دور کی بات ہے۔

وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ (ہم اس سے زیادہ سربراہی کے حقدار ہیں) واؤ حالیہ ہے۔

دُنیا پرستوں کا مزاج:

وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ (اس کو مالی وسعت میسر نہیں) یعنی وہ ہم پر سربراہ کیسے بنے گا جبکہ حالت یہ ہے کہ وہ سربراہی کے لائق ہی نہیں۔ کیونکہ اس سے زیادہ مستحق موجود ہیں۔ اور شان یہ ہے کہ وہ فقیر ہے اور بادشاہ کے لئے مال ہونا چاہیے جس سے وہ مضبوطی حاصل کر سکے۔ بنی اسرائیل نے یہ بات کہی کیونکہ نبوت تو لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تھی۔ اور بادشاہت یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں اور طالوت یہ بنیامین کی اولاد سے تھا اور یہ پانی پلانے والا آدمی تھا۔ یا رنگنے والا محتاج آدمی تھا۔

روایات میں ہے کہ ان کے پیغمبر علیہ السلام نے اس وقت دعا کی جب انہوں نے اس سے سپہ سالاری کا مطالبہ کیا۔ پس ان کو ایک لاٹھی دی گئی۔ جس سے قد کی پیمائش کی گئی۔ ان لوگوں کی جو بادشاہ بننے والے تھے۔ اس کے مطابق کوئی بھی پورا نہ اترا سوائے طالوت کے۔

حکم پر اعتراض کی گنجائش نہیں:

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَیْكُمْ (اس نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر چن لیا ہے) اصطفٰی میں طآء یہ تآء کا بدل ہے صاد ساکنہ کی جگہ۔ معنی اس کا پسند کرنا اور چننا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو چنا ہے وہ مصالح کو تم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اور اس کے حکموں پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پھر دو مصلحتوں کا تذکرہ بھی فرمادیا جو ان مصالح سے زیادہ نفع بخش تھیں جو انہوں نے ذکر کی تھیں۔ یعنی نسب اور مال اور وہ مصلحتیں علم مبسوط اور جسامت۔

پیغمبر علیہ السلام نے کہا۔ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (اللہ تعالیٰ نے بڑھا دیا اس کو علم و جسم کی وسعت میں) بسطةً یہ مفعول دوم ہے۔

بڑا ماہر:

کہتے ہیں کہ وہ اپنے وقت میں بنی اسرائیل کی لڑائی کے فنون اور علوم دیانات میں سب سے بڑھ کر تھا۔ اور ہر انسان سے اپنے سر اور کندھے کے لحاظ سے لمبا چوڑا تھا۔

البسطہ وسعت درازی کو کہتے ہیں۔ اور بادشاہ کے لیے علم والا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جاہل ذلیل و حقیر ہے اور اس سے مخلوق کو فائدہ نہ ہوگا۔ اور وہ جسامت والا ہو کیونکہ اس سے دلوں میں اس کی شان اور رعب بیٹھتا ہے۔

وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ تعالیٰ اپنا ملک جن کو چاہتے ہیں عنایت فرماتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں اس کا کوئی منازع نہیں۔ وہ جس کو چاہتا عنایت کر دیتا ہے اس کا وراثت سے تعلق نہیں۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ۔ (اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں) یعنی وسیع فضل و عطا والے ہیں اس پر وسعت فرمادیتے ہیں جن کے پاس

وسعت مالی نہیں ہوتی۔اس کو فقر کے بعد غنی کر دیتے ہیں۔

عَلِيْمٌ (وہ جاننے والے ہیں) کہ جس کو بادشاہی کے لیے چننا ہے۔

پھر بھی انہوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے طالوت کے چناؤ اور نشانی کا مطالبہ کر دیا۔

تفسیر آیت ۲۴۸:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ (ان کو ان کے پیغمبر علیہ السلام نے کہا بے شک اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تابوت تمہارے پاس آجائے گا) یعنی وہ صندوق جس میں تورات تھی جب موسیٰ علیہ السلام قتال کرتے اس کو آگے رکھتے بنی اسرائیل کے نفوس کو اس سے سکون حاصل رہتا۔اور وہ فرار اختیار نہ کرتے۔

صندوق سکینہ:

فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (اس میں سکینہ ہے تمہارے رب کی طرف سے) سکون واطمینان ہے

وَبَقِيَّةٌ ۔ (بقیہ چیزیں) یعنی الواح کے ٹکڑے۔عصائے موسیٰ' ثیاب موسیٰ' کچھ تورات ۔موسیٰ علیہ السلام کے نعل اور عمامۂ ہارون علیہ السلام۔

مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ (جن کو چھوڑا آل موسیٰ اور آلِ ہارون نے) یعنی جن کو چھوڑا موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے ۔آل کا لفظ ان دونوں ہستیوں کی عظمت شان کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

فرشتے تابوت لائے:

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (اس کو فرشتے اٹھانے والے ہونگے) یعنی تابوت کو۔اللہ تعالیٰ نے اس کو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اٹھا لیا تھا۔ پس فرشتے اس کو لے کر اٹھائے ہوئے اترے۔جبکہ بنی اسرائیل دیکھ رہے تھے۔

نحو : یہ جملہ موضع حال میں واقع ہے اور اسی طرح فیه سکینة بھی اور من ربکم یہ سکینہ کی صفت ہے اور مما ترك یہ بقية کی صفت ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم مؤمن ہو) یعنی تابوت کے تمہاری طرف لوٹ آنے میں اس بات کی علامت ونشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی طالوت کو تم پر بادشاہی دی ہے۔اگر تم اس کی تصدیق کرنے والے ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوۡتُ بِالۡجُنُوۡدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبۡتَلِيۡكُمۡ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنۡ شَرِبَ

طالوت لشکروں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعہ آزمانے والا ہے، سو جس نے اس میں سے

مِنۡهُ فَلَيۡسَ مِنِّىۡ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَطۡعَمۡهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡٓ اِلَّا مَنِ اغۡتَرَفَ غُرۡفَةً ۢ

پی لیا وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے اس سے نہ پیا تو وہ مجھ سے ہے سوائے اس شخص کے جس نے اپنے ہاتھ سے ایک چلو

بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوۡا مِنۡهُ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

پی لیا، پھر تھوڑے سے افراد کے علاوہ سب نے اس میں سے پی لیا پھر جب آگے بڑھے طالوت اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان

مَعَهٗ ۙ قَالُوۡا لَا طَاقَةَ لَنَا الۡيَوۡمَ بِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ

لائے تھے تو کہنے لگے کہ آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، جو لوگ اللہ کی ملاقات کا

اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ

یقین رکھتے تھے وہ کہنے لگے کتنی ہی کم تعداد جماعتیں اللہ کے حکم سے بھاری تعداد والی جماعتوں پر غالب ہو چکی ہیں

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوۡا لِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ قَالُوۡا رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ

اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کے لئے نکلے تو عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر

عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۵۰﴾ ؕ

ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

۲۴۹: فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوۡتُ بِالۡجُنُوۡدِ (جب طالوت لشکر لے کر جدا ہوئے) فصل کا معنی خرج یعنی نکلنا ہے۔ یعنی جب نکلے اپنے اس شہر سے دشمن کے خلاف جہاد کے لئے۔

تعدادِ لشکر:

بالجنود کا لفظ موضع حال میں ہے یعنی لشکروں کو ساتھ لینے والے تھے۔ جن کی تعداد اسی ہزار تھی۔ یہ وقت گرمی کا تھا۔ انہوں نے مطالبہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے پانی کی نہر جاری کر دے۔

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبۡتَلِيۡكُمۡ (انہوں نے کہا بے شک اللہ تمہارا امتحان کرنے والے ہیں) یعنی تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرنے والے ہیں جیسا امتحان لینے والا کرتا ہے۔

دریائے فلسطین:

بِنَهَرٍ (ایک دریا کے ساتھ) یہ دریائے فلسطین ہے۔ یہ ابتلاء اسی لئے تھا تا کہ سچے مجاہد اور نکمے پہچان لیے جائیں۔
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ (پس جس نے اس میں سے پیا) یعنی منہ لگا کر
فَلَيْسَ مِنِّىْ (پس وہ مجھ سے نہیں) یعنی وہ میرا سچا پیروکار نہیں اور میرا حمایتی نہیں۔
وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ (جس نے نہ چکھا) یہ طعم الشیٔ سے ہے جب کہ اس کو چکھا جائے۔
فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ (پس وہ مجھ سے ہے)

قراءت: ابوعمرو اور مدنی نے مِنِّیَ یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے

اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ (یہ استثناء ہے۔ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ سے۔ اور دوسرا جملہ استثناء سے جملہ متاخرہ کے حکم میں ہے۔ صرف عنایت کی وجہ سے اس کو مقدم کیا گیا ہے۔
غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ (ایک چلو ہاتھ سے)

قراءت: حجازی اور ابوعمرو نے غَرْفَةً غین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی مصدر والا ہے۔ اور غُرْفَةٌ غین کے ضمہ کے ساتھ بمعنی مغروف بمعنی چلّو۔

مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کے ایک چلّو کی رخصت ہے۔ منہ لگا کر پینے کی اجازت نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے۔
فَشَرِبُوْا مِنْهُ (پس انہوں نے اس سے پیا) یعنی منہ لگا کر پیا۔
اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (مگر تھوڑے ان میں سے) اور ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔
فَلَمَّا جَاوَزَهٗ (پس جب وہ اس کو عبور کر گئے) یعنی نہر کو۔
هُوَ (وہ) اس سے مراد طالوت ہیں۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (اور وہ لوگ جو ان کے قول پر یقین کرنے والے تھے) یعنی قلیل تعداد میں۔
قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ (وہ کہنے لگے ہمیں آج طاقت نہیں) یعنی کوئی قوت نہیں۔

جابر جالوت:

بِجَالُوْتَ (جالوت کے ساتھ) یہ عمالقہ کا ایک جابر بادشاہ ہے جو عملیق بن عاد کی اولاد میں سے تھا۔ اس کے خود میں تین سو، رطل لوہا تھا۔
وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۔ (اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کیا۔ کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں) یعنی شہادت پر یقین کرنے والے ہیں۔
بعض نے کہا۔ قَالُوا کی ضمیر ان میں بہت سے لوگوں کی طرف لوٹتی ہے۔ جو پیچھے رہ گئے تھے۔
اور والذین یظنون میں ضمیر ان قلیل کی طرف ہے۔ جو ثابت قدم رہنے والے تھے۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ

سو ان کو شکست دے دی اللہ کے حکم سے اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے ان کو ملک دے دیا اور حکمت عطاء فرما دی، اور ان کو جو کچھ

مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ

چاہا علم دے دیا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع فرمانا لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعہ تو زمین میں فساد ہو جاتا

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ

اور لیکن اللہ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے

بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

ہیں اور بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔

روایات میں یہ بھی ہے کہ ایک چلّو آدمی کے پینے اور برتن کے لئے کافی ہو جاتا۔ جنہوں نے پانی پیا۔ ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے۔ اور پیاس ان پر غالب آ گئی۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ (بہت سی تھوڑی جماعتیں ہیں)

نحو : یہ کَمْ خبریہ ہے اور ابتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔

غَلَبَتْ (غالب آ گئیں) یہ کَمْ کی خبر ہے۔

فِئَةً كَثِيْرَةً (بڑی جماعتوں پر)

بِاِذْنِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) یعنی اس کی مدد سے

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) اپنی مدد کے ذریعہ۔

تفسیر آیت ۲۵۰:

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ (جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے آئے) یعنی ان سے لڑائی کرنے نکلے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا (کہنے لگے اے ہمارے رب تو انڈیل ہم پر صبر) افراغ کا معنی انڈیلنا ہے صبر سے مراد لڑائی میں ثابت قدمی ہے۔

وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا (اور ہمارے قدموں کو مضبوط کر) ہمارے دلوں کو مضبوط کر کے اور ہمارے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال کر۔

وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (اور تو کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما) یعنی ہماری اعانت فرما۔

تفسیر آیت ۲۵۱:

فَهَزَمُوْهُمْ (پس انہوں نے ان کو شکست دی) یعنی طالوت اور مؤمنین نے جالوت اور اس کے لشکروں کو۔

فیصلۂ قضاء وقدر:

بِاِذْنِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے اذن سے) یعنی اس کے فیصلۂ قضاوقدر سے

تذکرہ داؤد علیہ السلام:

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا) داؤد علیہ السلام کے والد ایشی بھی طالوت کے لشکر میں اپنے چھ بیٹوں سمیت شامل تھے۔داؤد ان میں ساتویں تھے۔اور وہ اپنے تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔اور بکریاں چراتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ داؤد ہی جالوت کو قتل کرے گا۔

انہوں نے ان کے والد سے داؤد کو طلب کیا وہ آ گئے۔راستے میں چلتے ہوئے تین پتھروں نے داؤد کو کہا۔ہمیں اٹھالو۔اور اس سے کہا تم ہمارے ساتھ جالوت کو قتل کرو گے۔

داؤد نے ان پتھروں کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور وہ پتھر جالوت کی طرف پھینکے پس اس کو قتل کر دیا۔طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح داؤد علیہ السلام سے کر دیا۔پھر ان کو حسد پیدا ہوا اور اس کو قتل کرنا چاہا (مگر قدرت نہ پاسکا) پھر تائب ہو کر موت آئی۔

ملک سے مراد:

وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ (اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہی دے دی) ارض مقدس کے مشرق ومغربی علاقوں میں داؤد سے پہلے بنی اسرائیل کسی بادشاہ پر مجتمع نہ ہوئے تھے۔

وَالْحِكْمَةَ (اور حکمت) یعنی نبوت۔

وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ (اور اس کو جو چاہا علم دیا) یعنی صنعت زرع اور کلام طیور وغیرہ۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ (اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو دور نہ کرتے)

نحو: الناس یہ مفعول بہ ہے۔

بَعْضَهُمْ یہ الناس کا بدل ہے یعنی بعض لوگوں کو۔

قراءت: دفعُ کو مدنی رحمہ اللہ نے دِفَاعُ پڑھا ہے۔یہ دفاع دفع کا مصدر ہے۔یا اس کا معنی دافع دفاع کرنے والا ہے۔

فساد کا مطلب:

بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (بعض لوگوں کے ساتھ تو بگڑ جاتی زمین) یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرے اور ان کے ذریعے ان کا فساد نہ روکے تو مفسد غالب آ جائیں اور زمین بگڑ جائے اور اس کے منافع کھیتی ونسل باطل ہو جائیں۔

دوسرا قول: اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی کافروں کے خلاف مدد نہ کرتا۔تو غلبۂ کفار سے زمین بگڑ جاتی اور نیک قتل کر دیئے جاتے۔اور شہر برباد ہو جاتے اور بندے دکھوں میں مبتلا ہو جاتے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (لیکن اللہ تعالیٰ جہان والوں پر فضل فرمانے والے ہیں) یعنی ان سے فساد کا ازالہ کر کے۔

یہ آیت معتزلہ کے خلاف اہلسنت کی دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اصلح کو اختیار فرماتے ہیں۔

آیات کا مفہوم:

۲۵۲: تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔

نحو: تلک مبتداء اور آیات اللہ خبر ہے۔

مطلب یہ ہوا یہ ہزاروں کے واقعات جو بیان کیے گئے اور ان کی موت کا تذکرہ ہوا اور پھر زندگی بخشنے کا اور طالوت کی بادشاہت۔ جابروں پر ایک بچہ کے ذریعہ ان کا غلبہ وغیرہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔

نَتْلُوْهَا (ہم ان کو پڑھ کر سنا رہے ہیں)

نحو: یہ اٰيٰتُ اللّٰهِ سے حال ہے اور اس کا عامل تلک کا معنی ہے۔ یا اٰيٰتُ اللّٰهِ یہ تلک سے بدل ہے اور نتلوھا اس کی خبر ہے۔

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (آپ پر حق کے ساتھ) یعنی اس یقین کے ساتھ کہ جس میں اہل کتاب کو شک کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ واقعات ان کی کتابوں میں بھی اسی طرح ہیں۔

دلیل رسالت:

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اور بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے ہیں) اس لئے کہ آپ ان کو کسی کتاب کی قراءت کے بغیر اطلاع دے رہے ہیں۔ یا آپ ان کو کسی اہل کتاب سے سننے کے بغیر اطلاع دے رہے ہیں جو رسالت کی کھلی نشانی ہے۔

وقف لازم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ

یہ رسول ہیں ہم نے فضیلت دی ان میں بعض کو بعض پر، ان میں بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو

بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ

درجات کے اعتبار سے بلند فرمایا، اور ہم نے دیئے عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزات، اور ہم نے ان کی تائید کی روح القدس کے ذریعہ،

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے جوان کے بعد تھے، اس کے بعد کہ آئے ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫

لیکن انہوں نے آپس میں اختلاف کیا سو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جنہوں نے کفر کیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۲۵۳ ع

لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

تفسیر آیت ۲۵۳:

تِلْكَ الرُّسُلُ (یہ رسل) تِلْكَ کا اشارہ رسولوں کی جماعت کی طرف ہے۔

جن کے واقعات اس سورت میں مذکور ہو چکے۔ آدم علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام تک۔

یا دوسرا قول: جن رسل کی جماعت کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات کے نزول سے قبل ہو چکا۔

طاعات میں تفاوت:

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی) یعنی رسالت کے علاوہ خصوصیات کے ساتھ فضیلت دی۔ کیونکہ رسالت و نبوت میں تو تمام برابر ہیں۔ جیسا کہ مؤمن صفت ایمان میں تمام برابر ہیں اور ایمان کے بعد طاعات میں متفاوت ہیں۔ پھر اس ارشاد

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ (ان میں سے بعض وہ تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا) مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ سے امت کی وضاحت کی۔ یعنی ان سے کلام کیا اللہ تعالیٰ نے۔ ضمیر عائد کو صلہ سے حذف کر دیا۔ یعنی منهم من فضله الله بان كلمه من غير سفير۔ ان میں جن کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت اس طرح دی۔ کہ بغیر سفیر کے ان کو شرف کلام بخشا اور وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

بلند درجات سے مراد:

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (اور بعض کے درجات بلند کئے)

نحو: بعضهم پہلا مفعول اور دَرَجٰتٍ دوسرا مفعول ہے۔ یعنی بدرجات یا الی درجات۔

مطلب یہ ہوا کہ بعض ان میں سے وہ ہیں جن کو تمام انبیاء علیہم السلام پر رفعت عنایت فرمائی پس فضیلت میں تفاوت کے بعد وہ ان میں درجات کثیرہ کے ذریعہ افضل ہو گئے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ کیونکہ آپ ہی ان میں تمام کائنات کی طرف بھیجے جانے کی وجہ سے افضل ہو گئے اور اس لیے بھی کہ آپ کو وہ نشانات و معجزات دیئے گئے جو کثرت تعداد میں ایک ہزار یا اس سے بھی بڑھنے والے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ کے چہرہ پر باقی رہنے والا معجزہ ہے۔ اس ابہام میں تفخیم اور وضاحت ہے کیونکہ وہ ایک ایسی علامت ہے۔ جو کسی پر مخفی نہیں اور ایسا امتیاز ہے جس میں کسی کو التباس نہیں۔

دوسرا قول: اس سے مراد حضرت محمد و ابراہیم علیہما السلام وغیرہما انبیائے اولوالعزم مراد ہیں۔

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ (اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح نشانات دیئے) جیسے مردوں کو زندہ کرنا مادرزاد نابینا اور برص کی بیماری والے کو تندرست کر دیا کرتے تھے۔ وغیر ذلک

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (اور ہم نے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ان کی مدد کی) یعنی ہم نے ان کو قوت دی۔ یا انجیل کے ساتھ مدد دی۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ (اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ لوگ نہ لڑتے) یعنی باہمی اختلاف نہ کرتے۔ جس کی وجہ سے نوبت قتال آئی۔

الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے) یعنی ان رسل علیہم السلام کے بعد

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ (اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلے دلائل آ گئے) یعنی ظاہر معجزات

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا (لیکن انہوں نے اختلاف کیا) یعنی میری مشیت کے ساتھ۔ پھر اختلاف کی وضاحت اس طرح فرمائی۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ (پس کچھ تو ایمان لے آئے اور کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے کفر کیا) یعنی میری مشیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے رسولوں کے معاملات کو اس طرح جاری کیا۔ یعنی کسی پیغمبر کی تمام امت اس کی زندگی میں اس پر متفق نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی ان کی زندگی کے بعد بلکہ انہوں نے ان کے متعلق۔ فمنهم من اٰمن ومنهم من كفر۔ پس ان میں سے کچھ تو ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے کفر کیا۔ یعنی اختلاف کا رویہ اختیار کیا۔

کفر کا مطلب:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا (اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ قتال نہ کرتے) اس جملہ کو تاکید کے لئے دوبارہ لایا گیا۔ یعنی اگر میری مشیت میں ہوتا کہ وہ آپس میں قتال نہ کریں تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے۔ اس لئے کہ میری مملکت میں میری مشیت چلتی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

اے ایمان والو، اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن

يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ

آئے جس میں نہ بیع ہوگی نہ دوستی اور نہ سفارش، اور جو کافر ہیں وہ

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

ظلم کرنے والے ہیں۔

تردیدِ معتزلہ:

اس آیت سے معتزلہ کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بتلایا گیا کہ اگر اللہ چاہتے کہ وہ قتال باہمی نہ کریں۔ تو وہ نہ کرتے۔ حالانکہ معتزلہ کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے کہ وہ آپس میں نہ لڑیں تو بھی وہ لڑ پڑتے۔

ثبوتِ ارادہ:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (اور لیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو کچھ چاہتے ہیں) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ارادہ کو ثابت کیا۔ جیسا کہ مذہب اہلسنت ہے۔

تفسیر آیت ۲۵۴:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (اے ایمان والو! تم خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں دیا) یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرو۔

یا دوسرا قول: (اس سے مراد ہر صدقہ واجبہ زکوۃ وغیرہ ہے)

عدم تدارک کا دن:

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ (اس سے پہلے کہ ایسا دن آئے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی) یعنی اس سے پہلے کہ ایسا دن آئے کہ جس میں تم اس انفاق کا تدارک نہ کرسکو گے جو رہ جائے کیونکہ اس دن میں نہ خرید و فروخت ہوگی کہ اس میں تم خرید لو جو تم نے خرچ کرنا ہو۔

وَّلَا خُلَّةٌ (اور نہ دوستی ہوگی) کہ دو دوست دوستی کا لحاظ کر کے چشم پوشی کرسکیں۔

وَّلَا شَفَاعَةٌ (اور نہ سفارش) یعنی کافروں کے لئے سفارش نہ ہوگی۔ باقی مسلمانوں کے لئے ہوگی۔ یا شفاعت ہوگی مگر اس کی اجازت سے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی

اللہ ایسا ہے کہ معبود نہیں ہے مگر وہی، وہ زندہ ہے، قائم رکھنے والا ہے، اس کو نہیں پکڑتی اونگھ اور نہ نیند، اسی کے لئے ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ

آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت کے ساتھ، وہ جانتا ہے

مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا

جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور وہ احاطہ نہیں کرتے اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا مگر جو وہ

شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ

چاہے، گنجائش ہے اس کی کرسی میں آسمانوں کی، اور زمین کی اور اسے بھاری نہیں ہے ان دونوں کی حفاظت، اور وہ

الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

برتر ہے، عظمت والا ہے۔

دو قول:

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور کافر وہی ظالم ہیں) یعنی کافر اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی حاجت کے دن کی طرف بڑھنا چھوڑ دیا۔

یا دوسرا قول: یہ ہے کہ اس دن کا انکار کرنے والے وہی ظالم ہیں۔

قراءت: لَا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ۔ مکی اور بصری قراء نے اسی طرح پڑھا۔

تفسیر آیت ۲۵۵:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اللہ تعالیٰ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر وہی)

نحو: لفظ اللہ مبتداء اور جملہ اسمیہ لا اله الا هو اس کی خبر ہے۔ لانفی جنس الله اس کا اسم اِلَّا ادات حصر هُوَ بدل از محل لا۔

اَلْحَیُّ (زندہ) یعنی ایسی باقی رہنے والی ذات جس پر فنا کا کوئی راستہ نہ ہو۔

اَلْقَیُّوْمُ (مخلوق کو تھامنے والا) یعنی ایسی ہمیشگی والی ذات جو مخلوق کی تدبیر کرنے والی ہو۔ اور اس کی نگہبانی کرنے والی ہو۔

نیند و اونگھ کا فرق:

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی) سنة اونگھ اعصاب دماغی کی وہ سستی جو نیند سے پہلے آئے۔ النوم

نیند دماغ کے اعصاب میں استرخائی کیفیت کو کہتے ہیں۔
مفضل رحمۃ اللہ علیہ: کہتے ہیں۔کہ السنة سر کا بوجھل ہونا۔النعاس آنکھ کا بوجھ النوم دل کے بوجھ کو کہتے ہیں۔
نحو :لا تاخذه سنة ولا نوم یہ القیوم کی تاکید ہے کیونکہ جس کو نیند و اونگھ آجائے وہ قیوم نہیں بن سکتا۔

سب کو تھامنے والا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی۔ان کو کہہ دو کہ میں آسمان و زمین کو اپنی قدرت سے تھامنے والا ہوں۔اگر مجھے اونگھ یا نیند آجائے تو یہ دونوں فنا ہو جائیں (ابویعلی)

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے) یعنی ملک و ملک کے لحاظ سے یعنی بادشاہ بھی وہی اور مالک بھی وہی۔

کبریائی باری تعالیٰ عز وجل:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کون سفارش کر سکتا ہے؟) یعنی کسی کی ہمت و جرأت نہیں۔کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں شفاعت کرے۔اس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا بیان ہے اور کوئی شخص قیامت کے دن کلام کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہوگا۔مگر جب وہ خود اس کو کلام کی اجازت دے۔اس میں کفار کے اس زعم کی تردید ہے۔کہ بت ان کے لئے شفاعت کریں گے۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (وہی ان کے سامنے اور پیچھے کی چیزوں کو جانتا ہے) یعنی جو ان سے پہلے تھا۔اور جو آئندہ ہوگا۔

نحو : هم ضمیر عقلاء کا لحاظ کر کے لائی گئی۔

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ (اور اہل علم اللہ تعالیٰ کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے) یعنی اس کی معلومات میں سے۔دعا کا یہ کلمہ اللهم اغفر علمك فینا۔میں علم بمعنی معلوم ہے۔

اِلَّا بِمَا شَآءَ (مگر وہ جو چاہے) یعنی مگر جو وہ سکھائے۔

کرسی کے متعلق اقوال:

وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (اسکی کرسی آسمان اور زمین کو اپنے اندر سمانے والی ہے) یعنی اس کا علم اور اسی سے الكراسة کاپی کو کہتے ہیں۔کیونکہ اس میں علم ہوتا ہے۔اسی الكراسی کا معنی میں علماء اور علم کو کرسی کہا جاتا ہے۔اسکے مرتبہ و عظمت کا لحاظ کر کے جو جہاں کی کرسی ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ سورۂ غافر کی آیت ربنا وسعت كل شئ رحمة وعلما۔
دوسرا قول: ملک کو کرسی کہا۔اس کے اس مرتبہ کا لحاظ کر کے جو کہ بادشاہت کی کرسی ہے۔
تیسرا قول: اس کا عرش۔حسن رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

چوتھا قول: عرش کے علاوہ تخت ہے حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایک چھلے کی مانند ہیں۔ جو وسیع بیابان میں پڑا ہو۔ اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسی ہے جیسا کہ وسیع بیابان کو اس چھلے پر۔ (ابن مردویہ)

پانچواں قول: اس کی قدرت' اس کی دلیل یہ ارشاد ہے **ولا یؤدہٗ حفظھما**۔

وَلَا يَئُوْدُهٗ (اس کو تھکاتی نہیں) یعنی اس کو بوجھل نہیں کرتی اور نہ اس پر گراں کرتی ہے۔

حِفْظُهُمَا (ان دونوں کی حفاظت) یعنی زمین و آسمان کی حفاظت۔

بلند اور عزت وجلال والا:

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (وہ بلند و بالا عظمت والا ہے) یعنی اپنی ملک و سلطنت میں بلند اور عزت وجلال میں بڑائی والا ہے۔

دوسرا قول: العلی۔ ان صفات سے اعلیٰ جو اس کے لائق نہیں۔ العظیم۔ ایسی صفات سے موصوف جو اس کے لائق ہیں۔ یہ دونوں صفات کمال توحید کو جامع ہیں۔

نکتہ: آیت الکرسی میں جملوں کو بغیر حرف عطف کے لایا گیا۔ کیونکہ وہ جملے بطور بیان آئے ہیں۔

پس پہلا جملہ اس بات کو بیان کر رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تدبیر خلق کرنے والے ہیں اور وہ مخلوق کے نگہبان ہیں۔ اس میں غفلت برتنے والے نہیں۔

دوسرے: میں فرمایا۔ یہ تمام اس لئے کرتے ہیں کہ وہ مخلوق کے خود مالک ہیں۔

تیسرے: اس لئے کہ اس کی شان کبریائی والی ہے۔

اور چوتھے: اس لئے کہ وہ خلق کے حالات کا احاطہ کرنے والے ہیں۔

پانچویں: اس لئے کہ اس کا علم وسیع ہے اور اس کا علم تمام معلومات سے متعلق ہے۔ یا اس کے جلال اور عظیم قدرت کی وجہ سے۔

فضیلت آیت الکرسی:

یہ آیت فضیلت والی ہے یہاں تک کہ اس کی فضیلت میں بہت سی روایات ہیں۔

ایک روایت ان میں سے وہ ہے جس کو حضرت علیؓ نے بیان کیا۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جس نے آیت الکرسی پڑھی۔ ہر فرض نماز کے بعد۔ اسکو دخول جنت سے صرف موت ہی رکاوٹ ہے اور اس پر ہمیشگی صدیق یا عابد ہی کرتا ہے۔ جس نے اسکو بستر پر لیٹتے ہوئے پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اسکے نفس اور اسکے پڑوس اور پڑوس کے پڑوس اور اس کے اردگرد گھروں کو امان میں رکھتے ہیں۔ (بیہقی)

دوسری روایت: نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ سید البشر آدم (یعنی سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام) اور عرب کے سردار محمد (ﷺ) ہیں اور یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا۔

(اس روایت میں نکارت ہے کیونکہ صحیح مرفوع روایت **انا سید ولد آدم ولا فخر** کے الفاظ مروی ہیں) فارسیوں کے سردار سلمان رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے سردار صہیب رضی اللہ عنہ اور حبشیوں کے سردار بلال رضی اللہ عنہ اور پہاڑوں کا سردار طور اور دنوں کا سردار جمعہ اور کلاموں کا سردار قرآن۔ قرآن کا سردار سورۂ بقرہ اور بقرہ کی آیات کی سردار آیت الکرسی۔ (دیلمی فی مسند الفردوس)

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

نہیں ہے زبردستی دین میں، ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو کر، سو جو شخص منکر ہو طاغوت کا

وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ

اور ایمان لائے اللہ پر تو بے شک اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا۔ جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

سننے والا جاننے والا ہے۔

نمبر۳۔ فرمایا۔ جس گھر میں آیت الکرسی پڑھی جائے۔ اس کو شیاطین تیس دنوں تک چھوڑ جاتے ہیں۔ اور اس گھر میں جادوگر اور جادوگرنی چالیس راتوں تک داخل نہیں ہوسکتی۔ (بقول ابن حجر اس کی اصل نہیں ملی)

نمبر۴۔ فرمایا جس نے سوتے وقت آیت الکرسی پڑھی۔ اس پر ایک فرشتہ مقرر کردیا جاتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ صبح طلوع ہو۔ (درمنثور)

نمبر۵۔ اور فرمایا۔ جس نے یہ دو آیات شام کے وقت پڑھیں تو صبح تک اس کی حفاظت کی جاتی ہے اور اگر صبح بھی پڑھ لیں۔ تو شام تک اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

نمبر۱۔ آیت الکرسی نمبر۲۔ حٰم مؤمن کی آیات الیه المصیر تک۔ (ترمذی)

وجہِ فضیلت:

کیونکہ یہ دونوں آیات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی تعظیم اور بزرگی اور عظیم صفات پر مشتمل ہیں۔ اور رب العزت کے تذکرہ سے اور کونسا تذکرہ بڑھ کر ہوسکتا ہے جو اس کا ذکر ہوگا وہ تمام ذکروں سے افضل ہے اس سے بخوبی یہ معلوم ہوگیا کہ تمام علوم میں سب سے اعلیٰ علم توحید ہے۔

نکتہ: سب سے زیادہ عظمت والی آیت، آیت الکرسی۔ سب سے زیادہ خوف والی آیت۔ من يعمل مثقال ذرة خيرا يره۔ ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره۔ اور سب سے زیادہ امید والی آیت قل يا عبادي الذين اسرفوا۔ کذا عن ابن مسعودؓ)

تفسیر آیت ۲۵۶:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین میں جبر نہیں) یعنی دین حق پر کسی کو جبراً نہیں لایا جاسکتا۔ دین حق سے مراد دین اسلام ہے۔

ایک قول: یہ ہے اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے مگر معنی نہی کا ہے۔ یعنی دین پر لانے کے لئے جبر نہ کرو۔

ایک روایت:

روایت میں ہے کہ ایک انصاری کے دو بیٹے نصرانی ہوگئے ان کے والد نے ان کو پکڑا اور کہا میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۬ؕ وَ الَّذِیْنَ

اللہ ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، وہ ان کو نکالتا ہے اندھیریوں سے نور کی طرف، اور جن لوگوں نے

کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ

کفر اختیار کیا ان کے اولیاء شیاطین ہیں وہ ان کو نکالتے ہیں نور سے اندھیریوں کی طرف، یہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہاں تک کہ تم مسلمان ہو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ اپنا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ انصاری نے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ کیا میرے دیکھتے ہوئے میرا بعض حصہ آگ میں چلا جائے؟ پس یہ آیت اتری۔ اس انصاری نے ان کا رستہ چھوڑ دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے کہا۔ کہ یہ ابتدائے اسلام میں تھا۔ پھر آیات قتال سے یہ منسوخ ہو گیا۔

(مگر نسخ تو تب ہو جب ان میں تعارض ہو اور یہاں تو تعارض بھی نہیں)

قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (تحقیق واضح ہو گئی رشد گمراہی سے) یعنی ایمان کفر سے دلائل واضحہ کے ذریعہ نکھر چکا ہے۔

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (پس جو شخص طاغوت کے ساتھ کفر کرے) طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ یا اصنام

وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی (اور وہ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر پس واقعی اس نے مضبوط تھام لیا مضبوط رسّی کو) استمساک کا معنی تھامنا ہے۔ العروۃ جس کو تھاما جائے جس سے چمٹا جائے۔ الوثقٰی۔ یہ اوثق کی مؤنث ہے یعنی انتہائی مضبوط رسی۔ پختہ، محفوظ۔

شاہد محسوس سے مثال:

لَا انْفِصَامَ لَھَا (اس کے لئے ٹوٹنا نہیں) یعنی اس رسّی کے لئے ٹوٹنا نہیں۔

یہ معلوم ومعروف چیز کی نظر واستدلال سے تمثیل بیان کی گئی ہے اور شاہد محسوس سے مثال بتلائی گئی ہے تاکہ سامع اس کو تصور کرے۔ کہ گویا وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پس اس کا اعتقاد پختہ ہو جائے مطلب یہ ہے۔ اس نے اپنے نفس کو دین سے مضبوط باندھ دیا ہے جس کو کوئی اشتباہ کھول نہیں سکتا۔

وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ (اور اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں) یعنی اس کے اقرار کو۔ عَلِیْمٌ (جاننے والے ہیں) اس کے اعتقاد کو۔

تفسیر آیت ۲۵۷:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے) اٰمنوا سے مراد جو ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ولی کا معنی

ناصر اوران کے امور کا ذمہ دار۔

نورِ واحد اور ظلماتِ جمع لانے کی حکمت:

یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ (ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے) یعنی کفر وضلالت کے اندھیروں سے۔ کفریات وضلالات بہت اقسام کی ہیں اس لئے جمع کا لفظ لایا گیا۔

اِلَى النُّوْرِ (روشنی کی طرف) یعنی ایمان وہدایت کی طرف۔ نور کا لفظ واحد لایا گیا کیونکہ ایمان ایک ہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا (اور کافر)

اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ (ان کے دوست شیطان ہیں)

نحو: والذین کفروا مبتداء ہے اور اولیاء ھم الطاغوت خبر ہے۔

شبہات کی دلدل:

یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ (وہ ان کو نور سے نکالتے ہیں ظلمات کی طرف) یہاں ظلمات کو جمع لایا گیا۔ کیونکہ طاغوت معناً جمع ہے۔

مطلب یہ ہے وہ لوگ جو کفر پر پختہ ہو گئے ان کا معاملہ اس کے خلاف ہے۔

یا دوسرا قول: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ولی ہیں وہ ان کو شبہات دینیہ سے نکالتے ہیں اگر کبھی راہ ہدایت میں ان کو شبہ واقع ہو جائے تو ان کو اس شبہ کے ازالہ کی توفیق دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ شبہ سے نکل کر نور یقین میں پہنچ جاتے ہیں اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں۔ وہ ان کو واضح دلائل کی روشنی سے جو ان کے سامنے ظاہر باہر ہیں نکال کر شکوک وشبہات کی گمراہیوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

استفہام تعجب:

پھر تعجبی انداز میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نمرود اور ابراہیم علیہ السلام کا مجادلہ سنایا اور تسلی دی۔ نمرود ربوبیت کا دعویدار تھا۔

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے حجت بازی کی ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت

الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا

دی تھی، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے، اس نے کہا میں

اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ

زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا سو بلاشبہ اللہ لاتا ہے سورج کو

الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

پورب سے تو اس کو لے آ پچھم سے پس حیرانی میں پڑ گیا وہ شخص جو کفر اختیار کئے ہوئے تھا اور اللہ قوم ظالمین

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ﴿۲۵۸﴾

کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر آیت ۲۵۸:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ (کیا تمہیں اس شخص کا واقعہ معلوم نہیں جس نے ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے متعلق جھگڑا کیا) یعنی اپنے اس جھگڑے میں جو ربِ ابراہیم کی ربوبیت کے سلسلہ میں اس نے کیا۔

نحو: ربہ۔ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یا اس کی طرف جس نے جھگڑا کیا۔ اسلئے کہ وہ دونوں کا رب ہے۔

اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ (کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکومت عطاء کی تھی) اصل اس طرح ہوا لان اٰتاہ اللّٰہ۔ یعنی حکومت کے مل جانے نے اسے غرور و تکبر میں مبتلا کر دیا۔ پس وہ اسی وجہ سے جھگڑنے لگا۔

ردِ معتزلہ:

یہ آیت بھی معتزلہ کے خلاف اصلح کے مسئلہ میں دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کافر کو اللہ حکومت نہیں دیتے۔ یہاں دینے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(معتزلہ کا قول یہ ہے کہ اصلح اللہ تعالیٰ پر واجب ہے جبکہ اہلسنّت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں جو کچھ دیتا ہے یہ اس کا فضل و احسان ہے)

دوسرا قول: وہ اس وقت جھگڑا کرنے لگا۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو ملک عنایت کیا۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ (جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے)

تحقیق نحو وقراءت:

نحو: اذ قال یہ حَاجَّ کی وجہ سے منصوب ہے یا ان 'اتاہ اللّٰہ سے بدل ہے جبکہ جعل بمعنی وقت ہو۔

قراءت: حمزہ نے رَبِّیَ کو رَبِّیْ پڑھا ہے سکون یاء کے ساتھ۔

گویا بادشاہ نے سوال کیا۔ من ربُّکَ۔

ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔

قَالَ (اس نے کہا) یعنی نمرود نے۔

اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ (میں زندہ کرتا اور موت دیتا ہوں) اس کی مراد یہ تھی کہ میں قتل کو معاف کرتا اور قتل بھی کر دیتا ہوں۔ یہ بات کہہ کر لعین جھگڑے سے رک گیا۔

تلبیس کی قاطع دلیل:

پس ابراہیم علیہ السلام نے وہ بات پیش کی۔ جس میں کمزور دماغ والوں پر تلبیس کا احتمال نہ تھا جبکہ فرمایا۔

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ پس اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے چڑھاتے ہیں تو اس کو مغرب سے لے آ۔)

ازالۂ وہم:

یہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال نہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا۔ کیونکہ پہلی دلیل ہی لازم ہونے والی تھی۔ لیکن جب اس نے عناد سے زندہ کرنے کی دلیل کو ایک کے چھوڑنے اور دوسرے کے قتل کر دینے سے ٹال دیا۔ تو آپ نے ایسے انداز سے کلام فرمایا جس سے عناد نہ کیا جا سکے۔ وہ تمام ستارہ پرست لوگ تھے۔ اور کواکب کی حرکت مغرب سے مشرق کی طرف ان کو معلوم تھی اور سورج کی مشرقی حرکت جو ہمیں محسوس ہوتی ہے یہ زبردستی و جبری حرکت ہے جیسا کہ پن چکی۔ جس پر چیونٹی بیٹھی ہو اور وہ دوسری طرف کو حرکت کرنے والی ہو جبکہ پانی چکی کو دوسری طرف حرکت دے رہا ہے اور چیونٹی اس کو دوسری طرف سمجھ رہی ہے پس ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ بے شک میرا رب سورج کو زبردستی اس کی اپنی حرکت کے الٹ حرکت دے رہا ہے اگر تو رب ہے تو اس کی اصلی حرکت پر چلا۔ جو کہ آسان تر ہے۔

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ (پس کافر متحیر و دہشت زدہ ہو گیا)

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو زبردستی سیدھے راستے کی ہدایت نہیں دیتا)

بعض: نے کہا کہ نمرود نے یہ نہیں کہا۔ کہ تیرا رب سورج کو مغرب سے لا کر دکھائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بات کی طرف نہ آنے دیا۔ بلکہ اس سے پھیر دیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے متعلق ربوبیت کا دعویدار تھا اور اپنے علاوہ دوسرے کی ربوبیت کا قائل نہ تھا اور اس کے اس قول کا مطلب انا احیی و امیت کہ میں ہی تو وہ ہوں جس کی طرف احیاء و اماتت کی نسبت کی جاتی ہے میرے سواء اور کوئی نہیں۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ

یا اس شخص کی طرح سے جو گزرا ایک بستی پر اور وہ اس حال میں تھی کہ چھتوں پر اس کی دیواریں گری پڑی تھیں، یہ شخص کہنے لگا

اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ

کہ اللہ کیونکر زندہ فرمائے گا اس بستی کو اس کی موت کے بعد، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک مردہ رکھا پھر اسے اٹھا دیا،

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ

اس سے سوال فرمایا کہ تو کتنے عرصہ تک ٹھہرا رہا۔ اس نے کہا کہ میں ایک دن یا ایک دن سے کم ٹھہرا ہوں، فرمایا بلکہ تو سو سال

مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ

تک ٹھہرا رہا ہے، سو تو دیکھ لے اپنے کھانے کو اور پینے کی چیز کو وہ سڑی گلی نہیں ہے اور دیکھ لے

اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ

اپنے گدھے کو، اور تاکہ ہم تجھے نشانی بنا دیں لوگوں کے لئے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف ہم ان کو کیسے

نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ

جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر گوشت پہنا دیتے ہیں، سو جب اس پر یہ سب کچھ ظاہر ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ

عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ہر چیز پر قادر ہے۔

نکتہ: اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ علم کلام میں بات کرنا اور مناظرہ کرنا مباح ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الم ترا لی الذی حاج ابراھیم فی ربه۔ کیا تمہیں معلوم نہیں وہ شخص جس نے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا کیا۔ ان کے رب کے متعلق۔

حاج باب مفاعلہ سے ہے اور وہ دو کے مابین ہوتا ہے۔ جیسے مقاتلہ۔ پس اس سے خود یہ نکل آیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس سے مناظرہ کیا۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا۔ تو ابراہیم علیہ السلام اس کو بذات خود نہ کرتے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام ارتکاب حرام سے معصوم ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں کفار کو ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ کی طرف بلانے کا حکم دیا گیا۔ جب ہم ان کو دعوت دیں گے تو لازماً وہ ہم سے اس پر دلیل طلب کرینگے۔ اور یہ مناظرہ کے بعد ہوگی۔ (انظر شرح التاویلات)

تفسیر آیت ۲۵۹:

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ (یا اس کی طرح جس کا گزر ہوا) مطلب یہ ہے۔

یا ارأیت مثل الذی۔ کیا تمہیں معلوم ہے اس کا حال جس کا گزر ہوا پس اس کو حذف کر دیا کیونکہ الم تر اس پر دلالت کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ یہ دونوں تعجب کے کلمات ہیں۔

دوسرا قول:

یہ معنی پر محمول ہے لفظ پر نہیں۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ارأیت کا لذی حاج ابراھیم او کالذی مر۔
علامہ زمخشری: نے متوفی ۳۸۹ھ کشاف میں کہا۔ کہ اس میں کاف زائدہ ہے اور الذی کا عطف الی الذی حاج پر ہے۔

قولِ حسن رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ گزرنے والا کافر تھا۔ اور بعث کا منکر تھا اس لئے اس کو نمرود کے ساتھ ایک ہی لڑی میں پرو کر ذکر کیا۔
دوسری دلیل: یہ ہے کہ انی یحی کلمۂ استبعاد کا استعمال کیا گیا۔ جو بعث بعد الموت کو بعید جاننے کی طرف مشیر ہے۔

جمہور مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کی رائے:

مگر اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔ انہوں نے احیائے موتی کا معائنہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تا کہ بصیرت تامہ حاصل ہو جائے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے طلب کیا اور انّٰی یحیٖ تو زندہ کرنے کا طریقہ اور زندہ کرنے والے کی عظیم قدرت کی معرفت سے عاجزی کا اعتراف ہے۔

بیت المقدس کا اُجڑنا:

عَلٰی قَرْيَةٍ (بستی پر) یہ بیت المقدس شہر تھا۔ جبکہ اس کو بخت نصر نے برباد کر دیا تھا۔ یا وہی بستی ہے جس سے وہ ہزاروں لوگ نکلے تھے۔

وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا (وہ گرنے والی تھی اپنی چھتوں پر) یعنی چھتوں سمیت گر چکی تھی۔
یا دوسرا قول: چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں بھی گر پڑیں۔ عرش ہر بلند چیز کو عرش کہتے ہیں۔
قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (اس نے کہا کیسے زندہ کرے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ اس کے ویران ہونے کے بعد پس اس کو موت دی اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو اٹھا کھڑا کیا) انّٰی یہ کیف کے معنی میں ہے۔ ھٰذِہٖ سے مراد اھل ھذہ اس کے رہنے والے بعث سے مراد زندہ کرنا ہے۔

قَالَ (اس نے کہا) یعنی اس کو فرشتے نے کہا۔

كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (تو کتنا عرصہ ٹھہرا اس نے کہا میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا) یعنی اپنے گمان کی بناء پر۔

جوازِ اجتہاد:

مَسْئَلَه :اس میں دلیل ہے کہ اجتہاد جائز ہے۔

روایت میں ہے کہ ان کو موت چاشت کے وقت آئی اور سو سال بعد ان کو سورج کے غروب ہونے سے پہلے اٹھایا۔ پس انہوں نے سورج کی طرف نگاہ ڈالنے سے پہلے کہا۔ یومًا ایک دن ۔ پھر وہ متوجہ ہوئے ۔ تو انہوں نے ابھی سورج کو باقی پایا۔ تو کہنے لگے۔ اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ۔ یا دن کا کچھ حصہ۔

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ (اس نے کہا بلکہ تو سو سال ٹھہرا ہے پس تو دیکھ اپنے کھانے کو اور اپنے مشروب کو)

مشروب کی جنس:

روایت میں ہے کہ ان کا کھانا انجیر اور انگور تھے اور مشروب جوس اور دودھ تھا۔ پس انہوں نے انگور اور انجیر کو اس طرح پایا گویا ابھی تازے چنے گئے ہیں اور مشروب بھی اپنی اصلی حالت میں ہے۔

لَمْ یَتَسَنَّهْ (وہ باسی نہیں ہوا) یعنی اس کا ذائقہ نہیں بدلا۔ اس کی ھاء اصلی ہے یا ہائے سکتہ ہے؟

اور السنة سے اس کے اشتقاق کے دو طریق ہیں۔

دو طریق اشتقاق:

نمبر ا۔ کیونکہ اس کا لام کلمہ ہاء ہے۔ تو اصل سَنَهَةٌ اور فعل سانَهْتُ فلانًا یعنی میں نے اس سے ایک سال معاملہ کیا۔

نمبر۲: اصل سنوةٌ تھا اور فعل سانیت بنا۔ اس کا معنی ہے اس کو سالوں نے تبدیل نہیں کیا۔ اور لم یتسن میں ھاء کو وصل میں حذف کر دیا۔ اور وقف میں ھاء قائم رکھی ۔ حمزہ و علی رحمہما اللہ کے ہاں۔

گدھے کی سواری کا جواز:

وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِکَ (اور تم اپنے گدھے کو دیکھو) یعنی کس طرح اس کی ہڈیاں تک بکھر چکی اور کھوکھلی ہو چکی ہیں)

ان کی سواری گدھا تھا۔ جس کو باندھا ہی تھا۔ کہ موت آ گئی۔ اس کی ہڈیاں باقی رہ گئیں۔

دوسرا قول: تو دیکھ اس کو کہ وہ صحیح سالم ہے جیسا تم نے باندھا۔ اور یہ عظیم نشانات قدرت میں سے ہے کہ اس کو سو سال بغیر چارے اور پانی کے زندہ رکھا۔ جیسا اس کے کھانے اور مشروب کی تبدیلی سے حفاظت فرمائی۔

نشانی کا مطلب:

وَلِنَجْعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ (اور تا کہ تجھے لوگوں کے لئے نشانی بنا دیں) یعنی نمبر ا۔ ہم نے یہ کہا ہے مراد اس سے ان کا موت کے بعد زندہ کرنا تھا اور ان تمام چیزوں کی حفاظت کرنا جو ان کے ساتھ تھیں۔ نمبر۲۔ یہ بھی کہا گیا۔ کہ واؤ محذوف پر عطف ہے ای لتعتبر ولنجعلك۔ تا کہ تو عبرت حاصل کرلے اور تا کہ ہم تجھے بنائیں لوگوں کے لئے نشانی۔

نمبر۳۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس گدھے پر سوار تشریف لائے اور کہا کہ میں عزیر علیہ السلام ہوں۔ انہوں نے جھٹلایا۔ انہوں نے تورات کو لانے کا حکم دیا۔ پس اس کو زبانی پڑھنے لگے۔

حضرت عزیر علیہ السلام سے پہلے کسی نے تورات کو زبانی نہ پڑھا تھا۔ پس یہی ان کا نشانی ہونا ہے۔

نمبر۴۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ گھر لوٹ کر گئے تو اپنی اولاد کو دیکھا۔ تو وہ بوڑھے ہو چکے اور یہ نوجوان تھے۔

ہڈیاں کس کی؟

وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ (اور تم ہڈیوں کو دیکھو) نمبر۱۔ یعنی گدھے کی ہڈیاں۔ یا

دوسرا قول: ان مردوں کی ہڈیاں جن کے زندہ ہونے پر تعجب کیا تھا۔

كَيْفَ نُنْشِزُهَا (کس طرح ہم ان کو زمین سے اٹھا کر جوڑتے ہیں) یعنی ان کو حرکت دیتے اور بعض کو بعض کے ساتھ جوڑنے کے لئے اٹھاتے اور بلند کرتے ہیں۔

قراءت: اہل حجاز و بصری قراء نے نَنْشُرُهَا راء کے ساتھ پڑھا یعنی زندہ کرتے ہیں۔

ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا (پھر ہم ان پر گوشت چڑھاتے ہیں) هَاء سے مراد ہڈیاں۔ **لحما**۔ گوشت۔ تو گوشت بمنزلہ لباس قرار دیا مجازی طور پر۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ (پس جب ان کے سامنے واضح ہو گیا) اس کا فاعل مضمر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے **فلما تبین له ان اللّٰه علی کل شیٔ قدیر**۔ کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہونا خوب واضح ہو گیا۔

دلالت کی وجہ سے حذف:

قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ (اس نے کہا میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والے ہیں) پہلے **ان اللّٰه علی کل شیٔ قدیر**۔ کو حذف کر دیا۔ کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کر رہا تھا۔ جیسا محاورۂ عرب ہے **ضربنی و ضربت زیداً**۔ یعنی مجھے زید نے مارا اور میں نے زید کو مارا۔ تو اول زید کو حذف کر دیا۔

دوسرا قول: یہ درست ہے کہ **فلما تبین له** سے مراد جو اُن پر مشکل ہوا۔ یعنی احیائے موتی کا معاملہ۔ **قراءت:** حمزہ رحمۃ اللہ علیہ و علی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اَعْلَمُ، اِعْلَمْ صیغۂ امر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا اِعْلَمْ تو جان یا انہوں نے خود اپنے نفس کو خطاب کر کے کہا اے نفس تو سمجھ لے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ

اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب آپ مجھے دکھا دیجئے مردوں کو کس طرح زندہ فرماتے ہیں، فرمایا کیا تم کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا

بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ

یقین ہے لیکن اس غرض سے سوال کرتا ہوں کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے، فرمایا سو تم لے لو چار پرندے پھر ان کو اپنے سے ہلا لو

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ

پھر ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھدو پھر ان کو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦٠﴾

کہ بلاشبہ اللہ عزیز ہے حکیم ہے۔

ع ٣٥

تفسیر آیت ٢٦٠:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ (جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب تو مجھے دکھا)

كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى (تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے)

نحو: کیف یہ تُحیی کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تو یقین نہیں رکھتا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیوں نہیں؟ مگر میرے دل کو اطمینان ہو جائے)

فائدۂ سوال:

سوال: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا اولم تؤمن۔ کیا تمہیں یقین نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ وہ ایمان میں تمام لوگوں سے زیادہ مضبوط ہیں۔

جواب: یہ سوال اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرمایا۔ تا کہ وہ وہی جواب دیں جو انہوں نے دیا۔ اس لئے کہ اس میں سامعین کے لئے عظیم الشان فائدہ ہے۔

علم ضروری اور استدلالی کا فرق:

نحو: بَلٰى۔ نفی کے بعد ایجاب کے لئے آتا ہے۔ اس کا معنی ہے کیوں نہیں۔

اٰمَنْتُ یعنی میں ایمان لایا۔ لیکن تا کہ میرا سکون وطمانیت بڑھ جائے۔ علم ضروری کو علم استدلال کے ساتھ ملا کر اور دلائل کا

ظاہر ہونا قلوب کے لئے زیادہ سکون کا باعث اور بصیرت میں مزید اضافہ کرنے والا ہے۔اس لئے کہ علم استدلالی کے ساتھ تو شک کا امکان ہے۔مگر علم ضروری کے قریب بھی شک کا گزر نہیں۔

نحو : لام محذوف سے متعلق ہے۔تقدیر عبارت یہ ہے: ولکن سالت ذٰلك ارادة طمانینة القلب لیکن میں نے یہ سوال اطمینان قلب کے ارادے سے کیا۔

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔تو چار پرندے لے) الطیر سے مور، مرغ، کوا، کبوتر مراد ہیں۔

فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ (تو ان کو ہلا لے) مادہ صور' صار' یصور

قراءت: حمزہ وابوجعفر نے صِرْهُنَّ پڑھا ہے۔جس کا معنی پارہ پارہ کرنا ہے۔

مادہ صار ۔یصیر ۔صیرا ہے۔صُرْهُنَّ کا معنی مائل کرنا، ملانا اور جمع کرنا ہے۔

پہاڑ کتنے؟

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا (پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دے) یعنی ان کے ٹکڑے کر دے اور ان کے اجزاء ان پہاڑوں پر منتشر کر دے۔جو تیرے سامنے اور تیرے علاقے میں ہیں اور یہ چار پہاڑ تھے یا سات۔

قراءت: جُزُءًا ۔دونوں ضموں اور ہمزہ کے ساتھ ابوبکر نے پڑھا ہے۔

ثُمَّ ادْعُهُنَّ (پھر ان کو بلاؤ) یعنی ان کو کہو تم میرے پاس اللہ تعالیٰ کے حکم سے آؤ۔

يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا (وہ تیرے پاس دوڑتے آئیں گے) یہ موضع حال میں ہے یعنی ساعیات مسرعات فی طیرانھن وہ دوڑنے اور اپنی پرواز میں تیزی کرنے والے ہونگے۔یا اپنے پاؤں پر چلنے میں جلدی کرنے والے ہونگے۔

نکتہ: ان کو اپنی طرف ملانے کا حکم اس لئے دیا تا کہ وہ ان کو پکڑ کر تامل کرسکیں اور ان کی شکلیں اور ہیئت اور اترنا۔زندہ کرنے کے بعد ان پر ملتبس نہ ہو۔اور یہ وہم نہ ہو کہ وہ اور ہیں۔روایت میں ہے کہ ان کو ذبح کا حکم ہوا اور ان کے پر نوچنے اور کاٹنے اور ان کے اجزاء کے متفرق کرنے اور ان کے پروں، خونوں اور گوشتوں کو خلط ملط کرنے کا حکم ہوا اور سروں کو اپنے پاس رکھنے کا۔پھر حکم ہوا کہ ان کے اجزاء کو پہاڑوں پر رکھیں۔ہر پہاڑ پر ہر پرندے کا چوتھا حصہ پھر ان کو آواز دینے کا حکم ہوا کہ تعالین باذن اللہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آؤ۔پس ہر جزء دوسرے جز کی طرف اڑ کر جانے لگا۔یہاں تک کہ جسم بن گئے۔پھر وہ اپنے سروں کے ساتھ آملے۔اس طرح کہ ہر جثہ اپنے سر کے ساتھ لگ گیا۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ (اور جان لے کہ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) یعنی جو وہ ارادہ فرمائے۔کوئی چیز اس کے سامنے انکار نہیں کرسکتی۔

حَكِيْمٌ (وہ حکمت والے ہیں) ان کاموں میں جن کی وہ تدبیر کرتے ہیں۔وہی کرتے ہیں جس میں حکمت ہوتی ہے۔

ربط آیت:

زندہ کرنے پر اپنی قدرت کے دلائل خوب واضح کر دیئے۔تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ پر آمادہ کیا اور بتلایا کہ جو آدمی اس کی

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ

مثال ان لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو اس نے اگائیں

سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

سات بالیں، ہر بال میں ہیں سو دانے، اور اللہ چند در چند کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے۔

راہ میں خرچ کرتا ہے اس کو اس خرچ کرنے میں بہت بڑا اجر ہے۔ اور وہ اس کے دینے پر قدرت رکھتا ہے پس فرمایا۔

تفسیر آیت ۲۶۱:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (مثال ان لوگوں کی جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں) یعنی ان کے خرچ کرنے کی مثال۔ یہاں مضاف کا محذوف جاننا ضروری ہے۔

كَمَثَلِ حَبَّةٍ (ایک دانے کی مثال ہے) یا ان کی مثال غلہ بونے والے کی ہے۔

انبات کی صورت:

اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (جو سات بالیں اگائے ہر بال میں سو دانے ہوں) اُگانے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ دانہ چونکہ ظاہری سبب ہے اس کی طرف اگانے کی نسبت کر دی جس طرح زمین اور پانی کی طرف کی جاتی ہے۔

اور سات بالیں اگانے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا پودہ نکلے جس سے سات پودے شاخوں کی صورت میں نکلیں۔ کہ ہر شاخ پر ایک سٹہ ہو۔

درحقیقت یہ بال کئی گنا اضافے کی تصویر ہے گویا اس کا بڑھنا دیکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے موجود کھڑا ہے اور یہ مثال چنا مکئی میں موجود ہے اور بسا اوقات گندم کا پودہ زرخیز زمین جو غلہ آور ہو اس مقدار تک پہنچ جاتی ہے۔

(اور آج کل تو متوسط زمینوں میں یہ پیداوار بے شمار غلہ جات میں واضح نظر آتی ہے) اس صورت میں یہ تمثیل صحیح ہے اور اگر نہ پائی جائے تو فرض، تقدیر کے طور پر بطور مثال اضافہ کو سمجھانا مقصود ہے۔

جمع کی وجہ:

یہاں سنابل کو سنبلات کی بجائے لایا گیا۔ یہ اسی طرح ہے جیسا قروء کو اقراء کی جگہ لانا یعنی یہ جمع کثیر الاستعمال ہے اس لئے لائی گئی۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد احسان

مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

نہیں دھرتے اور ایذاء نہیں پہنچاتے ان کے لئے ثواب ہے ان کے رب کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ

رنجیدہ ہوں گے بھلی بات کہہ دینا اور درگزر کر دینا ایسے صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ

اور اللہ غنی ہے حلیم ہے، اے ایمان والو! مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف

وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

پہنچا کر اس شخص کی طرح سے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ایمان نہیں لاتا اللہ پر اور یوم

الْاٰخِرِ ۗ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ

آخرت پر، سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنا پتھر ہو جس پر ذرا سی مٹی ہو پھر پہنچ گئی اس کو

صَلْدًا ۗ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

زور دار بارش سو کر چھوڑا اس کو بالکل ہی صاف، یہ لوگ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

احوال پر فیصلہ:

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے کئی گنا بڑھا دیتے ہیں) یعنی جس کے لئے اتنا بڑھانا چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں۔ ہر خرچ کرنے والے کے لئے یہ اضافہ نہیں۔ کیونکہ خرچ کرنے والوں کے احوال مختلف ہیں۔

دوسرا قول: سات سو سے زیادہ جن کے لئے چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں۔

قراءت: شامی رحمۃ اللہ علیہ نے يُضَاعِفُ پڑھا۔ اور مکی رحمۃ اللہ علیہ نے يُضَعِّفُ۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ (اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں) یعنی وسیع فضل وجود والے ہیں۔ عَلِيْمٌ (جاننے والے ہیں) یعنی خرچ کرنے والوں کی نیات کو۔

تفسیر آیت ۲۶۲:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا (وہ لوگ جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے

ہیں۔پھر جو کچھ کیا اس کے بعد احسان نہیں دھرتے)۔

من وایذاء کی وضاحت:

مَنّ یہ ہے کہ جس پر احسان کیا ہو اس پر زیادتی کرے اور اس کو دکھلائے کہ اس نے اس سے بھلائی کی ہے۔اور اس کی وجہ سے اس پر حق لازم کرے۔

عرب کے لوگ کہا کرتے تھے۔اذا صنعتم صنیعة فانسوھا جب تم کوئی احسان کرو۔تو اس کو بھلا دو۔

وَّلَآ اَذًى (اور نہ دکھ دینا) ایذاء یہ ہے کہ احسان کے بدلے اس پر بالادستی ظاہر کرے۔ثم کے لفظ سے یہاں انفاق اور من و ایذاء چھوڑنے میں فرق ظاہر کرنا مقصود ہے اور یہ کہ من وایذاء کا ترک کرنا انفاق سے بہت بہتر ہے۔

جس طرح استقامت علی الایمان کو دخول ایمان سے۔ اس ارشاد خداوندی کی روشنی میں۔(ثم استقاموا ۔فصلت ۔۳۰) بہتر قرار دیا گیا۔

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ہے) یعنی ان کے انفاق کا ثواب

خوف وغم کی نفی:

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ (ان پر نہ خوف ہوگا) یعنی اجر کے کم ہو جانے کا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (اور نہ وہ غمگین ہونگے) یعنی اجر کے فوت ہو جانے پر یا

دوسرا قول: نہ خوف عذاب اور نہ حزن فوت ثواب

نکتہ: یہاں لھم اجرھم فرمایا۔اور بعد والی آیات میں فلھم اجرھم۔کیونکہ یہاں موصول میں شرط کا معنی نہیں پایا جاتا جبکہ اس جگہ معنی شرط کا متضمن ہے اس لئے فاء جزائیہ لائی گئی۔

۲۶۳:قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ (اچھی بات) یعنی اچھے انداز سے جواب

وَّمَغْفِرَةٌ (اور بخشش) اور سائل کو معاف کرنا جبکہ اس سے مسئول کو ناگواری ہو۔

دوسرا قول: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش ملتی ہے اچھے جواب کی بناء پر۔

خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى (وہ بہت بہتر ہے ایسے صدقہ سے جس کے بعد ایذاء پہنچائی جائے قول اگرچہ نکرہ ہے مگر صفت کے ساتھ مخصوص ہونے کی بناء پر اس کا مبتداء بننا صحیح ہے۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ (اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں) اس کو کوئی ضرورت نہیں کسی ایسے خرچ کرنے والے کی جو احسان جتائے اور ایذاء دے۔(یعنی ایسے منفق سے اس کو نفرت ہے)

حَلِيْمٌ (وہ بردبار ہیں) جلدی سزا نہیں دیتے۔

یہ ایسے شخص کے لئے وعید ہے۔پھر اپنے اس ارشاد سے اس کو مزید مؤکد کر دیا: یٰٓاَیُّھَا الذین اٰمنوا لاتبطلوا صدقاتکم بالمن و الاذی۔

۲۶۴: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَ ذٰی کَالَّذِیْ (اے ایمان والو! مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح) کَالَّذِیْ کا کاف مصدر محذوف کی صفت کے طور پر منصوب ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ابطالا مثل ابطال الذی۔ باطل کرنا اس کے باطل کرنے کی طرح۔

احسان جتلانے کا نقصان:

یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَایُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا) یعنی نہ باطل کرو اپنے صدقات کا ثواب احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس منافق کے باطل کرنے کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھلاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اس انفاق سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ ہی ثواب آخرت کا طالب ہے۔

نحو: رئاء یہ مفعول لہ ہے۔

شاندار مثال:

فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ (اس کی مثال اس چٹان جیسی ہے جس پر مٹی ہو) اللہ تعالیٰ نے اس کی اور اس کے اس خرچ کی مثال جس سے نفع نہیں اٹھایا جاتا۔ ایک ملائم پتھر سے دی جس پر مٹی ہو۔

فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ (پس اس کو موسلا دھار بارش پہنچی) وابل موٹے قطرے والی بارش کو کہتے ہیں۔

فَتَرَکَہٗ صَلْدًا (پس اس کو صاف کر کے چھوڑا) یعنی مٹی سے بالکل صاف وہ مٹی جو اس پر پڑی تھی۔

لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا (وہ کسی چیز پر قادر نہ ہونگے۔ جو کچھ انہوں نے کمایا) یعنی وہ اس چیز کا کچھ بھی ثواب نہ پائیں گے۔ جو انہوں نے خرچ کیا۔

دوسرا قول: کاف محل نصب میں ہے حال ہونے کی وجہ سے یعنی تم اپنے صدقات کو باطل نہ کرو۔ اس حال میں کہ تم اس کو مماثل بنانے والے ہو۔ اس شخص کے جو خرچ کرتا ہے (من وایذاء کے ساتھ) آیت میں لا یقدرون کو لایا گیا۔ کالذی ینفق کے بعد۔ کیونکہ مراد انفاق سے جنس انفاق ہے۔ یا وہ فریق جو خرچ کرتا ہے۔

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (اور اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرنے والے کافر قوم کی) یعنی جب تک وہ کفر کو اختیار کرنے والے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور نفسوں کو پختہ

اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ

کرنے کے لئے ایسی مثال ہے جیسے ایک باغ ہو کسی ٹیلہ پر جس کو پہنچ جائے زور دار بارش پھر وہ دوگنا پھل لایا ہو، پس اگر

لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾

زور دار بارش نہ پہنچی تو ہلکی بوندا باندی بھی اسے کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

تفسیر آیت ۲۶۵......مؤمن کے انفاق کی مثال:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (ان لوگوں کی حالت جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہنے اور اپنے نفسوں کو ثواب پہنچانے کیلئے خرچ کرتے ہیں یعنی اسلام کی تصدیق اور اپنے دلوں میں جزاء پر یقین کے لئے۔اس لئے کہ جب مسلمان اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصدیق اور ثواب پر اس کا ایمان دل کی گہرائی سے ہے اور دل کے اخلاص سے ہے۔

نحو: مِنْ ابتدائے غایت کے لئے ہے یہ مفعول لہٗ پر معطوف ہے یعنی ابتغآء اور تثبیت کی خاطر۔مطلب یہ ہے کہ ان کے خرچ کی مثال اللہ کے ہاں پاکیزگی میں۔

كَمَثَلِ جَنَّةٍ (باغ جیسی ہے)

بِرَبْوَةٍ (ٹیلے پر) یعنی بلند جگہ پر۔ بلند جگہ کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی جگہ میں درخت زیادہ پاکیزہ اور عمدہ پھل والے ہوتے ہیں۔

قراءت: عاصم وشامی رحمہما اللہ نے رَبْوَة کو راء کے فتحہ کے ساتھ اور بقیہ قراء نے راء کے ضمہ سے پڑھا ہے۔

اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا (اس کو بارش پہنچے۔پس وہ اپنا پھل لائے)۔اُكُل کا معنی پھل۔

قراءت: نافع، مکی اور ابو عمرو رحمہم اللہ نے اُكْلَهَا۔ضمہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا۔

ضِعْفَيْنِ (دوگنا) وہ بارش کے سبب دوگنا پھل لائے۔اس سے پہلے اتنا پھل نہ لاتا تھا۔

مثال کے دو رُخ:

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ (اگر اس کو موسلا دھار بارش نہ پہنچے۔تو ہلکی بارش بھی کافی ہے)۔طلّ چھوٹے قطرات والی بارش کافی ہے کیونکہ وہاں کی زمین زرخیز ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اس کے نیچے جاری ہوں

الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ

نہریں اس میں اس کے لئے ہر طرح کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آجائے اور اس کی ضعیف آل و اولاد ہو

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

پھر پہنچ گئی اس کو سخت تیز آندھی جس میں آگ ہو، سو وہ باغ جل جائے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے تمہارے لئے آیات

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

تاکہ تم فکر کرو۔

دوسرا قول: ان کی حالت کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں اس باغ سے ہے جو اونچی جگہ پر ہو اور ان کے تھوڑے اور زیادہ نفقات کی مثال موسلا دھار بارش اور پھوار سے ہے۔ جس طرح ان میں سے ہر بارش باغ کے پھل کو کئی گنا کرتی ہے اسی طرح ان کے تھوڑے یا زیادہ خرچہ جات جن سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پاکیزہ اور اپنے مرتبہ میں بلند ہے اور ان کا مال اللہ تعالیٰ کے ہاں خوب ہوگا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (اور اللہ تعالیٰ جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے) وہ تمہارے اعمال کثیر ہوں یا قلیل ان کو دیکھتے ہیں۔ تمہاری نیات کو جانتے ہیں۔ کہ ریاء و اخلاص میں سے کیا ہے۔

تفسیر آیت ۲۶۶:

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ (کیا چاہتا ہے تم میں سے کوئی ایک) ہمزہ انکار کے لئے ہے۔

اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ (کہ اس کے پاس باغ ہو) جنت کا معنی باغ ہے۔

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ (کھجور اور انگوروں کا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں) له میں ہ ضمیر باغ والے کی طرف لوٹتی ہے۔

فِيْهَا (اس میں) ھَاء کی ضمیر جنت کی طرف لوٹتی ہے یعنی باغ میں۔

ثمرات کی مراد:

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (ہر قسم کے پھل ہوں) مراد ثمرات سے وہ منافع ہیں۔ جو باغ سے اس کو حاصل ہوتے ہیں۔

دوسرا قول: کھجور اور انگور جب درختوں میں عمدہ اور منافع میں برتر ہیں۔ اسی لئے تمام پھلوں میں انکا تذکرہ فرمایا اور باغ ہی انہی کا قرار دیا۔ اگرچہ وہ دوسرے درختوں پر بھی مشتمل تھا۔ گویا ان کو تمام درختوں پر غلبہ دیا۔ پھر ان کے پیچھے تمام پھلوں کا تذکرہ کیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ

اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزوں کو، اور اس میں سے جو ہم نے نکالا تمہارے لئے

مِّنَ الْاَرْضِ ۗ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ

زمین میں سے، اور مت ارادہ کرو ردی چیز کا کہ اس میں سے خرچ کرو، اور تم خود اس کے لینے والے نہیں ہو

اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

مگر اس صورت میں کہ چشم پوشی کر جاؤ، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ غنی ہے اور حمید ہے۔

ریا کار کی مثال:

وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ (اور اس کو بڑھاپا آلے) یہ حال کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس باغ ہو اور ادھر اس کو بڑھاپا آلے۔ (گویا بڑھاپا کے رزق کا ایک ہی سہارا ہو)

وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ (اور اس کی اولاد ہو کمزور) ضعفاء سے مراد چھوٹے بچے۔ نَحو: یہ بھی جملہ حالیہ ہے اور اصابہ کی ضمیر ھاء سے حال ہے۔

فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ (پھر اس کو ایسی آندھی پہنچے) اعصار کا معنی بگولا ہے جو زمین میں گول ستون کی شکل میں بھاگتا نظر آتا ہے۔

فِيْهِ (اس میں) یعنی اس بگولے میں آگ ہو اور وہ آگ بلند ہو۔

نَارٌ (آگ) ظرف کے ساتھ اور ظرف اعصار کا وصف ہے یعنی ایسا بگولہ کہ جس میں آگ ہو۔

فَاحْتَرَقَتْ (پس وہ باغ جل جائے)

یہ اس آدمی کی مثال ہے جو اعمال ریاکاری کی خاطر کرتا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ ان اعمال کو ضبط شدہ پائے گا۔ پس اس وقت وہ اسی طرح حسرت و افسوس کرے گا۔ جس طرح یہ باغ والا جس کا باغ تمام اقسام و انواع کے پھلوں پر مشتمل تھا اور یہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا۔ اور اس کی اولاد کم عمر ہو۔ حالانکہ باغ پر اس کی معیشت کا دارومدار ہو پس ادھر وہ باغ بگولے سے جل اٹھا۔

كَذٰلِكَ (اس بیان کی طرح) جو ابھی ہو چکا۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے نشانات توحید و دین بیان کرتے ہیں)

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (تا کہ تم سوچ و بچار کر کے اور متنبہ ہو جاؤ)

تفسیر آیت ۲۶۷:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ۔ (اے ایمان والو! تم اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو) طیبات

سے مراد عمدہ کمائی۔

مالِ تجارت میں زکوٰۃ:

مَسْئَلَہ: اس میں دلیل ہے کہ اموال تجارت میں زکوٰۃ لازم ہے۔

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (اور اس میں سے جو ہم تمہارے لئے زمین میں سے نکالیں) یعنی غلہ جات' پھل' معدنیات وغیرہ۔

تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ من طیبات ما اخرجنا لکم۔ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے نکالی ہیں۔ البتہ طیبات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا۔

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ (اور قصد نہ کرو ردی مال کا) یعنی ردی مال کا قصد بھی نہ کرو۔

مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ (کہ اس میں سے تم خرچ کرو) یعنی اس کو انفاق کے ساتھ خاص کرلو۔ یہ جملہ محل حال میں ہے کہ نہ قصد کرو خبیث مال کا اس حال میں کہ تم خرچ کرنے والے ہو یعنی تم خرچ کو طے کرنے والے ہو۔

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ (حالانکہ تم اس کو لینے والے نہیں ہو) یعنی تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ تم اپنے حقوق میں اس کو لینے کے لئے تیار نہیں ہو۔

غمض کا مطلب:

اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ (مگر یہ کہ تم چشم پوشی کرو اس میں) یعنی مگر یہ کہ تم اس کے لینے میں تسامح سے کام لو اور رخصت پر عمل پیرا ہو جیسے عرب کہتے ہیں۔ اغمض فلان عن بعض حقه۔ کہ فلاں نے اپنے بعض حق سے چشم پوشی کی۔ اور بائع کو کہا جاتا ہے۔ اغمض ای لا تنقص کانك لاتبصر۔

روایتِ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ لوگ ردی کھجور اور سوکھی کھجوریں صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ ان کو اس سے روک دیا گیا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ (کہ تم یقین کرلو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں) یعنی تمہارے صدقات سے۔

حَمِيْدٌ (تعریف والے ہیں) یعنی حمد کے حقدار یا محمود ہیں۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ

شیطان تم کو ڈراتا ہے تنگدستی سے، اور حکم دیتا ہے تمہیں فحش کاموں کا، اور اللہ وعدہ فرماتا ہے تم سے

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ

اپنی طرف سے مغفرت کا اور فضل کا، اور اللہ وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے، وہ حکمت دیتا ہے جس کو

يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ

چاہتا ہے، اور جس کو حکمت دی گئی اسے خوب زیادہ خیر عطاء کی گئی، اور وہی لوگ

اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۶۸:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ (شیطان تم سے وعدہ کرتا ہے) یعنی انفاق کے متعلق

الْفَقْرَ (تنگ دستی کا) یعنی تمہیں کہتا ہے کہ تمہارے انفاق کا انجام یہ ہے کہ تم فقیر ہو جاؤ گے۔ الْوَعْدُ۔

وعد کا لفظ خیر و شر میں استعمال ہوتا ہے۔

وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (وہ تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے) یعنی تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور تمہیں بخل پر آمادہ کرتا ہے اور صدقات سے روکتا ہے۔ اغراء کسی مامور کو حکم دینا۔ الفاحش۔ عرب بخیل کو کہتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ (اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتے ہیں) یعنی انفاق میں۔

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ (مغفرت کا اپنی طرف سے) یعنی تمہارے گناہوں کی مغفرت کا اور گناہوں کے کفارے کا (وعدہ دیتے ہیں)

وَفَضْلًا (اور فضل کا) یعنی اس بات کا کہ وہ تم پر نائب بنا دیں گے اس سے زیادہ افضل جو تم نے خرچ کیا ہے۔ یا آخرت میں ثواب دیں گے۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ (اور اللہ وسعت والا ہے) وہ وسعت کرتا ہے جس پر چاہتا ہے۔

عَلِيْمٌ (علم والے ہیں) یعنی تمہارے افعال و نیات کو پہچانتے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۶۹:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ (وہ حکمت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے) حکمت سے مراد علم قرآن وسنت ہے یا علم نافع جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی تک پہنچانے والا ہے اور اس پر عمل کرنے تک پہنچانے والا ہے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ط

جو کچھ کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو بلاشبہ اللہ اس کو جانتا ہے

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور ظلم کرنے والوں کیلئے کوئی بھی مددگار نہیں۔

حکیم۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو کہ عالم عامل ہو۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ (جس کو حکمت ملی) اسے یعقوب نے مَنْ يُّؤْتِ پڑھا ہے۔یعنی جس کو اللہ تعالیٰ حکمت دیتا ہے۔

فائدہ تنوین:

فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (اس کو بہت سی بھلائی دی گئی) خَيْرًا كَثِيْرًا میں تنوین تنکیر تعظیم کو ظاہر کرتی ہے۔یعنی اس کو بہت سی بھلائی دی گئی۔

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے) یعنی اللہ تعالیٰ کی ان مواعظ سے سلیم العقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔یا علماء عاملین۔مقصد آیت کا یہ ہے کہ انفاق پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کیا گیا ہے۔

تفسیر آیت ۲۷۰:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ (جو تم خرچ کرتے ہو کسی طرح کا خرچ) یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں یا شیطان کی راہ میں۔

اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ (یا تم نذر مانتے ہو) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خاطر یا معصیت کی خاطر۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ (پس اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں) یعنی اس پر کچھ بھی مخفی نہیں اور وہ اس پر تمہیں بدلہ دے گا۔

ظالم سے مراد کون؟

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ (اور ظالموں کا نہیں) ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدقات سے باز رہتے ہیں۔یا اپنے مال گناہوں کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں۔یا گناہوں کی نذر مانتے ہیں۔یا نذر مان کر پوری نہیں کرتے۔

مِنْ اَنْصَارٍ (کوئی مددگار) یعنی جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکے۔اور اس کے عذاب سے محفوظ کر سکے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ

اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے، اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو

فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ یُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۷۱﴾

تو وہ زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے، اور اللہ تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا

آپ کے ذمہ نہیں ہے ان کی ہدایت لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو بھی کچھ اچھا مال

مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا

تم خرچ کرتے ہو، تو وہ تمہاری جانوں کے لئے ہے، اور تم نہیں خرچ کرتے ہو مگر اللہ کی رضا کے لئے، اور جو کچھ

تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

بھی خرچ کرو گے اچھا مال وہ پورا پورا تمہیں دے دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

تفسیر آیت ۲۷۱:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ (اور اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو وہ بہت خوب ہے) پس اس کا اظہار بہت خوب ہے۔

نعمّا کا ما نکرہ ہے لیکن نہ موصولہ اور نہ موصوفہ اور مخصوص بالمدح ھِیَ ہے

قراءت: ابوعمرو اور مدنی نے نِعمّا کو نون کے کسرہ اور سکون عین کے ساتھ نِعْمَا۔ مگر ورش نے نِعِمَا پڑھا ہے۔

دوسرے قراء نے نَعِمَّا عین کے فتحہ اور میم کی تشدید کے ساتھ پڑھا۔

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ (اگر تم اس کو چھپاؤ اور فقراء کو دو) یعنی تم ان اموال کو اخفاء کے ساتھ مصارف تک پہنچانے والے ہو۔

فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ (پس وہ بہت بہتر ہے تمہارے لئے) یعنی اخفاء تمہارے لئے بہتر ہے۔

ارشادِ مفسرین رحمۃ اللہ علیہم:

مفسرین رحمہم اللہ نے فرمایا۔ مراد اس سے صدقات نفلیہ ہیں اور فرائض میں ظاہر کر کے دینا افضل ہے تاکہ اس پر الزام نہ لگے۔ کہ یہ فرائض ادا نہیں کرتا۔ بلکہ اگر زکوٰۃ دینے والا ایسے لوگوں میں سے ہو جو خوش حال مشہور نہیں ہیں۔ تو اس کا اخفاء افضل ہے اور نفلی صدقہ کرنے والا اگر یہ ارادہ کرے کہ لوگ اس کی اتباع کریں تو اس کا اظہار افضل ہے۔

وَيُكَفِّرُ (وہ مٹاتا ہے)

اختلافِ قراءت:

(نُكَفِّرُ مدنی، حمزہ اور علی رحمہم اللہ اور يُكَفِّرُ راء کا رفع دے کر شامی، حفص نے پڑھا اور دیگر قراء نے نُكَفِّرُ۔ نون اور رفع کے ساتھ پڑھا۔

جنہوں نے جزم دی انہوں نے محل فاء اور اس کے مابعد پر عطف کیا ہے۔ کیونکہ وہ جواب شرط ہے۔ جنہوں نے رفع دیا۔ تو انہوں نے جملہ مستانفہ بنایا ہے اور یاء کی صورت میں معنی یکفر اللّٰہ یعنی اللہ بخش دیں گے۔

عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ (تم سے تمہاری برائیاں) یعنی تم سے تمہاری برائیاں۔ اور نون کی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ ہم مٹا دیں گے تمہاری برائیاں تم سے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال خواہ وہ اظہار کی صورت میں ہوں یا اخفاء کی شکل میں)

خَبِيْرٌ (خبر رکھنے والے ہیں) یعنی ہر چیز اس کے علم میں ہے۔

تفسیر آیت ۲۷۲ ...... ہدایت ذمہ نہ ہونے کا مطلب:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ (تمہاوے ذمہ ان کی ہدایت نہیں) یعنی تمہارے ذمہ لازم نہیں کہ تم ان کو انتہاء تک پہنچانے والے ہو ان چیزوں میں جن سے ان کو منع کیا گیا۔ یعنی مَنّ ایذاء اور انفاق مال خبیث وغیرہ۔ آپ کے ذمہ صرف ممنوعات کی ممانعت بتلا دینا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (لیکن اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں راہنمائی فرماتے ہیں)

دوسرا قول: آپ کے ذمہ توفیق ہدایت نہیں یا ہدایت کا پیدا کرنا نہیں۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ (اور جو تم مال میں سے خرچ کرو۔)

فَلِاَنْفُسِكُمْ (پس وہ تمہارے اپنے نفسوں کے لئے ہے) یعنی اس کا فائدہ تمہارے علاوہ اور کسی کو نہ پہنچے گا پس تم ان کا احسان لوگوں پر مت جتلاؤ۔ اور نہ ہی ظلم سے ان کو ایذاء دو۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ (اور تم خرچ نہیں کرتے۔ مگر صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کرنے کے لئے) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور جو کچھ اس کے ہاں ہے اس کو چاہنے کے لئے تم خرچ کرو۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم احسان جتلاتے ہو۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ (اور جو تم مال میں سے خرچ کرو گے۔ وہ تمہیں لوٹا دیا جائے گا) یعنی اس کا ثواب کئی گنا بڑھا کر۔ پس تمہارے پاس اس کے خرچ کرنے سے اعراض کرنے کا کوئی عذر نہیں۔ اور وہ مال بہترین وخوب تر انداز سے ہونا چاہیے۔

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (اور تم پر ظلم نہ کیا جائیگا) یعنی تمہارے حق میں کمی نہ کی جائے گی۔ جیسا کہ سورۂ کہف آیت نمبر ۳۳ ولم تظلم منه شيئا۔ اور اس میں سے کوئی چیز کم نہ ہوئی تھی۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ع (۲۷۳)

صدقات فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روکے ہوئے ہیں وہ زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ سوال سے بچنے کے سبب انجان آدمی انہیں مالدار سمجھتا ہے، تو انہیں پہچان لے گا وہ لگ لپٹ کر لوگوں سے سوال نہیں کرتے، اور جو بھی کچھ تم خرچ کرو گے۔ اچھا مال سو اللہ اس کا جاننے والا ہے۔

الربع ۳۷ ع ۷ ۵

تفسیر آیت ۲۷۳: لِلْفُقَرَآءِ...... اصحابِ صفہ کی جماعت:

لِلْفُقَرَآءِ: (صدقات فقاء کیلئے ہیں) نحو: للفقراء میں لام جارہ محذوف کے متعلق ہے ای اعمدوا للفقراء تم فقراء کا قصد کرو۔ یا مبتدائے محذوف هذه الصدقات کی یہ خبر ہے۔ مطلب یہ ہوا یہ صدقات ان فقراء کے لئے ہیں۔

الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (جو روک دیئے گئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو جہاد نے روک دیا اور یہ کہ وہ کام کاج نہیں کر سکتے۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (وہ طاقت نہیں رکھتے) یعنی اس میں مشغولیت کی وجہ سے

ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ (زمین میں آ جا نہیں سکتے) یعنی کمائی کے لئے۔

دوسرا قول: یہ اصحاب صفہ ہیں۔ یہ مہاجرین قریش میں سے چار سو آدمی تھے۔ مدینہ میں ان کے مکانات نہ تھے۔ اور نہ ان کا قبیلہ و خاندان۔ یہ مسجد کے چبوترے میں قیام پذیر تھے۔ یہ وہی چھپر ہے جس کے نیچے وہ رات کو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے۔ اور دن کو کھجور کی گٹھلیاں کوٹتے اور ہر سریہ میں نکلتے جن کو کسی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ فرماتے۔ پس جن کے پاس زائد کھانا ہوتا وہ لا کر ان کو پیش کرتے۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ (گمان کرتے ان کو جاہل) یعنی ان کی حالت کی وجہ سے

قراءت: شامی، یزید، حمزہ، عاصم نے يَحْسَبُ سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

باقی قراء نے يَحْسِبُ کسرۂ سین کے ساتھ پڑھا۔

اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (غنی سوال سے بچنے کی وجہ سے) یعنی انکو غنی گمان کرنے والے ہیں۔ اسلئے کہ وہ سوال سے بچنے والے ہیں۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ (تم انکو پہچانو گے انکی نشانیوں سے) یعنی بھوک کی وجہ سے چہرے کی زردی اور حالت کی پراگندگی سے۔

اصرارِ سوال کی مذمت:

لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے) الحاف کا معنی اصرار کرنا، لئے بغیر نہ چھوڑنا۔ کہا گیا ہے

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر سوان کے لئے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس اور ان پر کوئی خوف نہیں، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ

جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جیسے کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان لپٹ کر

الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ

مخبوط بنا دے، یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو سود ہی کی طرح سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے

اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى

بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا، سو جس کے پاس آ گئی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پھر وہ باز آ گیا

فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

تو اس کے لئے وہ ہے جو گزر چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، اور جو شخص پھر عود کرے سو یہ لوگ دوزخ والے ہیں،

هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

کہ اس میں سوال اور اصرار سوال دونوں کی ممانعت ہے۔ جیسا شاعر کا قول۔ علی لاحِبٍ لا یهتدی بمناره۔ اس میں منار اور اہتدیٰ دونوں کی نفی ہے۔ الحاح لازم پکڑنا۔ اس وقت تک جدا نہ ہونا جب تک کوئی چیز دی نہ جائے۔ حدیث میں وارد ہے بیشک اللہ تعالیٰ حیادار حوصلہ مند' سوال سے بچنے والے کو پسند کرتے ہیں اور بے حیاء تیز مزاج' لپٹ جانے والے کو ناپسند کرتے ہیں۔

دوسرا قول: اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اگر سوال کریں تو نرمی سے سوال کرتے ہیں اور اس کے لئے اصرار نہیں کرتے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ (اور جو تم خرچ کرو۔ پس اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں) یعنی اس کو اپنے ہاں ضائع نہیں فرمائیں گے۔

تفسیر آیت ۲۷۴......راہِ الٰہی میں خرچ کے حریص:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً (وہ لوگ جو اپنا مال رات دن' پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں)

نحو : سراو علانیہ۔ یہ دونوں حال ہیں۔ ای مسرین و معلنین ۔مطلب یہ ہوا۔ بھلائی میں بہت زیادہ حرص کی بناء پر صدقہ عمومی اوقات میں کرتے ہیں۔ جونہی ان کو کسی محتاج کی محتاجی معلوم ہوئی تو اس کے پورا کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور اس کو مؤخر نہیں ہونے دیتے۔ کسی وقت و حالت کا بہانہ نہیں بناتے۔

ایک قول: یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت اتری۔ جب انہوں نے چالیس دینار خرچ کیے۔ دس رات کو دس دن کو دس پوشیدہ اور دس علانیہ۔

ایک قول کے مطابق یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری۔ جبکہ وہ کل چار درہم کے مالک تھے۔ ان میں سے ایک درہم رات کو ایک دن کو ایک پوشیدہ اور ایک درہم علانیہ دیا۔

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (ان کی مزدوری ان کے رب کے ہاں ہے نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے)

۲۷۵: اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا (وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں) ربوا۔ وہ اضافہ جو عوض سے خالی ہو۔ جبکہ مال کا مال سے معاوضہ دیا جائے۔

الربٰوا۔ الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ کی طرح واؤ کے ساتھ ان لوگوں کے نزدیک لکھا جاتا ہے جو اس کو پُر کر کے پڑھتے ہیں اور الربٰوا میں واؤ کی کتابت میں واؤ کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے کیونکہ یہ واؤ جمع کے مشابہ ہے۔

لَا يَقُوْمُوْنَ (وہ نہ کھڑے ہونگے) یعنی جب وہ قبور سے اٹھائے جائیں گے۔

مجنون و خبطی کی مثال:

اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ (مگر جس طرح کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو چھوکر شیطان نے دکھ پہنچا دیا ہو) یعنی جنون زدہ کیونکہ وہ سودخور معاملے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے اس لئے اس کو سزا تقابل کے طور پر دی گئی۔ الخبط۔ زور سے مارنا۔ جیسے اندھی اونٹنی کا ٹیڑھا چلنا۔

مِنَ الْمَسِّ (چھوکر) یعنی جنون کی وجہ سے

نحوی نکات:

نحو : من المس یہ لایقومون سے متعلق ہے ای لایقومون من المس الذی بھم الا کما یقوم المصروع یعنی وہ اس چھونے سے کھڑے نہ ہونگے جس کا ان پر اثر ہے مگر اس طرح جیسے مجنون کھڑا ہوتا ہے۔

یا دوسرا قول: یہ یقوم سے متعلق ہے جیسا کہ مجنون اپنے جنون سے کھڑا ہوتا ہے۔

نمبر ۱۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ قیامت کے دن مجنونوں کی طرح مخبوط الحواس کھڑے ہونگے یہ موقف حساب میں قیامت کے دن ان کی علامت ہے۔

نمبر ۲ دوسرا قول: جو قبور سے سیدھے نکل کر محشر کی طرف جائیں گے سوائے سودخوروں کے کہ وہ گرتے پڑتے چلیں گے۔ جیسے

مجنون چلتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے سود کھایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کے پیٹوں میں بڑھا کر بوجھل کر دیا۔ جس سے وہ سیدھے اٹھ کر چلنے کی قدرت سے محروم کر دیئے گئے

ذٰلِكَ (یہ) یعنی سزا۔ بِاَنَّهُمْ (اس سبب سے)

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا (کہ انہوں نے کہا بے شک بیع سود کی طرح ہے)

رباء سے محبت کا حال:

سوال: اس طرح نہیں کہا کہ ربا بیع کی طرح ہے۔ باوجودیکہ گفتگو ربا کے سلسلہ میں ہے بیع کے متعلق نہیں۔

جواب: یہ کلام مبالغہ کے انداز سے لایا گیا اور وہ اس طرح کہ ربا کے حلال ہونے میں ان کا اعتقاد اس حد تک پہنچ چکا۔ کہ انہوں نے ربا کو اصل اور حلال ہونے میں بطور قانونی چیز کے پیش کیا۔ حتیٰ کہ بیع سے اس کو تشبیہ دے کر پیش کیا۔

باطل قیاس کا رد:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور ربوا کو حرام کیا۔ اس میں ان کے برابر قرار دینے کی تردید کی گئی۔ کہ حلت و حرمت دو مخالف ضدیں ہیں یہ ایک دوسرے کے مماثل کیسے ہو سکتے ہیں؟

مَسْئَلَہ: نص سے قیاس منہدم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قیاس کو باطل کرنے کے لئے بیع کا حلال کرنا اور سود کا حرام کرنا بطور دلیل ذکر کیا۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (پس جس شخص کے پاس نصیحت اس کے رب کی طرف سے آ جائے) یعنی جس کو اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور ربا کی ممانعت والی تنبیہ پہنچ گئی۔

فَانْتَهٰى (پس وہ باز آ گیا) اور ممانعت کو مان لیا اور سود چھوڑ دیا۔

فَلَهٗ مَا سَلَفَ (پس اس کیلئے ہے جو وہ لے چکا) یعنی اس سے گزشتہ کا مؤاخذہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے نزول حرمت سے پہلے لیا۔

وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ (اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قیامت کے دن فیصلہ فرمائیں گے تمہارا اس کے معاملہ سے اب کچھ تعلق نہیں۔ تم اس سے مت مطالبہ کرو۔

وَمَنْ عَادَ (جو سود خوری کی طرف لوٹا) یعنی سود کو حلال قرار دینے کی طرف یہ زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یا ربا کی طرف لوٹا اس حال میں کہ اس کو حلال قرار دینے والا ہے۔

حرام کو حلال ماننا کفر ہے:

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ جہنم والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے) اس لئے کہ سود کو حلال قرار دینے کی وجہ سے کافر ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال کرنے والا کافر ہے اسی وجہ سے جہنم میں ہمیشگی کا حقدار بن گیا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو، اور اللہ دوست نہیں رکھتا کسی کفر کرنے والے گناہ کرنے والے کو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز قائم کی اور

الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

زکوٰۃ ادا کی سو ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس نہ وہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

غمگین ہوں گے۔

مَسْئَلَة : اس تفسیر سے ثابت ہوا کہ فاسق کے خلود فی النار والے مسئلے سے آیت کا کوئی تعلق نہیں وہ معتزلہ کی اپنی اختراع ہے۔

تفسیر آیت ۲۷۶:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں) یعنی اس کی برکت کو دور کر دیتے ہیں۔ اور اس مال کو تلف کر دیتے ہیں جس میں سود شامل ہو جائے۔

وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ (اور صدقات کو بڑھاتے ہیں) یعنی اضافہ کرتے اور بڑھاتے ہیں اس مال میں اضافہ کرتے ہیں جس سے صدقہ نکالا جائے اور اس میں برکت دیتے ہیں۔

حدیث میں وارد ہے زکوٰۃ مال میں کمی نہیں کرتی۔ (مسلم)

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ (اللہ تعالیٰ کسی کافر کو پسند نہیں کرتے) کفار بڑا کافر اس لئے کہ اس نے ربا کو حلال قرار دیا۔

اَثِيْمٍ (گنہگار یعنی سود کھا کر گناہ پر اڑنے والا)

تفسیر آیت ۲۷۷:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو،

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ

پس اگر تم نہ کرو تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے

رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

ایک قول: یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ربا کی حرمت پر ایمان لائے۔

۲۷۸: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا ۔(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ربوا میں سے جو باقی ہے اس کو چھوڑ دو)۔

انہوں نے لوگوں پر جو ربا کی شرط لگائی تھی وہ لے لیا۔ اور ابھی ان کے بقایا جات لوگوں کے ذمہ باقی تھے۔ پس ان کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ اس کو چھوڑ دیں اور اس کا مطالبہ نہ کریں۔

روایت میں ہے کہ یہ بنوثقیف کے متعلق اتری۔ ان کے بعض قبائل کا قریش کے ذمہ سود تھا۔ انہوں نے وقت آنے پر مال کے ساتھ سود کا مطالبہ کیا۔ (تو ان کو حکم دیا گیا کہ سود کو چھوڑ دیا جائے)

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اگر تم کامل الایمان ہو) ایمان کے کمال کی دلیل حکم کو پورے طور پر مان لینا ہے۔

۲۷۹۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے) یعنی تم آگاہ ہو جاؤ اذنوا یہ اذن بالشیء سے لیا گیا۔ جب کہ اس کو جان لے۔

قراءت: حسن رحمہ اللہ کی قراءت اس معنی کی تائید کرتی ہے انہوں نے فَاَيْقِنُوْا پڑھا ہے۔

حمزہ ٗ ابوبکر رحمہما اللہ نے فَاٰذِنُوْا بروزن آمِنُوْا پڑھا ہے۔

بقیہ قراء نے فَاْذَنُوْا پڑھا ہے۔

ایک سوال:

سوال: یہاں فاذنوا بحرب من الله ورسوله فرمایا۔ بحرب الله ورسوله نہیں فرمایا۔

جواب: کیونکہ یہ انداز کلام زیادہ بلیغ ہے اس لئے کہ اس کا معنی پس تم تیار ہو جاؤ اس قسم کی لڑائی کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بہت بڑی ہے۔

روایت میں وارد ہے کہ جب یہ آیت اتری۔ تو ثقیف والے کہنے لگے ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کی

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینا ہے آسودہ ہو جانے تک ، اور یہ بات کہ تم صدقہ کر دو تمہارے لئے بہتر ہے اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ

تم جانتے ہو، اور ڈرو تم اس دن سے جس میں لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف، پھر ہر جان کو اس کا پورا پورا بدلہ

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

دیا جائے گا جو کچھ اس نے کسب کیا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

۳۸
ع۸
۲

تاب نہیں لا سکتے (پس سر تسلیم خم کرتے ہیں)

وَاِنْ تُبْتُمْ (اور اگر تم توبہ کرلو) یعنی سود خوری سے

فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ (پس تمہارے لئے اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو۔ یعنی اپنے قرض پر اضافہ لے کر وَلَا تُظْلَمُوْنَ (اور نہ تم پر ظلم ہوگا)۔ یعنی اصل کو کم کر کے۔

تفسیر آیت ۲۸۰:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ (اگر وہ تنگدست ہے) یعنی اگر تمہارے مقروض مفلوک الحال اور تنگدست ہیں۔

فَنَظِرَةٌ (پس مہلت دینا ہے)۔ پس حکم یا امر مہلت دینے کا ہے۔ اول صورت کا معنی یہ ہے۔ فراخ دستی تک انتظار کا حکم ہے۔ دوسری صورت کا معنی پس فراخ دستی تک انتظار لازم ہے۔

اِلٰى مَيْسَرَةٍ (آسانی آنے تک)

قراءت: نافع نے مَيْسُرَةٍ سین کے ضمہ سے پڑھا دیگر قراء نے سین کے فتحہ کے ساتھ میسَرہ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغات ہیں۔

وَاَنْ تَصَدَّقُوْا (اور یہ بات کہ تم صدقہ دو) عاصم نے تَصَدَقُوْا تخفیف کے ساتھ اپنے اصل اموال یا بعض اموال کو اپنے قرض داروں میں سے زیادہ تنگدستوں کو دے دو۔

دوسرے قراء نے تَصَدَّقُوْا۔ تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ تم دوسروں کو صدقہ دو۔ تخفیف میں ایک تا حذف ہے اور تشدید میں ادغام ہے۔

خَيْرٌ لَّكُمْ (تمہارے لئے بہتر ہے) یعنی قیامت کے دن۔ ایک قول یہ ہے کہ تصدق سے مراد مہلت دینا ہی ہے۔

اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

لایحل دین رجلٍ مسلم فیؤخرہ الا کان لہٗ بکل یوم صدقۃ۔ (ابن ماجہ)

کسی مسلمان کو قرض کا مؤخر کرنا درست نہیں۔ مگر یہ کہ ہر دن کے بدلے میں (اتنے مال کے) صدقہ کا ثواب ملے گا۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (اگر تم جانتے ہو) کہ وہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ پس تم اس پر عمل کرو گویا بے عمل کو علم کے باوجود بے علم قرار دیا۔

تفسیر آیت ۲۸۱:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۔ (اس دن سے ڈرو جس دن میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے)۔

قراءت: ابوعمرو نے تَرْجِعُوْنَ پڑھا ہے۔ رجع لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

آخری آیت:

کہا گیا کہ یہ آخری آیت ہے۔ جس کو جبرائیل علیہ السلام لائے اور کہا۔ اس کو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۰ کے بعد رکھ دو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیس دن بقید حیات رہے۔ یا اکاسی ایام یا سات ایام یا تین ساعات:

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ (پھر پورا پورا دیا جائے گا۔ ہر نفس کو جو اس نے کمایا) یعنی کمائے ہوئے کا بدلہ۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اور ان پر ظلم نہ ہوگا) یعنی ان کی نیکیاں کم کر کے اور گناہوں میں اضافہ کر کے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ

اے ایمان والو! جب تم مقررہ مدت تک ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو،

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ

اور چاہئے کہ جو شخص تمہارے درمیان لکھنے والا ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھے، اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا

اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَـقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ

ہے، سو چاہئے کہ لکھ دیا کرے، اور جس کے اوپر حق ہے اسے چاہئے کہ لکھوا دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اور اس میں سے کچھ بھی کم

مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَـقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ

نہ کرے، سو اگر وہ شخص کم سمجھ ہو جس پر حق ہے یا ضعیف ہو یا املا کرانے پر قدرت

اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ

نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوا دے، اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ

رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ

بنا لیا کرو، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے جنہیں تم

مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰٮهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰٮهُمَا الْاُخْرٰى ؕ

پسند کرتے ہو تاکہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھٹک جائے تو ایک دوسری کو یاد دلا دے

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ

اور نہ انکار کریں گواہ جب ان کو بلایا جائے، اور قرضے کے معاملہ میں لکھنے سے مت اکتاؤ چھوٹا ہو

كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى

یا بڑا ہو اس کی مدت مقررہ تک، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے اور اس سے زیادہ قریب ہے

اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ

کہ تم شک میں نہ پڑو، مگر یہ کہ کوئی تجارت ہو جس میں لینا دینا دست بدست ہو جس کا تم آپس میں معاملہ کر رہے ہو

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠

سو تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ لکھا پڑھی نہ کرو، اور گواہ بنالیا کرو جب کہ تم آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ کرو،

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ ۢ

اور نہ ضرر دیا جائے کاتب کو، اور نہ گواہ کو، اور اگر تم ایسا کرو تو بلاشبہ اس میں گناہ گاری ہے

بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

تمہارے لئے، اور اللہ سے ڈرو، اللہ تمہیں سکھاتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

۳۹ ع ۷

تفسیر آیتِ دین:

۲۸۲: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ۔ (اے ایمان والو۔ جب تم باہمی قرض کا معاملہ کرو)۔ یعنی جب ایک دوسرے کو قرض لو۔ دو۔ عرب کہتے ہیں۔ داینت الرجل۔ جب کسی کو قرض دیا جائے۔ یا لیا جائے۔

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (ایک مقررہ وقت تک) مقررہ مدت تک۔ مثلاً کٹائی یا گہائی یا حجاج کے لوٹنے تک

نکتہ: دَیْن کا لفظ واضح ذکر کیا۔ اذا تداینتم الی اجل مسمّٰی فقط نہیں کہا تا کہ فاکتبوہ کی ضمیر اس کی طرف لوٹ سکے۔ اگر دَیْن کا لفظ واضح نہ ہوتا تو لازم آتا تھا۔ کہ کہا جاتا فاکتبوا الدین اور اس طرح سے کلام میں وہ خوبصورتی نہ ہوتی۔ جواب ہے۔

دو وجوہ:

وجۂ اول: یہ انداز کلام قرض کی اقسام مؤجل اور دَیْنِ حالی کو بیان کرنے میں زیادہ واضح ہے۔

وجۂ دوم: قرض کے تحریر کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ یہ زیادہ پختہ بات ہے اور بھول چوک سے محفوظ ہے اور انکار سے دور ہے۔

مطلب آیت: مطلب آیت کا یہ ہوا کہ جب تم باہمی مؤجل قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔

استنباطی مسائل:

مَسْئَلَہ: یہ حکم استحبابی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس سے مراد بیع سلم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا تو بیع سلم کو جائز کر دیا۔ جو کہ کتاب اللہ میں مدت معلوم کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور اس میں طویل ترین آیت نازل فرمائی۔ اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے۔ کہ بیع سلم میں مدت شرط ہے۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ (اور چاہیے کہ تمہارے درمیان لکھے) یعنی قرض دار اور قرض دینے والے کے درمیان۔

امین کاتب کی تعریف:

كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ (کاتب انصاف کے ساتھ) بالعدل یہ کاتب کے متعلق ہے اور اس کی صفت ہے یعنی ایسا کاتب جو

احتیاط سے لکھے۔اور جو کچھ لکھتا ہے اس پر امین ہو جس چیز کا لکھنا ضروری ہے اس میں اضافہ اور کمی نہ کرے۔

مَسْئَلَہ: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کاتب سمجھ دار اور شرائط کو جاننے والا ہو۔ تا کہ اس کا لکھا ہوا شرع کے مطابق ہو۔

مَسْئَلَہ: کاتب کے چناؤ کا حکم قرض دینے والے لینے والے دونوں کو ہے اور وہ ایسے آدمی سے کتابت کروائیں جس پر فریقین کو اتفاق ہو۔

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ۔ (اور کاتب انکار نہ کرے) یعنی کوئی کاتب تحریر سے انکار نہ کرے۔

اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ (لکھنے سے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو وثیقہ نویسی کا علم دیا ہے نہ اس میں تبدیلی کرے اور نہ تغیر۔ کَمَا کا لفظ ان یکتب کے متعلق ہے۔

فَلْيَكْتُبْ (پس چاہیے کہ وہ لکھے) یعنی دستاویز لکھے اس سے عدول نہ کرے۔

مدیون کی املاء اقرار ہے:

وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ (اور چاہئے کہ وہ شخص املاء کروائے جس کے ذمہ حق ہے) یعنی مدیون لکھوائے اسی کا اقرار حجت الزامی ہے کہ قرض اس کے ذمہ ہے اور یہ لکھوانا اپنے متعلق اقرار بن جائے گا زبان سے۔

املال اور املاء یہ دونوں لغات ہیں۔

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے) یعنی مدیون اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور املاء سے انکار نہ کرے۔ کیونکہ اس طرح تو اس کے تمام حق کا انکار ہوگا۔

وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا (اور اس میں سے کوئی چیز کم نہ کرے) یعنی املاء کروانے میں حق واجب سے کوئی چیز کم نہ کرے۔ اس میں مدیون کے بعض حق کا انکار لازم آتا ہے۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا (پس اگر مدیون سفیہ ہو) یعنی مجنون کیونکہ سفہ خفت عقل کو کہا جاتا ہے۔ یا فضول خرچ اور تصرف سے جاہل ہونے کی بناء پر ممنوع التصرف ہو۔

اَوْ ضَعِيْفًا (یا کمزور ہو) یعنی نادان بچہ ہو۔

اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ (یا وہ املاء کرانے کی طاقت نہ رکھتا ہو) یعنی عاجزی یا جہالت یا زبان سے ناواقفیت کی بناء پر۔

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ (پس اس کا ولی املاء کرائے) یعنی وہ شخص جو اس کا سرپرست و وکیل ترجمان ہے۔

بِالْعَدْلِ (انصاف کے ساتھ) یعنی سچائی اور حق کے ساتھ

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ (اور تم دو گواہ بناؤ) تا کہ وہ قرض پر گواہی دینے والے بن جائیں۔

شروطِ گواہی:

مِنْ رِّجَالِكُمْ (اپنے مردوں میں سے) یعنی مسلمانوں میں سے اسلام کے ساتھ آزادی و بلوغ بھی شرط ہے۔

مَسْئَلَہ: احناف کے نزدیک کفار کی گواہی کفار کے متعلق درست ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ (پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں) یعنی اگر دو گواہ مرد نہ ملیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں۔

حدود وقصاص کے علاوہ بقیہ معاملات میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ (جن کو تم بطور گواہ پسند کرو) یعنی جن کی عدالت سے تم واقف ہو۔

مَسْئَلَه: اس میں دلیل ہے کہ ناپسندیدہ بھی شاہد بن سکتا ہے۔

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے) یعنی اس بناء پر کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔

اختلافِ قراء ت:

حمزہ کی قراء ت میں اِنْ تَضِلَّ میں ان شرطیہ ہے اور فَتُذَكِّرُ مرفوع ہے اور پورا جملہ جزاء ہے۔

تَضِلَّ پر شرط کی وجہ سے جزم آنی چاہیے مگر تشدید کی وجہ سے جزم نہیں آئی۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ میں آیت نمبر ۹۵ و من عاد فینتقم اللّٰه منه، تو فَيَنْتَقِمُ میں باوجود جزاء کے رفع ہے۔

مکی اور بصری قراء نے فَتُذْكِرَ نصب کے ساتھ پڑھا۔ اور اصل اس کی الذکر سے بتلائی نہ کہ الذُکْرِ سے۔

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا (اور نہ انکار کریں گواہ جب ان کو بلایا جائے) یعنی ادائیگی شہادت کے لئے یا گواہ بنانے کے لئے تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

نُکات:

یہاں ان کو گواہ بننے سے پہلے ہی ان کو شہداء کہا گیا۔ کیونکہ آئندہ چل کر وہ گواہ بننے والے ہیں۔ پہلی صورت میں تو فرض ہے اور دوسری صورت میں مستحب ہے۔

وَلَا تَسْئَمُوْٓا (نہ اکتاؤ) جیسا شاعر نے کہا۔

سئمتُ تکالیف الحیاۃ و من یعش ☆ ثمانین حو لا لا ابالك یسأم (اکتاجانا)

محل استدلال یسئام ہے۔

نَحْو: ان تکتبوہ کی ضمیر دَین کی طرف لوٹ رہی ہے یا الحق کی طرف

صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا (تھوڑا ہو یا زیادہ) یعنی جس حالت میں ہو خواہ تھوڑا حق ہو یا زیادہ۔

مَسْئَلَه: اس میں دلیل ہے کہ بیع سلم کپڑے میں بھی جائز ہے کیونکہ جو کیل وزن میں آسکے۔ اس کے لئے صغیر و کبیر کا لفظ نہیں لا سکتے۔ البتہ تھوڑی چیز کے لئے ذرعی استعمال کرتے ہیں۔

نَحْو: ممکن ہے کہ ضمیر کُتّاب کی طرف لوٹے۔ مطلب یہ ہو کہ وہ تحریر کو مختصر مشتمل لکھیں۔

اِلٰٓى اَجَلِهٖ (وقت مقررہ تک) یعنی وہ وقت جس پر دونوں دائن و مدیون متفق ہوئے ہیں۔

ذٰلِكُمْ (یہ) یعنی لکھنا۔اس کا مشار الیہ ان تکتبوہ ہے۔
اَقْسَطُ (زیادہ انصاف والی بات ہے) یہ قسط سے ہے جس کا معنی عدل ہے۔
عِنْدَاللّٰهِ (اللہ کے ہاں یہ اقسط کا ظرف ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں۔
وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ (یہ ادائے شہادت کو بہت قائم کرنے والا ہے) یعنی اقامت شہادت میں زیادہ معاون ہے۔
نحو :اقسط' اقوم یہ دونوں سیبویہ کے نزدیک تفضیل کے صیغے ہیں۔
وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا (اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو) یعنی گواہ اور حاکم اور صاحب حق کے لئے شک کو زیادہ دور کرنے والی چیز ہے۔اس لئے کہ بسا اوقات مقدار وصفات میں شک پڑ جاتا ہے جب دستاویز کی طرف رجوع کریں گے۔تو شک زائل ہو جائے گا۔
صرف :اَدْنٰى: کی الف اصل میں واؤ تھی۔کیونکہ یہ دَنُوٌّ سے ہے۔
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً (ہاں اگر دست بدست تجارت ہو)

قراءت ونحو:

عاصم نے اس طرح پڑھا۔الا ان تکون التجارةُ تجارةً یاالا ان تکون المعاملةُ تجارةً حاضرةً نصب کے ساتھ۔اسم کو محذوف مان کر تجارةً حاضرةً کو خبر بنایا۔
دیگر قراء نے تجارةٌ حاضرةٌ پڑھا۔اور جمہور کا یہی قول ہے۔اس صورت میں کان تامہ ہے۔
تقدیر عبارت یہ ہے۔الا ان تقع تجارةٌ حاضرةٌ۔کہ تجارت حاضرہ پیش آئے۔
یا کان ناقصہ ہے۔اور تجارةٌ حاضرةٌ مرفوع اس کا اسم اور تدیرونها اس کی خبر ہو۔
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ۔(تم اس کو اپنے درمیان لوٹانے والے ہو) بینکم، تدیرون کا ظرف ہے۔اس کا معنی اپنے درمیان پھیرنا۔فوری لین دین کرنا۔
فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا۔تمہیں نہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔جبکہ تم دست بدست فوری لین دین کرو۔اگر اس کو نہ لکھو تو کچھ حرج نہیں۔کیونکہ اس میں وہ وہم نہیں جو قرض میں ہوتا ہے۔

نقد میں گواہی:

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ۔(اور خرید وفروخت کے وقت گواہ بنالو) خرید وفروخت نقد قیمت پر ہو یا ادھار گواہ بنالیا کرو۔کیونکہ احتیاط اسی میں ہے۔اور یہ گواہ بنانا اختلاف میں پڑنے سے بچانے والا ہے۔
دوسرا قول: اس سے مراد یہ ہے کہ جب یہ تجارت حاضرہ والی بیع کرو۔تو اس میں گواہ کافی ہیں کتابت کی ضرورت نہیں۔اور امر استحباب کے لئے ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ

اور اگر تم سفر میں ہو اور حال یہ ہو کہ نہ پاؤ کسی کاتب کو تو رہن کی چیزیں قبضہ میں دے دی جائیں۔ سو اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اطمینان

بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا

کرے تو جس کو امانت دار سمجھا گیا ہے صاحب امانت کو امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو

الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

مت چھپاؤ، اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہے، اور اللہ ان کاموں کو جانتا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

جو تم کرتے ہو۔

ع ۳۹

دو قراءتیں اور مراد نہی:

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ۔ (کاتب اور گواہ کو تکلیف نہ دی جائے) نمبر۱۔ احتمال یہ ہے کہ یہ معروف ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قراءت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ لَا يُضَارِرْ۔

نمبر۲۔ قراءت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق مجہول ہے۔ لَا يُضَارَرْ معنی یہ ہے کہ کاتب اور گواہ سے جو طلب کیا جائے۔ اس کو ماننے میں وہ پس و پیش نہ کریں۔ تحریف، زیادتی، نقصان سے باز رہیں۔

نمبر۳۔ نہی ضرار مراد ہے کہ فریقین نہ کاتب کو دکھ دیں اور نہ گواہ کو کہ اس کو جلدی پر مجبور کریں۔ لازم پکڑیں۔ یا کاتب کو آنے جانے کا خرچہ نہ دیں۔ یا گواہ کو اس کے شہر سے آنے کی مشقت اسی پر ڈالیں۔

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ۔ (اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لئے گناہ ہے) یعنی اگر تم ضرر پہنچاؤ گے تو یہ ضرار گناہ ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مخالفت نہ کرو۔

وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ۔ (اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتے ہیں) یعنی اپنے دین کے احکام

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں) اس کو سہو و قصور لاحق نہیں ہوتا۔

تفسیر آیت ۲۸۳:

وَاِنْ كُنْتُمْ۔ (اگر تم ہو) یعنی اے قرض خواہو۔

عَلٰی سَفَرٍ۔(سفر پر) یعنی سفر کی حالت میں
وَلَمْ تَجِدُوْا کَاتِبًا۔(اور تم نہ پاؤ کاتب)
فَرِهٰنٌ۔(تو رہن رکھنا ہے)
قراءت۔ابوعمرو مکی نے فَرُهُنٌ پڑھا ہے۔اور قابل اعتماد زیادہ رُهُنٌ ہے۔
دونوں رہن کی جمع ہیں۔جیسے سَقْفٌ وَسُقُفٌ اور بَغْلٌ و بِغَالٌ اس طرح رهانٌ جمع ہے رہن اصل میں مصدر ہے اب تو نام بن گیا۔پھر اسماء کی طرح اس میں توڑ پھوڑ کی گئی۔

ارشادی حکم:

سفر میں چونکہ عموماً گواہوں کے اور کاتبوں کے نہ ملنے کا گمان غالب ہے تو بطور ارشاد وراہنمائی کے حفاظت مال کی خاطر رہن کا حکم دیا گیا تا کہ رہن کے ذریعہ امکانی حد تک اعتماد حاصل کر لیا جائے۔اس بناء پر نہیں کہ رہن رکھنے کیلئے سفر ضروری ہے۔
مَقْبُوْضَةٌ(قبضہ کیا ہوا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ شرط نہیں۔صرف ایجاب وقبول سے پورا ہو جاتا ہے۔

اظہارِ اعتماد:

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (اگر تمہیں ایک دوسرے پر اعتماد ہو) یعنی اگر بعض قرضداروں اور قرض خواہوں کو ایک دوسرے پر حسن ظن ہو۔تو پھر قرض دار کو چاہیے۔کہ وہ اپنے ذمہ لازم ہونے والی رقم کو واپس کر دے کیونکہ اس نے رہن نہ لے کر اس پر اعتماد کا اظہار کیا۔تو یہ اعتماد پر پورا اترے۔
یہاں دَیْن کو امانت کہا گیا۔کیونکہ وہ اس کا ضامن بن گیا۔کیونکہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس نے رہن نہیں لیا۔
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (اور اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔جو اس کا رب ہے) اور اس کے حق کا انکار نہ کرے۔
وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ (اور تم گواہی کو مت چھپاؤ) یہ گواہوں کو خطاب کیا گیا۔
وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (جو اس کو چھپاتا ہے پس اس کا دل گنہگار ہے)
نحو :قَلْبُهٗ کا لفظ مرفوع ہے کیونکہ یہ آثم کا فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔
فانه آثم قلبه یا قَلْبُهٗ مبتداء اور آثم خبر مقدم ہے اور یہ جملہ اِنّ کی خبر ہے۔

ایک سوال :

سوال :اثم کی نسبت قلب کی طرف ہے حالانکہ وہ سارا ہی گنہگار رہے نہ کہ صرف دل

نسبت کی تین وجوہ :

جواب : کیونکہ گواہی دل ہی میں چھپائی جاتی ہے اور اس کو منہ سے نہیں بولتا۔ جب گناہ کمانے میں دل ساتھی بنا۔ تو اس کی طرف نسبت کر دی گئی۔ کیونکہ فعل کی نسبت آلہ عمل کی طرف بلیغ تر ہے۔ جیسا تم کہو۔ **هذا مما ابصرته عيني**۔ یہ وہ چیز ہے جس کو میری آنکھ نے دیکھا ہے۔ **او مما سمعته اذنی و مما عرفه قلبی**۔ اور کان نے سنا اور دل نے پہچانا۔

۲ دوسری وجہ: یہ ہے کہ دل رئیس الاعضاء ہے اور جسم کا وہ ٹکڑا ہے کہ اگر یہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر یہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا گیا کہ گناہ اس کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکا ہے اور اس کے سب سے اعلیٰ مقام پر قابض ہو چکا۔

۳ تیسری وجہ: یہ ہے افعالِ قلوب، اعمال جوارح سے عظیم تر ہیں۔

ذرا غور تو کرو۔ کہ تمام حسنات و سیئات کی جڑ ایمان و کفر ہے۔ اور یہ دونوں دل کے فعل ہیں۔ چنانچہ جب کتمان شہادت کو آثام قلب سے قرار دیا۔ تو گویا اس کے لئے گواہی دے دی۔ کہ یہ عظیم گناہوں سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اکبرالکبائر یہ ہیں۔

نمبر ا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ گواہی چھپانا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے) یعنی کتمان شہادت اور اظہار شہادت سے **عَلِيْمٌ** (واقف ہیں) اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے یا اس کو پوشیدہ رکھو

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

اللہ اس کا محاسبہ فرمائے گا۔ پھر جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے، اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ

ہر چیز پر قادر ہے، ایمان لایا رسول اس پر جو اس کی طرف نازل کیا گیا اس کے رب کی طرف سے، اور

الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ

مومنین بھی ایمان لائے، سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ق غُفْرَانَكَ رَبَّنَا

پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، ہم آپ کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، اے ہمارے رب

وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ

اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے، اللہ نہیں مکلف بناتا کسی جان کو، جس کی اسے طاقت نہ ہو، ہر جان کے لئے وہی ہے جو اس نے کسب کیا،

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا

اور اس کے اوپر وبال ہے اس کا جو وہ گناہ کرے، اے ہمارے رب ہمارا مواخذہ نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے۔ اے ہمارے رب

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا

اور نہ رکھ ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ آپ نے ان لوگوں پر بھاری بوجھ رکھا جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب

تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفہ وَاغْفِرْ لَنَا وقفہ وَارْحَمْنَا وقفہ

اور ہم پر ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو، اور ہمیں معاف فرما دیجئے اور ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے،

اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾ ع

آپ ہمارے مولیٰ ہیں۔ سو ہماری مدد فرمائیے کافر قوم کے مقابلہ میں۔

تفسیر آیت ۲۸۴:

لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) یعنی اس کا پیدا کیا ہوا اور اسی کی ملک ہے۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ (اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو چھپاؤ) یعنی برائی میں سے۔

مؤاخذہ کی حقیقت:

یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (وہ اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کریں گے) یعنی اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دیں گے۔اس میں وساوس قلبیہ اور حدیث نفس جس کو انسان چھپاتا ہے وہ داخل نہیں۔لیکن جس کو دل میں پختہ کرلے۔وہ قابل مؤاخذہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عزم کفر بھی کفر ہے۔اور گناہوں کا خیال آنا بغیر پختہ ارادہ کے معاف ہے اور گناہ کا ارادہ کر کے اگر شرمندہ ہو اور اس سے رجوع کرے اور استغفار کرے تو اس کو بخش دیا جاتا ہے اور اگر وہ کسی برائی کا پختہ ارادہ کرے اور وہ اس پر ثابت و قائم بھی ہو۔تو گناہ ہے مگر یہ کہ وہ اس سے باز آ گیا۔کسی رکاوٹ کی وجہ سے (یعنی مجبوراً) اپنے اختیار سے نہیں۔تو اس پر کرنے کا گناہ تو نہ ملے گا۔یعنی زنا کا ارادہ کرنے سے زنا کی سزا تو نہ ملے گی۔

عزم کا حکم:

اب اس کو عزم زنا کی سزا ملے گی یا نہیں۔

قول اوّل: سزا نہ ملے گی۔کیونکہ آپ علیہ السلام نے فرمایا۔**ان اللّٰہ عفا عن امتی ماحدثت بہ انفسھا مالم تعمل**۔بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو معاف کر دیا۔جو ان کے خیال میں آئے اور اس پر عمل نہ کیا ہو (بخاری)

دوسرا قول: جمہور کہتے ہیں کہ حدیث نفس سے مراد خطر فی القلب، خیال آنا ہے۔عزم گناہ مراد نہیں۔اور عزم پر مؤاخذہ ثابت ہے۔

شیخ ابو منصور، علامہ حلوانی رحمہما اللہ کا رجحان اسی طرف ہی ہے۔اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد **ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ۔ الأیۃ** سورۃ النور آیت نمبر ۱۹ یہ لوگ فاحشہ خود کرنے والے نہیں۔صرف اس کی اشاعت میں شریک ہیں۔ان کو عذاب کی وعید سنائی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔جس گناہ کا بندہ ارادہ کرتا ہے مگر عمل نہیں کرتا۔اس کو اس پر دنیا کے غم وحزن کی صورت میں سزا دی جاتی ہے۔

شانِ نزول: اکثر تفاسیر میں ہے کہ جب یہ آیت اتری۔تو صحابہ رضی اللہ عنہم گھبرا گئے اور کہنے لگے کیا ہمارا ہر اس بات پر مؤاخذہ ہو گا۔جو ہمارے دلوں میں حدیث نفس کی صورت میں پیدا ہوتی ہے تو یہ آیت اتری۔

'امن الرسول سے لایکلف اللّٰہ تا ما اکتسبت۔پس یہ کسب سے متعلق ہے عزم سے نہیں۔بقول بعض یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوگئی۔

قولِ محققین:

مگر محققین کا فرمان یہ ہے کہ نسخ تو احکام میں ہے اور یہ تو خبر ہے اور خبر میں نسخ نہیں۔فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ پس وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا۔

قراءت: شامی٬ عاصم رحمہما اللہ نے یغفرُ اور یعذّبُ کو ضمہ سے پڑھا ہے۔

یعنی فھو یغفرُ ویعذبُ مگر دیگر قراء رحمہم اللہ نے جواب شرط پر عطف کی وجہ سے جزم پڑھی ہے۔

ابوعمرو رحمہ اللہ نے ادغام سے پڑھا۔(کذا فی الا شارۃ و البشارۃ)

صاحب کشاف کا قول:

صاحب کشاف نے کہا راء کو لام میں ادغام کرنے والا لاحق ہے اور غلطی پر ہے کیونکہ راء حرف مکرر ہے۔پس وہ مضاعف کی طرح ہوگیا۔اور مضاعف میں ادغام درست نہیں ہے۔اس لئے ابوعمرو سے اس کی روایت کرنا دوہری غلطی ہے۔

کیونکہ ایک تو وہ خود لحن کا مرتکب ہے اور دوسرا ایسے شخص کی طرف غلط نسبت کر رہا ہے۔جو عربیت کا اپنے زمانہ میں سب سے بڑا ماہر تھا۔بس یہ بات عظیم جہل کی نشان دہی کرتی ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر)۔خواہ مغفرت ہو یا عذاب و غیرھما

قَدِيْرٌ (قدرت رکھتے ہیں)۔

۲۸۵:اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (ایمان لائے رسول اس پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر اتارا گیا۔اور مؤمن ایمان لائے)۔

نحو :اگر المؤمنون کا عطف الرسول پر کیا جائے تو ضمیر کا نائب کلٌّ کی تنوین کو مانا جائے گا۔اور ضمیر رسول اور مؤمنون دونوں کی طرف راجع ہوگی۔یعنی کلھم۔

'اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر)۔

نحو وقراءت:

اس پر وقف ہے اور اگر یہ مبتداء ہو تو پھر کُلٌّ مبتداء ثانی ہے۔

اور تقدیر یہ ہے کل منھم اور 'امَنَ یہ مبتدائے ثانی کی خبر بنے گی۔اور یہ تمام جملہ خبر اول بن جائے گی۔اور ضمیر مؤمنین کی طرف راجع ہوگی۔اور اٰمَنَ میں ضمیر کُلٌّ کی طرف واحد لائی گئی۔گویا کُلٌّ واحد منھم 'امن فرمایا۔حمزہ علی رحمہما اللہ نے كِتَابِهٖ

پڑھا اور مراد قرآن مجید لیا۔ یا جنس کتاب رسل مراد لی۔

لَا نُفَرِّقُ (ہم تفریق نہیں کرتے)

لا نفرق۔یعنی وہ کہتے ہیں ہم تفریق نہیں کرتے۔ بلکہ ہم تمام پر ایمان لاتے ہیں۔

بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ (اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان) احدٍ یہ جمع کے معنی میں ہے۔

اس وجہ سے بین اس پر داخل ہے۔ کیونکہ بین اس اسم پر داخل ہوتا ہے۔ جو ایک سے زیادہ پر دلالت کرے۔ جیسے تم کہو۔ المال بین القوم۔اس طرح نہیں کہتے المال بین زید۔

وَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا (انہوں نے کہا ہم نے سنا) یعنی تیرے فرمان کو قبول کیا۔

وَ اَطَعۡنَا (اور تیری اطاعت کی) یعنی تیرا حکم مانا۔

غُفۡرَانَکَ (تو بخش دے) یعنی تو اپنی بخشش سے ہمیں بخش دے۔

یہ فعل مضمر سے منصوب ہے ای اغفرلنا غفرانک۔

رَبَّنَا وَ اِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ (اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے) المصیر لوٹنے کی جگہ اس آیت میں بعث وجزاء کا اقرار ہے۔

مَسۡئَلَہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ ایمان واستثناء باطل ہے اور کبیرہ گناہ کے باوجود ایمان باقی رہتا ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا (اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے) یہ جملہ مستانفہ ہے یا محکی عنہ ہے۔

تکلیف کا مطلب کفایت ہے:

اِلَّا وُسۡعَہَا (مگر اس کی وسعت کے مطابق) کیونکہ تکلیف اسی کی طرف لوٹتی ہے جس پر مکلّف کو قدرت ہو۔ (کذا فی شرح التاویلات)

صاحب کشاف کہتے ہیں الوسع جو انسان کو کفایت کرے اور اس پر تنگی نہ کرے نہ اس سے تکلیف میں مبتلا ہو۔یعنی نہیں اسکو تکلیف دیتا۔مگر اتنی جتنی اس میں گنجائش ہے اور اس پر آسان ہو۔انتہائی مشقت میں مبتلا ہونے کے بغیر آسانی کے ساتھ اسکو ادا کرے۔انسان کی طاقت میں تھا کہ پانچ سے زیادہ نمازیں پڑھے اور مہینہ سے زیادہ روزے رکھے اور ایک سے زیادہ حج کر سکتے ہیں۔

لَہَا مَا کَسَبَتۡ وَ عَلَیۡہَا مَا اکۡتَسَبَتۡ (اس کے لئے جو اس نے کمایا اور اس پر وبال ہے جو اس نے گناہ کمایا) یعنی جو بھلائی کمائی وہ اس کو فائدہ دے گی۔اور اس کو نقصان دے گی۔ جو اس نے برائی کمائی۔

کسب واکتساب کا فرق:

سوال: آیت میں خیر کو کسبت سے اور شر کو اکتسبت سے تعبیر کیا گیا۔

جواب: کیونکہ اکتسب کسی دوسرے کے لئے کمانا اور نفس شر پر اپنے آپ عمل کرنا ہے اور بھلائی کے لئے تکلف کرنا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ (اے ہمارے رب تو ہم سے مؤاخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں) یعنی تیرے حکموں میں سے

کوئی حکم بھول کر چھوڑ دیں۔

اَوْ اَخْطَاْنَا (یا ہم غلطی کریں)

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نسیان وخطاء پر مؤاخذہ جائز ہے۔

اختلافِ معتزلہ:

البتہ معتزلہ اسکے متعلق اختلاف کرتے ہیں کیونکہ دونوں سے بچنا ممکن ہے اگر مؤاخذہ درست نہ ہوتا تو سوال کا کوئی مطلب نہیں۔

اِصر کی مراد:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا (اے ہمارے رب نہ لاد ہم پر بوجھ زائد جو اٹھانے والے کو بوجھل کر دے) یعنی بوجھ والے کو جو بوجھ اس کی جگہ پر روک دے۔

یعنی ایسا زائد کام جو اٹھانے والے کو بوجھ کی وجہ سے اس کی جگہ پر روک دے۔ یہ لفظ سخت تکلیف کیلئے بطور استعارہ استعمال کیے گئے ہیں جیسے قتل جان اور جلد میں سے نجاست کے مقام کو کاٹنا۔ (جلد سے موزہ کی جلد مراد ہے) وغیرہ اور کپڑے میں سے۔

كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا (جس طرح تو نے ان لوگوں پر لادا جو ہم سے پہلے ہوئے) جیسے یہود۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (اے ہمارے رب ہم سے نہ اٹھوا وہ چیز جس کی ہم میں طاقت نہیں) یعنی وہ سزائیں جو ہم سے پہلے لوگوں پر اتریں۔

وَاعْفُ عَنَّا (تو ہم کو معاف فرما) یعنی ہماری برائیاں مٹا دے۔

وَاغْفِرْ لَنَا (اور تو ہمیں بخش دے) اور ہمارے گناہ کو چھپا دے۔ یہ تکرار نہیں۔ اول کبائر کیلئے اور دوسرا صغائر کے لئے۔

وَارْحَمْنَا (تو ہم پر رحم فرما) ہمارے افلاس کے ہوتے ہوئے ہمارے میزان کو بوجھل کر کے یا اول مسخ سے اور دوم دھنسنے سے اور سوم غرق ہونے سے۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا (تو ہمارا کارساز ہے) یعنی تو ہمارا آقا ہم تیرے غلام یا تو ہمارا مددگار ہے اور ہمارے امور کا ذمہ دار ہے۔

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (تو کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما) اسلئے کہ کارساز کا حق ہے کہ اپنے غلاموں کی مدد کرے۔

آیت کی فضیلت:

۱ حدیث میں وارد ہے کہ جس نے امن الرسول سے الکفرین تک رات کے آخری حصہ میں پڑھا۔ تو یہ اس کیلئے کافی ہے۔

۲ جس نے ان کو عشاء آخرہ کے بعد پڑھا تو قیام لیل کی طرف سے کافی ہیں۔

۳ جائز ہے کہ کہا جائے قراءت سورۃ البقرۃ یا قراءت البقرہ۔

اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ بقرہ کی اختتامی آیات عرش کے نیچے خزانہ ہے۔ بعض نے کہا۔ اس طرح کہنا مکروہ ہے بلکہ اس طرح کہا جائے گا۔ قرأت السورة التى تذكر فيها البقرة۔ واللہ اعلم

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں دو سو آیات ہیں اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

الٓمّٓ: اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے۔ اس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى

ایسی کتاب جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں، اور اس سے پہلے نازل فرمایا توریت کو اور انجیل کو جو لوگوں

لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ

کے لئے ہدایت ہیں اور نازل فرمایا فرقان کو۔ بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

اور اللہ غلبہ والا ہے بدلہ لینے والا ہے۔ بے شک اللہ ایسا ہے کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں زمین میں اور نہ

السَّمَآءِ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾

آسمان میں۔ اللہ وہ ہے جو تمہاری تصویریں بناتا ہے رحموں میں جس طرح چاہے، کوئی معبود نہیں اس کے سوا۔ وہ غلبہ والا ہے، حکمت والا ہے۔

نحو : تفسیر آیت ۱،۲:

الٓمّٓ ۔ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں۔ وہ حی و قیوم ہے اس نے تم پر تورات وانجیل حق کے ساتھ اتاری۔ یہ اپنے سے پہلے آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس نے تورات وانجیل کو اتارا)۔

انتقالِ حرکت کا مسئلہ:

الٓمّٓ کی میم کو التقائے ساکنین کی وجہ سے حرکت دی گئی۔ میری مراد ساکنین سے میم اور لفظ اللہ کی لام ہے۔ پھر میم کو ملانے کے لئے فتحہ دیا۔ جو کہ اخف الحرکات ہے اور کسرہ نہیں دیا کیونکہ ماقبل میم مکسور اور یائے ساکن ہے تاکہ پے در پے کسرات کی آمد لازم نہ

آئے۔میم کا فتحہ اسکے سکون کی وجہ سے اور ماقبل یاء کے سکون کی وجہ سے نہیں۔اگراس طرح ہوتا تو حٰمٓ میں بھی میم پر فتحہ دینا پڑتا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے اگراس نے میم کو فتحہ دیا تو یہ فتحہ لفظ اللہ کے ہمزہ سے منتقل ہو کر میم کی طرف آیا ہے۔کیونکہ وہ ہمزہ تو ہمزہ وصل ہے۔جو درمیان کلام میں گر جاتا ہے اوراس کے ساتھ اس کی حرکت بھی گر جاتی ہے۔اگراس کی حرکت کا منتقل کرنا جائز ہوتا تو اس کا قائم رکھنا بھی جائز ہوتا۔حالانکہ اس کو ثابت رکھنا جائز نہیں۔

قراءت: یزیداوراعشیٰ نے میم کو ساکن قرار دے کر الف کو ہمزہ قطعی قرار دیا۔بقیہ قراء نے وصل الف اور فتحہ میم کے ساتھ پڑھا۔

نحو: لفظ اللہ مبتداء اور لا الٰہ الا ھو یہ اس کی خبر ہے۔اور ''لآ ''کی خبر مضمر ہے تقدیر عبارت یہ ہے لا الٰہ فی الوجود الّا ھو۔

ھُوَ: یہ موضع رفع میں موضع ''لآ '' سے بدل ہے اوراس کا اسم الحی القیوم مبتدائے محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔
ھو الحیّ، یاھو سے بدل ہے۔القیوم یہ فیعول کے وزن پر قام سے ہے۔مراد وہی ذات انصاف کو قائم کرنے والی اور ہر شخص کے اعمال پر نگران ہے۔

نزل اور انزل کا فرق:

۳:نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيلَ۔ (اس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ایسی کتاب جوان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جواس سے پہلے تھیں اوراس سے پہلے نازل فرمایا توریت کو اور انجیل کو)۔نَزَّلَ یعنی اسی نے اتارا۔علیك الکتاب، الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔بالحقّ یہ حال ہے یعنی اس نے قران دین حق کا حامل اتارا مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد ماقبل اتاری جانے والی کتب ہیں۔وَاَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيلَ تورات وانجیل یہ دونوں عبرانی الفاظ ہیں۔الوری اورانجل سے ان کا اشتقاق محض تکلف ہے۔

اس وقت ان کا وزن تَفْعَل اور اِفْعِیل ہوگا اوران کو عربی ماننا پڑے گا۔

سوال: قرآن مجید کے لیے نَزَّلَ اور تورات وانجیل کے لیے اَنْزَلَ لایا گیا؟

جواب: کیونکہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا اترا اور یہ دونوں کتابیں یکبارگی مکمل طور پر نازل ہوئیں۔

تفسیر آیت ۴:

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔
(اس سے پہلے سب لوگوں کی ہدایت کیلئے اوراس نے حق و باطل میں فرق کردینے والی کتابیں اتاریں،جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی آیات کا انکار کیا۔ان کے لیے سخت عذاب ہے اوراللہ تعالیٰ غالب انتقام والا ہے)مِنْ قَبْلُ یعنی قرآن سے پہلے هُدًى لِّلنَّاسِ سے مراد قوم موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام ہیں۔یا تمام لوگ مراد ہیں۔

فرقان کی مراد:

وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ فرقان سے مراد جنس کتب ہے۔ کیوں کہ تمام کتابیں حق و باطل میں فرق کرتی رہیں یا زبور مراد ہے۔ یا قرآن مجید کا تذکرہ دوبارہ اس صفت کے ذریعے اس کی عظمت شان کی خاطر کر دیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ آیات اللہ سے کتب منزلہ مراد ہیں۔ یعنی کسی بھی آسمانی کتاب کو نہ ماننے کی وجہ سے عذاب میں ہونگے۔

ذُو انْتِقَامٍ کا معنی سخت سزا دینے والے ہیں کہ کوئی منتقم اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کی حالت سے واقف ہے:

۵: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آسمان وزمین کی کوئی چیز مخفی نہیں) آسمان وزمین سے مراد سارے جہانوں میں ہے جسکی تعبیر فہم انسانی کے قریب کرنے کے لیے آسمان وزمین سے کر دی۔

مطلب یہ ہوا کہ وہ کافر کے کفر اور مؤمن کے ایمان سے واقف ہے اور وہ ہر دو کو اس کا بدلہ دے گا۔

۶: هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (وہ ہی ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے اس کے سواء کوئی معبود نہیں وہ غالب حکمت والا ہے) یُصَوِّرُکُمْ یعنی مختلف شکلیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ وہ اپنی سلطنت پر غالب اور تدبیر میں حکمت والا ہے۔

وفدِ نجران کی آمد:

روایت میں وارد ہے کہ جب نجرانیوں کا وفد آیا۔ جو ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا۔ ان کا امیر عاقب اور امیر سفر ایھم تھا اور ابو حارثہ بن علقمہ ان کا پادری اور عالم تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کیا اگر عیسیٰ اللہ کا بیٹا نہیں تھا تو پھر انکا باپ کون تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہیں ان پر نہ موت آسکتی ہے نہ آئے گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہونگے اور ہمارا رب تعالیٰ تو بندوں کا نگران اور محافظ ہے۔ اور ان کو رزق دیتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اس پر قدرت حاصل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر تو کائنات کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام وہی جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو علم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر رحم مادر میں بنائی جس طرح چاہی۔ پس انکی ماں حاملہ ہوگئیں اور ان کو جنا اور دودھ پلایا۔ اور وہ کھانا کھاتے اور بول و براز کرتے تھے اور ہمارا رب تعالیٰ ان تمام باتوں سے منزہ اور پاک ہے۔ پس یہ سن کر وہ تمام لاجواب ہوگئے ان کے متعلق ہی سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۸۰ سے کچھ زائد آیات نازل ہوئیں۔ (رواہ ابن جریر وابو حاتم)

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ

اللہ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اس میں آیات محکمات ہیں جو ام الکتاب ہیں اور دوسری

مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

متشابہات ہیں۔ سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ ان کے پیچھے پڑتے ہیں جو قرآن میں متشابہات

ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ

ہیں فتنہ تلاش کرنے کے لئے اور اس کا مطلب تلاش کرنے کے لئے، اور نہیں جانتا اس کے مطلب کو مگر اللہ اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں

فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ

وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر

اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦

عقل والے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۷: هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ. فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری جس کی کچھ آیات محکم ہیں اور وہ کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری متشابہات ہیں پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ متشابہات کے پیچھے چلتے ہیں۔ فتنہ پیدا کرنے کی غرض سے اور (مرضی کے موافق) اس کی تاویل ڈھونڈنے کی غرض سے۔ حالانکہ اس کی اصل مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور جو لوگ علم میں مضبوط ہیں وہ کہتے ہیں سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور صرف صحیح عقل والے ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں) الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ منہ من بیانیہ ہے اور ہٗ ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہے۔ مراد قران مجید ہی ہے۔ محکمات۔ جس کی عبارت محکم ہے کسی احتمال واشتباہ سے محفوظ ھن ام الکتب ۔ وہ کتاب کی اصل ہیں کہ متشابہات کو انکی طرف پھیرا جائے گا۔ اور ان کے مطابق مراد لیجائے گی۔ اُخَرُ یعنی دوسری آیات اس کا موصوف آیات محذوف ہے۔

متشابہات کی توضیح:

مُتَشٰبِهٰتٌ، احتمال واشتباہ والی۔ اس کی مثال سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۵ الرحمٰن علی العرش استوی ہے پس استواء تو جلوس یعنی بیٹھنے کے معنی میں ہوتا ہے اور قدرت وغلبہ کے معنی بھی آتے ہیں اور پہلا معنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق محکم دلیل اور

لیس کمثلہ شیٔ ۔(الشوریٰ آیت نمبر۱۱)

دوسرا قول: محکم وہ ہے جس کا حکم ہر منزلہ کتاب میں دیا گیا ہو۔ جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت نمبر۱۵۱، قل تعالوا اتل ماحرم ربکم علیکم، الآیہ۔ میں فرمایا سورۃ الاسراء آیت نمبر۲۳ وقضٰی ربك الا تعبدوا الّآ اِیاہ۔ اور متشابہ وہ ہے جو اس کے علاوہ آیات ہیں۔ یا متشابہ کی ایک قسم وہ ہے جس میں ایک ہی جانب کا احتمال ہو۔ دوسری قسم یا جس میں کئی طرح کا احتمال ہو یا ایک قسم متشابہ کی وہ ہے جس کی تاویل معلوم ہو سکے یا ناسخ مراد ہے جس پر عمل ہوتا ہو اور منسوخ جس پر عمل نہ ہوتا ہو۔

تمام قرآن کی آیات محکم نہیں لائی گئیں بلکہ متشابہ بھی لائی گئیں کیونکہ اس میں ان لوگوں کیلئے ابتلاء اور امتحان ہے جو حق پرست اور متزلزل ہیں۔

متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے لیے علماء کا باہمی ردوقدح اور طبائع کا اس میں تھکانا اور پھر محکم کی طرف اس کا لوٹانا اس میں بہت سے عظیم الشان فوائد حاصل ہوتے ہیں اور بہت سا علم میسر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات قرب حاصل ہوتے ہیں۔

نکتہ: قرآن مجید کی تمام آیات کے محکم ہونے کا مطلب فساد معنی سے پاک ہونا ہے اور اسی طرح متشابہ ہونے کا مطلب حسن و کمال میں ایک جیسا ہونا ہے اور بعض آیات کے محکم ہونے کا مطلب ان کے معانی کا واضح ہونا ہے اور متشابہ کا مطلب ان کے معانی کا مخفی ہونا ہے۔

اہلِ بدعت کا طرزِ عمل:

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ۔ ٹیڑھ کا مطلب حق سے مائل ہونا ہے اور اس کا مصداق اہل بدعت ہیں۔ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَاتَشَابَهَ یعنی وہ متشابہ کا وہ معنی اختیار کرتے ہیں جس میں احتمال ہے اور اہل بدعت کے طرز عمل کے ساتھ موافقت رکھتا ہے اور محکم سے مطابقت نہیں رکھتا اور نہ ہی اہل حق کے قول سے موافقت کرنے والا ہے۔ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وہ متشابہات کے پیچھے اس لئے لگتے ہیں تاکہ مسلمانوں میں دین کے سلسلہ میں فتنہ پیدا کریں اور ان کو گمراہ کریں۔ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ وہ متشابہات کے پیچھے اس لیے پڑتے ہیں تاکہ اپنی خواہشات کے مطابق اس کی تاویل کریں۔ وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ حالانکہ متشابہات کی اصل مراد و منشاء کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ اور وہ لوگ جو علم میں پختہ کار یعنی جمے ہوئے ہیں اور اس پر پورا قابو ہے ان کو اس پر شبہ ہوتا ہی نہیں بلکہ مضبوط داڑھوں سے اس کو پکڑنے والے ہیں۔

نحوی تحقیق:

نحو: جمہور کے ہاں یہ جملہ مستانفہ ہے اور وقف اِلَّا اللّٰهُ پر لازم ہے اسلئے متشابہ اس کو کہتے ہیں۔ جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

جمہور کے ہاں وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ مبتداء اور یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ یہ خبر ہے اور اس میں راسخین کے ایمان قلبی پر مدح و ثناء کی گئی ہے اور کیفیت کا سوال کرنے کے بغیر اس کی حقانیت کے اعتقاد کو سراہا گیا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ

اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو کج نہ کر دیجئے اس کے بعد کہ آپ نے ہم کو ہدایت دی، اور ہمیں اپنے پاس سے بڑی رحمت عطا فرمائیے!

اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ

بے شک آپ بہت بڑے عطا فرمانے والے ہیں، اے ہمارے رب! بیشک آپ لوگوں کو اس دن میں جمع فرمانے والے ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔ بیشک

اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ⑨

اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔

متشابہ کے نزول کا فائدہ:

سوال: متشابہات کے نزول کا کیا فائدہ ہے جبکہ اس کی حقیقی مراد معلوم نہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ کی جو اس سے مراد ہے اس کی حقانیت پر ایمان واعتقاد کرنے کا امتحان اور انسانوں کا ان چیزوں کے معلوم کرنے سے قاصر رہنا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتلائی اور مقرر کی۔

حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت اس کی تائید کرتی ہے۔

قراءت: ویقول الراسخون اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ان تاویله الا عند الله۔

دوسرا قول: بعض وقف نہیں کرتے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ راسخین فی العلم متشابہ کو جانتے ہیں مگر یہ قول سیاق قرآن سے موافقت نہیں کرتا۔ (بغوی)

نحو: ویقولون یہ جملہ مستانفہ ہے اور راسخین سے حال ہے۔ معنی یہ ہو گا یہ تاویل کا علم رکھنے والے کہتے ہیں ہم متشابہ پر یا مکمل کتاب پر ایمان رکھتے ہیں کل من عند ربنا ہر ایک متشابہ ہو یا محکم وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو کہ حکیم ہیں وہ حکمت والا جس کے کلام میں تناقض نہیں۔

وما یذکر اور نصیحت حاصل نہیں کرتے یہ اصل میں یتذکر ہے۔

اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ مگر صرف عقلوں والے ہی اس میں راسخین کے عمدہ ذہن اور حسن تامل کی تعریف کی گئی ہے۔

بعض نے کہا کہ یقولون یہ راسخین سے حال ہے۔

ترغیبِ دُعا:

۸: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا: (اے ہمارے رب تو ہمارے دلوں کو حق سے نہ پھیر کہ ان میں ٹیڑھا پن پیدا ہو جائے) بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (اس کے بعد

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور اولاد اللہ کے نزدیک کچھ بھی کام نہیں آئیں

شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ

گے، اور یہ لوگ وہ ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہیں ان کا طریقہ وہی ہے جو آل فرعون کا اور ان لوگوں کا تھا جو ان سے

قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ

پہلے تھے، ان لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ سو اللہ نے ان کو پکڑ لیا ان کے گناہوں کی وجہ سے، اور اللہ سخت

الْعِقَابِ ⑪

عذاب والا ہے۔

کہ تو نے محکم پر عمل اور متشابہ کو تسلیم کرنے کی طرف راہنمائی فرمائی) وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً (اور تو اپنی طرف سے توفیق و ثابت قدمی کی نعمت عنایت فرما) اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (بیشک آپ وہاب ہیں) یعنی بہت زیادہ ہبہ کرنے والے ہیں۔ یہ آیت راسخین کا مقولہ ہے اور جملہ مستانفہ ہونے کا بھی احتمال ہے یعنی تم اس طرح دعا کرو۔ اور بعد والا جملہ بھی اسی طرح ہے۔

الٰہ ہونا اور وعدہ خلافی متضاد ہیں:

٩: رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ (اے ہمارے رب بے شک آپ لوگوں کو جمع کرنے والے ہیں اس دن میں) یعنی لوگوں کو آپ حساب کے لیے جمع کرنے والے ہیں۔ قیامت کے دن یا قیامت کے فیصلے کے لیے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ (جس کے واقع ہونے میں شک نہیں) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (بے شک اللہ تعالیٰ وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے) میعاد کے معنی وعدہ ہے مطلب یہ ہے کہ الوہیت وعدے کی خلاف ورزی کے منافی ہے جیسے کہتے ہیں۔ ان الجواد لا يخيب سائله سخی اپنے سائل کو ناکام نہیں کرتا، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ مسلمانوں اور کفار سے ثواب وعقاب کا کیا ہے اس کی خلاف ورزی نہ فرمائیں گے۔

١٠: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (بے شک جو لوگ کافر ہوئے) رسول کا انکار کر کے لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ (ہرگز ان کو فائدہ نہیں دیں گے) یا ان سے ہرگز دور نہ کریں گے۔ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ (ان کے مال واولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کیلئے) یا چھڑانے کے لیے شَيْئًا (کچھ بھی) فائدہ نہ دینا۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ (وہ لوگ اس آگ کا ایندھن ہونگے)۔

١١: كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ، وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔ كَدَاْبِ اٰلِ

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫

آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب ہو گے اور جمع کئے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور وہ برا بچھونا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى

بلاشبہ تمہارے لئے نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو آپس میں مقابل ہوئیں ایک جماعت لڑ رہی تھی اللہ کی راہ میں اور دوسری جماعت

كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ

کافر تھی، وہ دیکھتی آنکھوں مسلمانوں کی جماعت کو دوگنی دیکھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ جس کو چاہے تائید فرماتا ہے۔ بلاشبہ

فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬

اس میں ضرور بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو آنکھوں والے ہیں۔

فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (انکی عادات فرعون اور جوان سے پہلے ہوئے ان جیسی ہیں) الدأب کا لفظ دأب فی العمل سے لیا گیا۔ جبکہ اس میں کوشش کرے۔ پس انسان کی حالت وکیفیت کی جگہ اس کو لایا گیا۔

نحو وقراءت:

کاف محلاً مرفوع ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ دَأب هؤ لاء الکفرۃ فی تکذیب الحق کدأب من قبلھم من آل فرعون وغیرھم کہ ان کفار کا طرزِ عمل حق کو جھٹلانے میں آل فرعون وغیرہ کی طرح ہے۔

یا یہ کاف محلاً منصوب ہے عامل لن تغنی ہے۔ یعنی لن تغنی عنھم مثل مالم تغن عن اولئك ان کو بھی کوئی چیز کام نہ آئے گی۔ جیسے ان کو کام نہ آئی۔

قراءت: کدأب یہ ابوعمرو کے ہاں بلا ہمزہ پورے قرآن میں پڑھا جائے گا۔

سوالِ مقدر کا جواب:

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا) یہ دابھم کی تفسیر ہے یا جوان کا انجام ہونے والا ہے اس کی تفسیر ہے۔ اس صورت میں یہ ایک سوال مقدر کا جواب بنے گا جو ان کے حالات کے متعلق پیدا ہوتا ہے کہ انکی حالت کس طور پر ان جیسی ہے اس حال میں کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو، فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا) یعنی پکڑ کا سبب گناہ تھے، عرب کہتے ہیں اخذ تہ بکذا یعنی میں نے اس پر اس کو سزا دی، بدلہ دیا۔ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: اللہ تعالیٰ سخت بدلہ والے ہیں) یعنی اس کا بدلہ بڑا سخت ہے۔ یہ اضافت اضافت محضہ نہیں ہے۔

۱۲: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (آپ کفار کو کہہ دیں)

کفار سے مراد یہاں مشرکین مکہ ہیں۔ سَتُغْلَبُوْنَ (عنقریب تم مغلوب ہوگے) یعنی بدر کے دن۔ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ (اورتم کوجہنم کی طرف جمع کیا جائے گا) یعنی گہرے کنوئیں سے جہنم کی طرف اکٹھا کریں گے۔

قراءت: حمزہ وعلی نے تُحْشَرُوْنَ کو یاء سے یُحْشَرُوْنَ پڑھا ہے۔

اس طرح ستغلبون کو سیغلبون۔ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (اوروہ بدترین ٹھکانہ ہے) مھاد مستقر کو کہتے ہیں اوروہ جہنم ہے۔

۱۳: قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ (تمہارے لئے بڑا نمونہ ہے) کُمْ سے خطاب مشرکین مکہ کو ہے۔ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا (ان دوگروہوں میں جوآپس میں ملے) یعنی بدر کے دن (معرکہ آراء ہوئے) فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے) اوروہ مؤمن ہیں وَاُخْرٰى (اوردوسرا گروہ) كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ (کافر ہے جوان کواپنے سے دوگنا دیکھتا ہے) نمبر ۱۔ یعنی مشرک مسلمانوں کواپنی تعداد سے دوگنا یعنی دوہزار دیکھتے ہیں۔

نمبر ۲: مسلمانوں کی تعداد سے دوگنا چھ سو چھبیس یا اٹھائیس، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعداد کفار کو دوگنی کرکے دکھائی تاکہ کفار مرعوب ہوں۔ اور مسلمانوں کے ساتھ لڑنے میں بزدل ہوجائیں۔

قراءت: تَرَوْنَهُمْ نافع نے پڑھا۔ مطلب یہ ہوا۔ **نمبر ۱**۔ اے مشرکین قریش تم مسلمانوں کو اپنے کافر گروپ سے دومثل دیکھتے تھے۔ **نمبر ۲**: ان مسلمانوں کی ذاتی تعداد سے دوگنا دیکھتے تھے اور یہ مفہوم سورۂ انفال کی اس آیت کے مخالف نہیں وَيُقَلِّلُكُمْ فِيْ اَعْيُنِهِمْ (الانفال۔۴۴) (وہ تمہیں تھوڑا دکھا رہا تھا ان کفار کی آنکھوں میں) کیونکہ ابتداء میں کفار نے مسلمانوں کی تعداد کو قلیل دیکھا تبھی تو جرات مند ہوکر لڑنے لگے۔ جب حملہ آور ہوگئے تو مسلمانوں کی تعداد کو زیادہ دکھایا یہاں تک کہ کفار مغلوب ہوگئے۔ گویا تقلیل وتکثیر دومختلف حالتوں میں واقع ہوئی۔ اس کی نظیر کہ مختلف حالات پر محمول کیا جائے۔ یہ آیت ہے۔ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ۔ [الرحمٰن ۳۹] اوردوسری آیت وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (الصافات ۲۴) ایک آیت میں سوال کا ہونا اوردوسری میں سوال کا نہ ہونا مذکور ہے۔ اوراس سے الگ الگ حالتیں مراد ہیں)

انکی قلت وکثرت ظاہر کرنا قدرت کو زیادہ ظاہر کرنے والا ہے۔ اورنشان قدرت اس سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔

نحو: مثلیھم حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ کیونکہ یہ دیکھنا آنکھوں سے تھا جیسا کہ رَاْيَ الْعَيْنِ سے ظاہر ہورہا ہے۔ رأی العین کا معنی کھلی آنکھوں سے جسمیں کوئی التباس نہ تھا۔ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (اوراللہ تعالیٰ اپنی نصرت سے جسکی چاہتے ہیں مدد کرتے ہیں) جیسا کہ اہل بدر کی تعداد دشمن کی آنکھوں میں زیادہ کرکے نصرت فرمائی۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ۔ (اس میں) یعنی تکثیر وتقلیل میں لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (نصیحت ہے بصیرت والوں کیلئے)

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ

خوش نما بنا دی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور بڑے بھاری مال

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ

سونے کے اور چاندی کے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتیاں، یہ دنیا والی زندگی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝۱۴

کا فائدہ اٹھانا ہے اور اللہ کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ:

۱۴: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ (لوگوں کیلئے مزین کر دیا گیا) جمہور کے نزدیک مزین کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں جیسا کہ اس ارشاد میں اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ (الکھف۔ ۷) (بیشک ہم نے زمین کیلئے جو کچھ اس پر ہے اس کو زینت بنایا تا کہ ہم ان کو آزمائیں) مجاہد کی قراءت اس کی دلیل ہے۔ زَيَّنَ لِلنَّاسِ میں فعل معروف کے ساتھ مذکور ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے فاعل الشیطان بھی مذکور ہے۔

ذریعۂ شہوات کو شہوات کہا:

حُبُّ الشَّهَوٰتِ (خواہشات کی محبت) شہوت، کسی چیز کی طرف نفس کی شدید خواہش نمبر۱۔ وہ اعیان جو ذریعۂ شہوات ہیں ان کو مبالغۃً خود شہوات کہہ دیا۔ نمبر۲۔ ان اسباب کو شہوات کہہ کر انکی حقارت وخست کی طرف اشارہ کیا کیونکہ شہوت حکماء کی نگاہ میں رذالت ہے اور اس کا پیروکار قابل مذمت ہے اور اپنے نفس پر بہیمیت کی گواہی دینے والا ہے۔ اور مشاہدہ کرنے والا ہے۔ مِنَ النِّسَآءِ (عورتوں سے) اس میں لونڈیاں بھی داخل ہیں۔ وَالْبَنِيْنَ (اور بیٹوں سے) یہ ابن کی جمع ہے۔ اس مقام کے علاوہ یہ مذکر ومؤنث ہر دو کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

یہاں صرف بیٹے مراد ہیں۔ کیونکہ طبیعت میں انکی طلب زیادہ ہوتی ہے اور عموماً دفاع بھی ماں باپ کی طرف سے یہی کرتے ہیں۔

وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ: (اور جمع شدہ خزانے) یا مدفون خزانے۔ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ: (سونے چاندی سے)

لطیف نکتہ:

سونے کو ذہب اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ خرچ کرنے سے جلد زائل ہو جاتا ہے۔ اور فضہ کو فضہ کہنے کی وجہ یہ ہے۔ وہ خرچ سے متفرق ومنتشر ہو جاتی ہے۔

لفضّ: تفریق کو کہا جاتا ہے۔ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ (اور نشاندار گھوڑے)۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

آپ فرما دیجئے کیا میں تم کو اس سے بہتر بتا دوں؟ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور بیویاں ہیں پاکیزہ، اور رضا مندی ہے اللہ کی طرف سے،

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۚ ⑮ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا

اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم ایمان لائے لہٰذا بخش دے

ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ ⑯ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ

ہمارے گناہوں کو اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا دے یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، اور سچے ہیں، اور حکم ماننے والے ہیں،

وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰

اور خرچ کرنے والے ہیں، اور راتوں کے پچھلے حصوں میں مغفرت طلب کرنے والے ہیں۔

نکتہ: خیل کو خیل کہنے کی وجہ کیونکہ وہ ناز و انداز سے چلتے ہیں۔ مسوّمہ کا معنی نشان زدہ۔ السومہ علامت کو کہتے ہیں۔ یا چرنے والے یہ اسام الدابة و سوّمھا سے ماخوذ ہوگا۔ وَالْاَنْعَامِ (اور چوپائے) اس سے مراد وہ آٹھ قسمیں ہیں (جن کا تذکرہ سورۃ انعام میں ہے) وَالْحَرْثِ (اور کھیتی) ذٰلِكَ (یہ) مراد مذکورہ اشیاء۔ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (دنیا کی زندگی کا سامان ہے) جن سے دنیا میں انسان نفع اٹھاتا ہے۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں اچھا ٹھکانہ ہے) مآب لوٹنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

۱۵: قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ۔ پھر ان کو دنیا میں زہد کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بہتر کی اطلاع و خبر نہ دوں۔ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ، (آپ فرما دیں کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں جو بہتر ہے ان تمام چیزوں سے) ان تمام سے بہتر جو مذکور ہوئیں۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ۔ (متقین کیلئے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں)

نحو: یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف دلالت ہے کہ یہ چیز مذکورہ چیزوں سے بہت بہتر ہے۔ جَنّٰتٌ مبتدا اور لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اس کی خبر ہے۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (جن کے نیچے نہریں جاری ہیں) یہ جَنّٰتٌ کی صفت ہے۔ اور للذین کا لام خیر کا متعلق بھی بن سکتا ہے۔

وجہ تخصیص:

متقین کو جَنّٰتٌ کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جنات سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں۔

نحو : جنات کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ مبتداء ھو محذوف ہے۔ جنہوں نے جنات کو کسرہ سے پڑھا۔ وہ اس کا مؤید ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خیر سے بدل ہے۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ (وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان میں پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی) رضوان کا معنی رضائے الٰہی ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ (اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والے ہیں) ان کے اعمال سے واقف ہیں۔ پس انہیں بدلہ عنایت فرمائیں گے۔ یا متقین کو اللہ تعالیٰ دیکھنے والے اور ان کے احوال سے واقف ہیں۔ اسی لئے ان کے لئے باغات تیار کیے۔

۱۶: اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ : (وہ لوگ جو کہتے ہیں)

نحو : یہ امدح فعل کی وجہ سے منصوب ہے یا محذوف مبتداء کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا متقین کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ عباد کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا (اے ہمارے رب ہم ایمان لائے) تیری دعوت کو قبول کرتے ہوئے۔ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا (تو ہمارے گناہ ہمیں بخش دے) اپنے وعدے کو پورا کرتے ہوئے۔ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا) اپنے فضل وکرم سے

صفاتِ صالحین:

۱۷۔ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ۔ اَلصّٰبِرِیْنَ (وہ صبر کرنے والے ہیں۔ طاعات پر اور مصائب پر

نحو : یہ بھی امدح فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

وَالصّٰدِقِیْنَ (وہ سچ بولنے والے) حق بات کہہ کر زبانی سچ اور احکام پر عمل کر کے فعلی سچ اور پختہ ارادہ پورا کر کے نیت سے سچائی اختیار کرنے والے ہیں۔ وَالْقٰنِتِیْنَ (اور عاجزی کرنے والے ہیں) دعوت دینے والے ہوں یا اطاعت اختیار کرنے والے ہوں وَالْمُنْفِقِیْنَ (اور وہ خرچ کرنے والے ہیں) وَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ (اور سحری کے وقت استغفار کرنے والے ہیں) یعنی نماز پڑھنے والے یا مغفرت طلب کرنے والے۔

تخصیص سحر کی وجہ:

سحری کے وقت کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے اور خلوت کا وقت بھی ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا۔ اے بیٹے! مرغا تم سے زیادہ عقل مند ثابت نہ ہو کیونکہ وہ تو سحری کے وقت اذان دے اور تو سویا رہے۔

النصف

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اللہ نے گواہی دی کہ بلاشبہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، اور فرشتوں نے اور اہل علم نے، وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہی،

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ ⑱ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

وہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے، بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو

الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

کتاب دی گئی مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا محض آپس میں ضدا ضدی کی وجہ سے، اور جو شخص اللہ کی آیات

فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ

کا انکار کرے سو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، سو اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیا

اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ

اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی آپ ان سے اور ان پڑھوں سے کہہ دیجئے کیا تم اللہ کے فرمانبردار ہوئے؟ پس اگر وہ

اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑳ ع

ع ۱۱ / ۱۰

فرمانبردار ہو جائیں تو انہوں نے ہدایت پالی، اور اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ بس پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

فَائِدَہ: نمبر ا: بار بار صفات کے درمیان واؤ کو لا کر بتلا دیا کہ وہ ہر صفت میں کامل ہیں۔ نمبر ۲۔ ہر صفت تعریف میں اپنے مقام پر مستقل حیثیت رکھتی ہے۔

سب سے بڑی شہادت:

۱۸: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

شَهِدَ اللّٰهُ (اللہ گواہ ہے) یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا یا فرمایا اَنَّهٗ (اس کا) لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَالْمَلٰٓئِكَةُ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں) اس وجہ سے کہ انہوں نے اس کی عظیم قدرت کو آنکھوں سے دیکھا۔ وَاُولُوا الْعِلْمِ (اور علم والے) یعنی انبیاء علیہم السلام اور علماء گواہی دیتے ہیں کہ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ (وہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں) وہ رزق اجل ثواب وعقاب کی تقسیم میں انصاف کرنے والے ہیں اور جو اس نے اپنے بندوں کو ایک دوسرے کے معاملے میں انصاف کا حکم دے رکھا ہے اور باہمی برابری کا فرمادیا ہے۔

نحوی تحقیق:

نمبر ۱۔ اللہ کے لفظ سے حال ہے یعنی انصاف کے ساتھ تمام مخلوق کا انتظام وانصرام کرنے کی حالت میں وہ شاہد ہے عدل کے ساتھ

نمبر ۲: ھو ضمیر سے حال ہے اس کو مفرد لانا حال کے نصب کی وجہ سے جائز ہے البتہ اس کے دونوں معطوفوں کو مفرد لانا صحیح نہیں۔ اگر تم کہو جاء زید و عمرو راکبا: یہ کہنا درست نہیں کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں البتہ اس طرح کہنا جاء نی زید و ھند راکبا تو یہ درست ہے کیونکہ تمیز مذکر لائی گئی ہے اور مؤنث مذکر کے تابع ہے۔

نمبر ۳: فعل مدح محذوف ہے اس کا یہ مفعول ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی) کو دوبارہ تاکید مزید کے لیے لایا گیا (دلائل کے بعد توحید کی طرف مزید توجہ کے لئے لائے) الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ: (وہ زبردست حکمت والا ہے) وہ اپنی حکومت میں غالب اور صنعت میں حکیم ہے۔

نحوی تحقیق:

یہ جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یعنی ھو العزیز الحکیم یہ هُوَ کی صفت نہیں کیونکہ ضمیر نہ صفت بنتی ہے نہ موصوف۔ پس معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسا زبردست کہ مغلوب نہیں ہوسکتا۔ اور ایسا حکیم کہ حق سے ادھر ادھر نہیں ہٹتا۔

۱۹: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ، وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ: (بے شک دین اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے) یہ جملہ مستانفہ ہے (یہ جمہور کی قراءت کے مطابق ہے)

قراءت: کسائی نے اَنَّ الدِّيْنَ پڑھا۔ اس صورت میں اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے بدل ہے یعنی شهد الله اَنَّ الدين الاية۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے۔

آیت کی فضیلت:

ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد نمبر ۶۔ اور طبرانی نے ضعیف سند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جس نے اس آیت کو سوتے وقت پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار مخلوق پیدا کر دیتے ہیں۔ جو اس کے لیے قیامت تک استغفار کرتے رہیں گے۔ اور جس نے اس آیت کو پڑھنے کے بعد یہ کہہ لیا میں بھی وہی شہادت دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اس شہادت کو اللہ تعالیٰ کے پاس بطور امانت رکھتا ہوں۔ یہ اسلام کی شہادت اللہ تعالیٰ کے پاس میری امانت ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے پاس میرے بندے کا عہد ہے اور میں سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والا ہوں لہٰذا میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔ (بغوی فی الدر جلد نمبر ۲)

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ: (نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی) اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد یہود و

نصاریٰ ہیں۔ان کا اختلاف یہ تھا کہ انہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا یعنی توحید کو چھوڑ کر نصاریٰ نے تثلیث اور یہود نے ابنیت عزیر کا عقیدہ بنالیا۔

اصل سببِ اختلاف:

اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَاجَآ ءَ هُمُ الْعِلْمُ (مگران کو علم ہو جانے کے بعد) کہ یہ اسلام ایسا حق ہے جس سے مفر نہیں بَغْيًا ۢ بَيْنَهُمْ (اپنے مابین عناد وحسد کی وجہ سے) یعنی

نمبر ۱: اس اختلاف کی وجہ اپنے مابین حسد کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔اور دنیاوی اغراض اور عہدوں کی طلب وجۂ اختلاف بنی اور لوگوں کی ایک جماعت کو اپنا پیر بنانا اس کا سبب تھا۔اسلام میں کسی قسم کا اشتباہ اس اختلاف کا مبنیٰ نہیں تھا۔

نمبر ۲: اختلاف سے مراد نبوت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تھی کیونکہ کچھ لوگوں نے ان میں سے آپ ﷺ کو مان لیا جبکہ دوسرے منکر ہو گئے۔

نمبر ۳: اوتوا الکتٰب سے مراد خاص یعنی نصرانی ہیں اور اختلاف سے مراد پھر عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں اختلاف کرنا ہے۔کہ ان کو یہ معلوم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔(مگر انہوں نے ان کو خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا)

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ :(جو اللہ کی آیات کا انکار کریگا) آیات سے مراد دلائل و براھین ہیں۔فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (بے شک اللہ جلد بدلہ چکانے والے ہیں)

مجادلین خاص وعام:

۲۰: فَاِنْ حَآ جُّوْ كَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ ۔ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ، وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ۔ فَاِنْ حَآ جُّوْ كَ (پس اگر وہ آپ سے اس بارے میں مجادلہ کریں) کہ اللہ تعالیٰ کا دین تو اسلام ہی ہے۔مجادلہ کرنے والوں سے مراد جمہور کے نزدیک وفد بنی نجران ہے۔فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ (تو آپ ان سے کہہ دیں میں نے اپنے نفس اور تمام اعضاء کو اللہ وحدہ کے سپرد کر دیا ہے)اور میں نے اس کی عبادت میں کسی کو شریک قرار نہیں دیا۔اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو حاجات میں پکارتا ہوں۔یعنی میرا دین تو دین توحید ہے اور یہی وہ مضبوط دین ہے جسکی صحت تمہارے ہاں بھی ثابت ہے۔جیسا کہ میرے ہاں ثابت ہے میں کوئی انوکھی چیز تو نہیں لایا۔کہ جس کی مخالفت پر تم اترے ہوئے ہو۔اور اس کی مثل یہ آیت ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَانُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔(آل عمران ۶۴)

اس میں انکی حجت بازی کا جواب ہے کہ جس پر میں اور ایمان والے قائم ہیں وہ ایسا یقین ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔پھر ان کا اس کے متعلق جھگڑا بالکل بے جا ہے۔

قراءت: مدنی، شامی، حفص، اعشیٰ، برجمی رحمہم اللہ نے وَجْهِيَ پڑھا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں اور ان لوگوں کو قتل

الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ

کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں سو ان کو آپ دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے، یہ وہ لوگ

الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کی کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔

وَمَنِ اتَّبَعَنِ (اور جو میرے پیروکار تھے انہوں نے بھی) اسلمتُ کی تاء پر اس کا عطف ہے یعنی میں نے اور میرے پیروکاروں نے اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا واؤ فاصلہ کے لیے لائی گئی ہے اور اگر واؤ کو مع کے معنی میں مان لیں تو یہ مفعول معہ بن جائیگا۔ ومن تبعنی یہ دونوں حالتوں میں آتا ہے۔ سہل و یعقوب نے وصل میں ابوعمرو کی موافقت کی ہے۔ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ (ان لوگوں کو جنہیں کتاب دی گئی، کہہ دیں) مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ وَالْأُمِّيِّينَ (اور ان پڑھوں کو) یعنی جن کے پاس کوئی کتاب نہیں، جیسے مشرکین عرب۔

استفہام توبیخی:

ءَ أَسْلَمْتُمْ (کیا تم بھی اسلام لاتے ہو) کوفی کے نزدیک دونوں ہمزوں کے ساتھ ہے

نمبر۱: اسلام کے دلائل واضح ہو چکے کیا اب تم اسلام کو قبول کرتے ہو یا اس کے بعد بھی کفر پر قائم رہتے ہو۔

نمبر۲ یہ بظاہر تو صیغہ استفہام کا ہے مگر معنی امر کا ہے کہ تم اسلام لاؤ۔ پس یہ کلام فهل انتم منتهون (سورۃ المآئدہ آیت نمبر ۹۱) کی طرح بن گیا۔ ای انتھوا گویا استفہام توبیخی ہے۔

فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا (پس اگر وہ اسلام لائیں تو وہ ہدایت پا گئے) یعنی انہوں نے ہدایت کو پالیا اس لیے کہ وہ گمراہی سے ہدایت کی طرف نکل آئے۔ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ (اور اگر وہ اسلام سے روگردانی اختیار کریں پس تمہارے ذمہ پہنچا دینا ہے) یعنی وہ تمہیں کچھ نقصان نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ آپ خبردار کرنے والے رسول ہیں۔ آپ کے ذمہ پیغام کو پہنچانا اور ہدایت کے راستے سے متنبہ کرنا ہے۔ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو خوب دیکھتا ہے) پس مؤمن و کافر میں سے ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا۔

۲۱ : إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ۔ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ (بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں) سے مراد اہل کتاب ہیں۔ جو اپنے آباؤ واجداد کے فعل قتل انبیاء پر راضی تھے۔ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ (اللہ کی آیات کے ساتھ اور انبیاء کو قتل کرتے) بِغَيْرِ حَقٍّ (ناجائز) یہ يَقْتُلُونَ کا حال مؤکد ہے کیونکہ کسی بھی نبی برحق کا قتل تو بہر حال ناحق ہی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ

اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا۔ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا

فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق اعراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ ہرگز

النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا

ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر چند گنے چنے دنوں میں، اور ان کو دھوکے میں ڈال دیا ان کے دین کے بارے میں اس چیز نے جس کو وہ افترا کرتے تھے،

جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۫ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

پس کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے اس دن جس میں کوئی شک نہیں، اور ہر جان کو اس عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

(ان کے معاملے کی شناعت بیان کردی کہ خود بھی ناحق سمجھنے کے باوجود قتل کا ارتکاب کرتے تھے ورنہ وہ اپنے ہاں قتل کی کوئی وجہ جواز نہ رکھتے تھے)۔

قتل انبیاء وزُہاد:

وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ (وہ ان لوگوں کو جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتے ہیں قتل کرتے ہیں) اَلْقِسْطِ کا معنی عدل ہے۔
قراءت: ہمزہ نے یقاتلون پڑھا ہے۔ مِنَ النَّاسِ (لوگوں میں سے) یعنی انبیاء علیہم السلام کے علاوہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل نے ۴۳ انبیاء کو ایک ساعت میں دن کے ابتدائی حصہ میں قتل کیا۔ پھر بنی اسرائیل کے زہاد کی ایک جماعت جنکی تعداد ایک سو بارہ (۱۱۲) تھی۔ انہوں نے ان قاتلین کو امر بالمعروف کیا اور ممنوعات سے روکا اور معروف کا حکم دیا چنانچہ اسی دن کے آخر میں ان تمام کو قتل کر دیا گیا۔ (ابن جریر جلد نمبر ۲)
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (پس ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو) یہ اِنَّ کی خبر ہے اور اس پر فاء اس لیے لائے کیونکہ اِنَّ کا اسم جزاء کے معنی کو متضمن ہے۔ (جس سے اس کو شرط سے مشابہت پیدا ہوگئی) گویا اس طرح کہا گیا الذین یکفرون فبشرھم معنی اس طرح ہوگا۔ جو کفر کرے گا تم ان کو خوش خبری دے دو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اِنَّ ابتدا کے معنی کو تبدیل نہیں کرتا۔ اور وہ تحقیق کا فائدہ دیتا ہے گویا اس کا داخل ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ اگر اس کی جگہ لیت اور لعل ہوتے تو فاء سے انکی خبر نہ لائی جاسکتی کیونکہ وہ جملہ خبریہ کو انشاء کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ جس سے شرط کی مشابہت فوت ہو جاتی ہے۔
۲۲: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔ (یہ وہی لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہوگئے۔ دنیا اور آخرت میں) پس دنیا میں تو لعنت و رسوائی انکا مقدر ہے۔ اور آخرت میں عذاب ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا)۔ جو بربادی اعمال اور گرفتاری عذاب سے بچا سکے نّٰصِرِيْنَ کو آیات کے وقوف کی رعایت سے جمع لائے ورنہ واحد نکرہ نفی کے عموم کو ظاہر کرتا ہے۔
۲۳۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ۔ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ

مُّعْرِضُوْنَ۔ (کیانہیں دیکھے آپ نے ایسے لوگ جو دیئے گئے کتاب کا ایک حصہ وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تا کہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان پھر ایک جماعت ان میں سے مُنہ موڑنے والی ہے)۔ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوْا سے مراد احبار یہود ہیں جنہوں نے تورات کا وافر حصہ پایا تھا مِنْ تبعیض کے لیے یا بیان کیلئے ہے یُدْعَوْنَ یہ الذین سے حال واقع ہے کتاب اللہ سے مراد تورات یا قرآن مجید ہے۔

کتاب یا نبی فیصلہ کرے:

لیحکم بینهم تا کہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ کتاب کو حاکم سبب حکم کی وجہ سے کہا گیا۔ (گویا حکم کی نسبت اسکی طرف مجازی ہے) یا وہ نبی انکے درمیان فیصلہ کرے۔ روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ انکے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور انکو اسلام کی طرف بلایا تو آپ کو نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے کہا تو کس دین پر ہے؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا ملت ابراہیم پر دونوں کہنے لگے ابراہیمؑ تو یہودی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آؤ تورات سے اس بات کا فیصلہ کرلیں۔ تو دونوں نے انکار کر دیا۔ (ابن جریر جلد نمبر ۲)

ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ (پھر ایک جماعت ان میں سے منہ موڑنے والی ہے) اس جگہ ثُمَّ استبعاد کے لیے لا کر بتلایا گیا کہ (سزائے رجم سے منہ موڑنا بہت بعید ہے) مگر وہ ہمیشہ اعراض کو اپنا مذہب بنائے رہیں گے۔

تفسیر آیت ۲۴:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ وَغَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ۔ یہ (اعراض) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کہا ہمیں ہرگز جہنم کی آگ سوائے چند دنوں کے نہ چھوئے گی اور ان کو دھوکے میں انکی افتراء پردازیوں نے ڈالا ہے) ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ روگردانی اور اعراض ہے جس کا سبب انکا عذاب کے معاملے کو معمولی قرار دینا اور چند دنوں میں جہنم سے فراغت کا گمان ہے وہ قلیل مدت چالیس دن یا سات دن ہیں۔

نحو: ذلك مبتداء بانهم اس کی خبر ہے۔ وَغَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ یعنی ان کو ان کے افتراء علی اللّٰہ نے دھوکہ میں ڈال دیا اور وہ افتراء یہ ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں وہ ہمیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے معمولی مدت سزا دے گا۔

۲۵: فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ (پس انکا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو ایک یقینی دن میں جمع کریں گے۔ اور ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کی حق تلفی نہ کی جائے گی)

فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ۔ (اس وقت میں ان کا کیا حال ہوگا جس دن کی آمد میں کوئی شبہ نہیں)

وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ جزائے اعمال مراد ہے وَهُمْ یہ جمع کی ضمیر كُلُّ کے معنی کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ کل الناس یعنی جمع کے معنی میں ہے۔ لَا یُظْلَمُوْنَ یعنی کسی انسان کی نہ نیکی میں کمی ہوگی اور نہ برائیوں میں اضافہ۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز

آپ یوں کہئے کہ اے اللہ جو ملک کا مالک ہے تو ملک دیتا ہے جس کو چاہے اور ملک چھین لیتا ہے جس سے چاہے

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِكَ الْخَیْرُ ط اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

اور تو عزت دیتا ہے جس کو چاہے اور ذلت دیتا ہے جس کو چاہے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائی ہے، بے شک تو ہر چیز پر

قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَیَّ

قادر ہے، تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور تو نکالتا ہے

مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

۲۶: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ، بِیَدِكَ الْخَیْرُ، اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (آپ کہہ دیں کہ اے اللہ جو تمام ملک کا مالک ہے تو جس کو چاہے بادشاہ بنا دے اور جس سے چاہے بادشاہت چھین لے اور تو جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی (مبارک) ہاتھ میں ہے بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے)۔

اسم جلالی کی خصوصیت:

قُلِ اللّٰهُمَّ ۔ اللّٰهم اصل میں یا اللہ ہے حرف نداء کو حذف کر کے میم بدلے میں لائے اور میم اور یاء دونوں نہیں لائے کیونکہ اصل و عوض جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ اسم جلالہ کی ایک خصوصیت ہے۔

نمبر۲: دوسری خصوصیت لام تعریف کے ساتھ حرف نداء کا آنا ہے۔

نمبر۳: تیسری خصوصیت اس کا ہمزہ قطعی ہے۔

نمبر۴: چوتھی خصوصیت یہ تفخیم کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

نمبر۵: پانچویں خصوصیت اس پر تاء قسمیہ آتی ہے۔ تَاللّٰهِ

مٰلِكَ الْمُلْكِ تو جنس ملک کا مالک ہے پس تو اس میں اس طرح تصرف کرتا ہے جس طرح بادشاہ اپنی مملوکہ چیزوں میں۔

نحو: یہ دوسرا منادیٰ ہے یامالك الملك

یہود کے تعجب کا جواب:

تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ (تو ملک میں سے جس کو جتنا تو نے اس کے لیے طے کیا ہے، دیتا ہے) وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ (یعنی تو جس سے چاہے چھین لیتا ہے) پہلا لفظ ملک عام ہے اور دوسرا اور تیسرا کل میں سے خاص ہیں روایت میں وارد ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت سے فارس روم کی سلطنتوں کا وعدہ فرمایا اس پر یہود و منافقین نے کہا بہت بعید بات ہے۔ کہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کہاں مملکت فارس و روم۔ وہ تو بڑے غلبہ اور لاؤ لشکر والے ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری، (اسباب النزول للواحدی)

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ۔ (جس کو چاہتے ہیں بادشاہی سے عزت دیتے ہیں)۔ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (اور جس کو چاہتے ہیں بادشاہی چھین کر ذلیل کر دیتے ہیں) بِیَدِکَ الْخَیْرُ۔ (تیرے ہاتھ میں خیر و شر ہے) یہاں ضدین میں سے ایک کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا (جبکہ دوسرا، خود سمجھ آ جاتا ہے) یا دوسری تفسیر یہ ہے کہ خیر کو خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ رفتار کلام کا تقاضا یہی تھا۔ کیونکہ ایمان والوں کی طرف خیر کو کھینچ کر لایا جا رہا تھا اور کفار کو یہی بات ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ پس کہا تیرے ہاتھ میں بھلائیاں ہیں جو تو اپنے دوستوں کو عنایت فرمائے گا۔ باوجود اس کے کہ تیرے دشمن اس کو پسند نہیں کرتے۔ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (تو ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے) جبکہ دوسروں کی تھوڑی بہت قدرت بھی تیری ہی قدرت کا مرہون منت ہے۔

لطیف تفسیر:

ایک اور تفسیر یہ ہے کہ ملک سے مراد سلطنت عافیت یا سلطنت قناعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے بادشاہ میری امت کے وہ لوگ ہونگے جو ایک یوم کی خوراک پر قناعت کرنے والے ہونگے یا صرف قیام لیل کا اختیار ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کائنات کے بنانے والے پر استغناء اختیار کرنا کونین سے بے پروائی اختیار کرنا ملک ہے اور عزت سے معرفت کی عزت یا استغناء باسکون یا قناعت کی عزت مراد ہے۔ اور ذلت سے انکی اضداد مراد ہیں

ربط: پھر اپنی عظیم قدرت کو دن اور رات کے تقابل سے بیان کیا۔ اور زندہ اور مردہ کو ایک دوسرے سے نکالنے کا حال بیان کیا۔ اور اس پر بطور عطف بلا حساب رزق کو لائے۔

دلائلِ قدرت:

۲۷: تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (تو رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جس کو تو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)۔ تُوْلِجُ ایلاج ایک چیز کو دوسری میں داخل کرنے کو کہتے ہیں اور یہاں وہ مجاز ہے مطلب یہ ہے کہ تو رات کے اوقات کو کم کر کے دن میں بڑھا دیتا ہے اور دن کے اوقات گھٹا کر رات میں اضافہ کر دیتا ہے۔ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ (زندہ سے مردہ) جیسے حیوان سے نطفہ اور مرغی سے انڈہ یا مؤمن سے کافر۔ (وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نہ بنائیں مؤمن کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر، اور جو شخص یہ کام کرے

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ

گا تو اللہ سے دوستی کرنے کے کسی شمار میں نہیں، مگر اس حالت میں کہ دشمنوں سے کچھ بچاؤ کرنا ہو، اور اللہ تم کو اپنے

اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

حِسَابٍ۔) (تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے) مخلوق اس رزق کی مقدار وکیت نہیں جانتی اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے تاکہ یہ دلالت ہو کہ جو ذات ان عقول کو حیرت زدہ کرنے والے افعال کی قدرت رکھتی ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہے بغیر حساب کے رزق دیتی ہے وہ ذات اس بات پر قادر ہے کہ عجم سے بادشاہی چھین لے اور ان کو ذلیل کر دے اور عربوں کو دے کر عزت دے دے۔

بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ شہنشاہ ہوں۔ اور بادشاہوں کی پیشانیاں اور قلوب میرے قبضۂ قدرت میں ہیں اگر بندے میری اطاعت کریں تو میں ان کو لوگوں پر مہربان کر دیتا ہوں اور اگر میرے نافرمان ہو جائیں تو میں ان کو لوگوں پر عذاب بنا دیتا ہوں۔ پس تم بادشاہوں کو گالی دینا مشغلہ نہ بناؤ بلکہ میری بارگاہ میں توبہ کرو، تاکہ میں ان کو تم پر مہربان بنا دوں اور ارشاد نبوی کما تکونوا یولّی علیکم (قضاعی فی مسند الشہاب) کا یہی مطلب ہے۔

قراءت: الحی من المیّت و المیّت من الحی قرآن مجید میں مدنی وکوفی قراء کے نزدیک شد سے پڑھے جائیں گے البتہ قاری ابوبکر اس طرح نہیں پڑھتے۔

۲۸: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ، وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۔ (مؤمن کافروں کو دوست نہ بنائیں، اہل ایمان کو چھوڑ کر جو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کا کچھ تعلق نہیں مگر یہ کہ (کافروں کی طرف سے تم کو کچھ شر کا اندیشہ ہو تو) تم ان سے بچنا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے)

موالاتِ کفار کی ممانعت:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مسلمانوں کو قرابت کی بناء پر کفار کے ساتھ گہری دوستی سے روکا گیا۔ یا اسلام سے قبل پائی جانے والی دوستی کی بنیاد پر ہو یا کسی بناء پر اور قرآن مجید میں یہ بات بار بار دہرائی اور حبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ ایمان میں ایک عظیم دروازہ اور موڑ ہے۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ایمان والوں کی دوستی کفار سے نہ ہونی چاہئے۔ پس کفار کو ایمان والوں پر ترجیح نہ دو۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا

آپ فرما دیجئے اگر تم چھپاؤ گے جو تمہارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو گے تو اللہ اس کو جان لے گا، اور اللہ جانتا ہے

فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۲۹ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس دن ہر شخص

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا

اپنے نیک عمل کو حاضر پائے گا اور ان کاموں کو بھی پا لے گا جو برے تھے، اس کی خواہش ہوگی کہ کاش اس کے

وَ بَیْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیْدًا ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ

اور اس دن کے درمیان بہت دور کی مسافت ہوتی، اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر

بِالْعِبَادِ ۳۰ ع

مہربان ہے

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ یعنی جو کفار کی موالات اختیار کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ دوست کی دوستی اور دشمن کی دوستی ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً (مگر یہ کہ ان کی طرف سے تمہیں ایسا معاملہ پیش آئے جس سے بچنا ضروری ہو۔) یعنی کافر کو مسلمان پر غلبہ حاصل ہو۔ اور مسلمان کو اس کی طرف سے اپنے مال و جان کو خطرہ ہو اس صورت میں ان سے موالات کرنا اور دشمنی نہ رکھنا جائز ہے۔ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (اللہ تعالیٰ بظاہر تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں) پس کفار کی موالات اختیار کر کے اپنے آپ کو غضب الٰہی کا نشانہ نہ بناؤ۔ یہ سخت وعید ہے۔ وَ اِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ (تم نے اس کی بارگاہ میں پہنچنا ہے) اور عذاب اس کے ہاں تیار ہے۔ یہ دوسری وعید ہے۔

۲۹: قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِكُم اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ، وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں اگر تم چھپاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والے ہیں) قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یعنی کفار کی ولایت وغیرہ اور جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں یَعْلَمْهُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں) یہ انتہائی بلیغ وعید ہے۔

وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ یہ جملہ مستانفہ ہے یہ جواب شرط کا معطوف نہیں (یعنی وہ وہی ذات ہے جو آسمان و زمین کی ہر چیز سے واقف ہے) اس پر تمہارا باطن و ظاہر پوشیدہ نہیں۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے پس وہ تمہاری سزا پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا، اور اللہ

غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۱﴾ قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ

غفور ہے رحیم ہے، آپ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، سو اگر وہ اعراض کریں تو بلاشبہ اللہ دوست نہیں رکھتا

الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۲﴾

کافروں کو۔

۳۰: یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا وَّ مَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَہَا وَ بَیۡنَہٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ، وَ اللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ۔ (جس روز ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی کو اپنے سامنے موجود پائے گا اور جو بدی کی ہوگی اس کو بھی سامنے موجود پائے گا۔ تمنا کریگا کاش اس کے اور اس کے برے عمل کے درمیان لمبی مسافت ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مؤمن بندوں پر بڑا مہربان ہے)

یوم کا فائدہ:

یَوۡمَ تَجِدُ تا بعیدا: نحو: نمبر ۱: یوم ظرف ہے اس کا تعلق تودّ سے ہے اور بینہ کی ضمیر یوم کی طرف ہے یعنی قیامت کے دن جبکہ ہر نفس اپنے خیر و شر کو موجود پالے گا۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس دن کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا۔

نمبر ۲: اس کا فعل اذکر محذوف ہے اور ماعملت پر اکیلا واقع ہے اور ماعملت ابتداء کی وجہ سے مرفوع اور تودّ اس کی خبر ہو گی یعنی جو برا کام اس نے کیا وہ اس کے متعلق چاہے گا کہ اس عمل اور اس کے درمیان مسافت بعید ہوتی۔ اور یہ ترکیب صحیح نہیں۔ ما شرطیہ تودّ کے مرفوع ہونے کی وجہ سے۔ البتہ اس میں کلام نہیں کہ جب شرط ماضی ہو تو مضارع جزاء پر رفع جائز ہے لیکن وہاں بھی جزم زیادہ مستعمل ہے۔ مبرد تو اس مقام پر رفع کو شاذ قرار دیتے ہیں۔

رؤف کی رأفت:

وَ اللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ نمبر ۱۔ اللہ تعالیٰ کی یہ رأفت ہے کہ ان کو اپنی ذات سے ڈرایا تا کہ وہ اپنے کو اس کی ناراضگی کے مقام پر پیش نہ کریں۔

نمبر ۲۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ارادہ کیا گیا ہو کہ باوجودیکہ وہ ایسی ذات ہے کہ اس سے ڈرا جائے کیونکہ وہ کامل قدرت والا ہے مگر اس کی وسعت رحمت امید کی آماجگاہ ہے جیسا دوسری جگہ فرمایا۔

ان ربك لذو مغفرۃ و ذو عقاب الیم فصلت آیت نمبر ۴۳ کہ تمہارا رب بے شک بخشنے والا اور دردناک عذاب والا ہے۔

۳۱: قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو تم لوگ میرا

اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے)
شانِ نزول : یہ آیت اس وقت اتری جب یہود نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے محبوب ہیں۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ۔
بندے کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو دوسری چیزوں پر ترجیح دے۔

محبت کی حقیقت :

اور اللہ تعالیٰ کے بندے سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر راضی ہو۔ اور اس کے فعل کی تعریف فرمائے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گمان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ان کے اس قول کی عمل سے تصدیق مقرر کر دیں۔

اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوے دار ہو اور سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے اور کتاب اللہ اس کی تکذیب کر رہی ہے۔ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کی محبت کا مطلب اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی دائمی خشیت اور دل کا ہمیشہ اس کی ذات اور یاد میں مصروف رہنا اور ہمیشہ اس سے موانست کا اظہار کرنا ہے۔ بعض نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت درحقیقت نبوت کی اس کے اقوال، افعال، احوال میں اتباع کا نام ہے۔ البتہ احوال مخصوصہ بالذات اس سے مستثنیٰ رہیں گے۔ ایک اور قول یہ ہے محبت کی علامت ہمیشہ سوچ و بچار، کثرت خلوت دائمی خاموشی اختیار کرنا ہے جس میں حال یہ ہو کہ جب نگاہ اٹھائے تو کچھ نہ دیکھے، جب آواز دیں تو کچھ نہ سنے اور جب دکھ پہنچے تو غم زدہ نہ ہو اور جب کوئی چیز پالے تو اترائے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور نہ کسی سے امید لگائے۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (وہ تمہارے گناہ بخش دیگا اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں)

۳۲ : قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں تم اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی۔ پس اگر منہ موڑلیں یعنی اطاعت قبول کرنے سے اعراض کریں) تَوَلَّوْا میں مضارع کے صیغہ بننے کا احتمال بھی ہے یعنی اِنْ تتولوا۔ (اگر تم منہ موڑلو)۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ۔ (پس اللہ ناشکروں کو پسند نہیں کرتے)۔ یعنی ان سے محبت نہیں کرتے)۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

بے شک اللہ نے منتخب فرما لیا آدم کو اور نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو سارے جہانوں پر

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ

بعض ان میں بعض کی اولاد ہیں، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے، جب عرض کیا عمران کی

عِمْرٰنَ رَبِّ إِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ

بیوی نے کہ اے میرے رب بے شک میں نے آپ کے لئے نذر مان لی کہ جو بچہ میرے شکم میں ہے وہ آزاد ہوگا لہٰذا آپ اس کو مجھ سے قبول فرمائیے، بے شک

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ وَضَعْتُهَآ أُنْثٰى ۗ وَاللّٰهُ

آپ ہی ہیں سننے والے جاننے والے۔ پس جب اس کو جنا تو کہنے لگیں اے میرے رب بلاشبہ میں نے اس کو لڑکی جنا ہے، اور اللہ

أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۗ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى ۚ وَإِنِّيْ سَمَّيْتُهَا

کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا، اور نہیں ہے بیٹا بیٹی کی طرح سے، اور میں نے اس کا نام رکھ دیا ہے

مَرْيَمَ وَإِنِّيْٓ أُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا

مریم، اور بے شک میں اس کو اور اس کی ذریت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے، سو اس کے رب نے قبول فرمالیا

رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّأَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا

اس بچی کو اچھی طرح کا قبول فرمانا اور اس کو بڑھایا اچھی طرح سے بڑھانا اور اس کو زکریا کی کفالت میں دے دیا۔ جب بھی

دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنّٰى

زکریا داخل ہوئے ان پر محراب میں تو پایا ان کے پاس رزق، تو انہوں نے کہا کہ اے مریم کہاں سے ہے

لَكِ هٰذَا ۗ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

یہ تیرے لئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب۔

۳۳: إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے آدم کو اور نوح علیہ السلام کو اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو تمام جہان والوں پر) بیشک اللہ تعالیٰ نے چنا آدم علیہ السلام کو جو ابوالبشر ہیں اور نوح علیہ السلام جو شیخ المرسلین ہیں۔ اور آل ابراہیم سے مراد اسماعیل و اسحاق علیہما السلام اور ان دونوں کی اولاد ہے۔

آل عمران کی مراد:

آل عمران سے موسیٰ و ہارون علیہما السلام جو دونوں عمران بن یصہر کے بیٹے تھے اور دوسرا قول یہ بھی نقل کیا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم بنت عمران بن ماثان مراد ہیں۔ان دونوں عمرانوں کے درمیان اٹھارہ سو سال کا فاصلہ ہے۔علی العالمین سے ان کے زمانوں کے لوگ مراد ہیں۔

۳۴: ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ (یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو سننے جاننے والے ہیں) ذُرِّيَّةً یہ آل ابراہیم اور آل عمران سے بدل ہے۔ بعضها من بعض ۔ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر موضع نصب میں واقع ہو کر ذریت کی صفت ہے،تقدیر عبارت یہ ہے: ان الآلين ذرية واحدة متسلسلة بعضها متشعب من بعض۔ یعنی دونوں آل ایک مسلسل لڑی ہیں۔ جو ایک دوسرے سے شاخ در شاخ چلنے والے ہیں۔ جیسے موسیٰ و ہارون عمران سے اور عمران یصہر سے اور وہ قاہث سے اور قاہث لاوی سے اور لاوی یعقوب سے اور یعقوب اسحاق سے اور اسی طرح عیسیٰ بن مریم بنت عمران بن ماثان اور یہ سلسلہ یہودا بن یعقوب بن اسحاق سے جاملتا ہے۔اور آل ابراہیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔

دوسرا قول: یہ ایک دوسرے سے دین میں متعلق ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی ہر بات سننے جاننے والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کون چنے جانے کے لائق ہے یا عمران کی زوجہ کا قول سننے والے اور اس کی نیت کو جاننے والے ہیں۔

حنہ کا تذکرہ:

۳۵: اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ (جبکہ عمران کی بی بی نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جاویگا سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے) اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (بے شک آپ سننے والے جاننے والے ہیں)۔

اِذقَالَتِ : نحو : اِذ عَلِيْمٌ کا ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یا اُذکر محذوف کا ظرف ہے۔ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ یہ عمران بن ماثان کی بیوی ہے جو حضرت مریم کی والدہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی نانی ہے۔اس کا نام حنہ بنت ناقوذا ہے۔رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا (اے میرے رب میں نے اپنے اوپر واجب کرلیا)

نحو : یہ ما بمعنی الذی۔ ذوالحال ہے اور محررًا اس کا حال ہے۔یعنی بیت المقدس کی خدمت کیلئے اسکو آزاد چھوڑ دوں گی۔ جس پر مجھے کچھ بھی اختیار نہ ہوگا اور نہ ہی میں اس سے خدمت لوں گی۔ یہ نذر انکی شریعت میں درست تھی۔ یا عبادت کیلئے اسکو فارغ کر دونگی۔ دنیا کے جھمیلوں سے اس کو سروکار نہ ہوگا۔ جیسے محاورہ میں کہتے ہیں۔ طِيْنٌ حُرٌّ یعنی خالص مٹی ۔ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ۔

قراءت: ابوعمرو اور مدنی نے مِنِّیَ پڑھا ہے۔ التقبل کسی چیز کو رضامندی سے لینا۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (بیشک آپ ہر بات کو سننے اور جاننے والے ہیں)

۳۶: فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی (پھر جب لڑکی جنی کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی) وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی وَاِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ

الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا ، ھا ضمیر مافی بطنی یعنی حمل کی طرف راجع ہے،مؤنث حاملہ یا نفس یا نسمہ کے اعتبار سے لائی گئی۔قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی یہ وَضَعْتُھَاکی ضمیر سے حال ہے۔یعنی حاملہ یا نفس یا نسمہ نے لڑکی جنی۔حنہ نے یہ بات بطور معذرت کہی کیونکہ لڑکیوں کی نذر کا رواج نہ تھا۔اس نے غمزدہ ہوکر حسرت ورنج سے یہ بات کہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حسرت پر تسلی:

واللّٰہ اعلم بما وضعت (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا) اس کلام سے پیدا شدہ بچی کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جو بچی اس نے جنی ہے۔اور جو عظیم معاملات اس سے متعلق ہیں۔

قراءت:وَضَعْتُ شامی اور ابوبکر نے اس طرح پڑھا۔کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو میں نے بچی جنی ہے شاید اس کی اس میں کوئی حکمت اور کوئی راز ہے۔اس قراءت کے مطابق یہ سابقہ قول حنہ سے متعلق ہوگا اور پہلی قراءت کے مطابق اُنْثٰی پر وقف کیا جائے گا۔اور واللّٰہ اعلم یہ جملہ ابتدائیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشینگوئی ہے۔

لَیْسَ الذَّکَرُ :(نہیں ہے وہ مذکر) جو تم نے طلب کیا، کَالْاُنْثٰی (اس عورت کی طرح) جو اس کو دی گئی ان دونوں میں الف لام عہد کا ہے۔وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ (اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا) اس کا عطف انی وضعتھا انثٰی پر ہے۔درمیان میں دونوں جملے معترضہ ہیں۔حنہ نے اس کا نام مریم رکھا۔کیونکہ انکی زبان میں مریم عابدہ کو کہتے تھے۔یہ نام رکھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ مانگا کہ وہ اس کی حفاظت فرما کر اسم بامسمّٰی بنادے۔

اور اسکے متعلق اس کا گمان سچا کردے۔کیا تم غور نہیں کرتے کہ اس نے اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کی پناہ شیطان سے اسکے لئے اور اسکے لڑکے کیلئے ان الفاظ سے طلب کی اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (کہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان ملعون سے تیری پناہ میں دیتی ہوں) حدیث میں وارد ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے ولادت کے وقت شیطان اس کو چوک لگاتا ہے۔جس سے وہ چیختا ہے۔سوائے مریم اور اسکے بیٹے کے۔(بخاری،مسلم،احمد)

قراءت:مدنی نے اِنِّیْ کو اِنِّیَ پڑھا ہے۔

۳۷: فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِیَّا۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ، قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (پس ان کو ان کے رب نے بوجہ احسن قبول فرمالیا اور عمدہ طور پر ان کو نشوونما دیا اور زکریا کو ان کا سرپرست بنایا جب کبھی زکریا ان کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے تو یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں)۔فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا (اللہ تعالیٰ نے مریم کو قبول کرلیا) اور مذکر کی جگہ اس کی نذر پر راضی ہوگیا۔

اعلیٰ قبولیت کا راز:

بقبول حسن اچھی طرح قبول کرنا،قبول اس چیز کو کہتے ہیں۔جس سے کسی چیز کو قبول کرتے ہیں (کشادہ روئی ومسرت) جیسے

سعوط وہ دوائی جوناک میں ڈالی جاتی ہے قبول حسن سے مراداللہ تعالیٰ کا وہ مخصوص معاملہ کہ مریم کو مذکر کی جگہ قبول کرلیا گیا۔اس سے پہلے کسی عورت کواس مقصد کیلئے قبول نہ کیا گیا تھا۔یادوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کی والدہ سے ولادت کے بعد پرورش سے قبل ہی نگرانی میں لے لی گئی حالانکہ اس وقت بیت المقدس کی خدمت کے قابل نہ تھیں ۔روایت میں ہے کہ جب حنہ نے اس کو جنا تو کپڑے میں لپیٹ کرمسجد کی طرف اٹھالائیں اوراحبار کی خدمت میں جو ہارون علیہ السلام کی اولاد تھے رکھ دیا۔جبکہ وہ بیت المقدس میں تھے۔جیسا کہ حجاب کعبہ (بنوعبدالدار)اوران کو کہنے لگی لو یہ نذیرہ ہے مریم چونکہ ان کے امام اورقربانی کے ذمہ دار کی بیٹی تھی اس لئے سب نے ان کو لینے کی بڑھ چڑھ کرخواہش ظاہر کی کیونکہ بنو ماثان بنی اسرائیل کے سرداراوران کے علماء تھے۔اس پرزکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کا تم سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میرے نکاح میں اس کی والدہ کی بہن ہے انہوں نے کہا اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ قرعہ اندازی نہ کرلیں وہ چل دیئے انکی تعداد ستائیس (۲۷) تھی۔دریا پر پہنچ کرانہوں نے اپنے قلم ڈال دیئے۔ زکریا علیہ السلام کا قلم پانی کے اوپر بلند ہوا اور دوسروں کے قلم پانی میں بہہ گئے۔پس اس کی کفالت زکریا علیہ السلام کے سپرد ہوئی۔بعض نے کہا کہ قبول مصدر ہے اوراس کا مضاف محذوف ہے۔یعنی فتقبلها بذی قبول حسن یعنی اس کوایسے امر سے قبول کیا جواچھی قبولیت والا تھا۔اوروہ اس کا خاص کرنا (خصوصیت پیدا کرنا) تھا۔وَ انبتها نباتا حسنا ۔اللہ تعالیٰ نے مریم کواچھی بالیدگی سے بڑھایا۔یہ جملہ تربیت حسنہ سے مجاز ہے۔

ابن عطاء کہتے ہیں کہ اس کا عیسیٰ جیسا ثمرہ دینا یہی احسن نبات تھی یا ابتداء کے برخلاف یہ مصدر ہے۔یا تقدیرعبارت یہ ہے کہ فنبتت نباتاً. کفلها اس کوقبول کرلیا۔یا اسکے سنبھالنے کی ذمہ داری لے لی۔

قراءت: کوفی نے کَفَّلَهَا پڑھا یعنی كفّلها الله زكريا۔یعنی اللہ تعالیٰ نے زکریا کواس کا کفیل بنادیا۔اوراس کی مصلحتوں کا ضامن مقرر کردیا۔اس صورت میں زکریا مفعول ہے۔

زَكَرِيَّا ۔کوفی اس کوتمام قرآن میں مقصور پڑھتے ہیں۔سوائے ابوبکر کے اورابوبکر نے یہاں مداورنصب سے پڑھا اور دوسروں نے مداوررفع سے جیسا کہ ثانیہ اورثالثہ،عبرانی زبان میں زکریا کا معنی ہمیشہ ذکروتسبیح کرنے والا۔

محراب سے مراد:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ کہا گیا ہے کہ زکریا علیہ السلام نے مریم کیلئے مسجد میں ایک کمرہ بنوایا تھا وہ ایسا کمرہ تھا جس میں سیڑھی لگا کر چڑھا جا سکتا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محراب اصل میں بہترین اوراعلیٰ بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں گویا انہوں نے بیت المقدس کے اعلیٰ ترین مقام پراسکے لئے کمرہ بنوایا۔ایک قول یہ بھی ہے کہ انکی مساجد کومحاریب کہتے تھے۔اورحضرت زکریاؑ اکیلے مریم کے پاس جاسکتے تھے۔ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقاً مریم علیہا السلام کا رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت سے اتارا جاتا۔مریم علیہا السلام نے ایک دن بھی پستان کومنہ میں نہیں لیا۔زکریا علیہ السلام اسکے ہاں سردیوں کے پھل گرمیوں میں پاتے اورگرمیوں کے پھل سردیوں میں۔قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا یہ رزق تمہیں کہاں سے ملا جو کہ دنیا کے ارزاق کے مشابہ نہیں۔یہ اپنے وقت کے علاوہ میسر ہونے والا ہے۔قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً

اس موقعہ پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا اے میرے رب مجھے آپ اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا

طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ

فرما دیجئے بلاشبہ آپ دعا سننے والے ہیں، پس فرشتوں نے ان کو آواز دی اس حالت میں کہ وہ کھڑے ہوئے

يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ

محراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بلاشبہ اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے وہ اللہ کے کلمہ کی تصدیق

مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

کرنے والا ہو گا اور سردار ہو گا اور عورتوں سے دور رہنے والا ہو گا۔ اور نبی ہو گا صالحین میں سے، وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب کہاں سے

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكَ

ہو گا میرے لڑکا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح

اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۗ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک

النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۗ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۱۱/۱۲

لوگوں سے بات نہ کرے گا مگر صرف اشارہ سے، اور یاد کر اپنے رب کو کثرت کے ساتھ اور اللہ کی پاکی بیان کر شام اور صبح۔

اللّٰہِ مریم نے جواب دیا اس کو بعید مت سمجھو۔ بعض نے کہا کہ مریم علیہا السلام نے بچپن میں یہ کلام کیا۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے پنگھوڑے میں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ یہ مریم کے کلام کا حصہ ہے یا کلام رب العالمین ہے، بِغَيْرِ حِسَابٍ بغیر اندازہ کے کیونکہ یہ بہت ہے یا محض بطور عطیہ ملا ہے۔ اس پر پوچھ گچھ نہ ہوگی اور استعمال پر باز پرس نہ ہوگی۔

بے وقت پھل کی تمنا:

۳۸: هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (اس موقعہ پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا اے میرے ربّ مجھے آپ اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما دیجئے بلاشبہ آپ دعا سننے والے ہیں۔) هُنَالِكَ یعنی اسی جگہ جہاں وہ مریم کے پاس حجرہ میں تشریف فرما تھے یا اسی وقت جب وہ حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ هُنَا یہاں استعارۃً لایا گیا حیث اور ثم زمان کیلئے آتے ہیں۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کا مرتبہ اور انکی کرامت دیکھی تو اس بات کی طرف رغبت پیدا ہوئی کہ انکی بیوی ایشاع سے اللہ تعالیٰ ایک بیٹا عنایت فرمادے جس طرح حنہ کو مریم علیہا السلام عنایت کی ہے۔ جو بارگاہ الٰہی میں شان والی ہے۔ اگرچہ ایشاع بوڑھی بانجھ ہوچکی ہے کیونکہ مریم علیہا السلام کی والدہ بھی عمر کے اسی اسٹیج پر تھیں۔

دوسروں نے یہ کہا جب بے وقت پھل مریم سلام اللہ علیہا کے پاس دیکھے تو بانجھ کے ہاں بیٹے کے تولد پر انتباہ ہوا۔ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً ، ذُرِّيَّةً کا لفظ واحد وجمع دونوں کے لئے آتا ہے۔ مراد اس سے لڑکا ہے۔ طَيِّبَةً مبارک، طیبہ کا لفظ تانیث کی صورت میں ذریت کے لفظ کا لحاظ کرکے لایا گیا ہے۔

اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (تو دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے)

۳۹: فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ، (کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمة اللّٰہ کی تصدیق کرنے والے ہونگے اور مقتداء ہونگے اور اپنے نفس کو بہت روکنے والے ہونگے اور نبی بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہونگے) فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ، (پس پکار کے کہا ان سے فرشتوں نے)

قول اول: جبرئیل علیہ السلام نے ان کو آواز دی۔ الْمَلٰٓئِكَةُ کا لفظ لایا گیا کیونکہ معنی یہ ہے کہ ان کو اسی جنس کی آواز سنائی دی۔ جیسا کہتے ہیں: فلان یرکب الخیل ،فلاں گھوڑے پر سواری کرتا ہے۔ فَنَادٰتهُ امالہ اوریا سے پڑھا گیا علی وحمزہ نے اسی طرح پڑھا وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ جبکہ وہ کھڑے حجرے میں نماز ادا کررہے تھے۔

مَسْئَلَه: اس میں دلیل ہے کہ مرادیں نمازوں کے ساتھ مانگی جاتی ہیں۔ اور نمازوں میں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے اور حاجات پوری ہوتی ہیں۔

ابن عطاء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے پر جو عمدہ حالت کھولی ہے۔ وہ اوامر الٰہی کی اتباع اور طاعات میں اخلاص سے میسر آئی ہے۔ اور خلوت گزینی سے ملی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ شامی اور حمزہ نے قال کو مضمر مان کر اِنَّ پڑھا ہے یا اس وجہ سے کہ ندا قول ہے۔ باقی قراء نے فتحہ سے پڑھا یا با کو محذوف مان کر (بِاَنَّ اللّٰهَ) يُبَشِّرُكَ قراءت حمزہ اور علی نے يَبْشُرُكَ پڑھا تشدید اور تخفیف دونوں لغتیں ہیں۔ بِيَحْيٰى میں یحییٰ غیر منصرف ہے جبکہ اس کو عجمہ مانیں۔ تو اس میں دو سبب عجمہ اور علم پائے جاتے ہیں جیسا موسیٰ عیسیٰ (ان میں الف مقصورہ بھی دو سبب کے قائم مقام موجود ہے) اور اگر یہ عربی ہیں تو تعریف و وزن فعل جیسا کہ یعمر میں ہے۔

مصداق کلمۃ اللہ:

مُصَدِّقًا یہ یحییٰ سے حال ہے بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ کلمہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یعنی وہ عیسیٰ علیہ السلام کا مصدق ہوگا۔ اور ان پر پہلا ایمان لانے والا ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کا خطاب دیئے جانے کی وجہ ان کی کلمۂ کُنْ سے بن باپ ولادت ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کے ساتھ تصدیق کرنے والے اور اس کی طرف سے ملنے والی کتاب پر ایمان لانے والے ہونگے۔ وَسَيِّدًا وہ اپنی قوم کی سیادت و سرداری کرنے والے ہونگے اور شرافت میں ان سے فوقیت لے جانے والے ہونگے۔ حضرت یحییٰ اپنی قوم

میں سبقت لے جانے والے تھے کیونکہ انہوں نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا تھا انکی قیادت کتنی شاندار تھی۔حضرت جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ سید وہ ہے جس نے دونوں جہاں کے عوض خالق کو لے لیا ہو۔وَّ حَصُوْرًا وہ شخص جو عورتوں کے قریب نہ جائے۔قدرت کے باوجود اپنے نفس کو روکے یعنی نفس کو خواہشات سے روکنے والا ہو۔وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ نیکوں سے پیدا ہونے والے ہونگے کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کی صلب سے تھے۔یا من جملہ صالحین میں سے ہونگے۔

۴۰:قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ، قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ (کہا اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لئے لڑکا) یہ عادت کے اعتبار سے استبعاد کا اظہار ہے اور قدرت کو عظیم ترقرار دینا ہے۔شک ظاہر کرنا نہیں۔وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ (پس تحقیق مجھے بڑھاپا پہنچ چکا) جیسا کہتے ہیں ادر کته السن العالية یعنی وہ بڑی عمر کا ہو گیا۔اب مطلب یہ ہوا کہ مجھ میں بڑھاپے کا اثر ہو گیا اور اس نے مجھے ضعیف کر دیا۔اس وقت انکی عمر ۹۹ سال تھی۔اور بیوی کی عمر ۹۸ سال تھی وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ (اور میری بیوی بانجھ ہوگئی) یعنی بچہ جننے کے قابل نہیں رہی۔قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں افعال عجیبہ ظاہر کرتے ہیں)۔

۴۱:قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۔ (انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے سوائے اشارہ کے اور اپنے رب کو بکثرت یاد کرنا اور تسبیح کرنا دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ ابو عمرو اور مدنی نے لِيَ پڑھا۔اٰيَةً آیت سے مراد ایسی نشانی ہے جس سے میں حمل کو پہچان لوں اور نعمت کا استقبال شکریے سے کروں۔

انسانی گفتگو میں زبان کا اللہ کی قدرت سے رکنا:

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ یعنی لوگوں سے کلام پر قدرت نہ رہے گی۔ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا۔مگر ہاتھ سے اشارہ یا سر سے یا آنکھ سے یا ابرو سے اشارہ۔رمز کا اصل معنی حرکت دینا ہے کہا جاتا ہے۔ارتمز اس نے حرکت دی۔رمز کو استثناء کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جنس کلام سے نہیں البتہ اگر ایذاء کی حد تک پہنچ جائے اور اس سے وہی سمجھا جائے جو کلام سے سمجھا جاتا ہے تو اس کو کلام کہتے ہیں۔ یا یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔لوگوں سے گفتگو کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں کے ساتھ گفتگو پر انکی زبان کو قدرت نہ ہوگی مگر ذکر اللہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اسی لئے فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ یعنی لوگوں کے ساتھ گفتگو سے عاجزی کے زمانہ میں تم خوب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو۔یہ کھلی نشانیوں اور واضح دلائل میں سے ہے کہ ان کی زبان کو لوگوں کے ساتھ گفتگو سے روک دیا گیا۔تاکہ اس زمانے کو وہ ذکر کیلئے خاص کر دیں۔اور اپنی زبان کو اور کسی چیز میں مشغول نہ کریں، گویا کہ جب شکر کیلئے انہوں نے نشانی طلب کی تو ان کو بتلا دیا گیا کہ انکی زبان شکریہ کے علاوہ ہر چیز سے رک جائے گی۔ بہترین جواب وہی ہوتا ہے جو سوال سے ہی اخذ کیا جائے۔اَلْعَشِيِّ زوال سے غروب تک کا وقت اَلْاِبْكَارِ طلوع فجر سے چاشت تک کا وقت ۔

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى

اور جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ نے تجھے منتخب فرما لیا اور پاک بنا دیا اور سب جہانوں کی

نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

عورتوں کے مقابلہ میں تم کو چن لیا، اے مریم تم اپنے رب کی فرمانبرداری کرتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔

۴۲: وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ (اور جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم) اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ۔ اس کا عطف اذ قالت امراۃ عمران پر ہے یا اذکر محذوف کا یہ ظرف ہے۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ (روایت میں کہ انہوں نے رودررو کہا) اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ (بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے چھانٹ لیا) پہلی مرتبہ اسی وقت جب تمہاری ماں سے تمہیں قبول کرلیا اور تیری تربیت کی اور شاندار کرامات سے تجھے نوازا۔ وَطَهَّرَكِ (اور تجھے پاک رکھا) ناپاک افعال سے۔

منفرد فضیلت:

وَاصْطَفٰكِ (اور ثانیاً تجھے چنا) عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (تمام جہان کی عورتوں پر) وہ اس طرح کہ تجھے بلا باپ عیسیٰ بیٹا عنایت کردیا اور یہ فضیلت کسی اور عورت کو حاصل نہیں۔

۴۳: يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ (اے مریم تو عاجزی کر اپنے رب کیلئے) یعنی ہمیشہ اطاعت گزاری اختیار کر۔ یا نماز میں طویل قیام کر۔ وَاسْجُدِيْ (اور تو سجدہ کر) یہ بھی کہا گیا کہ ان کو قیام و سجود کا حکم دے کر نماز ہی کا حکم دینا مقصود ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نماز کے ارکان میں سے ہیں پھر انہیں فرمایا گیا۔

مرتبہ جماعت:

وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (پھر رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر) یعنی تمہیں نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے یعنی جماعت کے ساتھ یا دوسری تفسیر یہ ہے کہ من جملہ نمازیوں کے ساتھ تو بھی اپنے کو منظم کر اور ان میں اپنے کو گن اور شمار کر۔ اور ان کے علاوہ اور لوگوں میں اپنے آپ کو شمار نہ کر۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں　اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جب

يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

کہ وہ ڈال رہے تھے اپنی قلموں کو کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے۔　اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جس وقت

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٤﴾

کہ وہ جھگڑ رہے تھے۔

۴۴: ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ۔ ذٰلِكَ کا مشارالیہ حنہ مریم اور زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کے واقعات ہیں۔ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (یہ غیب کی اطلاعات ہیں جو ہم وحی کے ذریعہ آپ کے پاس بھیج رہے ہیں) جو ان غیوبات میں سے ہیں جن کو وحی کے سواء آپ نہ جانتے تھے۔

اقلام کی مراد:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے) اقلام سے ازلام یعنی تیر مراد ہیں۔ جبکہ قرعہ اندازی کیلئے انہوں نے دریا میں ڈالے یا وہ قلم تھے جن سے تورات کو لکھتے تھے۔ ان قلموں کو بطور تبرک قرعہ اندازی کیلئے استعمال کیا۔ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ (کہ ان میں سے کون مریم کا کفیل بنے گا) اَيُّهُمْ کا متعلق ینظرون محذوف ہے یلقون اس پر دلالت کر رہا ہے۔ گویا عبارت اس طرح تھی یلقونها ینظرون ایهم یکفل مریم یا لیعلموا محذوف ہے یا یقولون محذوف ہے وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (اور آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ وہ جھگڑا کر رہے تھے) یعنی مریم کے بارے میں پرورش کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ

جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ تمہیں خوشخبری دیتا ہے ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہو گا اس کا نام

الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ

مسیح ہو گا وہ عیسیٰ ابن مریم ہو گا۔ وہ دنیا اور آخرت میں باوجاہت ہو گا اور

الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۴۵ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۴۶

مقربین میں سے ہو گا اور وہ لوگوں سے بات کرے گا گہوارہ میں اور بڑی عمر میں، اور وہ صالحین میں سے ہو گا۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ

وہ کہنے لگیں کہ اے رب میرے لڑکا کس طرح ہو گا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا، فرمایا اللہ اسی طرح

اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۴۷

پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرما دے، تو فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

۴۵: اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ (جب فرشتوں نے کہا) یہ اذ اُذکُرْ فعل کا ظرف ہے۔ یٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ (اے مریم بیشک اللہ تعالیٰ تجھے ایک ایسے کلمہ کی خوشخبری دے رہے ہیں جس کا نام مسیح ہوگا) کلمہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں مِنْهُ یہ موضع جر میں کلمہ کی صفت ہے اسْمُهٗ یہ مبتداء ہے کلمہ کیلئے ضمیر مذکر کی لائی گئی کیونکہ مراد مذکر ہے۔

مسیح ایک عظیم لقب:

الْمَسِيْحُ یہ مبتداء کی خبر ہے۔ یہ جملہ موضع جر میں کلمہ کی صفت ہے۔ مَسِيْحُ یہ عظیم الشان لقب ہے جیسا صدیق وفاروق عبرانی زبان میں اصل یہ مِشِیْحاً ہے اس کا معنی مبارک ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ و جعلنی مُبارکاً این ماکنت (مریم ۔۳۱) میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو مسیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جس کسی بیمار دکھی کو ہاتھ لگاتے وہ صحیح ہو جاتا۔ (ان دونوں صورتوں میں مادہ مَسْح ہوگا یا تیسرا قول یہ ہے کہ سیاحت کرتے اور کسی جگہ مستقل قیام اختیار نہ کرتے (اس صورت میں سیاحت مادہ ہے) عیسیٰ یہ مسیح سے بطور بدل لایا گیا۔ ابْنُ مَرْيَمَ یہ مبتداء محذوف هُوَ کی خبر ہے۔ یہ عیسیٰ کی صفت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ انکا نام عیسیٰ ہی کافی ہے۔ انکا نام عیسیٰ ابن مریم نہیں۔ ابن مریم اس لئے لائے کیونکہ وہ بغیر باپ پیدا ہوئے پس انکی نسبت ماں ہی کی طرف ہوگی۔ وَجِيْهًا (وہ باعزت و باوجاہت ہونگے) فِى الدُّنْيَا (دنیا میں) نبوت اور اطاعت کے ساتھ وَالْاٰخِرَةِ (اور

آخرت میں) بلند درجات اور شفاعت کے ساتھ ۔ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ (وہ مقربین میں سے ہونگے) ان کو اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف اٹھائیں گے ۔

نحو : وَجِیْھًا یہ کلمہ سے حال ہے ۔ کیونکہ کلمہ نکرہ موصوفہ ہے اس طرح مقربین بھی ثابتاً کے متعلق ہو کر حال دوم ہے ۔ اور ویکلم الناس بھی مکلمًا کے معنی میں حال ثالث ہے اور فی المھد یہ یکلم کی ضمیر سے حال ہے ۔ ای ثابتًا فی المھد ۔ اور و من الصالحین بھی ثابتاً سے متعلق ہو کر حال ہے ۔

کلام مہد و کہولت :

۴۶ : وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ، وَیُکَلِّمُ النَّاسَ (وہ لوگوں سے پنگھوڑے میں کلام کرے گا اور کہولت میں) الْمَھْدِ ، پنگھوڑا جو بچے کو لٹانے کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ یہ مھد ہے مگر بطور اسم استعمال ہوتا ہے ۔ وَکَھْلًا اس کا عطف مھد پر ہے یعنی یکلم الناس طفلاً و کھلاً یعنی وہ ان دونوں حالتوں میں یکساں کلام کرے گا ۔ جیسا انبیاء علیہم السلام کلام کرتے ہیں طفولیت و کہولت کے کلام میں فرق نہ ہوگا کہولت وہ زمانہ ہے جس میں عقل پختہ ہوتی اور نبوت ملتی ہے ۔ وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (اور شائستہ لوگوں میں سے ہوگا) یہ بھی حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتے ہیں وہ ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا ۔

۴۷ : قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (کہا اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لیے بچہ حالانکہ مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا ۔ کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں ۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے) یعنی جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو بغیر تاخیر کے بنا ڈالتا ہے ۔ لیکن اس کی تعبیر لفظ کُنْ سے فرما کر اشیاء کے بنانے میں سرعت و تیزی کی خبر دی گئی ہے ۔

وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَ رَسُوْلًا اِلٰى

اور اللہ سکھا دے گا اس کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل، اور بنا دے گا اس کو رسول بنی

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ

اسرائیل کی طرف، بنی اسرائیل سے ان کا یہ خطاب ہوگا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر، کہ بلاشبہ میں بناتا ہوں

لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک چیز پھر اس میں پھونک دیتا ہوں تو وہ پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے،

وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ

اور اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو، اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے، اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں

بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور ذخیرہ رکھتے ہو اپنے گھروں میں، بلاشبہ اس میں تمہارے لئے نشانی ہے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ۚ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ

اگر تم ایمان قبول کرنے والے ہو، اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو تورات ہے اور تاکہ میں حلال کروں

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا

تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئیں، اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے، لہٰذا تم اللہ

اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

۴۸، ۴۹: وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ، اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (اور وہ اس کو کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دے گا اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی ایک نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی کی ایک مورت بناؤں گا پرندہ کی شکل جیسی پس اس

صورت میں میں پھونک مارونگا پس وہ پرندہ بن جائیگی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اور نابینا اور کوڑھی کو تندرست کرونگا اور مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرونگا اور تمہیں جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ گھروں میں جمع رکھتے ہو بتاؤں گا۔ بیشک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مؤمن ہو)۔

قراءت ونحوی تحقیق:

قراءت: يُعَلِّمُهُ مدنی و عاصم نے اسی طرح پڑھا وجیھًا پر عطف کی وجہ سے یہ موضع حال میں ہے۔ باقی قراء نے نون کے ساتھ پڑھا اور اس کو ابتدائی کلام قرار دیا۔ الکتاب سے مراد کتابت ہے آپ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ خوبصورت خط والے تھے اور دوسرا قول یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں مراد ہیں۔ اَلْحِكْمَةَ حلال وحرام کی وضاحت یا کتاب سے مراد ہاتھ سے لکھنا اور حکمت سے مراد زبان سے اس کی وضاحت کرنا،

التوراة و الانجیل ۔ وَرَسُوْلًا نحو : یہ فعل محذوف کا مفعول ہے یا یہ موضع حال میں ہے وَرَسُوْلًا پر عطف ہے۔ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ۔ بآ اس سے قبل محذوف ہے۔ نِّيْ ۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ آیت سے مراد ایسی دلالت جو میرے دعویٰ نبوت میں سچائی پر دلالت کرے۔

اَنِّيْٓ اَخْلُقُ نحو : نمبر ا۔ یہ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ سے بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا نمبر ۲۔ بِاٰيَةٍ کا بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے یا نمبر ۳۔ یہ ھی مبتداء محذوف کی وجہ سے مرفوع ہے۔

قراءت: نافع نے جملہ مستانفہ قرار دے کر اِنِّيْ پڑھا ہے۔

معجزات عیسوی:

مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ میں تمہارے لئے پرندے جیسی شکل کا اندازہ کرونگا فَاَنْفُخُ فِيْهِ اس میں ہ کی ضمیر کاف کی طرف جا رہی ہے۔ یعنی اس پرندے کی مماثل شکل میں فَيَكُوْنُ طَيْرًا پس وہ تمام پرندوں کی طرح پرندہ بن جائیگا۔

قراءت: مدنی نے طَيْرًا کو طائرًا پڑھا ہے۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض نے کہا کہ انہوں نے سوائے چمگادڑ کے اور کوئی پرندہ نہ بنایا۔ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ ۔ اکمہ پیدائشی نابینا وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ کے لفظ کو بارے دیگر لا کر الوھیت کے وہم کو دور کر دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے سام بن نوح علیہ السلام کو لوگوں کے سامنے زندہ کیا۔ اس پر لوگوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے پس تم کوئی نشانی دکھاؤ تو آپ نے فرمایا اے فلاں! تو نے فلاں چیز کھائی ہے اور اے فلاں تیرے لئے فلاں چیز چھپا کر رکھی گئی ہے جیسا اس آیت میں ہے وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۔ مَا دونوں جگہ الَّذِيْ کے معنی میں ہے یا مَا مصدر یہ ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ۔ ذٰلِكَ کا مشار الیہ ماسبق اشیاء ہیں لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

۵۰: وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو کہنے لگے کہ کون ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کی طرف، حواریوں نے

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم فرمانبردار ہیں،

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو آپ نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کا اتباع کیا آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرنے والے ہیں۔

وَاَطِيْعُوْنِ۔ اور میں تمہارے پاس ایسی حالت میں آیا ہوں کہ اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور میں اس لئے آیا ہوں کہ بعض چیزیں جو تمہارے لئے حرام کر دی گئی تھیں ان کو حلال کروں۔ اور میں تمہارے پاس ایک بڑی نشانی لے کر آیا ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ یعنی میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں اور تمہارے پاس مصدق بن کر آیا ہوں۔

بعض حلال کردہ اشیاء:

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ یہ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی میں تمہارے پاس ایک نشانی لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں تا کہ میں تمہارے لئے حلال کر دوں جو اللہ تعالیٰ نے شریعت موسوی میں حرام قرار دی ہیں۔ مثلاً چربیاں اونٹ کا گوشت مچھلی اور ہر ناخن والا جانور۔ ان میں سے بعض کو عیسیٰ علیہ السلام نے حلال کر دیا۔ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ یہ دوبارہ تاکید کیلئے لائے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ تم میری تکذیب ومخالفت میں خدا سے ڈرو۔ وَاَطِيْعُوْنِ اور میرے حکموں کی اطاعت کرو۔

۵۱: اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ (بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے) یہ اقرار عبودیت ہے اور اپنے سے ربوبیت کی نفی ہے برخلاف اس کے جو نصاریٰ گمان کرتے ہیں۔

فَاعْبُدُوْهُ تم اس ہی کی عبادت کرو نہ کہ میری هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۔ (یہ سیدھا راستہ ہے) جو چلنے والے کو جنت کی قائم رہنے والی نعمتوں تک پہنچا دے گا۔

تکذیب کے وقت معاونت کی اپیل:

۵۲: فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (جب عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف سے تکذیب اور کفریہ کلمات سنے تو کہا کون میری مدد کرنے

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى

اور ان لوگوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔ جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے عیسیٰ

اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ

میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا، اور جن

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ان کو غالب رکھوں گا قیامت کے دن تک ان لوگوں پر جنہوں نے کفر اختیار کر لیا۔ پھر میری طرف تم سب کو لوٹنا ہو گا۔

فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

پھر فیصلے کروں گا تمہارے درمیان اس چیز کے بارے میں جس میں تم اختلاف رکھتے تھے۔

والا ہے۔ اللہ کی راہ میں' حواریین نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو گواہ ہو جا کہ ہم مسلمان ہیں۔) فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ علم کی جگہ اَحَسَّ لائے تاکہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ ان کو اس طرح علم ہو گیا تھا جیسا کہ کسی محسوس چیز کا علم ہوتا ہے۔

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ قراءت: مدنی نے انصاریَ پڑھا ہے یہ انصار بروزن اصحاب۔ ناصر کی جمع ہے یا نصیر بروزن شریف جمع اشراف ہے۔ اِلَى اللّٰهِ یہ محذوف فعل کے متعلق ہے یا انصاری کی یا سے حال ہے۔ یعنی مَنْ اَنْصَارِیْ ذاهباً الی الله یا ملتجاً الیہ۔ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ جمع حواری پسندیدہ اور منتخب آدمی نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں)۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (اے عیسیٰ تو گواہ ہو جا کہ ہم فرمانبردار ہیں)۔ انہوں نے اپنے ایمان کیلئے آپ کو گواہ بنایا تاکہ ان کے ایمان کی تاکید ہو جائے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں کے حق میں یا خلاف اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔ اس میں دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے۔

۵۳: رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ (اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو آپ نے اتارا اور ہم نے رسول کی اتباع کی پس تو ہمیں گواہوں کے ساتھ لکھ لے) رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ۔ الرَّسُوْلَ سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔ الشّٰهِدِيْنَ سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی امتوں کی گواہی دیں گے۔ یا ان لوگوں کے ساتھ جو اے اللہ تیری وحدانیت کی گواہی دینے والے ہیں۔ یا امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ وہ لوگوں پر گواہ ہونگے۔

۵۴: وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ (انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں)

مکر کا معنی اور اس کی اضافت کا حکم:

وَمَکَرُوْا: یعنی کفار بنی اسرائیل جن سے عیسیٰ علیہ السلام نے کفر محسوس کیا جبکہ انہوں نے آپ کے قتل وصلیب کی خفیہ تدبیر کی۔ وَمَکَرَ اللّٰہُ اللہ تعالیٰ نے انکی تدبیر کا اس طرح بدلہ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔ اور جس نے دھوکا سے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ اس پر شبیہ ڈال دی یہاں تک کہ وہ قتل کر دیا گیا۔

مَسْئَلَہ: مکر کے لفظ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز نہیں مگر صرف جزائے مکر کے مفہوم میں کیونکہ یہ لفظ لوگوں کے ہاں مذمت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ یہی حکم خداع، استہزاء کے الفاظ کا ہے۔ (کذافی شرح التاویلات)

وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ (اللہ تعالیٰ سب بدلہ دینے والوں سے زیادہ طاقتور اور سزا دینے پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔) اس طرح کہ سزا یافتہ کو پتہ بھی نہیں چلتا اور سزا مل جاتی ہے۔

متوفیک کی تفسیر:

۵۵: اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ (جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ بیشک میں تیری اجل مقررہ پوری کرنیوالا ہوں) مطلب یہ ہے کہ میں تجھے کفار کے قتل سے بچانے والا اور طبعی موت دونگا کفار کے ہاتھوں قتل نہ ہونے دونگا۔ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (اور تمہیں اپنے آسمان کی طرف جو ملائکہ کا مستقر ہے بلانے والا ہوں) وَمُطَہِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (اور تجھے کفار کے بُرے پڑوس سے پاک کرنے والا اور انکی صحبت کی خباثت سے محفوظ کرنے والا ہوں)

دوسری تفسیر۔ میں تمہیں زمین سے اپنے قبضہ میں لینے والا ہوں۔ یہ تو فیت مالی علی فلان سے ماخوذ ہے جب کہ اس سے پورا پورا لے لے۔ یا تمہارے آسمان سے اترنے کے بعد موت دینے والا ہوں اور اب تمہیں اٹھانے والا ہوں۔

یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ واؤ ترتیب کا معنی ہر جگہ نہیں دیتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ میری امت پر بطور خلیفہ اتریں گے صلیب کو توڑ دیں گے اور خنازیر کو قتل کر ڈالیں گے اور چالیس سال زندہ رہیں گے اور نکاح کریں گے اور انکی اولاد ہوگی پھر وفات پائیں گے اور وہ امت کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے۔ جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ہے اور مہدی جو میرے اہل بیت سے ہوگا وہ اس کے درمیان میں ہوگا (روایت کے الفاظ میں نکارت ہے فتدبر)۔ (ابن جریر ج ۳) (الدرالمنثور ج ۲)

یا نیند طاری کر کے تجھے حالت نوم میں آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں۔ تا کہ کسی قسم کا خوف تجھے پیش نہ آئے اور جب تو بیدار ہوگا تو آسمان میں امن سے پہنچ چکا ہوگا۔ اور قرب پا چکا ہوگا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ز

سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا پس میں ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں اور آخرت میں

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہو گا اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو اللہ ان کو پورے پورے

اُجُوْرَهُمْ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ

اجر عطا فرما دے گا۔ اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہ آیات اور ذکر حکیم ہم آپ کو پڑھ

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

کر سناتے ہیں۔

پیروکار کی مراد مسلمان:

وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ (اور جولوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں ان کو غالب رکھنے والا ہوں) اور تیرے پیروکاروں کو یعنی مسلمانوں کو کیونکہ اصل اسلام میں وہ ان کے سچے پیروکار ہیں۔ خواہ شرائع مختلف ہیں۔ وہ لوگ مراد نہیں جنہوں نے انکی تکذیب کی اور ان پر جھوٹ بولا خواہ وہ یہود و نصاریٰ میں سے کیوں نہ ہوں۔

فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا (ان لوگوں پر جنہوں نے تمہارا انکار کیا) اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (قیامت کے دن تک) وہ حجت سے ان پر غالب رہیں گے اور اکثر حالات میں غالب رہیں گے اور تلوار سے غالب رہیں گے۔ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ (پھر تم نے آخرت میں میرے ہاں لوٹ کر آنا ہے) فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (پس میں تمہارے مابین ان باتوں میں فیصلہ کرونگا جن میں تم اختلاف کرتے رہے)

۵۶،۵۷: فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ (پھر وہ لوگ جو کفر اختیار کریں گے پس میں ان کو سخت عذاب دونگا دنیا و آخرت میں اور انکا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور پھر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرتے رہے۔ پس وہ ان کو انکا پورا پورا اجر دے گا اور اللہ تعالیٰ کو ظالم لوگ پسند نہیں)

قراءت: فَيُوَفِّيْهِمْ حفص نے پڑھا ہے

۵۸: ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔ (یہ ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جو کہ منجملہ دلائل کے ہے اور منجملہ حکمت آمیز مضامین کے ہے) یہ جو واقعات عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ گزرے۔ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ

بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال، پیدا فرمایا ان کو مٹی سے پھر ان سے فرما دیا

كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ

ہو جا پس ان کی پیدائش ہوگئی، یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں، سو جو

حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا

شخص ان کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے۔ اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا ہے تو آپ فرما دیجئے کہ آ جاؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو

وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ

اور تم بلالو اپنے بیٹوں کو اور ہم بلالیں اپنی عورتوں کو اور تم بلالو اپنی عورتوں کو اور ہم حاضر کردیں اپنی جانوں کو اور تم بھی حاضر ہو جاؤ اپنی جانوں کو لے کر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ج وَمَا

اللہ سے دعا کریں اور لعنت بھیج دیں جھوٹوں پر، بلاشبہ یہ سچی بات ہے، اور کوئی

مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ

معبود نہیں اللہ کے سواء اور بے شک اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اس میں کوئی شک نہیں

اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع

کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔

ع ۶ ۹ ۱۴

نحو: یہ مبتداء ہے اور نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ اسکی خبر ہے۔ دوسری خبر من الآیات ہے یا مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔ (حکمت والا ذکر) اس سے مراد قرآن مجید ہے حکیم بمعنی محکم و مضبوط یا پر حکمت

عجیب کی عجیب تر سے تشبیہ:

۵۹: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم جیسی ہے اس کو مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا پس ہو گیا) یہ آیت اس وقت اتری جب بنی نجران کے وفد نے کہا کیا تم نے بغیر باپ کے بیٹا دیکھا ہے تو فرمایا اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اور عجیب حالت آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ مٹی سے انکا جسم بنایا یہ جملہ آدم علیہ السلام سے مشابہت والی حالت کی تفسیر ہے۔ اور اعراب کے لحاظ سے اسکا ماقبل سے تعلق نہیں یعنی خلق آدم من تراب وہاں نہ انکا کوئی باپ تھا اور نہ ماں۔ پس اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا حال ہے۔ بلکہ بغیر ماں و باپ کے پیدا ہونا زیادہ تعجب انگیز ہے۔ صرف ماں سے بغیر باپ کے پیدائش سے۔ اور یہ عادت کے زیادہ خلاف

ہے۔ پس عجیب کو عجیب تر سے تشبیہ دینا مخالف کی دلیل کو خوب قطع کرنے والا اور شبہ کو زیادہ مٹانے والا ہے جبکہ وہ اس سے عجیب تر دیکھے جس کو اس نے عجیب خیال کیا۔

عیسائیوں کے ساتھ دلچسپ مکالمہ:

بعض علماء کا بیان ہے کہ جو رومیوں کے ہاں قید ہو گئے تھے۔ کہ ہم نے رومی عیسائیوں سے کہا تم عیسیٰ کی کیوں پوجا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا، اس لئے کہ انکا کوئی باپ نہیں۔ تو علماء نے کہا پھر تو آدم اسکے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کے ماں، باپ دونوں ہی نہیں۔ رومیوں نے کہا کہ عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اس کے جواب میں ہم نے کہا حزقیل اسکے زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے تو چار آدمی زندہ کیے اور حزقیل علیہ السلام نے آٹھ ہزار زندہ کیے۔ پھر انہوں نے کہا وہ نابیناؤں کو بینا کرتے اور کوڑھی کو درست کرتے تھے۔ ہم (علماء) نے کہا پھر جرجیس اس کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کو پکا ڈالا اور جلا ڈالا گیا پھر وہ صحیح سالم کھڑے ہو گئے۔

قَالَ لَهٗ كُنْ یعنی انسان بنا دیا۔ فَيَكُوْنُ یعنی وہ بن گئے۔ یہ ماضی کو مضارع سے تعبیر کیا۔ ثُمَّ کا لفظ خبر کو خبر پر مرتب کرنے کیلئے لائے۔ مخبر عنہ کی ترتیب کیلئے نہیں۔ یعنی واقعہ کی تاخیر مدت مراد نہیں ہے۔

ایک نحوی تحقیق:

۶۰: اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (یہی حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس نہ ہو تو شک کرنے والوں میں سے)

نحو: یہ مبتدائے محذوف هو کی خبر ہے فَلَا تَكُنْ (پس اے سامع تو نہ ہو) مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (شک کرنے والوں میں سے) یہ احتمال بھی ہے کہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو۔ اس صورت میں یہ ثابت پر مزید ابھارنے کیلئے فرمایا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو شک سے معصوم تھے۔

۶۱: فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔ (جو آپ سے جھگڑے اس علم کے آ جانے کے بعد تو کہہ دیں آؤ) یعنی ان نصاریٰ میں سے جو آپ کے ساتھ جھگڑا کرے۔ فِيْهِ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ یعنی ایسے دلائل جو علم کو لازم کرنے والے ہیں۔ یہاں مَا الذی کے معنی میں ہے۔ فَقُلْ تَعَالَوْا تو ان کو کہہ دیں آؤ! مراد ارادہ اور عزم کے ساتھ آنا ہے جیسا کہ محاورہ میں کہتے ہیں۔ **تعال تفکر فی هذه المسالة** یعنی اس مسئلہ پر غور کر لے۔

دعوتِ مباہلہ:

نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ (ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلا لو ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم خود آتے ہیں تم بذات خود آؤ) یعنی ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے بیٹوں، عورتوں

اور اپنی ذات کو مباہلہ کیلئے بلالے۔ ثُمَّ نَبْتَهِلْ (پھر یہ کہہ کر مباہلہ کریں) بَهْلَةُ اللّٰه على الكاذب منّا و منكم اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ہم تم میں سے جھوٹے پر۔ البُهْلَةُ ۔ یہ بَا کے ضمہ اور فتح دونوں کے ساتھ آتا ہے اس کا معنی لعنت ہے۔ بهله اللّٰه کا معنی اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی اور اس کو رحمت سے دور کر دیا۔ یہ تو ابتہال کا اصل معنی ہے۔ پھر یہ خوب گڑگڑا کر دعا کیلئے استعمال ہونے لگا۔ خواہ اس میں لعنت تلعن نہ ہو۔ روایت میں ہے کہ جب ان کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا ہم غور وفکر کر لیں۔ چنانچہ عاقب جو صاحب رائے تھا اس نے کہا اے عیسائیو! تم قسم بخدا جان چکے کہ محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور جب کسی قوم نے کسی پیغمبر سے مباہلہ کیا تو انکا بڑا بچا اور نہ چھوٹا۔ اگر تم نے مباہلہ کیا تو تم ضرور ہلاک ہو جاؤ گے۔ پس اگر تم اپنے دین کی محبت میں انکار کرتے ہو تو ان سے معاہدۂ صلح کر کے اپنے علاقے کی طرف لوٹ چلو۔ پس وہ رسول ﷺ کی خدمت میں۔ اس حالت میں آئے کہ آپ نے حسین کو گود میں اٹھایا ہوا تھا اور حسن کا ہاتھ پکڑنے والے تھے فاطمہ آپ کے پیچھے چلنے والیں تھی جبکہ علی ان کے پیچھے تھے۔ اور آپ کہہ رہے تھے۔ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ اس پر نجران کے پادری نے کہا اے وفد نجران! میں اپنے سامنے ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو انکی دعا سے پہاڑ اپنی جگہ سے زائل ہو جائے گا۔ پس تم ان سے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور سطح زمین پر کوئی ایک عیسائی بھی باقی نہ رہے گا۔ اس پر عیسائیوں نے کہا اے ابوالقاسم! ہم نے رائے قائم کی ہے کہ مباہلہ نہ کریں نبی اکرم ﷺ نے دو ہزار حُلّے ہر سال ادا کرنے پر ان سے صلح کر لی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اہل نجران پر ہلاکت لٹک رہی تھی۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو مسخ ہو کر بندر و سور بن جاتے۔ (ابو نعیم بالرواة المتروكين و المتهمين بالكذب)

اہم سوالات کے جوابات:

سوال: مباہلہ تو آپ اور آپ کے جھٹلانے والوں کے درمیان تھا پھر ابناء ونساء کو کیوں شامل کیا۔

جواب: ابناء ونساء کو اس لئے ملایا تا کہ آپکی اپنے دعویٰ کے متعلق سچائی اور پختگی خوب واضح ہو جائے۔ کہ آپ نے اپنے جگر پارے اور اعزہ کو بھی پیش کرنے سے دریغ نہ کیا اور فقط اپنے آپ کو ہی پیش نہیں کیا۔ کیونکہ آپ کو اپنے مخالف کے بمعہ اعزہ واقارب ہلاک ہونے کا یقین تھا۔ اگر مباہلہ پیش آتا۔

سوال: اعزہ میں سے ابناء ونساء کو خاص کیوں کیا؟

جواب: کیونکہ وہ اہل میں سب سے زیادہ پیارے اور دلوں میں محبوب ہوتے ہیں۔

سوال: انفس سے نساء اور ابناء کو پہلے کیوں لائے؟

جواب: ان کے مرتبہ ومقام پر متنبہ کرنے کیلئے

اس میں آپ کی نبوت کی سچائی کی واضح دلیل ہے کیونکہ مخالف وموافق کسی سے بھی یہ مروی نہیں کہ انہوں نے اس کو قبول کیا ہو۔

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (پھر ہم اپنے اور تم میں سے جو عیسیٰ کے معاملہ میں جھوٹے ہوں ان پر لعنت بھیجیں)

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آ جاؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ کہ ہم عبادت نہ کریں

اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ

مگر اللہ کی، اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم آپس میں کوئی کسی دوسرے کو رب

اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴

نہ بنائے، سو اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

نحو : نَبْتَهِلْ اور نَجْعَلْ یہ دونوں جملے نَدْعُ پر معطوف ہیں۔

۶۲: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ اِنَّ هٰذَا (بیشک یہ واقعہ عیسیٰ علیہ السلام جو آپ کو بیان کیا گیا۔ لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ (البتہ سچا واقعہ ہے)

نحو : هُوَ، اِنَّ کے اسم و خبر کے درمیان ضمیر فصل ہے۔ یا ھو مبتداء اور القصص الحق خبر ہے اور جملہ ان کی خبر ہے۔ ضمیر فصل پر لام کا داخلہ درست ہے کیونکہ یہ لام خبر پر جب داخل ہو سکتی ہے تو ضمیر فاصل پر بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ کیونکہ وہ ضمیر مبتداء سے خبر کی بنسبت قریب تر ہے اور اصل قاعدہ تو یہ ہے کہ یہ لام مبتداء پر داخل ہو۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ (اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے)

نحو : مِنْ یہاں اِلٰهٍ پر داخل ہونے کے باوجود کلام میں استغراق کا اسی طرح فائدہ دے رہا ہے جیسا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں الٰہ مبنی بالفتح ہے۔ یہاں مقصود تثلیث کے سلسلہ میں نصاریٰ کی تردید ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ (بیشک اللہ تعالیٰ البتہ زبردست ہے انتقام میں) اور الْحَكِیْمُ (حکمت والا ہے) تدبیر احکام میں۔

۶۳: فَاِنْ تَوَلَّوْا ۔ (پس اگر وہ اعراض کریں اور قبول نہ کریں) فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِالْمُفْسِدِیْنَ۔ (پس اللہ تعالیٰ فسادی لوگوں کو خوب جاننے والا ہے) اس میں ان کو اس عذاب سے ڈرایا گیا جو اس آیت میں مذکور ہے۔ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ (النحل ۸۸)

۶۴: قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (کہہ دیں اے اہل کتاب) اہل کتاب سے تورات و انجیل والے ہر دو مراد ہیں یا صرف وفد نجران یا یہود مدینہ۔ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ سواء مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی برابری والا یعنی ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابری والی ہے)۔

ارباب کا معنی:

بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ (ہمارے اور تمہارے درمیان) جس میں قرآن مجید اور تورات وانجیل مختلف نہیں ہیں۔کلمہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ(کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر)۔یعنی اس بات کی طرف آؤ۔تا کہ ہم عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ نہ کہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک ہمارے جیسا انسان ہے اور ہم اپنے پادریوں کی ان چیزوں میں اتباع نہ کریں جوانہوں نے اپنی طرف سے تحریم وتحلیل کے سلسلہ میں بنا رکھی ہیں اور ان میں شرع کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم انکی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔آپ نے فرمایا تم بتلاؤ کہ وہ تمہارے لئے چیزوں کو حلال وحرام کرتے ہیں اور تم انکی بات اختیار کرتے ہو۔آپ نے فرمایا یہی تو رب بنانا ہے۔(ترمذی)

فَاِنْ تَوَلَّوْا (اگر وہ توحید سے منہ موڑلیں) فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (تو تم انہیں کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم تو فرماں بردار ہیں) یعنی میں نے تم پر حجت تمام کردی پس اب تم پر واجب ہوگیا کہ تم یہ اعتراف کرو اور مان لو کہ ہم تمہارے سواء فرمان برداری اختیار کرنے والے ہیں۔

یہ اسی طرح ہے جیسا کہ جدال ومصارعت میں غالب مغلوب کو کہتا ہے۔اعترف بانی انا الغالب تو مان لے کہ میں غالب ہوں اور تو غلبہ میرے سپرد کردے۔

يٰٓاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمَآ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰٮةُ

اے اہل کتاب تم کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں، حالانکہ نہیں اتاری گئی توریت

وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۞ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَاۤءِ

اور انجیل مگر ان کے بعد، کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو، اے لوگو! تم ایسے لوگ ہو

حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَـيۡسَ لَـكُمۡ

جنہوں نے اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا۔ پھر تم کیوں حجت کرتے ہو اس بات میں جس کا تمہیں

بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۞ مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ

علم نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہیں تھے ابراہیم

يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ

یہودی اور نصرانی، لیکن وہ حق کو اختیار کرنے والے فرمانبردار تھے۔ اور مشرکین

مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۞ اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَـلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ

میں سے نہ تھے، بلاشبہ انسانوں میں ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا

وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ‌ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۞

اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سب مومنین کا ولی ہے۔

ردِ نصاریٰ کا دیگر انداز:

۶۵: يٰٓاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمَآ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰٮةُ وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ (اے اہل کتاب تم ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد اتریں) دراصل یہود ونصاریٰ میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام ان میں سے تھے۔ اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین سے اس سلسلہ میں مجادلہ کیا۔ اس پر ان کو کہا گیا۔ کہ یہودیت کا وجود تو نزول تورات کے بعد ہوا جبکہ نصرانیت انجیل کے آنے کے بعد پیدا ہوئی۔ اور موسیٰ وابراہیم علیہما السلام کے مابین ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام اس دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں جو ان کے سینکڑوں سال بعد بنا ہو۔ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ (کیا تم عقل نہیں رکھتے) کہ اس قسم کا ناممکن قول اپنی زبانوں پر لاتے ہو۔

۶۶ : ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ۔ (دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم بھی تھا۔ (اس چیز میں جس کا تمہیں علم ہے) یعنی تورات وانجیل میں ان کو ذکر کر دیا گیا۔ پھر کیوں جھگڑتے ہو اس بات میں جس کا تمہیں علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

نحوی تحقیق:

ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ (خبردار تم وہ لوگ ہو) **نحو** :ھا یہاں تنبیہ کیلئے ہے۔اَنْتُمْ مبتداء اور ھٰٓؤُلَآءِ اسکی خبر ہے۔

حاججتم: **نحو** : یہ جملہ مستانفہ ہے جسکی بناء پہلے جملے پر ہے کہ تم ایسے احمق لوگ ہو۔تمہاری حماقت اور قلت عقل اس انداز کی ہے کہ تم مسلمانوں سے مجادلے پر اترے ہوئے ہو۔فِیْمَا لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ (اس چیز میں جس کا تمہیں علم ہے) یعنی تورات و انجیل میں ان کو ذکر کر دیا گیا۔فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ (ان چیزوں کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں) اور نہ ہی انکا تذکرہ تمہاری کتاب میں موجود ہے جیسے دین ابراہیم علیہ السلام

نحو : یہ بھی کہا گیا کہ ھٰٓؤُلَآءِ۔ اَلَّذِیْنَ کے معنی میں ہے۔اور حَاجَجْتُمْ یہ اسکا صلہ ہے قراءت ابو عمرو اور مدنی نے ھٰٓاَنْتُمْ کو پورے قرآن میں مد کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ۔ (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے وہ بات جس میں تم حجت بازی کر رہے اور تم اس سے ناواقف ہو) اگلی آیات میں ان کے دین سے براءت کا اس طرح اظہار کیا گیا۔

۶۷ : مَاکَانَ اِبْرٰھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا۔ وَمَاکَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (کہ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ حنیف مسلم تھے اور مشرکین میں سے بھی نہ تھے) گویا یہاں مشرکین سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔کیونکہ وہ عزیر و مسیح کو الوہیت میں شریک کرتے تھے۔یا معنی یہ ہے کہ وہ مشرکین میں سے نہ تھے جیسا کہ یہود و نصاریٰ میں سے نہ تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کے قریب ترین:

۶۸ :اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ وَھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (لوگوں میں ابراہیم سے قریب تر اور ان کے ساتھ خاص البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکی ان کے زمانہ یا بعد میں اتباع کی اور یہ پیغمبر اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا کارساز و مددگار ہے)۔اَوْلٰی یہ الوَلْیُ سے ہے۔جس کا معنی قرب ہے۔لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ (البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکی ان کے زمانہ یا بعد میں اتباع کی)۔

وَھٰذَا النَّبِیُّ (اور یہ پیغمبر) خاص طور پر۔آپ کا خاص طور پر تذکرہ فضیلت میں خاص ہونے کی وجہ سے ہے۔مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اور وہ لوگ جو ایمان لائے) یعنی انکی امت میں سے۔وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا کارساز و مددگار ہے)۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ

اہل کتاب کی ایک جماعت نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتے

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ

مگر اپنے ہی نفسوں کو اور وہ نہیں سمجھتے، اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی

اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

آیات کے ساتھ، حالانکہ تم اقرار کرتے ہو، اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

۷ ع ۸ ۱۵

یہود کے طرزِ عمل کی مذمت:

۶۹: وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ (اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کردیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو گمراہ کرنے والے ہیں اوران کواس کا شعور بھی نہیں) طائفہ سے مراد یہود ہیں انہوں نے عمار، حذیفہ معاذ رضی اللہ عنہم کو یہودیت کی طرف بلایا۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ (حالانکہ وہ اپنے آپ کو گمراہ کرنے والے ہیں) یعنی انکی گمراہی کا وبال ان پر پڑے گا۔ کیونکہ ان کے اضلال اور ضلال کی وجہ سے عذاب دوگنا کردیا جائے گا۔ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (اوران کو اسکا شعور بھی نہیں)۔

منکرین نبوت کو خطاب:

۷۰: يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ (اے اہل کتاب تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہواور تم گواہی دیتے ہو) آیات سے مراد تورات وانجیل ہیں۔ اوران کے ساتھ کفر سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کتابوں کی ان باتوں کو نہیں مانتے تھے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صحیح ہونے پر دلالت کرنے والی تھیں۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ (حالانکہ تم گواہی دیتے ہو) یعنی یہ اعتراف کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔ یا تم قرآن کا انکار کرتے ہو۔ اور نبوت کے دلائل کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ آپ کی تعریف دونوں کتابوں میں موجود ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ برحق ہیں۔

وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ

اور کہا اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہ ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا گیا مسلمانوں

اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا

پر دن کے شروع حصہ میں، اور منکر ہو جاؤ دن کے آخر حصہ میں امید ہے کہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ اور اقرار مت کرنا

اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ

مگر ایسے شخص کے سامنے جو تمہارے دین کا تابع ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے۔ یہ باتیں تم اس لئے کرتے ہو کہ کسی

مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ

دوسرے کو ایسی چیز مل رہی ہے جو تمہیں دی گئی یا اس لئے کہ وہ تم پر دلیل میں غالب ہو جائیں گے تمہارے رب کے پاس۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ فضل

بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ

اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اسے عطا فرماتا ہے جسے چاہے اور اللہ واسع ہے خوب جاننے والا ہے۔ وہ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ

مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

جس کو چاہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر آیت ۷۱:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (اے اہل کتاب تم کیوں حق کو باطل سے ملاتے ہو) عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام پر ایمان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کے ساتھ ملاتے ہو۔ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ (اور تم حق کو چھپاتے ہو) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (حالانکہ تم جانتے ہو) کہ وہ سچے ہیں۔

یہودیانہ چال:

۷۲: وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔ (اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا) اپنے درمیان۔ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (تم اس پر ایمان لاؤ۔ جو ان لوگوں پر اتارا جائے) یعنی قرآن وَجْهَ النَّهَارِ (دن کی ابتداء میں) یعنی شروع دن میں جو قرآن مسلمانوں پر اترے اس پر ایمان ظاہر کرو۔ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ (اور دن کے آخر میں اسکا انکار کردو) لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔ (شاید کہ مسلمان لوٹ جائیں) یعنی

مسلمان یہ کہنے لگیں کہ یہ اہل کتاب اور اہل علم ہو کر اس کو چھوڑ رہے ہیں ان کو اس میں خرابی معلوم ہوئی ہوگی۔ پس اس طرح کرنے سے یہ بھی اسلام سے لوٹ آئیں۔

یہود کا جھوٹا زعم کہ تورات جیسی کتاب کسی کو نہیں مل سکتی:

۷۳: وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْيُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ (اور نہ تم اعتماد کرو مگر اسی کا جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔ کہہ دیں بیشک حقیقی ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ایسی باتیں اس لیے کرتے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی)

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا پہلا مطلب:

نحو: وَلَا تُؤْمِنُوْا کا تعلق اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ سے ہے۔ اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے اب معنی یہ ہوگا اپنے ایمان کو اپنے اہل دین کے سواء اور کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ اس طرح کہ کسی کو تم جیسی کتاب مل سکتی ہے۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ اپنی اس بات کو خفیہ رکھو کہ مسلمانوں کو بھی تم جیسی کتاب مل گئی ہے اور یہ راز فقط انہی کے سامنے افشا کرو جو تمہارے خاص گروہ کے لوگ ہوں۔ مسلمانوں کو مت بتا دینا کہیں وہ اسلام پر زیادہ پختہ نہ ہو جائیں۔ اور نہ ہی یہ راز مشرکین کے سامنے ظاہر کرنا تا کہ مسلمان ان کو اسلام کی طرف دعوت نہ دینے لگیں۔ اَوْيُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ (یا وہ حجت میں تم پر غالب آ جاویں تمہارے رب کی نزدیک)۔

دوسرا معنی:

نحو: اَنْ يُّؤْتٰٓى پر عطف ہے اور اَوْيُحَآجُّوْكُمْ کی ضمیر اَحَدٌ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اَحَدٌ اگرچہ واحد ہے مگر معنی جمع ہے کیونکہ دائرۂ نفی میں واقع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اپنے لوگوں کے سواء دوسروں پر اعتماد نہ کرنا کہ مسلمان تم پر حجت حق میں غالب آ جائیں گے۔ اور جملہ معترضہ کا معنی یہ ہے کہ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے جو چاہے اس ہدایت کو اختیار کر کے اس پر ایمان لے آئے یا اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اور یہ اسی طرح ہوا۔ (مقصد یہ تھا کہ تم ہدایت پر نہیں ہو صرف حسد تمہیں اس مکاری پر آمادہ کر رہا ہے۔) مگر تمہاری یہ مکاری اور حیلہ بازی اور مسلمانوں کی تصدیق سے رکنا اور مشرکین کو روکنا فائدہ نہ دے گا۔ یہ اس طرح ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا۔ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (کہہ دیں کہ بیشک فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عنایت کرتا ہے) فضل سے مراد ہدایت و توفیق ہے۔

تفسیر معنی و مطلب:

یا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ پر کلام تام ہو گیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ تم یہ ظاہری ایمان جو شروع دن میں لاتے ہو مت لاؤ مگر ان لوگوں کے سامنے جو پہلے تمہارے دین کے پیروکار تھے پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ کیونکہ ان کے اسلام سے پھر جانے کی دوسروں کی

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ ان کے پاس اگر بہت زیادہ مال امانت رکھ دو گے تو وہ تمہاری طرف ادا کر دیں گے اور ان میں

مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ

ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو گے تو تمہاری طرف ادا نہیں کریں گے مگر یہ کہ تم برابر سر پر کھڑے رہو

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ ان پڑھوں کے بارے میں ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے اور وہ اللہ پر

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں، ہاں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

بنسبت زیادہ امید ہے۔اوراَنْ يُّؤْتٰٓى کا معنی لِاَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ تم اس لئے جلتے ہو کہ دوسروں کو اسی جیسی کتاب دی گئی جیسی تمہیں دی گئی۔تم نے یہی بات کہی اور اسی خاطر تدبیر کرتے ہو اور کوئی غرض نہیں۔بس حسد و بغض ہے، جو تمہارے اندر ہے۔اس بناء پر کہ کسی کو اس جیسی کتاب اور علم میسر ہو جو تمہیں ملا ہے۔اور اسی بات نے تمہیں اس بات کے کہنے پر آمادہ کیا۔جو تم نے کہی ابن کثیر کی قراءت مدّ اور استفہام کے ساتھ اس پر دلالت کرتی ہے۔یعنی الا ان یوتی احدٌ مثل ما اوتیتم من الکتاب تحسد و نهم۔ کیا اب کسی کو اس جیسی کتاب دی گئی جیسی کتاب تمہیں ملی۔کہ تم ان پر حسد کرتے ہو۔(یعنی اس جیسی کتاب کسی کو کب مل سکتی ہے)اس صورت میں اَوْيُحَآجُّوْكُمْ کا معنی یہ ہوگا کہ تم نے ساری تدبیر اسی خاطر کی ہے کہ کسی کو تم جیسی کتاب دے دی گئی۔یا ابھی تک تمہارے انکار کی وجہ سے تمہارے رب کے ہاں انکی حجت بازی تمہارے ساتھ متعلق نہیں ہوئی۔
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ (اللہ تعالیٰ وسیع رحمت والے ہیں)عَلِيْمٌ۔ (مصلحتوں کو جاننے والے ہیں)

شاہی اعلان:

۷۴:يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (وہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں خاص کرتے ہیں)رحمت سے مراد یہاں نبوت یا اسلام ہے۔وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ (اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والے ہیں)۔

یہود میں امین اور خائن طبقہ:

۷۵:وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَّيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔(اہل کتاب میں بعض ایسے لوگ ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک خزانہ امانت رکھیں وہ اس کو تمہیں ادا کر دیں)وہ عبداللہ بن سلامؓ ہیں کہ

انہوں نے قریش کے ایک آدمی سے بارہ سو اوقیہ سونا لیا۔ انہوں نے واپس ادا کر دیا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ (ان میں بعض وہ ہیں کہ اگر تم ان کو ایک دینار بطور امانت دو تو بھی تمہیں ادا نہ کریں) اسکا مصداق فخاص بن عازوراء تھا کہ جس کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار بطور امانت رکھا تو اس نے انکار کر دیا۔ اور کھا پی گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ یہود میں غلبہ خیانت کی وجہ سے امین قلیل اور نصاریٰ میں غلبۂ امانت کی وجہ سے خائن قلیل ہیں۔ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا (مگر اتنی مدت کہ تم اس پر ہمیشگی کرو) یا صاحب حق اسکے سر پر مسلط رہے۔ اور اس کو لازم پکڑ لے۔

قراءت: يُؤَدِّهٖٓ اور لَا يُؤَدِّهٖٓ ۔ ھا کے کسرہ کو اشباع کے ساتھ مکی، شامی، نافع، علی اور حفص نے پڑھا ہے۔ جبکہ ابو عمرو کی ایک روایت میں اختلاس اور دوسروں نے سکون ھاء سے پڑھا ہے۔ ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ ترک اداء ہے۔ جس پر لَا يُؤَدِّهٖٓ دلالت کر رہا ہے۔ بِاَنَّهُمْ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں۔ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ یعنی انہوں نے ادائیگی حقوق اس وجہ سے ترک کی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ (کہ ان پڑھوں کا مال کھانے میں ہمیں کچھ گناہ نہیں) مقصد انکا یہ تھا کہ جو اہل کتاب نہیں ہم انکا مال کھائیں۔ ان کو نقصان پہنچائیں ہمیں کچھ گناہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہمارے دین پر نہیں وہ اپنے مخالفین پر ظلم کو حلال قرار دیتے اور کہا کرتے تھے۔ ہماری کتاب میں اس کو حرام قرار دیا دیا گیا۔ (بقول کسے۔ رام، رام جپنا پرایا مال اپنا یہ انکا مذہب تھا) یہ بھی کہا گیا کہ بعض یہود نے کسی قریشی سے سودا کیا۔ جب وہ قریشی مسلمان ہو گئے تو انہوں نے مال کا تقاضہ کیا تو یہود نے کہا تمہارا ہمارے ذمہ کوئی حق نہیں اس لئے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور کہنے لگے کہ یہ ہماری کتاب کا مسئلہ ہے۔ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں) یہ دعویٰ کر کے کہ یہ بات انکی کتاب میں موجود ہے۔ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (حالانکہ وہ جانتے ہیں) کہ وہ جھوٹے ہیں۔

دعویٰ بے گناہی کی تردید:

۷۶: بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ بَلٰى (کیوں نہیں) ان پڑھوں کا مال کھانے میں بے گناہی کے دعویٰ کی تردید ہے۔ کہ ان پر ضرور گناہ ہوگا۔ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرے یہ جملہ مستانفہ ہے یہ اس جملہ کیلئے دوبارہ لایا گیا۔ جس کے قائم مقام بَلٰى ہے۔ بِعَهْدِهٖ کی ضمیر ہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو پورا کیا اور اس سے ڈرا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو متقی لوگ پسند ہیں۔

نکتہ: یہاں ضمیر ھم کی بجائے الْمُتَّقِيْنَ۔ اسم ظاہر کو لائے پھر ضمیر کا مرجع خاص مَنْ تھا۔ اسکی بجائے متقین کو عام کر دیا۔ تاکہ اس میں ایمان اور دیگر تمام صالحات داخل ہو جائیں اور کفر وغیرہ اور دیگر برے اعمال جن سے بچنا ضروری ہے۔ ان سے پرہیز کو بھی تقویٰ میں شامل کر دیا۔

تارکین خیانت اللہ کو پسند ہیں:

دوسرا قول یہ ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ اور انہی جیسے اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے اس سے مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ضمیر مَنْ اَوْفٰى کی طرف لوٹانی جائز ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ شخص جس نے اس معاہدہ کو پورا کیا جو اللہ تعالیٰ سے کر رکھا تھا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ

بے شک اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں

لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا

کوئی حصہ نہیں اور نہ ان سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ان کو پاک

یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ

فرمائے گا اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔ اور بلاشبہ ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کو موڑ کر کتاب بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم اس کو کتاب سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے، اور وہ

وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے، اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

اور ترک خیانت وغدر میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتے ہیں۔

۷۷: اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِم ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ، وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

شَانِ نُزُول: یہ ان لوگوں کے بارے میں اتری جنہوں نے تورات کی تحریف کی۔ اور جن یہود نے آپ کی صفات تورات میں بدل ڈالیں۔ اور اس پر رشوت وصول کی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ (بیشک وہ لوگ جو تبدیل کرتے ہیں) بِعَهْدِ اللّٰهِ (اللہ کے اقرار کو) جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رسول مصدق پر ایمان لانے کے سلسلہ میں کر رکھا ہے۔ وَاَیْمَانِهِمْ (اور اپنی قسموں کو) اور اس پر ایمان لانے کے سلسلہ میں جو حلف دے رکھا ہے۔ کہ قسم بخدا ہم اس پر ضرور ایمان لائیں گے اور انکی نصرت کریں گے۔ ثَمَنًا قَلِیْلًا (تھوڑی قیمت) یعنی دنیا کا سامان، سرداری، رشوت وغیرہ اور اسی طرح کی دیگر چیزیں۔

نَحو: بِعَهْدِ اللّٰهِ سے یہ بات مزید پختہ ہو جاتی ہے کہ بِعَهْدِهٖ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کریں گے) جس سے انکو خوشی ہو۔ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (اور نہ انکی طرف قیامت کے دن توجہ فرمائیں گے) نظر سے مراد نظر رحمت ہے۔ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ۔ (اور نہ انکی تعریف فرمائیں گے) وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (ان کیلئے دردناک عذاب ہے)۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

کسی بشر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ اسے کتاب حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یوں کہے

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ

کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، اور لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ اس وجہ سے

تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا

کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم پڑھتے ہو۔ اور وہ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا

الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾ ع

کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا۔ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

ع ٨ ۹ ١٦

ایک اور یہودی چال:

۷۸: وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ وَاِنَّ مِنْهُمْ (اور بیشک ان میں سے) ھم سے مراد اہل کتاب ہیں۔ لَفَرِيْقًا (ایک گروہ ایسا ہے) وہ کعب بن اشرف، مالک بن صیف حیی بن اخطب وغیرہ ہیں۔ يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ (وہ اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ موڑتے ہیں) اپنی قراءت کے ساتھ ان کو صحیح سے محرف کی طرف بل دیتے ہیں۔ اَللَّیُّ۔ بٹنا اور وہ پھیرنے کو کہتے ہیں۔ مراد انکا تحریف کرنا ہے۔ مثلاً آیت رجم اور صفات محمد ﷺ اور اسی طرح کی دیگر امثلہ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ ۔ (تا کہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں وہ کتاب میں سے ہے) ہٗ کی ضمیر اسکی طرف لوٹتی ہے جس پر يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ کی دلالت ہے۔ اور وہ محرف شدہ مضامین ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ یہ مراد لی جائے کہ کتاب کے ہم شکل مضامین کیلئے وہ اپنی زبانیں موڑتے ہیں تا کہ تم ان مضامین کو کتاب میں سے خیال کرو۔ الکتاب سے مراد تورات ہے۔ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ (حالانکہ وہ تورات سے نہیں) وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) یہ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کی تاکید ہے اور انکی مزید مذمت کے لئے لائی گئی ہے۔ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ (حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں)

معبودیت مسیح کا رد:

۷۹: مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔ (کسی انسان کے لئے مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو

کتاب دے) اس آیت میں عبادت عیسیٰ کا جو دعویٰ انہوں نے کیا تھا اسکی تکذیب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جیسا کہ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ کیا آپ کو سجدہ نہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کے لئے سجدہ مناسب نہیں۔ لیکن اپنے پیغمبر کا احترام کرو اور ان کے اہل کا حق پہچانو!

(واحدی فی اسباب النزول)

وَالْحُكْمَ (اور حکمت) اور مراد اس سے سنت یا معاملات کے فیصلے۔ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ اور نبوت دے پھر وہ کہنے لگے۔ يَقُوْلَ کا عطف يُّؤْتِيَهُ پر ہے۔ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ (لوگوں کو کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ وہ کہتا ہے تم ربانیین بن جاؤ)۔

ربانی کون ہیں؟

الربانی یہ رب سے اسم منسوب ہے۔ الف نون اس میں زائد لگا ہے۔ ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اور اسکے دین کی اطاعت کو مضبوطی سے تھامنے والا ہو۔ جب حضرت ابن عباس ؓ کی وفات ہوئی تو محمد بن حنفیہ نے کہا مات رَبَّانِیُّ هذه الامة اس امت کا ربانی مر گیا۔ حضرت حسن کہتے ہیں کہ ربانیین علماء وفقہائے امت کو کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے۔ علمائے معلمین مراد ہیں۔ ایک اور قول یہ ہے کہ ربانی عالم باعمل کو کہتے ہیں۔ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ۔

قراءت: کوفی وشامی نے اسی طرح پڑھا۔ دیگر قراء نے تخفیف سے پڑھا۔ تُعَلِّمُوْنَ کا معنی دوسروں کو پڑھانے والے ہو۔

علم والے ہو تو عمل والے بنو:

(وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ) اور اس سبب سے کہ تم پڑھتے ہو مطلب یہ ہے اس وجہ سے کہ تم علم والے ہو اور اس وجہ سے کہ علم خود پڑھنے والے ہو یہ ربانیت یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے کی قوت۔ تعلم وتعلیم ہی کی وجہ سے تھی۔ اور اس انسان کی بد نصیبی کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا اور اپنی روح کو تکلیف دی تا کہ اپنے اندر علم کو جمع کرلے پھر اس علم کو ذریعہ عمل نہیں بنایا۔ اسکی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی نے پر رونق خوبصورت درخت لگایا مگر اسکے پھل سے فائدہ نہ اٹھایا۔

دوسرا معنی یہ بھی کیا گیا کہ تدرسونه علی الناس۔ تم وہ لوگوں کو پڑھاتے ہو۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ (الاسراء آیت:۱۰۶) پس تدرسون کا معنی پڑھانا ہے۔ جیسا ابن جبیر کی قراءت میں ہے۔

۸۰: وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

مَاكَانَ کو نفی میں تاکید کے لئے لائے:

نحو: وَلَا يَاْمُرَكُمْ (اور نہ یہ بات بتلاویگا کہ تم) یہ نصب کے ساتھ ثم یقول پر عطف ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ لا کو ما کان لبشرٍ کی نفی میں تاکید پیدا کرنے کیلئے لا یامُرَکُمْ پر بڑھا دیا ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ کسی ایسے انسان کو مناسب نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نبوت پر فائز کرے اور عبادت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے اور شرکاء کو ترک کرنے کی توفیق دیدیں۔ تو پھر وہ لوگوں کو

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں جو کچھ بھی تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ

پھر آ جائے تمہارے پاس رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا

کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا مضبوط عہد قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا سو تم گواہ رہو

وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں، پھر جو شخص اس کے بعد روگردانی کرے گا سو یہی لوگ

الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾

نافرمان ہیں۔

حکم دینے لگے کہ وہ اسکے بندے اور عابد بن جائیں اور وہ یہ حکم دینے لگے کہ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا (کہ تم ملائکہ اور انبیاء کو رب بنالو) یہ اسی طرح ہے جیسا محاورہ میں کہتے ہیں۔ ما کان لزید ان اکرمه ثم یهیننی ولا یستخف بی۔ زید کو مناسب نہیں کہ میں اسکا اکرام کروں اسکے باوجود پھر وہ میری توہین و تخفیف کرے۔ یعنی اکرام کے ہوتے ہوئے توھین و تخفیف روا نہیں۔

قراءت رفع کا معنی:

اگر رفع والی قراءت ہو وَلَا يَاْمُرُكُمْ جیسا کہ حجازی، ابو عمرو علی نے پڑھا ہے تو اس صورت میں یہ ابتدائی کلام ہے اور اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ (کیا وہ تم کو کفر کی بات بتاویگا) کی ہمزہ استفہام انکاری کیلئے ہوگی اور لَا يَاْمُرُكُمْ اور اَيَاْمُرُكُمْ کی ضمائر فاعلیہ بشیر کی طرف لوٹیں گی یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹیں گی۔

مطلب یہ ہوا کہ تعجب ہے کہ وہ تم کو کفر کا حکم دے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (اسکے بعد کہ تم مسلمان ہو) یہ آیت کا حصہ دلالت کر رہا ہے کہ مخاطبین مسلمان تھے اور وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے سجدہ کرنے کی اجازت طلب کی۔

تذکرہ میثاق النبیّین اور دو تفسیریں:

٨١: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ

وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔ (جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ وعدہ لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں) یہ آیت انبیاء علیہم السلام سے میثاق لینے کے سلسلہ میں اپنے ظاہر پر ہے۔

پہلی تفسیر: اولاد کا لفظ میثاق کے بعد محذوف ہے کہ اولاد انبیاء یعنی بنی اسرائیل مراد ہیں اس صورت میں لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ میں لام تمہید قسم کیلئے ہے۔ کیونکہ میثاق لینے کا معنی ہی قسم لینا ہے اور لَتُؤْمِنُنَّ کی لام جواب قسم کے لئے ہے۔ مَا شرطیہ اور لَتُؤْمِنُنَّ شرط وقسم دونوں کا جواب ٹھہرا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے قسم لے لی تھی کہ اگر میں تم کو کتاب عطاء کروں پھر اس کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول تمہارے ہوتے ہوئے آ جائے تو تم اسکی تصدیق کرنا۔

نمبر۲۔ ما موصولہ ہو اور مِن کتاب اسکا صلہ اور لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ آخر تک خبر ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب میں نے تمہیں دی ہے اس پر تم ضرور ایمان لانا۔ ثُمَّ جَآءَكُمْ اسکا عطف صلہ پر ہے اور اسکی ضمیر ما محذوف کی طرف لوٹتی ہے۔ اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ثم جاء کم به (پھر لایا تمہارے پاس وہ کتاب) رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ ایک ایسا رسول جو تصدیق کرنے والا ہے۔ اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے) لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ (تو تم اس رسول پر ضرور ایمان لانا) اور وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (اور تم ضرور اس رسول کی امداد کرنا) رسول سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ حمزہ کی قراءت میں لِمَا کی لام جارہ مکسورہ ہے۔ اور مَا، اَلَّذِیْ کے معنی میں ہے۔ یا مَا مصدریہ ہے مطلب یہ ہوا اس لئے کہ میں نے تمہیں کتاب و حکمت دی پھر اس رسول کے آنے کی وجہ سے جو تصدیق کرنے والا ہے۔ اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے۔

دوسری تفسیر: لام تعلیلیہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے پختہ عہد لیا کہ تم رسول پر ضرور ایمان لانا اور انکی ضرور مدد کرنا اس لئے کہ میں نے تمہیں حکمت دی ہے اور وہ رسول جس پر ایمان لانے اور اسکی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور وہ رسول جن پر ایمان کیلئے میں تمہیں حکم دے رہا ہوں۔ وہ تمہارے موافق ہیں مخالف نہیں۔

قراءت: اٰتَیْتُكُمْ کو مدنی نے اٰتَیْنَاكُمْ پڑھا ہے۔ قَالَ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ (کیا تم نے عہد قبول کرلیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا) عہد کو اصر کہا کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو پختہ اور مضبوط کیا جاتا ہے۔ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا (انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تم ایک دوسرے پر اقرار میں گواہ ہو جاؤ)۔

تاکید برائے احتیاط مزید:

وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں درحقیقت یہ تاکید کیلئے فرمایا تاکہ عہد کی خلاف ورزی سے وہ اور زیادہ محتاط رہیں جبکہ وہ یہ مانیں کہ یہ جان کر کہ اس پر تو ہم میں سے ہر ایک دوسرے پر گواہ ہے۔ اور خود ذات باری تعالیٰ بھی گواہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ۔

۸۲: فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (جو اس تاکید اور پختہ عہد کے بعد اس سے منہ موڑے گا) اور قبول کر لینے کے بعد اس عہد کو توڑ دے اور آنے والے پیغمبر پر ایمان سے اعراض کرے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (وہ وہی فاسق ہیں)

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ وہ سب اس کے فرمانبردار ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں

طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

خوشی سے اور مجبوری سے۔ اور اسی کی طرف سب واپس ہوں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ نازل کیا گیا ہم پر

وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور ان کی اولاد پر

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

اور اس پر جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی تفریق نہیں

مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ

کرتے اور ہم اس کے لئے فرمانبردار ہیں اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو طلب کرے گا تو ہرگز

يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

یعنی سرکش کفار ہیں۔

دین اسلام کے ہوتے اور دین کی طلب نہیں ہوسکتی:

۸۳: اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔ یہاں ہمزہ استفہام انکاری کا فَا عاطفہ پر داخل ہوا۔ جملہ کا عطف جملہ پر ہے۔ مطلب یہ ہوا۔ وہ وہی فاسق ہیں تبھی تو اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ اور دین کے متلاشی ہیں۔ پھر ہمزہ کو درمیان میں فَا عاطفہ پر داخل کر دیا۔ تقدیر عبارت یہ ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ (کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں)

دوسری تفسیر: یہ کہ محذوف پر عطف ہو اور عبارت اس طرح ہو اأیتولون فَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ (کیا وہ منہ موڑتے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے سواء اور (دین کے) متلاشی ہیں) غیر دین اللہ مفعول ہے۔ اس کو اپنے فعل سے مقدم کیا کیونکہ وہ زیادہ اہم ہے۔ اس طرح کہ ہمزہ میں جو انکار ہے وہ معبود باطل کی طرف متوجہ ہونے والا ہے۔ (گویا یہ اشارہ کر دیا کہ دین اللہ کے ساتھ دوسرے دین کی طلب نہیں ہوسکتی) وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ (حالانکہ اسی ہی کے فرماں بردار ہیں جو آسمانوں میں ہیں) یعنی فرشتے

وَالْاَرْضِ (اور زمین میں) یعنی جن وانس طَوْعًا (مان کر) یعنی دلائل وانصاف کو سامنے رکھتے ہوئے۔ وَّکَرْھًا (مجبوری سے) تلوار کے ذریعہ یا عذاب کو آنکھوں سے دیکھ کر جیسے طور لٹکا کر۔ فرعون اور آل کا غرقاب ہوتے دیکھ کر یا موت کو جھانک کر۔ جیسا فرمایا فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا جب انہوں نے ہماری پکڑ کو دیکھا تو کہنے لگے ہم تو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کو مانتے ہیں۔

نحو وقراءت:

نَحو : حال ہونے کی بناء پر طَوْعًا اور کَرْھًا منصوب ہے۔ ای طائعین و مکرھین۔ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (اسی کی بارگاہ میں ان کو لوٹایا جائے گا) پس وہ تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے۔

قراءت: یَبْغُوْنَ اور یُرْجَعُوْنَ دونوں میں حفص کے نزدیک یا پڑھیں گے۔ مگر ابوعمرو نے یُرْجَعُوْنَ کو تُرْجَعُوْنَ کیونکہ باغی ہی منہ موڑنے والے ہیں۔ اور لوٹنے والے تو تمام لوگ ہیں۔ باقی تمام قراء نے دونوں میں تا پڑھی ہے اور جیم پر فتحہ پڑھا ہے۔

۸۴: قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ۔ (کہہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو ہم پر اتارا گیا) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی طرف سے اور ایمان والوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی خبر دیں۔ اسی لئے قُلْ صیغہ واحد کا اور اٰمَنَّا میں جمع کا صیغہ اور ضمیر لائی گئی۔ یا اپنی طرف سے اس انداز سے بات کریں جیسے بادشاہ بات کرتے ہیں۔ یہ انداز اپنے پیغمبر کی قدر ومنزلت کو بڑھانے کیلئے اختیار کیا گیا۔

لطیف نکتہ:

اُنْزِلَ یہاں حرف عَلٰی جو استعلاء اور بلندی کو ظاہر کرتا ہے اس کے ساتھ متعدی کیا گیا۔ اور سورۂ بقرہ میں حرف اِلٰی جو انتہاء کیلئے آتا ہے۔ اس سے متعدی کیا گیا تاکہ دونوں معانی پائے جائیں وحی اترتی تو بلندیوں سے ہے۔ اور رسول تک ختم ہوتی ہے۔ کبھی ایک معنی ثابت کیا جبکہ دوسری مرتبہ دوسرا معنی۔

ایک محل نظر قول:

صاحب لباب نے کہا کہ سورۂ بقرہ میں "قولوا" سے خطاب امت کو کیا گیا اور وہ خطاب الیٰ کے لفظ سے درست ہوسکتا ہے۔ کیونکہ کتابیں انبیاء علیہم السلام اور انکی امتوں تک پہنچتی ہیں۔ اور یہاں قُلْ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے نہ کہ امت کو پس آپ کے مناسب علیٰ کا لفظ تھا کیونکہ کتاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری ہے امت کی اس میں شرکت نہیں۔ مگر انکی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ارشاد الٰہی ہے۔ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (آل عمران۔۷۲) یہاں اُنْزِلَ کو عَلٰی کے ساتھ ایمان والوں کیلئے ذکر کیا گیا۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ (اور جو اتارا گیا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف) الاسباط سے اولاد یعقوب علیہ السلام میں جو پیغمبر ہوئے وہ مراد ہیں۔ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ (اور جو موسیٰ وعیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام دئے گئے) سورۂ بقرہ میں وَمَآ اُوْتِیَ کو دوبارہ لایا گیا مگر یہاں لما

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ

اللہ کیونکر ہدایت دے اس قوم کو جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ بلاشبہ رسول

حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ

حق ہے اوران کے پاس واضح دلائل بھی آ گئے، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ وہ لوگ ہیں

جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾

جن کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی،

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا ۔ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی، سوائے

الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ غفور ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ

رحیم ہے۔ بیشک جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے ہرگز

تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ان کی توبہ قبول نہ ہو گی اور یہ لوگ پکے گمراہ ہیں بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ

اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو ان میں سے کسی سے زمین بھر کر بھی سونا قبول

ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ

نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ اپنی جان کے بدلہ میں دینا چاہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

کوئی مددگار نہ ہوگا۔

اتیتکم میں ایتاء کا تذکرہ آچکا تھا۔اسلئے ایک مرتبہ ہی ذکر کیا۔مِنْ رَّبِّهِمْ (اپنے رب کے ہاں سے)لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (ہم ان میں سے کسی کے مابین ایمان کے سلسلہ میں تفریق نہیں کرتے) جس طرح یہود ونصاریٰ نے کر رکھی ہے۔وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (اور ہم اس کو یکتا ماننے والے ہیں)اور اپنے نفوس کو خالص کرنے والے ہیں کہ اسکی عبادت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔

مرتدین کا حکم:

۸۵:وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔(جواسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تلاش کرے) دین اسلام سے مراد توحید اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یا دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔دِيْنًا یہ يَّبْتَغِ سے تمیز ہے۔فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (پس وہ ہرگز اس سے قبول نہ کی جائے گی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا)یعنی ان لوگوں میں سے ہوگا۔یہ ان لوگوں کے متعلق اتری جو مکہ میں اسلام لائے پھر اسلام سے ارتداد اختیار کر کے اہل مکہ سے جا ملے۔

بے ڈھنگے ہدایت سے محروم رہتے ہیں:

۸۶:كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان لانے کے اور بعد اپنے اس اقرار کے کہ رسول سچے ہیں اور بعد اس کے کہ ان کو واضح دلائل پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے) وَشَهِدُوْٓا میں واؤ حال کیلئے ہے اور قَدْ مضمر ومحذوف ہے۔ای کفروا وقدشَهِدُوْا انہوں نے کفر کیا حالانکہ وہ گواہی دے چکے کہ رسول برحق ہیں۔الرسول سے مراد محمد ﷺ ہیں۔یا واؤ عاطفہ ہے اور ایمان مصدر ہونے کے باوجود اپنے اندر فعل کا معنی رکھتا ہے کیونکہ اسکا معنی یہ ہے اس کے بعد کہ وہ ایمان لا چکے۔وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ بینات سے مراد روشن دلائل جیسے قرآن اور تمام معجزات۔وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔اللہ تعالیٰ کافروں کو کفر پر رہتے ہوئے جنت کی راہ پر نہ لے جائیگا۔یا ان کو جنت کا راستہ نہ دکھائے گا۔اگر انکی موت کفر پر واقع ہوئی۔

۸۷:اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور آدمیوں کی بھی سب کی)

نحوی تحقیق:

نحو :اُولٰٓئِكَ یہ مبتدائے اول ہے جزاء هم مبتدائے ثانی۔اسکی خبر ان علیهم لعنة اللّٰه ہے اور یہ دونوں مل کر اُولٰٓئِكَ کی خبر بن گئی۔

دوسری ترکیب: جَزَآؤُ هُمْ یہ اُولٰٓئِكَ کا بدل الاشتمال ہے یہ دونوں مل کر مبتداء باقی خبر۔علیہم کی ہم ضمیر سے خالدین ۔حال ہے۔فیھا ھَا سے مرادلعنت ہے۔

توبہ کا فائدہ:

۸۸،۸۹: خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (ان سے عذاب کو نہ ہلکا کیا جائے گا اور نہ مہلت دی جائے گی مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اس کفر کے بعد) ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ کفروارتداد ہے۔وَاَصْلَحُوْا (اور اصلاح نفس کر لی) یعنی جو بگاڑ پیدا کیا تھا اسکی ایمان کے بعد درستگی کر لی ۔یا بھلائی میں داخل ہو گئے (یعنی ایمان قبول کرلیا) فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ (پس اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں) ان کے کفر کو رَّحِیْمٌ (ان پر رحم کرنے والے ہیں) یہ آیت یہود کے متعلق اتری۔

۹۰: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ۔ (بلاشبہ جنہوں نے انکار کیا) عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا۔بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ اسکے بعد کہ ان کو موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان تھا)۔

کفر پر اصرار کرنے والے کی بوقت موت توبہ قابل قبول نہیں:

ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا (پھر کفر میں مزید ترقی کر گئے) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا انکار کر کے ۔یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا۔ اسکے بعد کہ آپکی بعثت سے قبل آپ پر ایمان رکھتے تھے۔پھر کفر پر اصرار کر کے اس میں ترقی کی اور ہر وقت ان پر طعن و تشنیع کر کے کفر میں اضافہ کیا۔

نمبر۲۔یا ان لوگوں کے متعلق اتری جو مرتد ہو کر مکہ چلے گئے اور پھر اپنے کفر میں اس طرح کہہ کر مزید اضافہ کیا۔کہ تم نے ان کو جلاوطن کر دیا ہے۔ہم حوادث زمانہ کے ان پر گھومنے کے منتظر ہیں ۔لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ (انکی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائیگی) یعنی پکڑ کے وقت اگر وہ ایمان لائیں گے تو توبہ قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ موت کے وقت رجوع کریں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (غافر۔۸۵) انکا ایمان لانا جب وہ ہماری پکڑ دیکھ لیں ہرگز نفع بخش نہ ہوگا۔وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ۔ (اور ایسے لوگ پکے گمراہ ہیں)

کفر پر موت قبولیت فدیہ سے مانع ہے:

۹۱: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۔ (بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت میں انکی موت واقع ہوئی پس ہرگز ان میں سے کسی سے بھی زمین بھر سونا قبول نہ کیا جائیگا) فَلَنْ یُّقْبَلَ کی فا اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ یہ کلام شرط و جزاء والا ہے۔اور

قبولیت فدیہ کے ممنوع ہونے کا سبب کفر پر موت کا آنا ہے اور شروع کلام میں فا کو چھوڑ دیا۔ یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ یہ کلام مبتداء و خبر ہے اور شرط و جزاء ہونے کی اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

ذهبا یہ تمیز ہے۔ وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ (خواہ وہ فدیہ میں دے ڈالے) یعنی ہرگز ان میں سے کسی ایک سے فدیہ قبول نہ کیا جائیگا۔ اگرچہ وہ زمین بھر سونا دے ڈالے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن کافر کو کہا جائیگا اگر زمین بھر کر سونا دے دیا جائے۔ کیا تو عذاب سے بچنے کیلئے اس کو قربان کر دے گا؟ تو وہ کہے گا ہاں تو اسے کہا جائیگا تم سے تو اس سے آسان تر سوال کیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ واؤ تاکید نفی کیلئے ہے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (انہی لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہوگا) وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۔ (اور انکا کوئی مددگار نہ ہوگا) جو ان سے عذاب کو دفع کرے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ

ہرگز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز میں سے جس سے تم محبت کرتے ہو، اور جو بھی کوئی چیز خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو

عَلِیْمٌ ۝۹۲ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى

جاننے والا ہے۔ سب کھانے حلال تھے بنی اسرائیل کے لئے سوائے اس کے جو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام

نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ

کر لئے تھے۔ اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ تم تورات لے آؤ پھر اس کو پڑھو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۹۳ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ

اگر تم سچے ہو، پھر اس کے بعد جس شخص نے اللہ پر جھوٹا بہتان

ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹۴ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ

باندھا سو وہی لوگ ہیں بڑے بے انصاف آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا لہٰذا تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو

حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۹۵

جو باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنے والے تھے۔ اور مشرکین میں نہ تھے۔

محبوب ترین چیز کا صدقہ :

۹۲: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ۔ (تم ہرگز کمال نیکی نہیں پا سکو گے) یعنی تم حقیقی نیکی ہرگز نہ حاصل کر سکو گے یا تم ہرگز نیک نہ بن سکو گے۔ یا تم ہرگز اللہ تعالیٰ کے ثواب کو نہ پا سکو گے۔ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (یہاں تک کہ تم خرچ کرو اس چیز کو جس کو تم پسند کرتے ہو) یعنی تم اپنے اموال میں سے کچھ اموال جن کو تم پسند کرتے اور ترجیح دیتے ہو خرچ کرو۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے ہر وہ شخص جس نے اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے صدقہ کیا خواہ وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اس آیت میں داخل ہے۔ گویا نفلی وفرضی ہر دو قسم کے انفاق اس میں شامل ہیں۔ واسطیؒ کہتے ہیں۔ برّ تک اسی وقت پہنچا جا سکتا ہے جبکہ کچھ محبوب اشیاء اسکی راہ میں خرچ کی جائیں اور کونین سے یکسوئی اختیار کی جائے۔ ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم میرے احسان کو اس وقت نہیں پا سکتے جب تک تم اپنے بھائیوں سے احسان مندی نہ کرو۔ اور حال یہ ہے کہ مطلوب تک اس وقت تک پہنچ نہیں سکتے ہو۔ جب تک کہ محبوب چیز کو اپنے سے نہ نکالو گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ چینی کے گٹو خرید کر خیرات کرتے تھے۔ان سے کسی نے کہا آپ اسکی قیمت کیوں صرف نہیں کرتے؟ تو فرمایا کیونکہ چینی مجھے پسند ہے اس لئے میں نے پسندیدہ چیز راہ خدا میں دینا پسند کی۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ۔ (جو چیز تم خرچ کرو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں) یعنی وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے جس کو تم خرچ کر رہے ہو پس وہ اسکا بدلہ اسکے مطابق دے گا۔

نحو : پہلا مِنْ تبعیضیہ ہے۔حضرت عبداللہ کی قراءت اسکی تصدیق کرتی ہے حَتّٰی تُنْفِقُوْا بَعْضَ مَاتُحِبُّوْنَ۔ دوسرا مِنْ تبیین کیلئے ہے۔جس چیز میں سے انفاق ہو خواہ وہ پاکیزہ چیز ہو کہ جو تمہیں پسند ہو یا خبیث چیز ہو کہ جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔

شانِ نزول : جب یہود نے یہ اعتراض کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملت ابراہیم کے دعوے دار ہیں حالانکہ اونٹ کا گوشت استعمال کرتے ہیں۔جبکہ ملت ابراہیم میں اونٹ کا گوشت اور لبن دونوں حرام تھے۔اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ملت ابراہیمی میں حلال تھا اس لئے ہم اس کو حلال سمجھتے ہیں۔اس پر یہود نے کہا کہ یہ نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام سے لیکر آج تک حرام چلا آرہا ہے۔تو یہ آیات انکی تکذیب میں اتاری گئیں۔

۹۳: کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَاحَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِہٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىۃُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىۃِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔

یہود کے اعتراض کا جواب:

کُلُّ الطَّعَامِ (تمام کھانے) یہاں طعام بمعنی مطعوم یعنی غذا کے معنی میں ہے۔جن میں نزاع چل رہا تھا۔بعض تو ان میں سے وہ تھیں جو پہلے سے حرام چلی آرہی ہیں مثلاً مردار، خون۔ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (بنی اسرائیل کیلئے حلال تھے) حِلًّا مصدر ہے اور صفت کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔یعنی حلال جیسے عرب کہتے ہیں حل الشیٔ حِلًّا مصدر ہونے کی وجہ سے اس میں تذکیر وتانیث، واحد، جمع کا فرق نہیں جیسے ارشاد الٰہی ہے۔لا ھن حِلٌّ لھم (الممتحنہ۔۱۰) وہ عورتیں ان مردوں کے لیے حلال نہیں۔اِلَّا مَاحَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ (مگر جو حرام کی اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام نے) عَلٰی نَفْسِہٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىۃُ (اپنے اوپر اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو)۔

قراءت: مکی وبصری قراء نے تُنَزَّلَ کو تُنْزَلَ پڑھا ہے۔مراد اس سے اونٹ کا گوشت اور دودھ ہے یہ دونوں چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت محبوب تھیں۔مطلب یہ ہوا کہ تمام کھانے بنی اسرائیل کیلئے تورات اترنے سے پہلے تک حلال رہے۔سوائے ان کھانوں کے جنکو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔پھر جب تورات نازل ہوئی تو بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت و دودھ حرام کر دیا گیا۔اسلئے کہ ان کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىۃِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔(کہہ دیں اے محمدؐ! تم تورات لاؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو) اس آیت میں حکم دیا گیا کہ آپ ان سے انکی کتاب کے ذریعہ گفتگو کر کے ان کو لاجواب کریں۔وہ کتاب خود بول دیگی کہ ان چیزوں کی تحریم ان پر وقتی طور پر انکی بغاوت وسرکشی کی وجہ سے نافذ کی گئی تھی۔قدیم تحریم نہ تھی۔جس کے وہ مدعی ہیں۔(اس چیلنج کے بعد) وہ تورات کو لانے کی جرأت نہ کر سکے پس لاجواب ہو گئے۔اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے۔کہ محمدؐ سچے پیغمبر ہیں۔اور جس نسخ کا وہ انکار کرتے ہیں۔وہ بھی جائز و درست ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِينَ ﴿٩٦﴾

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ جو برکت والا ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے

فِيهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ

اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو گا امن والا ہو گا اور اللہ کے لئے

عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ

لوگوں کے ذمہ ہے اس گھر کا حج کرنا جسے طاقت ہو اس گھر تک راہ طے کر کے جانے کی، اور جو شخص منکر ہو سو اللہ

غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ﴿٩٧﴾

بے نیاز ہے سارے جہانوں سے۔

حق ناشناس ظالم ہے:

۹۴: فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ۔ (پس جو شخص اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے) اس طرح گمان کر کے کہ یہ چیزیں ملت نوحؑ وابراہیمؑ میں حرام تھیں۔ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ (اس قطعی حجت کے پیش کر دینے کے بعد) فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ۔ (وہ ہی ظالم ہیں) یعنی بیجا جھگڑا کرنے والے ہیں نہ وہ خود حق شناس ہیں اور نہ ہی دلائل کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں۔

کذبِ یہود پر تعریض:

۹۵: قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا) اپنی اطلاعات میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام نہیں کیا۔ اس آیت میں ان کے کذب پر تعریض کی گئی ہے یعنی یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز اتاری ہے وہ اسکے اتارنے میں سچے ہیں۔ اور تم جھوٹے ہو۔ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ (تم ملت ابراہیم کی اتباع کرو) ملت ابراہیم سے مراد ملت اسلام ہے۔ جس پر محمد ﷺ اور ان کے پیروکار کاربند ہیں۔ تاکہ تم اس یہودیت کو خیر باد کہہ دو جس نے تمہیں باندھ کر یہاں تک مجبور کر دیا کہ تم اپنی اغراض کی خاطر کتاب اللہ کی تحریف کرنے لگے۔ اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین کیلئے حلال کیا تھا۔ ان کو حرام کرنے پر اتر آئے۔

حَنِيفًا (وہ سب سے یکسو ہونے والے تھے)۔ یہ ابراہیم سے حال ہے یعنی باطل دینوں سے دین حق کی طرف جھکنے والے وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (وہ مشرکین میں سے نہ تھے) شانِ نزول: یہود نے کہا ہمارا قبلہ تمہارے قبلہ سے پہلے کا قبلہ ہے تو یہ آیت اتری۔

پہلی عبادت گاہ کعبہ ہے:

۹۶: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِينَ ۔ سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے قائم کیا

گیا (یعنی عبادت کے لئے) بنانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے وضع کرنے کا مطلب بطور عبادت گاہ کے لوگوں کیلئے مقرر کرنا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا لوگوں کے لئے پہلی عبادت گاہ کعبہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ مسجد حرام بیت المقدس سے چالیس سال قبل بنائی گئی۔

دوسرا یہ کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے اس کو بنایا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ پہلا گھر جس کا طوفان کے بعد حج کیا گیا وہ بیت اللہ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے پہلا گھر (جسکی جگہ) پانی میں آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت ظاہر ہوا۔ پانچواں قول یہ ہے۔ یہ پہلا گھر ہے جس کو آدم علیہ السلام نے سطح زمین پر بنایا۔

نحو: وُّضِعَ لِلنَّاسِ یہ موضع جر میں بیت کی صفت ہے اور لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ خبر ہے۔ ای لِلْبَیْتِ الَّذِیْ بِبَکَّۃَ۔

مکہ کا نام بکّہ ہے:

لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ (جو کہ مکہ میں ہے) بکہ یہ مکہ مکرمہ کا نام ہے۔ مکہ اور بکہ دو لغتیں ہیں۔

دوسرا قول: مکہ شہر کا نام ہے اور بکہ مسجد کی جگہ کو کہتے ہیں۔

ایک اور قول یہ ہے کہ یہ بکہ سے مشتق ہے جو از دحام کو کہتے ہیں۔ کیونکہ مکہ میں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ بکہ کا معنی توڑنا ہے کیونکہ یہ جابروں کی گردنوں کو توڑ دیتا ہے جو جابر بھی اسکا قصد کر کے آتا ہے۔ مُبٰرَکًا بہت (برکت والا) اس لئے کہ حج وعمرہ کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔ وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (اور جہان والوں کیلئے ہدایت ہے) کیونکہ وہ انکا قبلہ اور عبادت گاہ ہے۔

نحو: مُبٰرَکًا یہ وُضِعَ کی ضمیر سے حال ہے۔

کعبہ خود نشانات میں سے بڑا نشان ہے:

۹۷: فِیْهِ اٰیٰتٌ م بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ط وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ (اس میں واضح نشانات ہیں) جو کسی پر مشتبہ نہیں مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ مقام ابراہیم یہ آیات بینات سے عطف بیان ہے۔ یعنی کعبہ میں کثرت سے واضح نشانیاں یعنی مقام ابراہیم ہے۔ جمع کا عطف بیان واحد آ سکتا ہے۔ کیونکہ نمبر ۱۔ وہ اکیلا ہی کئی واضح نشانات کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ اس کی شان ظاہر ہے اور قدرتِ الٰہی پر اسکی دلالت انتہائی قوی ہے۔ اور نبوت ابراہیم علیہ السلام پر مضبوط دلالت ہے کہ ان کے قدم کا اثر اس سخت پتھر پر ظاہر ہوا۔

نمبر ۲۔ وہ پتھر کئی نشانات پر مشتمل ہے کیونکہ ان کے قدم مبارک کا اثر سخت چٹان پر ایک نشانی اور پاؤں کا ٹخنوں تک دھنسنا دوسری نشانی ہے۔

نمبر ۳۔ بعض پتھروں کا نرم ہونا اور دوسروں کا نہ ہونا۔ نمبر ۴۔ ابراہیم علیہ السلام کی نشانی کے طور پر اسکا باقی رہنا جبکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے نشانات موجود نہیں۔ وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا (جو اس میں داخل ہوا وہ امن میں ہو گیا) یہ آیات بینات سے عطف بیان ہے۔ اور

اگر چہ یہ جملہ ابتدائیہ یا شرطیہ ہے معنوی لحاظ سے کیونکہ یہ حرم میں داخل ہونے والے کے مامون ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا کہ اس میں واضح نشانیاں یعنی مقام ابراہیم اور داخل ہونے والے کا مامون ہونا۔ یہ تثنیہ ہی معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ان دونوں نشانات کا ذکر کر دیا جائے اور بقیہ نشانات کا تذکرہ سمیٹ دیا جائے کیونکہ ان دونوں میں ان نشانات پر کافی دلالت پائی جاتی ہے گویا اس طرح کہا گیا کہ اس میں واضح آیات مقام ابراہیم اور اس میں داخل ہونے والے کا مامون ومحفوظ ہونا اور ان دونوں کے علاوہ اور بہت سی نشانیاں ہیں جیسے۔ پرندے اسکے اوپر نہیں اڑتے وغیر **ذلک** گویا ان دونوں نشانیوں میں سارے تذکرہ کو اس طرح لپیٹ دیا گیا جیسا رسول ﷺ کے اس ارشاد میں **حبّبَ اِلَیّ من دنیا کم ثلاث الطیب والنساء و قرۃ عینی فی الصلوٰۃ** اس ارشاد مبارک میں تیسری چیز کو چھوڑ دیا گیا اور اسکی بجائے جملہ ابتدائیہ کے طور پر **قرۃ عینی فی الصلوۃ** فرمادیا جو دنیا سے متعلق نہیں گویا آپ نے تیسری چیز کا تذکرہ اس بات پر متنبہ کرنے کیلئے چھوڑ دیا کہ میرے مرتبے کا تقاضہ نہیں کہ میں دنیا کی کسی چیز کا ذکر کروں۔ اس لئے دین کی ایک چیز کو ذکر کر دیا۔

نشان قدم مبارک:

پتھر پر قدم کے اس نشان کے بارے میں کہا گیا کہ جب بیت اللہ کی دیوار بلند ہوگئی اور ابراہیم علیہ السلام کیلئے پتھر اٹھانے ممکن نہ رہے تو آپ اس پتھر پر کھڑے ہوگئے اس میں آپ کے قدم گڑ گئے۔

دوسرا قول یہ بھی ہے کہ آپ شام سے واپس لوٹے۔ تاکہ مکہ میں بیٹے سے ملاقات کریں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے کہا آپ اتریں آپ سر مبارک دھولیں۔ آپ سواری سے نہ اترے۔ تو وہ یہ پتھر اٹھالائیں اور انکے دائیں طرف اس پتھر کو رکھ دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنا قدم اس پتھر پر رکھا یہاں تک کہ اپنے سر کی دائیں جانب دھولی۔ پھر وہ اس پتھر کو بائیں جانب لے گئیں یہاں تک کہ انہوں نے سر کی بائیں جانب بھی سواری کی حالت میں دھولی۔ پس آپ کے قدمین کا اثر اس پتھر پر باقی رہ گیا۔

حرم امن کی مراد:

اور حرم میں داخل ہونے والے کیلئے امن کا میسر آنا ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے تھا **رب اجعل هذا البلد امنا** (ابراہیم۔۳۵) اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنادے۔ عرب جاہلیت میں جب کوئی آدمی جرم کر کے حرم میں پناہ گزیں ہو جاتا۔ تو اس کو تلاش نہ کیا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ اگر میں خطاب کے قاتل کو اسکے اندر پانے میں کامیاب ہو جاؤں تو میں اس کو وہاں سے نکلنے تک ہاتھ تک نہ لگاؤں گا۔

مسئلہ: جس آدمی پر حِل میں قصاص لازم ہوا یا ارتداد کے باعث یا زنا کی وجہ سے قتل کے قابل ہوا۔ پھر وہ حرم میں گھس گیا۔ تو اس کو وہاں قتل نہ کیا جائے گا۔ مگر اس کو ٹھکانہ لینے اور کھانا؛ پانی لینے کی اجازت نہ دی جائیگی۔ اور نہ خرید وفروخت کی اجازت دی جائیگی۔ تا آنکہ نکلنے پر مجبور ہو جائے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ امن سے مراد مامون من النار ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جو حرمین میں سے کسی میں فوت ہوا قیامت کے دن اس کو آگ سے مامون اٹھایا جائے گا۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا۔ حجون اور بقیع کو انکی اطراف سے پکڑ کر جنت میں

پھیلا دیا جائے گا۔ یہ دونوں مدینہ و مکہ کے قبرستان ہیں۔ رسول علیہ السلام کا ارشاد ہے جس نے مکہ کی گرمی پر دن کا تھوڑا سا حصہ صبر کیا اس سے جہنم دو سو سال کے فاصلے پر دور ہو جاتی ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض حج لازم ہوا)

قراءت: ابوبکر کے علاوہ دیگر کوفی قراء نے حِجُّ الْبَيْتِ بطور نام کے پڑھا ہے اور حج البیت۔ فتح کی صورت میں یہ مصدر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حج مصدر میں یہ دونوں لغتیں ہیں۔ مَنِ یہ موضع جر میں بدل البعض ہے۔ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (اسکی طرف راستہ کی طاقت رکھتا ہو) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تفسیر زاد و راحلہ سے کی ہے۔ اور اِلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع البیت یا حج ہے اور ہر وہ چیز جو کسی چیز کی طرف جانے کا ذریعہ ہو وہ سبیل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا۔

ملّت مسلمہ کا اقرار:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہل ادیان کو جمع کیا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر حج کو فرض کیا پس تم حج کرو۔ پس آپ پر ایک ملت والوں نے یقین کیا اور وہ مسلمان تھے۔ اور پانچ ملتوں والوں نے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے۔ ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور اسکی طرف رخ کر کے نہ نماز پڑھیں گے اور نہ ہی اس کا حج کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ (جس نے انکار کیا پس بیشک اللہ تعالیٰ جہان والوں سے مستغنی ہیں) اور انکی اطاعت سے بھی بے نیاز ہیں۔

لطیف نکتہ:

اس آیت میں کئی تاکیدات ہیں۔ مثلاً لام، علی، مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا لازم حق ہے۔ جو لوگوں کی گردنوں پر پڑا ہوا ہے۔ نیز اس میں ابدال ہے، مراد دو مرتبہ تکرار سے لایا گیا۔ کیونکہ ابہام کے بعد وضاحت اور اجمال کے بعد تفصیل کرنا۔ دو الگ صورتوں میں اس حکم کو لانے اور ذکر کرنے کی طرح ہے۔

تارکِ حج پر اللہ غضبناک ہے:

اور اسی قسم میں سے یہ حصہ ارشاد الٰہی کا ہے کہ وَمَنْ كَفَرَ فرمایا۔ مَنْ لم یحج نہیں فرمایا۔ تارک حج پر سختی کرتے ہوئے اس کو کافروں کا عمل قرار دیا۔ اور اس میں سے ایک جہان والوں سے بے نیازی کا ذکر فرمانا ہے۔ اور یہ ناراضگی اور غصے کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تارک حج سے اللہ غضبناک ہے۔ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ میں لفظ اللہ کو دوبارہ لائے ضمیر ذکر نہیں کی۔ تاکہ تارک حج کی طرف اللہ تعالیٰ کا استغناء بصورت تعمیم مدلل طور پر ظاہر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا انتہائی غضب معلوم ہو جائے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ حالانکہ اللہ کو تمہارے سب کاموں کی اطلاع ہے،

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اس شخص کو جو ایمان لائے تم اس میں کجی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو، اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو،

۹۸: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ۔ (اے اہل کتاب تم کیوں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ گواہ ہیں تمہارے اعمال پر) وَاللّٰهُ میں واؤ حالیہ ہے۔ مطلب یہ ہے تم ان آیات اللہ کا کیوں انکار کرتے ہو جو حضرت محمد ﷺ کی صداقت پر دلالت کرنے والی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے واقف ہیں پس وہ ان پر تمہیں سزا دیں گے۔

اللہ کی راہ سے روکنے پر وعید:

۹۹: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ (اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو) الصدّ۔ منع کرنا۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ (اللہ تعالیٰ کی راہ سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے) یعنی تم دین حق سے کیوں روکتے ہو۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا وہ راستہ جس پر چلنے کا حکم دیا گیا وہ اسلام ہے۔ جو آدمی اسلام میں داخل ہونا چاہتا وہ پوری کوشش کر کے اس سے روکتے۔ تَبْغُوْنَهَا (تم اس میں تلاش کرتے ہو) ای تطلبون لها تم اللہ کے راستہ کے کج ہونے کے طلب گار رہو۔

نحو: یہ محل نصب میں حال ہے۔

عِوَجًا (ٹیڑھ) یہ بمعنی اِعوجاجا ہے۔ ٹیڑھا ہونا وہ میانہ روی اور استقامت سے ہٹ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی صفات کو بگاڑ کر بیان کرتے وغیرہ۔ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ (تم گواہ ہو کہ) وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا راستہ ہے جس سے کوئی انتہائی گمراہ شخص روک سکتا ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں) جیسے اسکی راہ سے لوگوں کو روکنا اس میں سخت وعید ہے۔ اگلی آیت میں ایمان والوں کو ایسے لوگوں کی اتباع سے منع کر دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے ایک جماعت کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی

يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى

تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں واپس کافر بنا دیں گے، اور تم کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی

عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

تلاوت کی جاتی ہے اور تمہارے اندر اس کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑ لے سو اس کو

هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ

سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دی گئی، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ جیسا کہ اس سے ڈرنے

تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ

کا حق ہے اور ہرگز مت مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو، اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو

جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً

مضبوطی سے پکڑ لو، اور آپس میں متفرق نہ ہو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تمہارے اوپر ہے جبکہ تم دشمن تھے۔

فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا

سو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرما دی لہٰذا تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے

حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

کنارے پر تھے سو اللہ نے تم کو اس سے بچا دیا۔ اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنی آیات

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

۱۰۰: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ۔ (اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی ایک جماعت کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں گے)

شاس بن قیس یہودی کی شرارت:

کہا جاتا ہے کہ شاس بن قیس یہودی کا گزر اوس وخزرج کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا جہاں بیٹھ کر وہ باتوں میں مصروف تھے۔اس کو مسلمانوں کی باہمی الفت ومحبت ایک آنکھ نہ بھائی۔اس نے ایک یہودی نوجوان کو کہا کہ وہ ان کے مابین جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ کرے شاید کہ یہ لڑ پڑیں یہ جنگ بعاث ایسا دن تھا جس میں اوس وخزرج کے بہت سے لوگ قتل ہوئے تھے۔نتیجۃً اوس کو فتح ملی تھی۔اس یہودی نے جا کر ان کے مابین اس کا تذکرہ کیا۔اس پر ان کے مابین تنازع پیدا ہوا۔اور السلاح۔ السلاح نعرہ ہائے جاہلیت بلند کرنے لگے۔ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر ان کی طرف تشریف لائے اور فرمایا کیا تم جاہلیت کی آوازیں دے رہے ہو حالانکہ ابھی تو میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اسکے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام سے عزت دی اور تمہارے مابین الفت پیدا فرما دی۔پس اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ شیطانی چوک ہے۔چنانچہ ہتھیار پھینک کر ایک دوسرے کے گلے لگ کر رونے لگے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

استفہام تعجّبی ہے:

۱۰۱: وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ (اور تم کفر کیسے کر سکتے ہو) كَيْفَ میں استفہام انکار وتعجب کیلئے ہے۔یعنی تعجب ہے کہ کہاں سے کفر تمہاری طرف چل کر آیا حالانکہ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ (اور تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں) تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن معجز حضرت محمد ﷺ کی زبان سے تازہ بتازہ پڑھا جاتا ہے۔وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ (اور تمہارے درمیان اسکا رسول ﷺ موجود ہے) جو تمہیں منع کرتا اور وعظ ونصیحت کرتا اور تمہارے شبہات کو مٹاتا ہے۔وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ (اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے) جو اللہ تعالیٰ کے دین کو یا اسکی کتاب کو مضبوطی سے تھامنے والا ہو یا اس میں اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ کفار کے شر وروفریب کو دور کرنے کیلئے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں۔ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔(تو اس کو ضرور ہدایت میسر آ گئی سیدھے راستہ کی طرف) یعنی دین حق کی طرف اسکی راہنمائی کر دی گئی۔یا جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا ماویٰ وملجا قرار دے جبکہ شبہات پیش آئیں تو اللہ تعالیٰ اس کو شبہات سے محفوظ فرماتے ہیں۔

حق تقویٰ کامل اطاعت ہے:

۱۰۲: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔(اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا ہے اور سوائے اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا) حَقَّ تُقٰتِهٖ کا مطلب جو تقویٰ لازم ہے اور جو کچھ اس سے لازم ہوتا ہے اور وہ واجبات کو اختیار کرنا اور محرمات سے پرہیز کرنا ہے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اطاعت کرنے اور نافرمانی نہ کرنے اور شکر بجالانے اور ناشکری سے گریز کرنے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور نہ بھلانے کو کہتے ہیں۔یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں اس کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت رکاوٹ نہ بنے اور وہ انصاف کرے خواہ اپنے نفس

اوراولاد ووالد کے خلاف کیوں نہ ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے صحیح طور پر ڈرتا ہے۔ اسکی زبان حکمت کا خزینہ ہوگی۔

صرف :التقاۃ یہ اتقٰی سے ہے جس طرح تؤدۃ۔ آتاد سے ہے۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ جب تمہیں موت کا ادراک ہو جائے تو تمہاری حالت اسلام کے سواء دوسری ہرگز نہ ہونی چاہیے۔

اعتصام بحبل اللہ کا حکم:

۱۰۳: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (اور اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو) یعنی قرآن کو مضبوطی سے تھام لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسّی ہے۔ اسکے عجائبات کی انتہا نہیں۔ اور بار بار لوٹانے سے پرانا نہیں ہوتا۔ جس نے قرآن کی بات کی اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ رشد وہدایت پا گیا۔ اور جس نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا اس نے صراط مستقیم کی طرف ہدایت پالی۔ وَّلَا تَفَرَّقُوْا (اور باہم نااتفاقی مت کرو)

اجماع امت کو مضبوطی سے پکڑو:

نحو: وَّلَا تَفَرَّقُوْا یہ وَاعْتَصِمُوْا کی ضمیر مخاطب سے حال ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اجماع امت کو مضبوطی سے پکڑو۔ اسکی دلیل وَّلَا تَفَرَّقُوْا ہے یعنی ایسا فعل نہ کرو جس سے تفرقہ پیدا ہو۔ اور اس سے اجماع امت زائل ہو جائے۔ دوسری تفسیر یہ بھی ہے کہ اپنے درمیان اختلاف میں پڑ کر حق سے علیحدگی مت اختیار کرو۔ جیسے یہود ونصاریٰ نے اختلاف کیا۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ جس طرح تم زمانہ جاہلیت میں متفرق تھے ایک دوسرے سے لڑائی کرتے تھے۔ اس طرح مت کرو۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (اور اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو۔ جب کہ تم دشمن تھے پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اسکی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے) زمانہ جاہلیت میں ان کے مابین دشمنی اور لڑائیاں تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام کے ذریعہ الفت ڈال دی اور ان کے قلوب میں محبت پیدا کر دی پس وہ آپس میں محبت کرنے لگے اور بھائی بھائی بن گئے۔

گرنے والے گڑھے کا کنارہ جہنم:

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے) یعنی تم کنارے پر پہنچے ہوئے تھے۔ اور تم اس میں جا گرتے کیونکہ کفر پر تھے۔ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (پس اس نے تمہیں اس سے نجات دی) اسلام نصیب کر کے۔ اس میں فرقۂ معتزلہ کی تردید ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں وہ خود اپنے آپ کو نکالنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نکالنے والے نہیں۔ ھَا کی ضمیر حفرۃ ، نار یاشفاء کی طرف راجع ہے۔ اور حفرۃ کی طرف اضافت کی وجہ سے مؤنث لائے۔ شَفَا حُفْرَةٍ گڑھے کا کنارا۔ اس کا لام کلمہ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

اور تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا ضروری ہے جو دعوت دیتے ہوں خیر کی طرف، اور حکم کرتے ہوں اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہوں

عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

برے کاموں سے، اور یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہیں، اور مت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح

تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ

جو آپس میں متفرق ہوگئے اور اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچے آپس میں اختلاف کر لیا، اور یہ لوگ ہیں جن کے لئے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٥﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا

بڑا عذاب ہے، جس دن چہرے سفید ہوں گے اور چہرے سیاہ ہوں گے، سو جن

الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا

لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم نے کفر اختیار کیا اپنے ایمان کے بعد، سو چکھ لو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ

عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے، اور جن کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ

رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ

اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں ہم آپ پر ان کی تلاوت کرتے ہیں

بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

حق کے ساتھ، اور اللہ جہانوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا، اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾ ع

اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

واؤ ہے اسی لئے اس کی تثنیہ شفوان آتی ہے۔ كَذٰلِكَ (اسی طرح) ایسے شاندار بیان سے يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ (اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو تمہارے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں) یعنی قرآن جس میں امر و نہی، وعد و وعید ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (تا کہ تم راہ پاؤ) یعنی تا کہ تم ہدایت کے امیدوار بنو۔ یا تا کہ تم اسکے ذریعہ درست راستہ اور جس سے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ وہ راہ پاؤ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت:

۱۰۴: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف دعوت دینے والی ہو) المعروف سے مراد جس کو شرع اور صحیح عقل درست قرار دے۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور برائی سے روکنے والی ہو) الْمُنْكَرِ جس کو شریعت اور صحیح عقل برا سمجھیں یا معروف وہ جو کتاب وسنت کے موافق اور منکر وہ ہے جو کتاب وسنت کے مخالف یا معروف اطاعت کو کہتے ہیں جبکہ منکر معاصی کو کہتے ہیں۔ خیر کی طرف دعوت تمام افعال تکلیفیہ اور ممنوعات میں عام ہے۔ اور جو اس پر عطف کیا گیا وہ خاص ہے۔

مِّنْكُمْ میں مِّنْ تبعیض کے لئے ہے۔ کیونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ اور یہ اسی کے لئے مناسب ہے جو معروف ومنکر کی خبر رکھتا ہو۔ اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اسکے قائم کرنے کیلئے ترتیب کیا ہوگی۔ وہ آسان سے شروع کرے اگر فائدہ نہ ہو تو پھر اس سے مشکل کی طرف ترقی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاصلحوا بینهما کہ ان کے مابین درستگی کرو پھر فرمایا فقاتلوا (الحجرات: ۹) پھر اس سے لڑو۔

نمبر۲۔ دوسری تفسیر مِنْ بیانیہ ہے تم ایسی امت بن جاؤ جو حکم کرنے والی ہو بھلائی کا جیسا کہ اس ارشاد الٰہی میں ہے: کنتم خیر امة اخرجت لِلنّاس تامرون بالمعروف کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے نکالی گئی ہو تم حکم کرتے ہو معروف کا۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (وہ وہی لوگ کامیاب ہیں) یعنی کامل فلاح کے ساتھ خاص ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امر بالمعروف کیا اور برائی سے روکا وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کا خلیفہ ہے اور اسکے رسول کا خلیفہ اور اس کی کتاب کا خلیفہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ افضل الجهاد الامر بالمعروف والنهی عن المنكر افضل ترین جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

تفرقہ تو یہود ونصاریٰ کی خصلت ہے:

۱۰۵: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ (تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے (عداوت سے) تفرقہ ڈالا) وَاخْتَلَفُوْا (اور اختلاف پیدا کیا) دین میں وہ یہود ونصاریٰ ہیں۔ انہوں نے اختلاف کیا اور ایک دوسرے کو کافر قرار دیا۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ (اسکے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل آ چکے) جو کہ کلمہ حق پر سب کے اتفاق لازم کرنے والے تھے۔ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (ان لوگوں کیلئے بڑا عذاب ہے)

۱۰۶: يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۔ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ جس روز بعض چہرے سفید ہو جائیں گے۔ يَّوْمَ کو اذکروا محذوف کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے گا۔ یا عظیم یا لھم کی وجہ سے اور وجوہٌ سے مراد وجوہ المؤمنین ایمان والوں کے چہرے مراد ہیں۔ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (اور کافروں کے چہرے سیاہ ہونگے) بیاض نور کے باعث ہوگا جبکہ سیاہی ظلمت کی وجہ سے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ (پھر وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوئے) پس ان کو کہا جائے گا۔ اَكَفَرْتُمْ (کیاتم نے کفر کیا) یہاں قول اور فا کو حذف کر دیا کیونکہ وہ معلوم ہے اور ہمزہ توبیخ کیلئے اور انکی اس حالت پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔

ایمان کے بعد کفر کرنے والے مرتد‘ منافق واہل کتاب:

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اپنے ایمان کے بعد۔ یعنی ایمان سے مراد میثاق کے دن والا اقرار ہے۔ پس مراد اس سے تمام کفار ہونگے۔ یہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ظاہر قول بھی یہی ہے۔

دوسرا قول: مرتد یا منافق مراد ہیں۔ پھر مطلب یہ ہوگا۔ کیاتم نے باطن میں انکار کیا بظاہر اسلام کا اقرار کر لینے کے بعد۔

تیسرا قول: اہل کتاب مراد ہیں ایمان کے بعد ان کے کفر کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل آپ کا اعتراف کیا مگر آمد کے بعد انکار کر دیا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ (پس تم اپنے کفر کے باعث عذاب چکھو)

۱۰۷: وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ (اور پھر وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہونگے) رحمت سے یہاں مراد نعمت اور ہمیشہ کا ثواب ہے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) یہ جملہ مستانفہ لائے۔ کہ نہ وہ جنت سے کوچ کریں گے اور نہ ہی ان پر موت واقع ہوگی۔

۱۰۸: تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں) جو وعد و وعید وغیرہ کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (ہم ان کو تم پر پڑھ رہے ہیں اس حال میں کہ وہ حق سے ملی ہوئی ہیں) اور عدل کے ساتھ یعنی محسن کا بدلہ اور مجرم کو سزا۔

اللہ جل شانہ بلا جرم گرفتار نہیں کرتے:

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ جہان والوں کے ساتھ ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتے) یعنی وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں چاہتے کہ کسی کو بغیر جرم کے گرفتار کر لیں یا مجرم کو جرم سے زیادہ سزا دیں یا نیکی کرنے والے کا ثواب کم کر دیں۔

۱۰۹: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام امور لوٹائے جائینگے) پس وہ محسن کو اسکے احسان اور مجرم کو اسکی برائی پر سزا دیگا۔

قراءت: شامی اور حمزہ اور علی نے تَرْجِعُ۔ تا کے فتحہ اور جیم کے کسرہ سے پڑھا ہے۔

اہم تنبیہ:

كَانَ سے زمانہ ماضی میں ابہام کے طور پر کسی شئے کے وجود کی تعبیر کی جاتی ہے۔ اس میں عدم سابق اور انقطاع مستقبل کی کوئی دلیل نہیں۔ مطلب یہ ہے كَانَ کا زمانہ ماضی کے لیے آنا کسی چیز کے ثبوت پر تو دلالت کرتا ہے مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ثبوت ماضی منقطع ہو گیا یا آئندہ منقطع ہو جائیگا۔ یہ تعیین تو خارجی قرائن کی محتاج ہے۔ اس لئے جب انقطاع کا قرینہ نہ ہوگا تو استمرار ہی ثابت ہوگا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ

تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو نکالی گئی لوگوں کے لئے بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا

سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے

لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

بہتر ہوتا، ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر ان میں سے فرمانبرداری سے باہر ہیں۔

بہترین امت کا لقب:

۱۱۰: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (کہ تم بہترین امت ہو) (اور تھے اور ہو گے) گویا اس آیت میں كُنْتُمْ کہہ کر یہ کہا گیا تم بہترین امت پائے گئے یا تم اللہ تعالیٰ کے علم میں بہترین امت تھے۔ یا لوح محفوظ میں بہترین امت تھے۔ یا تم بہترین امت ہو ان امتوں میں جو تم سے قبل ہو گزریں اس لئے کہ تم خیر امت کی صفت سے موصوف ہو۔ اُخْرِجَتْ تم ظاہر کی گئی ہو۔ لِلنَّاسِ (لوگوں کیلئے) لام اُخْرِجَتْ کے متعلق ہے تَاْمُرُوْنَ (تم حکم دیتے ہو) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہ جملہ لا کر خیر امت ہونا مزید واضح کیا جیسا تم کہو۔ زيد كريم يطعم الناس ويكسوهم دراصل زید کی سخاوت کو اطعام اور الباس سے خوب واضح کیا۔ بِالْمَعْرُوْفِ بھلائی کا۔ بھلائی سے ایمان اور اطاعت رسول ﷺ مراد ہے۔ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور تم برائی سے روکتے ہو) منکر سے یہاں کفر مراد ہے اور ہر ممنوع بھی اسکے تحت داخل ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو) اور اس پر ایمان میں مداومت اختیار کرنے والے ہو۔ (تو گویا پہلے ایمان کا ویسے تذکرہ فرمایا اور یہاں ایمان پر مداومت کے لحاظ سے ذکر فرمایا) یا واؤ ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتی اس لئے امر بالمعروف کے بعد ایمان کے ذکر میں حرج ہی کیا ہے۔ (بلکہ اس میں نکتہ یہ ہے کہ امر بالمعروف دکھاوے کیلئے نہیں کرتے بلکہ دل کی ترجمانی کرتے ہوئے کرتے ہیں)۔

اہل کتاب کا ریاست کو ترجیح دینا قابل افسوس ہے:

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ (اگر اہل کتاب (حضرت محمد ﷺ) پر ایمان لے آتے) لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (تو ان کیلئے بہتر ہوتا) تو ان کے لئے ایمان بہت بہتر ہوتا اس سے جس میں وہ مبتلا ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے دین کو دین اسلام پر ریاست کی محبت میں ترجیح دی اور تا کہ عوام ان کے پیرو رہیں۔ اگر وہ ایمان لے آتے تو ان کو وہ سرداری بھی مل جاتی اور اتباع بھی میسر آ جاتی دنیا سے نفع اندوزی بھی ہو جاتی جس کی خاطر انہوں نے دین باطل کو ترجیح دی۔ بلکہ ایمان پر جس کامیابی کا وعدہ کیا گیا اور دو مرتبہ اجر دینا بتلایا گیا وہ بھی ان کو حاصل ہو جاتا۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ قف ثُمَّ

تم کو ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا سی تکلیف، اور اگر تم سے جنگ کریں گے وہ تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر

لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ

ان کی مدد نہ کی جائے گی، جمادی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں بھی پائے جائیں، مگر ایسے سبب سے

مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ

جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایسے سبب سے جو لوگوں کی طرف سے ہو، اور وہ لوٹ گئے اللہ کے غصہ کو لے کر، اور جمادی گئی

عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ

ان پر مسکنت ، یہ اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے اللہ کی آیتوں کے ساتھ

يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾ ق

اور وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ (ان میں کچھ مؤمن ہیں) جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی۔ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (اور اکثریت انکی فساق ہے) یعنی کفر میں ضدی اور سرکش۔

کفار کی معمولی ایذائیں تو رہیں گی:

۱۱۱: لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ (وہ ہرگز تمہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ مگر معمولی) یعنی تھوڑی تکلیف جو زبانی طور پر دین میں طعن کرنے کی حد تک ہو۔ یا اسی طرح کی دوسری تکلیف دھمکی وغیرہ۔ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ (اگر وہ تم سے لڑ پڑیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلیں) یعنی شکست کھا کر۔ وہ تمہیں قتل وقید کا نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ (پھر انکی مدد نہ کی جائیگی) پھر ان کو کسی طرف سے مدد نہ ملے گی اور نہ تم سے بچا سکیں گے۔ اس میں ان لوگوں کیلئے جو ایمان قبول کرنے والے ہیں تسلی دی۔ کیونکہ ان کو یہود ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے۔

نحو: یہ جملہ ابتدائیہ ہے اس کا عطف جملہ شرطیہ پر ہے۔ يُوَلُّوْكُمُ پر عطف نہیں اگر اس پر عطف ہوتا تو عبارت اس طرح ہوتی ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْا۔

نکتہ: یہ جملہ مستانفہ لائے تا کہ اعلان کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کسی صورت میں مدد نہ کریں گے خواہ وہ لڑیں یا نہ لڑیں تقدیر کلام اس طرح ہے: اُخبر کم انھم اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ ینہزموا ثم اخبر کم انھم لَا يُنْصَرُوْنَ۔ میں تمہیں بتلا رہا ہوں کہ اگر

وہ تم سے لڑائی کرینگے تو شکست کھا جائیں گے پھر میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ انکی مدد نہ کی جائیگی۔

ثُمَّ: رتبہ میں تراخی کیلئے استعمال ہوا ہے کیونکہ ان پر رسوائی کا مسلط ہونا ان کے پیٹھ پھیر کر بھاگنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔

۱۱۲: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَاثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ ضُرِبَتْ (لازم کردی گئی) عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ (یہود پر ذلت) اَيْنَ مَاثُقِفُوْٓا (جہاں وہ پائے جائیں) اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ (مگر اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری سے) بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ محل نصب میں واقع ہے حال ہونے کی وجہ سے اور با محذوف سے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے۔ الا معتصمين اومتمسكين بحبل من الله مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامنے والے ہوں۔ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (اور لوگوں کی ذمہ داری سے) الحبل سے مراد عہد و ذمہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر حال میں ذلت ان پر چمٹنے والی ہے۔ مگر وہ حالت جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور لوگوں کی ذمہ داری کو تھامنے والے ہوں یعنی ان کو صرف اس طریقے سے عزت مل سکتی ہے اور وہ انکا جزیہ قبول کر کے ذمہ داری میں آنا ہے۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو اپنے لیے لازم کرلیا) وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (ان پر مسکینی مسلط کردی گئی) یہ فقر انکی اس بات پر سزا کے طور پر ہے۔ جو انہوں نے کہی۔ اِنَّ اللّٰهَ فقير و نحن اغنيآء (آل عمران۔۱۸۱) کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ فقیر اور ہم غنی ہیں۔ یا فقر کا خطرہ خواہ مالی وسعت سے موجود ہو۔ (جیسے موجودہ دور میں ساری دنیا کا مال اپنے پیٹ میں بھرلینا چاہتے ہیں۔) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (یہ اس لئے کہ وہ کفر کرتے رہے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے رہے) ذٰلِكَ کا مشارالیہ ضرب ذلت ومسکنت اور بواء غضب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر اور انبیاء علیہم السلام کے ناحق قتل کی وجہ سے ہوا۔ پھر فرمایا ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور اس میں وہ حد سے گزر گئے) یعنی یہ کفر وغیرہ والا فعل اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود پھاند گئے۔

لَيۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ

یہ لوگ سب برابر نہیں ہیں اہل کتاب میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق پر قائم ہے رات کے اوقات میں

اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ

اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور

يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ

امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں

وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلَنۡ يُّكۡفَرُوۡهُ ؕ

اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں، اور یہ لوگ جو بھی کچھ خیر کا کام کریں گے تو اس کی ناقدری نہ کی جائے گی

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ متقیوں کو جاننے والا ہے۔

اہل کتاب کی عدل والی جماعت:

۱۱۳: لَيۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ۔ (تمام اہل کتاب برابر نہیں) مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ (اہل کتاب میں)

نحو : یہ جملہ مستانفہ ہے یہ لَيۡسُوۡا سَوَآءً کا بیان ہے جیسا کہ تامرون بالمعروف ۔ کنتم خیر امۃ کا بیان ہے۔ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ (ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہے) ایک مضبوط عادل جماعت ہے یہ قائمہ کا لفظ اقمت العود فقام سے ہے کہ میں نے لکڑی کو سیدھا کیا پس وہ سیدھی ہوگئی۔ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو ان میں سے اسلام لائے۔ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ) وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ آیات اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔ اٰنَآءَ الَّيۡلِ (رات کے اوقات میں) اٰنَآءَ جمع ہے اس کی واحد اَنۡیٌ جیسے مَعۡنًی یا اَنۡوٌ جیسے قنوٌ یا اِنۡیٌ جیسے نِحۡیٌ۔ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ (اس حال میں کہ وہ سجدہ کرنے والے ہیں) یسجدون سے مراد نماز پڑھتے ہیں۔ بعض نے کہا اس سے مراد نماز عشاء ہے کیونکہ اہل کتاب اس کو نہ پڑھتے تھے۔ بعض نے کہا تہجد کی نماز کو تلاوت قرآن سے تعبیر کیا گیا جو ساعات لیل میں ہوتی ہے۔

مزید اعلیٰ خصائل کا تذکرہ:

۱۱۴: يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔(وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت کے دن پر اور امر بالمعروف کرنے والے ہیں) یعنی ایمان اور ابواب برّ کے ساتھ معروف کا حکم دینے والے ہیں۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور وہ برائیوں سے روکنے والے ہیں) منکر سے یہاں کفر اور شریعت کی دیگر ممنوعات مراد ہیں۔ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ (وہ بھلائیوں میں جلدی کرنیوالے ہیں) یعنی ان کے فوت ہونے کے خطرہ سے ان کو جلد ادا کرنے والے ہیں۔

نحو: یتلون اور یُؤْمِنُوْنَ محل رفع میں اُمَّةٌ کی صفات ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے امة قائمة ، تالون ، مؤمنون۔

مخصوص صفات کی وجہ:

ان مسلمانوں کی صفات ان خصوصیات سے فرمائی۔ جو یہود میں نہ تھیں جیسے تلاوت آیات اور رات کو سجدہ ریزی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہود کے ایمان باللہ میں کمزوری یہ تھی کہ وہ عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مان کر شریک ٹھہراتے تھے۔ اسی طرح رسولوں اور کتابوں اور یوم آخرت کا ذکر کیا۔ کیونکہ یہود بعض کتابوں اور رسولوں کو نہیں مانتے تھے۔ اسی طرح آخرت کے ایمان کا ذکر کیا۔ کیونکہ یہود آخرت کی تعبیر اور انداز سے کرتے تھے۔ اور آپ کی تعریف بھی غلط انداز سے کرتے تھے۔ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کیا کیونکہ یہود اس میں بھی مداہنت برتنے والے تھے۔ اور مؤمنوں کی مسارعت الی الخیرات کو ذکر کیا کیونکہ یہود بھلائی کے کاموں میں سستی برتنے والے اور رغبت نہ رکھنے والے تھے۔

مسارعت فی الخیرات کا مطلب بھلائی میں شدید رغبت اور لگن ہے کیونکہ جو کسی چیز میں رغبت رکھتا ہو وہ اس کی ادائیگی میں جلدی کرتا ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ (وہ) جو کہ ان صفات سے موصوف ہیں۔ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (نیکوں میں سے ہیں) یعنی مسلمانوں میں سے ہیں۔ یا ان نیکوں میں سے ہیں جن کے احوال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درست ہیں اور پسندیدہ ہیں۔

خیر کے بدلے سے کبھی محرومی نہیں:

۱۱۵: وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۔(جو بھی وہ بھلائی کریں اس کی ناقدری نہ کی جائے گی) نحو، قراءت: يَفْعَلُوْا اور يُّكْفَرُوْا دونوں میں یا پڑھی کوفی نے سوائے ابوبکر کے ابوعمرو نے یا اور تا میں اختیار دیا۔ باقی تمام قراء نے تا سے پڑھا ہے۔ يُّكْفَرُوْهُ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اور اگر شکر اور کفر ایک دوسرے کے مقابل آ جائیں تو پھر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں۔ مثلاً کہیں گے شکر النعمة و کفر ھا کیونکہ اس صورت میں یہ محرومی کے معنی کو متضمن ہوتا ہے۔ گویا یوں کہا گیا لن تحرموہ یعنی تم اسکے بدلہ سے ہرگز محروم نہ کیے جاؤ گے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ (اللہ تعالیٰ کو تقویٰ والے خوب معلوم ہیں) اس ارشاد میں متقین کو بہت بڑے ثواب کی بشارت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ

بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہ آئیں گے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں

اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا

کچھ بھی اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اس کی مثال جو کچھ

يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ

وہ اس دنیاوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک ہوا ہو جس میں سخت سردی ہو جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچ

قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

گئی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا پھر اس کو برباد کر دیا۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

کفار کو مال واولاد کچھ کام نہ آئیں گے:

۱۱۶: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (بیشک جو لوگ کافر ہوئے ہرگز ان کو ان کے مال اور انکی اولادیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کیلئے ذرہ بھر کام نہ دیں گے) وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)

دنیوی زندگی میں کفار کے خرچ کرنے کی مثال:

۱۱۷: مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ (اس دنیا کی زندگی میں انکے خرچ کی مثال) یعنی جو وہ مفاخر، مکارم تعریف کروانے، لوگوں میں اچھا تذکرہ قائم کرنے کیلئے خرچ کرتے ہیں یا وہ مال جو کفر کے باوجود تقرب الی اللہ کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ كَمَثَلِ رِيْحٍ (ہوا کی طرح ہے) یعنی ضائع کردہ مال۔ ہوا سے ہلاک شدہ کھیتی کی طرح ہے۔ یا ان کے مال کے ہلاک کرنے کی مثال ہوا کے ہلاک کرنے کی طرح ہے۔ فِيْهَا صِرٌّ (جس میں سخت سردی ہو) یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔

نحو: صِرٌّ مبتداء ہے اور خبر ہے موضع جر میں جملہ ریح کی صفت ہے۔ جیسے اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (جیسے ہوا پہنچے ایسی قوم کی کھیتی کو جس نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہو) کفر اختیار کر کے۔ فَاَهْلَكَتْهُ (پس وہ ہوا اس کھیتی کو تباہ کر دے) ان کے کفر کی سزا کے طور پر وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا) انکی کھیتی کو تباہ کر کے وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں) ایسے کاموں کا ارتکاب کر کے جو سزا کے سزاوار ٹھہرانے والے ہیں۔ یا اس میں ضمیر کا مرجع منفقین یعنی خرچ کرنے والے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے خرچہ جات کو قبول نہ کر کے ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اس طرح کہ قبولیت پر یقین واعتماد کر کے خرچ نہیں کیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ

اے ایمان والو اپنے سوا کسی کو اپنا راز دار مت بناؤ وہ لوگ تمہارے بگاڑ میں ذرا بھی کوتاہی

خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا

نہیں کرتے، ان کو وہ چیز پسند ہے جس سے تمہیں تکلیف ہو بغض ظاہر ہو چکا ہے ان کے مونہوں سے اور جو کچھ

تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہےتحقیق ہم نے بیان کر دیں تمہارے لئے آیات اگر تم عقل رکھتے ہو۔

منافق کی دوستی سے ممانعت:

۱۱۸: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۔

شانِ نزول: مسلمانوں کو منافقین کی مخلصانہ دوستی سے منع فرمانے کیلئے نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً (اے ایمان والوتم ان کو اپنا راز دار نہ بناؤ) بطَانَةَ الرَّجُلِ سے مراد آدمی کے خصوصی راز دار، قابل اعتماد۔ ان کو بطَانَةَ الثَّوْبِ سے تشبیہ دی۔ جیسا کہا جاتا ہے۔ فلان شعاری، فلاں میرا بہت قریبی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے الانصار شعار والناس دثار (بخاری ۴۳۳۰، مسلم ۱۰۶۱) کہ لوگ میرے لئے بمنزلہ اوڑھنے کے ہیں اور انصار بمنزلہ شعار کے ہیں۔ مِّنْ دُوْنِكُمْ (اپنوں کو چھوڑ کر) یعنی اپنے ہم جنس مسلمانوں کو چھوڑ کر۔

نحو: یہ بطانۃ کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے کہ بطانة كائنة من دونكم مجاوزة لكم یعنی ایسی راز داری جو دوسروں سے ہونے والی ہو اپنوں سے تجاوز کر کے۔

لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (وہ تمہارے بگاڑ میں کمی نہ کریں گے)

نحو: یہ موضع نصب میں بطانۃ کی صفت ہے یعنی تمہارے دین کے بگاڑنے میں وہ کمی نہ کریں گے۔ کہا جاتا ہے۔ الا فی الامر یألو وہ معاملے کی پرواہ کیوں نہیں کرتا جبکہ وہ معاملے میں کوتاہی کرے۔

الخبال:

لغت میں فساد کو کہتے ہیں۔ تمیز کی وجہ سے خبالًا منصوب ہے یافی حذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای فی خبالکم۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ (وہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں جس سے تم مشقت میں پڑو) یعنی جو تمہیں دکھ میں مبتلا کرے۔ مَا مصدریہ ہے۔ العنت، لغت میں شدید ضرر اور مشقت کو کہتے ہیں یعنی وہ تمنا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہارے دین میں نقصان پہنچائیں اور ضرر بھی

هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ

تم لوگ ایسے ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم پوری کتاب پر ایمان لاتے ہو، اور جب تم سے ملتے ہیں

قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ

کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور وہ جب آپس میں تنہائیوں میں جاتے ہیں تو مارے غصہ کی جلن کے اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹے لیتے ہیں،

قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ

آپ فرما دیجئے کہ مر جاؤ اپنی جلن میں، بے شک اللہ جاننے والا ہے۔ ان سب چیزوں کو جو سینوں میں ہیں، اگر

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ

تم کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پہنچ جائے تو اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ

تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی مکاری تمہیں کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا

مُحِیْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

ع ۱۲ / ۱۳

انتہائی سخت قسم کا۔

نحو: یہ جملہ مستانفہ ہے اس لئے کہ اس میں ان کو راز دار بنانے کی ممانعت کی علت ذکر کی گئی۔ یہ اس کی طرح ہے۔

منافقین کے بغض کی شدت:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (کہ بغض تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے) کیونکہ وہ اس کو روکنے کا اب اختیار نہیں رکھتے۔ باوجود اپنے نفسوں پر کنٹرول کرنے کے۔ کہ ان کے منہ سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں۔ جس سے انکا بغض مسلمانوں کے خلاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ (اور جو ان کے سینے چھپانے والے ہیں) یعنی مسلمانوں کے خلاف بغض۔ اَكْبَرُ (وہ بہت بڑا ہے) اس سے جو ان سے ظاہر ہوا۔ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ (تحقیق ہم نے تمہارے لیے آیات کو کھول کر بیان کیا) جو دین میں اخلاص کو لازم کرنے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے موالات اور اسکے دشمنوں سے دشمنی کو ظاہر کرنے والی ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (اگر تم عقل رکھتے ہو)

توبیخ مؤمنین:

۱۱۹: هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ (دیکھوتم تو وہ ہو کہ)

منافقین سے موالات کی غلطی:

نحو: ھا حرف تنبیہ ہے۔ انتم مبتداء اور اولاء خبر یعنی تم منافقین اہل کتاب کی موالات میں غلطی کھانے والے ہو۔ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ (تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے) اس میں منافقین کے ساتھ موالات کی غلطی ظاہر کی گئی کہ تم اپنی محبت اہل بغض کیلئے صرف کرتے ہو یا اولاء موصول ہے اور اس کا صلہ تُحِبُّوْنَهُمْ ہے اور وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ (اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو) كُلِّهٖ جملہ حالیہ ہے۔ اور اس پر عامل: لَا يُحِبُّوْنَكُمْ ہے تقدیر کلام اس طرح ہے لَا يُحِبُّوْنَكُمْ والحال انكم تؤمنون بكتابهم كله وهم مع ذلك يبغضو نكم فما بالكم تحبونهم وهم لا يؤمنون بشيء من كتابكم ۔ یعنی وہ تم سے محبت نہیں رکھتے اور حال یہ ہے کہ تم انکی ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ وہ اسکے باوجود تم سے بغض رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں کیا ہوا کہ تم ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تمہاری کتاب میں سے کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے اس میں سخت توبیخ ہے کہ جتنے تم لوگ حق پر مضبوط ہو اس سے زیادہ وہ باطل پر سخت ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ الکتاب کا الف لام جنسی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا تم ہی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ پہلی صورت میں الف لام عہدی ہے۔ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا (جب وہ تم سے ملتے ہیں تو زبان سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے) یعنی کلمہ توحید کا اظہار کرتے ہیں۔ وَاِذَا خَلَوْا (جب وہ تم سے جدا ہوتے ہیں) یا ایک دوسرے کے ساتھ خلوت میں جاتے ہیں۔ عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (وہ غصہ سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں) غصہ اور ندامت والے آدمی کیلئے عض انامل، بنان، ابہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی تمہاری سلطنت دیکھ کر شدت غضب سے انگلیاں چباتے ہیں۔

کلمہ بددعا:

قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ (کہہ دو! اے کافرو تم اپنے غصہ میں مر جاؤ) یہ ان کے خلاف بددعا ہے کہ اللہ کرے انکا غصہ اتنا بڑھے کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ مراد زیادتیٔ غیظ سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کو مزید قوت دے جس سے انکا غصہ بڑھے۔ اور اس میں ان کی کتنی ہی ذلت ورسوائی ہے۔

اللہ جل شانہ منافقین کے تمام افعال واقوال سے واقف ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو جانتے ہیں) وہ جانتے ہیں جو منافقین اپنے دلوں میں بغض وعداوت چھپائے ہوئے ہیں اور جو افعال وہ ایک دوسرے کو ملتے وقت کرتے ہیں وہ ان کے منجملہ اقوال میں داخل ہے۔ یعنی اللہ نے فرمایا ان کو اس غصے کی اطلاع دو جسکی بناء پر وہ علیحدگی میں افسوس سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ اور انہیں کہیں کہ اللہ

تعالیٰ تو اس سے بھی مطلع ہیں جو چھپائی جانے والی چیزوں میں بہت ہی مخفی ہے اور وہ دل کے اسرار و رموز ہیں۔ پس مت گمان کرو کہ تمہاری کوئی مخفی چیز اس پر پوشیدہ رہ سکتی یا کہنے سے خارج ہے۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیں اور میری اس اطلاع پر جو ان کے رازداروں کے سلسلہ میں دی ہے۔ تعجب نہ کریں کیونکہ میں تو اس سے بھی مخفی ترین کو جانتا ہوں اور وہ ان کے دلوں کے راز ہیں۔

۱۲۰: اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ۔ (اگر تمہیں کوئی بھلائی ملے) حسنہ سے مراد خوشحالی، سرسبزی اور غنیمت و نصرت تَسُؤْهُمْ (وہ ان کو بری لگتی ہے) یعنی اس کا ملنا ان کو غم زدہ کر دیتا ہے وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ (اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے) یعنی بدحالی، تنگ دستی، دشمن کا غلبہ، آیت میں المس کے الفاظ کو الاصابہ کی جگہ بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ گویا کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے کیا تم اس ارشاد الٰہی کی طرف نظر نہیں کرتے اِن تُصبك حسنة تسؤهم و ان تُصبك مصِيبة۔ (التوبہ۔۵۰) يَّفْرَحُوْا بِهَا۔ (وہ اس پر خوش ہوتے ہیں) وہ اسکے پہنچنے پر خوشیاں مناتے ہیں۔

دشمن کی مکاریوں پر صبر و تقویٰ کا دامن تھام لو:

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا (اور اگر تم صبر کرو) اگر تم انکی عداوت پر صبر کرو وَتَتَّقُوْا (اور تقویٰ کے ساتھ رہو) اور انکی موالات سے بچتے رہو۔

دوسری تفسیر: یا تم حکم الٰہی کی تعمیل میں حاصل ہونے والی مشقتوں پر صبر کرو اور اللہ تعالیٰ کے ممنوع کردہ اعمال سے پرہیز کرو۔ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (انکی مکاری تمہارا کچھ نقصان نہ کر سکے گی) اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہو۔

مَسْئَلَه: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمان کو تعلیم و ارشاد ہے کہ دشمن کی مکاریوں پر صبر و تقویٰ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔

قول حکماء: ہے کہ اگر تم اپنے حاسدین کو رُلانا چاہتے ہو تو اپنے آپ میں فضیلت کا اضافہ کر لو۔

قراءت: مکی، بصری، نافع نے لَا يَضِرْكُمْ پڑھا ہے یہ اس صورت میں ضار يضير بمعنی ضره ہوگا۔ یہ واضح ہے ان کے علاوہ قراء کی قراءت میں اشکال ہے۔ کیونکہ وہ جواب شرط بنتا ہے۔ جواب شرط مجزوم ہونا چاہیے۔ پس مناسب تو تھا کہ راء پر فتحہ پڑھا جاتا جیسا کہ مفضل نے عاصم سے نقل کیا ہے۔ البتہ راء پر ضمہ ضاد کے ضمہ کی اتباع میں دیا گیا۔ جیسا کہ مُدُّ یا یاھذا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا)۔

قراءت: يعملون یہ تاء کے ساتھ سہل نے پڑھا ہے یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال جو صبر و تقویٰ کی قسم سے ہیں۔ مُحِيْطٌ (احاطہ کرنے والے ہیں) پس تمہارے ساتھ وہ سلوک فرمائیں گے۔ جس کے تم اہل ہو۔ باقی قراء نے یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں تمہاری دشمنی کے سلسلہ میں پس وہ ان کو اس پر سزا دے گا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ

اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کرنے کے لئے مقامات بتا رہے تھے، اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ

سننے والا جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں، اور اللہ ان کا ولی تھا

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اوراللہ پر بھروسہ کریں مومن بندے۔

۱۲۱: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (اور جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے) اے محمد ﷺ تم یاد کرو اس وقت کو جب تم مدینہ میں اپنے اہل سے صبح کے وقت نکلے۔ یہاں مراد آپ کا حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا سے احد کی طرف روانہ ہونا ہے۔ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ (تم مؤمنوں کو ٹھہرا رہے تھے) یہ حال ہے۔ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ لڑائی کے مواقع پر، مواطن یعنی میمنہ، میسرہ، قلب، جناحین، ساقہ پر ایمان والوں کو ٹھیک بیٹھا رہے تھے۔ لِلْقِتَالِ یہ تُبَوِّیءُ سے متعلق ہے۔ ای تُبَوِّئُ لِلْقِتَالِ۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو خوب سننے والا) اور عَلِيْمٌ تمہاری نیات اور دل کے اسرار کو جاننے والا ہے۔

غزوۂ احد کو روانگی' بدھ کے روز:

روایت میں وارد ہے کہ مشرکین احد میں بدھ کو آ ٹھہرے رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور مشورہ کیلئے عبداللہ بن ابی کو بھی بلایا۔ اس سے مشورہ طلب کیا تو اس نے کہا آپ مدینہ میں قیام فرمائیں۔ ہم جب بھی دشمن کی طرف نکل کر گئے ہیں۔ تو ہمیں نقصان اٹھانا پڑا اور جب دشمن ہم پر داخل ہوا تو اس نے شکست کھائی ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے خواب میں اپنے گرد مذبوحہ گائے دیکھی ہے۔ پس میں نے اس کی تاویل بھلائی سے کی ہے۔ اور میں نے اپنی تلوار کی دھار میں وندانے دیکھے۔ اس کی تعبیر میں نے شکست سے کی ہے۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ زرہ میں داخل کر دیا۔ اس زرہ کی تعبیر میں نے مدینہ سے کی ہے۔ لیکن کچھ لوگ آپ کے سامنے شہادت کا شوق ظاہر کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اپنا خود پہن لیا۔ پھر وہ شرمسار ہو کر کہنے لگے۔ آپ کو اختیار ہے یارسول ﷺ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کسی پیغمبر کیلئے مناسب نہیں کہ اپنی خود زیب تن کر لے پھر لڑائی سے قبل اس کو اتار دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نماز جمعہ کے بعد روانہ ہوئے۔ اور ہفتے کی صبح احد کی گھاٹی میں پہنچے جبکہ پندرہ شوال ۳ ھ تھی۔

بنو حارثہ و بنو سلمہ کے ساتھ اللہ کی ولایت:

۱۲۲: اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اِذْ هَمَّتْ (جب ارادہ کیا) یہ اذغدوت سے بدل ہے۔ یاعلیم کے معنی نے اس میں عمل کیا ہے۔ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ (دوگروہوں نے تم میں سے) اس سے مراد انصار کے دو قبیلے بنو سلمہ جو خزرج کی شاخ تھی اور بنو حارثہ جو اوس کی شاخ تھی مراد ہیں۔ آپ ﷺ احد کی طرف ایک ہزار لڑنے والوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ جبکہ مشرکین مکہ کی نفری تین ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اور آپ ﷺ نے ان سے جمے رہنے کی صورت میں فتح کا وعدہ فرمایا۔ راستہ میں عبداللہ بن ابی لشکر کا تیسرا حصہ اپنے ساتھ لیکر واپس لوٹ گیا اور یہ کہا ہم اپنی جانوں اور اولادوں کو کیوں کٹوائیں؟ بنو حارثہ و بنو سلمہ نے بھی اسکے پیچھے جانے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات سے محفوظ کرلیا۔ پس وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ اَنْ تَفْشَلَا (یہ کہ ہمت ہار دیں) وہ جبن وضعف کی وجہ سے بزدلی اختیار کریں۔ الفشل نامردی اور بزدلی کو کہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا (اور اللہ تعالیٰ انکا محب و ناصر تھا) یا ان کے معاملے کا مالک تھا۔ پھر وہ کیوں بزدلی کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کیوں کر بھروسہ نہیں کرتے؟ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے)۔ یعنی انکا معاملہ یہ ہے کہ وہ اسی ہی پر بھروسہ کریں اور اپنے تمام معاملات کو اسی ہی کے سپرد کریں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! ہمیں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ ہم نے ارادہ نہ کیا ہوتا جو ہم نے کیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ وہ ہمارا ولی و کارساز ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور بلاشبہ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ تم کمزور حالت میں تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکرگزار ہو۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ

جب آپ مومنین سے فرما رہے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہ ہو گا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ

مدد فرما دے جو اتارے گئے ہوں۔ ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن تم پر فوراً

فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

آ پہنچے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ، جن پر نشان لگے ہوئے ہوں گے،

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ

اور اللہ نے یہ مدد صرف اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو۔ اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں۔ اور مدد نہیں ہے مگر صرف

عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ

اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے۔ تاکہ کافروں میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا ان کو ذلیل کر دے

فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

تو وہ واپس ہو جائیں محروم ہو کر۔

ربط ۱۲۳: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ اس میں بدر کا واقعہ یاد دلایا جو موجب توکل تھا۔ اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی جب کہ وہ کمزور بھی تھے اور تعداد میں بھی کم تھے۔

بدر کی یاددھانی:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ (البتہ تحقیق تمہاری اللہ بدر میں مدد فرما چکا) بدر۔ یہ مکہ و مدینہ کے درمیان ایک کنواں ہے۔ جس کو بدر نامی آدمی نے کھدوایا تھا۔ یا احد کے بعد بدر کا ذکر کیا تاکہ صبر و شکر جمع ہو جائیں۔

قلت کی کیفیت:

وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (اور تم تعداد میں کم تھے) مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) سے تین سو انیس (۳۱۹) کے درمیان تھی جبکہ

دشمن ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ اور سامان کی کمزوری کا حال یہ تھا کہ پانی بردار اونٹوں پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جنگی تعداد کل ستر تھی اور ایک گھوڑا تھا۔ حالانکہ دشمنوں کے پاس سو گھوڑے۔ اسلحہ اور شان وشوکت تھی۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے اَذِلَّۃٌ بروزن اَفْعِلَۃٌ جمع قلت ذکر کیا تاکہ سواریوں اور ہتھیاروں کی کمی کے اظہار کے ساتھ مسلمانوں کی قلت تعداد کا بھی اظہار ہو۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ (تم اللہ سے ڈرو) تم اپنے رسول ﷺ کے ساتھ ثابت قدمی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (تاکہ تم شکر ادا کرو) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فتح عنایت فرمائی ہے۔ شکر یہ کا طریق ثابت قدم رہ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اس میں بتلا دیا کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کی طرف رغبت شکر یہ کی غرض سے ہونی چاہیے۔

دوسرا بدل:

۱۲۴: اِذْتَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ۔ (جب تم ایمان والوں کو کہہ رہے تھے)

نحو: یہ نَصَرَکُمْ کا ظرف ہے۔ اس طور پر کہ بدر کے دن ان کو فرمایا، مطلب یہ ہوا کہ اس نے تمہاری مدد کی جبکہ تم یہ کہہ رہے تھے۔ یا اذ غدوت سے دوسرا بدل ہے۔ اس طور پر کہ احد کے دن ان کو فرمایا۔ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ (کیا کافی نہیں کہ تمہاری امداد کرے اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کو اتار کر)

استفہام انکاری:

قراءت: شامی نے مُنَزَّلِیْنَ پڑھا۔ ابوحیوہ نے مُنْزِلِیْنَ پڑھا اور مراد منزلین النصرۃ بتلائی۔

مطلب آیت کا یہ ہے اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ استفہام انکاری ہے کیا تمہیں تین ہزار فرشتوں کی امداد کافی نہیں، یعنی کافی ہے۔

نکتہ: لَنْ نفی تاکید کا لا کر اشارہ کر دیا کہ مسلمان اپنی کمزوری اور قلت تعداد اور دشمن کی کثرت وقوت کو دیکھ کر فتح سے گویا ناامید تھے۔ (ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی مدد آئی)

۱۲۵: بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیْنَ۔

فوری وکافی مدد:

بَلٰٓی (کیوں نہیں) نفی تاکید بلَنْ کے بعد بَلٰٓی کو ایجاب کے لیے لائے کہ اتنے فرشتوں سے امداد تمہارے لیے کافی ہے پس کفایت کو لازم کر دیا۔ پھر فرمایا اِنْ تَصْبِرُوْا (اگر تم صبر کرو) اگر تم قتال پر صبر کرو۔ وَتَتَّقُوْا (اور تقویٰ اختیار کرو) اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے بچو۔ وَیَاْتُوْکُمْ (اور وہ لوگ تم پر آ پہنچیں) اور تمہارے پر مشرکین مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا (اسی دم) آ پڑیں۔ یہ فور کا لفظ فار القدر سے لیا گیا جبکہ وہ جوش مارے تیزی کیلئے بطور استعارہ استعمال کیا گیا۔ پھر اس سے اس حالت کی تعبیر کی جاتی ہے جس میں دیر نہ ہو۔ اور کسی دوسری طرف توجہ نہ کی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ خرج من فورہ وہ فوراً نکل گیا۔ جیسا کہ تم اس طرح کہتے ہو۔ خرج من ساعته ولم یلبث کہ وہ اسی گھڑی بلا روکے نکل گیا۔ کرخی رحمہ اللہ کے قول میں یہی معنی ہے۔ الا مر

المطلق علی الفور لا علی التراخی ۔کہ امر مطلق کی تعمیل اسی گھڑی لازم ہے تاخیر کرنا جائز نہیں۔اب مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر وہ تمہاری اسی گھڑی میں آ گئے۔هٰذا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ (تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری یہ امداد فرمائے گا) یعنی ان کی آمد کی صورت میں فرشتوں کی آمد ان کے آنے سے متاخر نہ ہوگی حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جلد جلد مدد کرے گا۔اور تمہیں فتح میسر فرمائے گا اگر تم صبر وتقویٰ پر قائم رہو گے۔

نشان دار گھوڑے:

مُسَوِّمِيْنَ (نشاندار)

قراءت :مُسَوِّمِيْنَ واؤ کے کسرہ کے ساتھ مکی ٗ ابوعمرو ٗ عاصم ٗ سہل نے معلمین انفسھم اپنے نفوس کو ظاہر کرنے والے یا اپنے گھوڑوں کو ایسی علامت سے ظاہر کرنے والے ہونگے جس سے وہ لڑائی میں پہچانے جائیں گے۔السومة علامت کو کہا جاتا ہے۔ضحاک کا قول ہے کہ وہ سفید اون کا نشان اپنے گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں پر لگانے والے ہونگے۔

دوسرے قراء نے واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔نشان زدہ ہونگے۔کلبی کا قول یہ ہے وہ زرد رنگ کے عمامے پہنے ہونگے ان کے پلے اپنے کندھوں پر لٹکانے والے ہونگے۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا عمامہ بدر کے دن زرد رنگ کا تھا۔فرشتے بھی زرد عماموں میں نازل ہوئے۔قتادہ کا قول یہ ہے کہ تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتے اترے۔

فرشتوں کی مدد صرف بشارت فتح ہے:

۱۲۶:وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔ (اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو بنایا) اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو خوشخبری بنایا۔ہٗ کی ضمیر اس امداد کی طرف راجع ہے۔جو ان یمدکم سے ثابت ہوئی۔اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ (خوشخبری تمہارے لئے) یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو فرشتوں سے مدد صرف اس لئے دی تا کہ تمہیں فتح کی بشارت ہو۔وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ (تا کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں) جس طرح سکینہ بنی اسرائیل کے لئے بشارتِ نصرت تھی اور دلوں کے اطمینان کا باعث تھی۔وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اور درحقیقت فتح اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے) نہ لڑنے والوں کی طرف سے اور نہ ملائکہ کی طرف سے۔لیکن یہ وہ چیز ہے۔جس سے مدد کی امید اور رحمت کی طمع مضبوط تر ہوتی ہے۔الْعَزِيْزِ (زبردست) وہ ذات جس کے فیصلوں میں اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔الْحَكِيْمِ (حکمت والا) جو کہ اپنے اولیاء کو مدد دیتا ہے اور دشمن کے ساتھ جہاد سے انکی آزمائش کرتا ہے۔

قتل کفار کی بشارت:

۱۲۷:لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ (تا کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے) قتل وقید کے ذریعے چنانچہ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے اور ستر سردار قید ہوئے۔لِيَقْطَعَ کی لام۔نمبر۱۔لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ سے متعلق ہے یا نمبر۲۔وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ سے متعلق ہے یا نمبر۳۔يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ سے متعلق ہے۔

اَوْ يَكْبِتَهُمْ یا انکو رسوا کرے اور شکست سے غصہ دلا کر لوٹائے۔الکبت۔دراصل شدید بزدلی جو دل میں رچ جائے اور اسکی

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے، اللہ چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظلم کرنے والے ہیں،

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ مغفرت فرماتا ہے جس کی چاہے اور عذاب دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

جس کو چاہے۔ اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

۱۳ ع ۹

وجہ سے آدمی منہ کے بل گر جائے۔ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ پس وہ اپنے شہروں کو اس حالت میں لوٹیں کہ اپنے مقصد میں ناکام ہوں۔

تمام اختیارات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے:

۱۲۸: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ (آپ کو اس امر کا کوئی اختیار نہیں)

نحو: لَيْسَ کا اسم شَيْءٌ ہے اور لَكَ اسکی خبر ہے اور مِنَ الْاَمْرِ یہ شَيْءٌ کا حال ہے کیونکہ وہ صفت ہے جس کو پہلے لایا گیا ہے۔

اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ (یا ان کی توبہ قبول کرے) **نحو**: اس کا عطف لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ پر ہے۔ اور لَيْسَ لَكَ جملہ معترضہ ہے۔ جو معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے اللہ تعالیٰ ان کے معاملے کا مالک ہے خواہ ان کو ہلاک کر دے یا شکست سے دوچار کرے یا انکی توبہ قبول کر لے کہ وہ اسلام لے آئیں۔ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ (یا ان کو عذاب دے) اگر وہ کفر پر مصر رہیں اور آپ کو ان کے معاملے کا کچھ اختیار نہیں۔ آپ تو مبعوث بندے ہیں تاکہ ان کو ڈرائیں اور ان سے جہاد کریں۔

نحو: فراء نحوی کے ہاں اَوْ۔ حَتّٰی کے معنی میں ہے۔ اور ابن عیسٰی کے نزدیک اِلَّا ان کے معنی میں ہے۔ جیسا تم کہو: لالزمنك اوتعطيني حَقّي۔ اب مطلب آیت کا یہ ہوگا۔ آپ کو ان کے معاملے میں کچھ اختیار نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ انکی توبہ قبول کرلے پس آپ انکی حالت پر خوش ہوں۔ یا پھر ان کو سزا دے تاکہ ان سے پلڑا چھوٹ جائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق بددعا کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ایمان لائیں گے۔

فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (پس بے شک وہ ظالم ہیں) یعنی مستحق سزا ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرتِ عامہ:

۱۲۹: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (اور اللہ تعالیٰ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا

اے ایمان والو مت کھاؤ سود چند در چند بڑھا کر، اور اللہ سے

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۳۰ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۱۳۱

ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور ڈرو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۳۲ وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور جلدی آگے بڑھو مغفرت کی طرف

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۳

جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اور جنت کی طرف جس کا عرض ایسا ہے جیسے تمام آسمان اور زمین، وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے لئے

ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے)یعنی اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے نہ کہ آپ کے کیونکہ آسمان و زمین اس کی ملکیت ہے۔ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ (وہ جس کو چاہیں بخش دیں)یعنی ایمان والوں کو۔ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ (اور عذاب دیں جس کو چاہیں)یعنی کفار کو۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اور اللہ تعالیٰ بخشن ہار رحمت کرنے والے ہیں)

سود کی مذمت:

۱۳۰: یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دونا دوگنا) قراءت: مُّضَعَّفَۃً عین کی تشدید سے مکی و شامی نے پڑھا ہے۔ اس آیت میں ربا سے ممانعت کی گئی ہے اور دونا، دوگنا سود لینے کی جو رسم ان میں پائی جاتی تھی۔ اسکی مذمت کی' انکا حال یہ تھا کہ جب قرض اپنے وقت کو پہنچ جاتا تو قرض خواہ کہتا یا تو میرا حق واپس کر یا پھر سود دے اور مدت میں اضافہ کروالے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ (تم اسکے کھانے میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ)

سب سے زیادہ خوف والی آیت:

۱۳۱: وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ۔ (اور تم بچو اس آگ سے جو کافروں کیلئے تیار کی گئی)

ارشاد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! قرآن مجید میں سب سے زیادہ خوف دلانے والی آیت یہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خلاف ورزیٔ احکام کی صورت میں اس آگ سے ڈرایا ہے جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد اپنی رحمت کی امیدواری کو خدا اور رسول کی اطاعت سے وابستہ کیا اس طرح کہ واطیعوا اللّٰہ و الرسول لعلکم ترحمون (کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے)۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں، اور جو ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو، اور جو لوگوں کو

عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً

معاف کرنے والے ہیں، اور اللہ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے، اور وہ لوگ جنہوں نے جب کوئی بُرا کام کیا

اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ

یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی اور گناہوں کو کون

الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ۙ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

بخشے گا سوائے اللہ کے اور انہوں نے اپنے کئے پر اصرار نہیں کیا۔ اور وہ جانتے ہیں،

اللہ کی رضا میں وقار و بلندی ہے:

۱۳۲: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (تم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے)

مَسْئَلَہ: اس آیت میں مرجئہ فرقہ کی اس بات کی تردید ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں اور آگ سے بالکل اہل ایمان کو سزا نہ دی جائے گی۔

ہم اہلسنّت کے نزدیک کفار کے علاوہ گناہگار ایمان والوں کو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ لیکن بالآخر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کا ارشاد:

لعل اور عسیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے مواقع پر تحقیق کیلئے آتا ہے یعنی بیم آمیز امید کیلئے ہے عارف کامل سے یہ بات مخفی نہیں کہ تقویٰ کا راستہ کتنا باریک و دقیق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو پالینا کتنا مشکل ہے۔ اور اس کی رحمت و ثواب تک پہنچنے میں کتنا وقار اور بلندی ہے۔

مسارعت مغفرت و جنت:

۱۳۳۔۱۳۴: وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (اور تم تیزی سے بڑھو اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف) مدنی اور شامی نے واؤ کے بغیر سَارِعُوْٓا پڑھا ہے اور جملہ مستانفہ قرار دیا۔ دیگر قراء

نے واؤ کو قائم رکھ کر ماقبل پر عطف کیا ہے۔المسارعة الی المغفرة و الجنة کا مطلب ایسے اعمال کی طرف متوجہ ہونا جوان دونوں تک لے جانے والے ہوں ۔ پھران اعمال میں کئی اقوال ہیں۔نمبرا۔ پانچوں نمازیں نمبر۲۔تکبیراولیٰ۔نمبر۳۔اطاعت ۔ نمبر۴۔اخلاص ۔نمبر۵۔توبہ نمبر۶۔جمعہ۔نمبر۷۔جماعات۔عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (اس کا عرض آسمانوں اورزمین کے برابر ہے) جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایاعَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الحدید۔۲۱) اصل مقصوداس کی وسعت و پھیلاؤ کو بیان کرنا ہے۔اس لئے لوگوں کے علم میں جوسب سے بڑی وسیع چیز ہے۔اسکے ساتھ تشبیہ دی۔اورعرض کوخصوصاً ذکر کیا کیونکہ وہ طول سے عادۃً چھوٹا ہوتا ہے تا کہ مبالغہ ہو جائے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے۔اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے جائیں تو جنت کا عرض بنے گا۔

روایاتِ جنت کی عمدہ تطبیق:

اور یہ جوروایات میں وارد ہے کہ جنت ساتویں آسمان میں ہے۔یا چوتھے آسمان میں ہےاس کا مطلب یہ ہے کہ جنت اس جہت میں واقع ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ چوتھے یا ساتویں آسمان میں ہے۔جیسا کہ کہا جائے ،في الدار بستانٌ جبکہ وہ اس سے بڑا ہو کیونکہ اس کا مقصد باغ کے دروازہ کا مکان کی طرف ہونا مراد ہے۔

اُعِدَّتْ (تیار کی گئی) یہ جنت کی صفت ہونے کی بناء پر موضع جر میں واقع ہے۔یعنی وسیع تیارشدہ جنت ،لِلْمُتَّقِيْنَ (وہ متقین کیلئے) ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ جنت و دوزخ دونوں مخلوق ہیں۔المتقی سے مراد۔نمبر ۱:شرک سے بچنے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاوَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ۔ (الحدید:۲۱) اور جنت جس کا عرض آسمان وزمین کے عرض کی طرح ہے وہ ان لوگوں کیلئے بنائی گئی جواللہ تعالیٰ اوراسکے رسولوں پرایمان لائے۔ نمبر۲۔ دوسرا قول گناہوں سے بچنے والا متقی ہے۔پس اگر دوسرا قول مراد ہوتو پھر بغیر عقوبت جنت میں جانا مراد ہوگا۔اوراگراول مراد لی جائے تو وہ بھی انجام کار ہوگی۔۔اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ (جوخرچ کرتے ہیں فراغت میں اورتنگی میں)۔

قراءت ونحو:

اگر وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً پرعطف ڈال کر الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ کومبتداء قرار دیا جائے اور اولٰئك کوخبر بنایا جائے۔تو یہاں وقف ہوگا۔اورسرّاء،ضراء میں خرچ سے مرادتنگدستی وخوشحالی میں خرچ کرنا ہوگا۔۔
نمبر۲۔اگر۔الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ کومتقین کی صفت قرار دیا جائے اور وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا کا عطف اس پرڈالا جائے۔پھروقف نہ ہوگا اور مطلب آیت کا یہ بنے گا وہ جنت متقین اورتائبین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ایک سوال کا جواب:

سوال: آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت تو متقین اورتائبین کیلئے بنائی گئی ہے اصرار کرنے والوں کیلئے نہیں۔

جواب : یہ درست ہے کہ ان دونوں قسم کے لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہو پھر محض فضل وعفو الٰہی سے دوسرے بھی داخل ہو جائیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے اُعِدَّتْ هذه المائدة للامير کہ یہ دسترخوان امیر کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ پھر بعض اوقات اسکے پیروکار بھی اس کو کھا لیتے ہیں۔ کیا اس ارشاد خداوندی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ **و اتقوا النار التی اعدت للکافرین**۔ (آل عمران۔۱۳۱) کہ تم اس آگ سے بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ پھر بالاتفاق ثابت ہے کہ کافروں کے علاوہ **عصاۃ مؤمن** بھی اس میں داخل ہونگے۔

نکتہ : یہاں اللہ تعالیٰ نے انفاق کا تذکرہ پہلے فرمایا۔ کیونکہ نفس پر یہ انتہائی گراں چیز ہے۔ اور اسکے اخلاص کی نشاندہی کرنے والا ہے۔ اور اس زمانہ میں دشمن سے جہاد کے سلسلہ میں عظیم ترین اعمال میں سے تھا۔ اور مسلمان فقراء کی ہمدردی کے پیش نظر بھی اس کی شدید حاجت تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے ہر قسم کے حالات میں انفاق مراد ہے۔ کیونکہ ایسا انفاق تنگدستی وخوشحالی ہر دو مواقع کو شامل ہوگا۔

غصہ پینے والے کا مرتبہ:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (اور غصے کو پی جانے والے) یعنی پورا کرنے کی بجائے غصے کو روکنے والے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ **کظم القربة**۔ جبکہ وہ مشک کو بھر لے اور اسکے منہ کو مضبوطی سے باندھ دے۔ اور اسی سے **کظم الغیظ** بنا ہے۔ غصے کو صبر کی وجہ سے تھام لے اور اس کا اثر بالکل ظاہر نہ ہو۔ الغیظ دل کی حرارت کا غصہ سے بڑھکنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ جس نے اپنے غصے کو روک لیا ایسی حالت میں کہ وہ اس کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسکے دل کو امن وایمان سے بھر دیتے ہیں۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ)

معافی کی فضیلت:

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (اور وہ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں) یعنی جب ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا ہے تو وہ اس سے مؤاخذہ نہیں کرتے۔ روایت میں آیا ہے جس کو بیہقی نے نقل کیا کہ قیامت کے دن ایک منادی آواز دے گا۔ وہ لوگ کہاں ہیں جن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پس معاف کرنے والوں کے سواء اور کوئی نہ اٹھے گا۔ (بیہقی فی الشعب) ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے رشید کیلئے روایت بیان کرنی شروع کی۔ اس کو دیکھا کہ وہ ایک آدمی پر غضبناک ہے۔ پس اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ کو احسان کرنے والے پسند ہیں)

نحو : اَلْمُحْسِنِيْنَ میں الف لام جنسی ہے۔ ان مذکورہ بالا اور تمام محسنین کو شامل ہے۔ یا الف لام عہد کا ہے۔ اس سے انہی مذکورہ بالا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا۔ برائی کرنے والے سے بھلائی کرنا احسان ہے۔ اور بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دینا تو تجارت ہے۔

تائب پر شیطان کا نالہ:

۱۳۵: وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ، (اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفوس پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں۔ پس وہ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں) یعنی گناہ کی برائی پر شرمندہ ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً۔ (اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر گزرتے ہیں)

نحو: فعلۃ کا وزن قباحت کو زائد از زائد دکھانے کیلئے آتا ہے۔ اور وَالَّذِیْنَ یہ مبتداء اور اولئك خبر ہے۔

اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ (یا وہ اپنے نفوس پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں) قول نمبر ۱۔ الفاحشہ سے مراد کبیرہ گناہ اور ظلم نفس سے مراد صغیرہ۔ قول نمبر ۲۔ فاحشہ سے زناء اور ظلم نفس بوس و کنار، لمس وغیرہ۔ ذَکَرُوا اللّٰہَ (وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں) یعنی زبان سے یا ان کے دل ان کو توبہ پر آمادہ کرتے ہیں۔

فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ (پس وہ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں) یعنی گناہ کی برائی پر شرمندہ ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو شیطان رونے لگا وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخشے گا۔

نحو: مَنْ مبتداء، یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ اس کی خبر ہے۔ یغفر کی ضمیر من کی طرف راجع ہے اور اِلَّا اللّٰہُ یغفر کی ضمیر سے بدل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے وَلا احدٌ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی ایسا نہیں جو گناہوں کو بخش دے۔ یہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اس میں بندوں کو توبہ کی طرف متوجہ کیا گیا اور ترغیب دلائی گئی اور ناامیدی و مایوسی کی ممانعت کی گئی اور توبہ کرنے والے کیلئے وسعت رحمت اور قرب مغفرت کو بیان کیا اور بتلایا کہ خواہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی معافی اس سے عظیم تر اور اس کا کرم عظیم ترین ہے۔

عدم اصرار کا فائدہ:

وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَافَعَلُوْا (وہ اپنے قبیح افعال پر قائم نہیں رہے) الاصرار قائم ہونے کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس بندے نے استغفار کیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ گناہ کی طرف ستر مرتبہ لوٹ کر گیا ابوداؤد، الترمذی۔ دوسری روایت میں ہے استغفار کرنے سے کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار کی موجودگی میں صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا۔ (بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے) مسند فردوس للدیلمی وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ (اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں)

نحو: نمبر ۱۔ یہ وَلَمْ یُصِرُّوْا کی ضمیر سے حال ہے مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ غلطی ہے اس پر اصرار نہیں کیا۔

نمبر ۲۔ یہ مستقل جملہ ہے اور یعلمون کا مفعول محذوف ہے مطلب اس طرح ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے گناہوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہ بخشے گا۔

أُولَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا

یہ وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں

ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَٰمِلِينَ ﴿١٣٦﴾ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ

نہریں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا تم سے پہلے بہت سے طریقے گزر چکے

سُنَنٌ فَسِيرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ فَٱنظُرُوا۟ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾

ہیں لہٰذا تم چلو زمین میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾

یہ بیان ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے متقیوں کے لئے۔

بخشش کے مستحقین:

۱۳۶: أُولَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَامِلِينَ۔ (جنکی مذکورہ بالا صفات ہیں)۔ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ (انکا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے) انکی توبہ کے سبب وَجَنَّٰتٌ (اور باغات) اس کی رحمت کے باعث۔ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَٰمِلِينَ (جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کام کرنے والوں کا بدلہ بہت خوب ہے)

نحو: نعم کا مخصوص بالمدح محذوف ہے اور وہ ذٰلک ہے یعنی مغفرت اور جنت۔

شانِ نزول: نمبرا۔ یہ آیت ایک کھجور فروش کے متعلق اتری جس کے پاس ایک عورت کھجور لینے کیلئے آئی اس نے کہا میرے گھر میں اس سے زیادہ عمدہ کھجوریں ہیں۔ اس کو اپنے گھر میں اس بہانے سے داخل کیا اور پھر اپنے جسم سے اس کو چمٹایا اور بوسہ دیا مگر پھر شرمندہ ہوا۔

نمبر۲۔ ایک انصاری کو ایک ثقفی نے اپنے گھر والوں کا نگران بنایا۔ (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مابین بھائی چارہ کروایا تھا) جب وہ ثقفی جہاد میں چلا گیا۔ وہ انصاری اسکے گھر آیا اور اس کی بیوی کو دیکھا تو اس کو بوسہ دیا۔ پھر اس پر شرمسار ہوا۔ اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرمایا۔

سنن کی مراد وقائع:

۱۳۷: قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ فَٱنظُرُوا۟ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلْمُكَذِّبِينَ۔ قَدْ خَلَتْ (تحقیق

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی بلند ہو گے اگر تم مومن ہو۔

اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَیَّامُ

اگر تم کو زخم پہنچ گیا تو تمہاری مقابل قوم کو اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے۔ اور یہ دن ہیں

نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ

جنہیں ہم باری باری بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان، اور تاکہ اللہ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور بنا لے تم میں سے

شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

شہادت پانے والے، اور اللہ پسند نہیں فرماتا ظالموں کو۔ اور تاکہ پاک صاف کرے ایمان

اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

والوں کو، اور مٹا دے کافروں کو، کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی

یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ

معلوم نہیں کیا اللہ نے ان لوگوں کو جو جہاد کرنے والے ہیں تم میں سے، اور تاکہ وہ جان لے ثابت قدم رہنے والوں کو، اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ

تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

موت کے سامنے آنے سے پہلے اس کی آرزو کرتے تھے، سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

۱۴ ع ۵

گزرے) مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ تم سے پہلے بہت طریقے۔ اس سے مراد جھٹلانے والی امتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آنے والے وقائع ہیں۔ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ (پس زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا) پھر ان سے عبرت حاصل کرو۔

۱۳۸: هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ هٰذَا یہ۔ یعنی قرآن یا مَاتَقَدَّمَ ذِكْرُهٗ کا مفہوم مشارٌ الیہ ہے۔ بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی (لوگوں کیلئے بیان وضاحت اور ہدایت ہے یعنی راہنمائی ہے) وَّمَوْعِظَةٌ (اور نصیحت ہے) یعنی ترغیب و ترہیب ہے۔ لِّلْمُتَّقِیْنَ (بچنے والوں کیلئے) جو شرک سے بچتے ہیں۔

تکالیفِ اُحد پر تسلی:

۱۳۹: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ وَلَا تَهِنُوْا (تم سستی نہ کرو) جہاد سے اس بناء پر کہ تم کو

شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ وَلَا تَحْزَنُوْا (اور نہ غم کرو) اس غنیمت پر جو تم سے فوت ہوگئی یا اپنے میں سے شہید ہونے والوں پر یا آنے والے زخموں پر۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ اور ایمان والوں کیلئے تسلی ہے۔ ان تکالیف پر جو غزوۂ احد کے موقع پر پیش آئیں اور ان کے دلوں کو تقویت دی جا رہی ہے۔

علو کی تفسیر:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (حالانکہ تم ان سے اعلیٰ اور اغلب ہو) کیونکہ تم نے بدر میں ان کے زیادہ آدمی قتل کیے انکی نسبت جتنے احد میں تمہارے قتل ہوئے۔

دوسری تفسیر: اور تم ہی بلند رہو گے مدد و کامیابی کے ساتھ جو آخر میں تمہیں میسر آئی۔ وہ ان کے لئے بلندی اور غلبے کی بشارت تھی۔ جیسا الصافات کی۔ آیت نمبر ۱۸۳ میں فرمایا وَاِنَّ جُنْدَ نَالَهُمُ الْغَالِبُوْنَ کہ ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے۔

نمبر ۳۔ تم شان کے اعتبار سے بلند ہو کیونکہ تمہارا قتال اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کیلئے اور اس کی بات بلند کرنے کیلئے ہے اور انکی لڑائی شیطان کیلئے اور کفر کی بات کو اونچا کرنے کیلئے تھی۔

نمبر ۴۔ تم شان کے لحاظ سے بلند ہو کیونکہ تمہارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم مومن ہو۔

تفسیر اول: یہ لَا تَهِنُوْا کی نہی سے متعلق ہے مت سستی کرو اگر تمہارا ایمان صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کی صحت تو قوت قلب کو لازم کرتی اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کو مضبوط کرتی ہے اور دشمنوں کی کچھ بھی پرواہ نہ کرنے پر برانگیختہ کرتی ہے۔

تفسیر دوم: یہ اعلون سے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تم بلند ہو اگر تم تصدیق کرنے والے ہو ان باتوں پر جن کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور جس غلبے کی وہ بشارت دیتے ہیں۔

تسلیٔ مؤمنین:

۱۴۰: اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ (اگر تم کو زخم لگا)

قراءت: قُرح تمام مقامات پر پڑھا جائے گا۔ حفص کے علاوہ دیگر تمام کوفی قراء کے ہاں۔ قَرْحٌ حفص اور دیگر تمام قراء نے پڑھا۔ یہ دو لغتیں ہیں جیسا کہ ضَعف اور ضُعف۔

بعض نے کہا۔ قَرح ہو تو معنی زخم اور قُرح ہو تو معنی زخم کی ٹیس۔ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ (پس تحقیق قوم کو اسی طرح کا زخم پہنچا) یعنی اگر انہوں نے تمہارے کچھ آدمی قتل کیے تو تم اس سے پہلے بدر کے دن ان کے زیادہ آدمی قتل کر چکے۔ پھر بھی اس بات نے ان کے دلوں کو کمزور نہ کیا اور تمہارے ساتھ دوبارہ لڑائی کرنے سے نہ روکا۔ پس تمہیں تو بدرجۂ اولیٰ کمزوری نہ دکھانی چاہیے۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (یہ ایام فتح ہم لوگوں کے درمیان باری باری گھماتے رہتے ہیں)

نحو : وَتِلْكَ الْاَيَّامُ مبتدا نُدَاوِلُهَا اس کی خبر ہے۔

نُدَاوِلُهَا کا معنی پھیرنا ہے۔ بین الناس یعنی نعمتیں اور سزائیں کبھی ایک قوم کو اور کبھی دوسری قوم کو۔ جیسا شاعر (نمر بن تولب) کے اس شعر میں ہے ۔

فیومًا علینا ویومًا لنا ☆ ویومانساءُ و یوما نُسَرُّ

ایک دن ہمارے خلاف اور ایک دن ہمارے حق میں۔ اور ایک دن تکلیف دیئے جاتے ہیں جبکہ دوسرے دن خوش کیے جاتے ہیں۔

تبادلہ کی حکمتِ اوّل:

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (تا کہ اللہ تعالیٰ ظاہر کردے ایمان والوں کو) یعنی یہ تبادلہ کئی قسم کی حکمتوں کے ماتحت کرتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ جو مؤمن صبر اور ثبات ایمان کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک ممتاز ہو چکے ہوں ان کو ہم جان لیں جس طرح کہ انکا وجود سے قبل جاننا ہے۔ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (اور تا کہ کچھ لوگوں کو شہادت سے بہرہ ور کردے) مراد اس سے احد کے طالبین شہادت تھے یا تم میں سے ایسے شہداء کا انتخاب کرلے جو قیامت کے دن امتوں پر گواہی کے لائق ہوں۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ ۱۴۳ میں فرمایا۔

وَلِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ ۱۴۳) وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ کو ظالم لوگ پسند نہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو تعلیل والے جملے کے درمیان لایا گیا۔

تفسیر آیت کی یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو ان لوگوں میں سے نہیں جو ایمان پر ثابت قدمی اختیار کرنے والے ہیں اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ اور منافقین و کفار ہی ایسے ہو سکتے ہیں۔

تبادلہ کی حکمت دوم:

۱۴۱: وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (تا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو گناہوں سے پاک کردے) التَّمْحِيْص تطہیر و تصفیہ کو کہتے ہیں۔ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (اور کافروں کو مٹا دیں) اور ان کو ہلاک کردیں یعنی اگر کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہوتا ہے تو وہ مسلمانوں کے امتیاز کرنے اور شہید بنانے اور گناہوں سے ان کو پاک کرنے کیلئے ہوتا ہے اور مسلمانوں کو کفار پر غلبہ کافروں کو گھٹانے اور انکا نام و نشان مٹانے کے لئے ہوتا ہے۔

جنت میں داخلہ بلا جہاد و مجاہدہ نہیں:

۱۴۲: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (کیا تم نے گمان کرلیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے) یہ استفہام انکاری ہے اور اَمْ منقطعہ ہے۔ یعنی مت ایسا خیال کرو۔ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا

مِنْكُمْ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مجاہدوں کا ابھی تک امتیاز نہیں کیا) یعنی ابھی تک تم نے جہاد نہیں کیا کہ تمہارا مجاہد ہونا معلوم ہوتا کیونکہ علم کا تعلق تو معلوم سے ہے۔تو نفی علم کو نفی متعلق علم کی جگہ لایا گیا ہے۔ کیونکہ علم کی نفی سے متعلق علم کی نفی خود ہو جائے گی جیسا کہ کہا جائے ماعلم الله فی فلان خیراً یعنی اس میں کوئی خیر ہے ہی نہیں جو معلوم ہو اور یہاں لمّا، لم کے معنی میں ہے البتہ اس میں کچھ توقع کا پہلو پایا جاتا ہے۔ پس گزشتہ میں جہاد کی نفی کر رہا ہے۔اور مستقبل میں اسکے ہونے کی توقع ظاہر کر رہا ہے۔

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (اور معلوم کرے صبر کرنے والوں کو)

نحو : يَعْلَمِ اللّٰهُ اَن مضمرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔اور واوَ جمع کیلئے ہے جیسا کہتے ہیں لا تاکل السمك و تشرب اللبن۔یعنی دودھ اور مچھلی ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔ یا يَعْلَمَ پر جزم ہو يَعْلَمِ اللّٰه پر عطف کی وجہ سے۔میم کو حرکت التقائے ساکنین کی وجہ سے دی گئی ہے اور فتحہ کا انتخاب معطوف علیہ پر فتحہ کی وجہ سے ہے۔

تمنائے موت پر توبیخ:

۱۴۳: وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ (البتہ تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس کو دیکھنے سے پہلے۔اس میں ان لوگوں کو مخاطب کیا جو بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے اور ان کے دل میں تڑپ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی معرکہ میں حاضر ہوں تاکہ شہادت کی سعادت پاسکیں اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصرار کیا کہ ان کو لیکر مشرکین کی طرف نکلیں۔ حالانکہ آپ کی رائے مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کی تھی۔مطلب یہ ہوا کہ تم موت کی تمنا اسکے مشاہدے سے پہلے کرتے تھے اور اس کی شدت کو پہچاننے سے پہلے تمنا کرتے تھے۔ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (پس تم نے اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا) یعنی تم نے کھلی آنکھوں سے دیکھا اس حال میں کہ تمہارے سامنے تمہارے بھائی بند مارے گئے۔اور تم نے خود قتل کو جھانک لیا۔

دراصل موت کی تمنا پر ان کو توبیخ کی گئی ہے اور اس بات پر کہ تم اپنے اصرار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا باعث بنے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے ہٹ گئے۔انہوں نے شہادت کی تمنا کی تاکہ شہداء والی عظمت پالیں۔اسمیں اس قسم کا قصد ہرگز نہ تھا کہ کفار کو غلبہ حاصل ہو جائے اس کی مثال اس طرح ہے جیسا کہ کوئی عیسائی ڈاکٹر سے دوائی لے اس کا مقصد تو حصول شفاء ہے اور اسکے دل میں یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ اس میں دشمن کو نفع پہنچایا جا رہا ہے۔اور اسکے فن کو رائج کیا جا رہا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ

اور محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا ان کو موت آ جائے

اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ

یا مقتول ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص الٹے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کو کچھ

يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ

بھی نقصان نہ دے گا۔ اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو ثواب دے گا۔ اور کسی جان کو موت

اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا

نہیں آ سکتی مگر اللہ کے حکم سے اس طرح پر کہ اس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے، اور جو شخص دنیا کے بدلہ کا ارادہ کرے گا

نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى

ہم اس میں سے اس کو دے دیں گے اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے گا ہم اس میں سے اسے دے دیں گے، اور عنقریب ہم شکر گزاروں

الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

کو جزا دیں گے۔

۱۴۴: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ۔ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا، وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔

شانِ نزول: جب ابن قمیہ نے رسول اللہ ﷺ کو پتھر مارا تو آپ کا سامنے والا نچلا دانت ٹوٹ گیا۔ وہ آپ کے قتل کے درپے تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سے دفاع کیا۔ وہ لشکر کے علم بردار تھے۔ چنانچہ اس نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ چنانچہ اس نے کہنا شروع کر دیا میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا اور ایک شخص نے پکار کر کہا محمد (ﷺ) قتل ہو گئے (نعوذ باللہ) بعض نے کہا وہ شیطان تھا۔ لوگوں میں آپ کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ پس وہ پیچھے ہٹے اور رسول اللہ ﷺ آوازیں دے رہے تھے۔ اِلَیَّ عباد الله ! اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس ایک گروہ جمع ہو گیا۔ آپ نے ان کو بھاگنے پر ملامت کی۔ وہ کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! ہم آپ پر اپنے ماؤں باپوں کو قربان کرتے ہیں ہمیں آپ کے قتل کی خبر پہنچی جس سے ہم پیٹھ پھیر کر چل دیئے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہی ہیں۔ تحقیق ان سے پہلے اللہ کے

رسول گزرے) خلت کا معنی مضت یعنی گزرے ہیں۔ پس وہ بھی انکی طرح گزر جائیں گے۔ جس طرح ان کے پیروان کے گزرنے کے بعد ان کے دین کو مضبوطی سے تھامنے والے تھے۔ اسی طرح تم پر لازم ہے کہ تم ان کے دین کو ان کے گزرنے کے بعد لازم پکڑو۔ کیونکہ بعثت انبیاء علیہم السلام کا مقصود پیغام رسالت کو پہنچانا اور حجت کو تمام کرنا ہے۔ قوم میں ان کے وجود کا ہمیشہ رہنا نہیں۔

خبر شہادتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تاثرات کا ازالہ:

اَفَاِئْنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ (پس اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے) فا جملہ شرطیہ سے معلق ہے۔ اس جملہ کے ذریعہ جو اس سے پہلے ہے۔ اس طرح کہ فا سببیہ اور ہمزۂ استفہام انکار کیلئے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام وفات پا گئے مگر انکا دین تو نہیں مرا۔ پس اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسول ہیں اگر وہ قتل یا طبعی موت سے وفات پا جائیں گے تو انکا دین نہیں مریگا بلکہ باقی رہے گا پس تمہیں لوٹ کر ارتداد اختیار نہ کرنا چاہیے۔ انقلاب علی العقبین یہ ارتداد سے مجاز ہے۔ یا شکست و ہزیمت سے مجاز ہے۔ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا (جو ایڑیوں کے بل پلٹ جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتا) بلاشبہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا۔ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو بدلہ دیں گے) یعنی وہ لوگ جو جنگ سے پیچھے نہیں ہٹے۔ ان کو شاکرین اسی لئے قرار دیا کیونکہ انہوں نے نعمت اسلام کا اپنے فعل سے شکریہ ادا کیا۔

ہر ایک کی موت مشیت سے ہے:

۱۴۵: وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ۔ وَمَا كَانَ (جائز نہیں) لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (کسی نفس کے لئے کہ اس کو موت آئے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے) اذن سے مراد علم ہے۔ یا ملک الموت کو اسکے قبض روح کی اجازت دینا مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کسی کی موت کا آنا ناممکن ہے۔

اس میں جہاد پر آمادہ کیا گیا اور دشمن کا سامنا کرنے پر برانگیختہ کیا گیا اور بتلا دیا کہ ڈرنا فائدہ مند نہیں۔ اور کوئی شخص اپنی مدت زندگی پوری کرنے کے بغیر نہیں مر سکتا۔ خواہ وہ کتنے ہلاک کن مقامات اور معرکوں میں گھس جائے۔ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (میعاد معین لکھی رہتی ہے) کتابًا فعل محذوف کا مصدر مؤکد ہے۔ کیونکہ معنی یہ ہے کہ کتب الموت کتابًا۔ اللہ تعالیٰ نے موت کو لکھ دیا ہے لکھنا۔ مؤجل کا معنی موقت ہے کہ لکھے ہوئے سے آگے پیچھے نہیں۔ وَمَنْ يُّرِدْ جو ارادہ کرلے اپنے جہاد سے ثَوَابَ الدُّنْيَا ثواب دنیا یعنی مال غنیمت کا۔ اس میں ان لوگوں پر تعریض کی گئی جن کو احد کے دن غنیمت نے مشغول کر دیا۔

نُؤْتِهٖ مِنْهَا (ہم اس سے اس کو دیتے ہیں) یعنی اس کا ثواب دیتے ہیں۔ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ اور جو آخرت کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے یعنی اعلائے کلمۃ اللہ اور آخرت کے درجات کیلئے جہاد کرتا ہے۔ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

اور بہت سے نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، پھر جو مصیبتیں

اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

ان کو اللہ کی راہ میں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ ہمت ہارے نہ کمزور پڑے۔ اور نہ عاجز ہوئے، اور اللہ صبر کرنے والوں سے

الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

محبت فرماتا ہے، اور ان کا قول اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ انہوں نے یوں کہا کہ اے ہمارے رب بخش دے

ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى

ہمارے گناہوں کو، اور ہمارے کاموں میں حد سے آگے بڑھ جانے کو، اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ، اور کافر قوم کے مقابلہ میں

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ

ہماری مدد فرما سو اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ دے دیا اور آخرت کا عمدہ

الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾ ع

بدلہ دیا اور اللہ پسند فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں کو۔

۱۵
۶
۵
۲

(ہم اس کو اسی سے دیتے ہیں اور عنقریب شکر گزاروں کو ہم بدلہ دیں گے) یعنی ہم عنقریب ان کو جزائے مبہم سے بدلہ دیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا اور جہاد سے ان کو کسی چیز نے مشغول نہ کیا۔ (جزاء کو مبہم لا کر بتلا دیا کہ جزاء غیر معروف ہے جو عقل انسان میں نہیں آسکتی)۔

جہاد میں دشمن کے سامنے عجز و ذلت ظاہر نہ ہونے دو اور نہ ہی سستی کرو:

۱۴۶: وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (بہت سے پیغمبروں کے ساتھ مل کر بکثرت آدمیوں نے کفار سے جنگ کی) كَاَيِّنْ کا اصل اَىّ ہے کاف تشبیہ کا اس پر داخل ہوا تو اس میں کم کے معنی پیدا ہو گئے جو کثرت کیلئے آتا ہے۔

قراءت: مکی کی قراءت میں کائن بوزن کَاعٍ ہر جگہ پڑھیں گے۔ قَاتَلَ کو قُتِلَ مکی، بصری و نافع نے پڑھا ہے۔

نحو: مَعَهٗ یہ قتل کی ضمیر سے حال ہے۔ ای قتل کائنا معه۔ یعنی اس نے قتال کیا اس حال میں کہ وہ ان کے ساتھ ملنے والا تھا۔

رِبِّیُّوْنَ۔ رب والے۔ حسن نے را کے ضمہ سے اور بعض نے فتحہ سے پڑھا ہے۔ قاعدہ کے مطابق فتحہ ہے کیونکہ یہ رب سے اسم منسوب ہے۔ اور ضمہ اور کسرہ اسم منسوب میں تبدیلیوں کی بناء پر ہے۔

فَمَا وَهَنُوْا (وہ سست نہ ہوئے) اپنے پیغمبروں کے قتل کے وقت لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا۔ (ان تکالیف پر جوان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش آئیں اور نہ وہ ان کے بعد جہاد سے پست ہمت ہوئے)۔ وَمَا اسْتَكَانُوْا (اور نہ وہ دشمن کے سامنے ذلیل و عاجز ہوئے)۔ اس آیت میں ان لوگوں پر تعریض کی جو قتل رسول ﷺ کی افواہ پر پست ہمت ہو بیٹھے اور بعض نے ارادہ کیا کہ عبداللہ بن ابی کے ذریعہ ابوسفیان سے امان طلب کریں۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ (اور اللہ تعالیٰ کو صبر والے لوگ پسند ہیں) جو کفار سے جہاد کرنے پر جمے رہنے والے ہیں۔

میدانِ جنگ میں دُعا مستقل ہتھیار ہے:

۱۴۷: وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۔ (اور انکی بات یہی تھی کہ اے ہمارے رب تو ہمارے گناہوں کو بخش دے) یعنی انہوں نے یہی بات کہی۔

ربانیین ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے نفوس کی طرف گناہوں کی اضافت کی تا کہ نفس کی بڑائی مٹ جائے۔ وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا (اور ہمارا اپنے معاملے میں حد سے تجاوز کرنا) اسراف حد عبودیت سے تجاوز کو کہتے ہیں۔ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا تو ہمارے قدموں کو (لڑائی میں) مضبوط کر دے۔ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۔ (اور ہماری کافر قوم کے خلاف مدد فرما) غلبہ عنایت کرکے۔

نکتہ: گناہوں سے استغفار کے ساتھ دعا کو میدان جنگ میں ثابت قدمی اور دشمنوں پر فتح سے مقدم کیا۔ کیونکہ استغفار کے ساتھ یہ طریق دعا قبولیت دعا کے لئے زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ اس میں عجز و نیاز خوب ہے۔

طالبینِ آخرت محسنین ہیں:

۱۴۸: فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب دیا) یعنی نصرت و کامیابی اور غنیمت میسر کر دی۔ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ (اور ثواب آخرت کا حسن) یعنی مغفرت و جنت دے دی۔ آخرت کے بدلے کو حسن سے تعبیر کر کے بتلا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل و مقدم اور واجب القصد ہے۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) یعنی وہ محسن ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو پسند کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى

اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جنہوں نے کفر اختیار کیا تو وہ تم کو الٹے پاؤں

اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ

پھیر دیں گے جس کی وجہ سے تم ناکام ہو جاؤ گے، بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب مدد کرنے

النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا

والوں سے بہتر ہے۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے ایسی چیز کو اللہ کا

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

شریک بنایا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ ظلم کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے۔

کفار کی عدم موافقت تمام مسلمانوں پر لازم ہے:

۱۴۹: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۔ (اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی اطاعت کرو تو وہ تمہیں ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے) یعنی وہ تمہیں شرک کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (تم لوٹ کر گھاٹے میں پڑ جاؤ گے)

کہا گیا ہے یہ تمام کفار کے سلسلہ میں عام ہے۔ مؤمنوں پر لازم ہے کہ وہ ان سے پہلوتہی اختیار کریں۔ اور کسی چیز میں انکی اطاعت نہ کریں تا کہ وہ ان کو اپنی موافقت کی طرف نہ کھینچ لیں۔ سدی کہتے ہیں کہ اگر تم ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کے سامنے عاجزی کرو گے اور ان سے امن کے طالب ہو گے تو وہ تمہیں اپنے دین کی طرف لوٹا دیں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ آیت ان منافقین کے متعلق اتری جنہوں نے شکست کے موقع پر ایمان والوں کو کہا تم اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔

۱۵۰: بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۔ (بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے) پس غیروں کی نصرت سے بے نیازی اختیار کرو۔ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ (اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے)

القائے رعب سے مکہ والے قوت کے باوجود بھاگ گئے:

۱۵۱: سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ

مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (ہم عنقریب کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے)
قراءت: الرُّعَبَ کوشامی اور علی نے الرُّعُبُ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔
کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے دل میں احد کے دن رعب ڈال دیا وہ باوجود قوت و غلبہ کے بلاوجہ مکہ کی طرف لوٹ گئے۔ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ (اس سبب سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں) یعنی ان کے دلوں میں رعب ڈالے جانے کا باعث انکا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا (جسکی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری) یعنی آلہہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ انکی معبودیت کی کوئی دلیل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے نہیں اتاری۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ نہ کوئی دلیل ہے اور نہ وہ اتاری گئی جیسا کہ شاعر کے اس قول میں۔

ولا ترى الضَّبَّ بها يَنْجَحِر اى ليس بها ضب فينجحر و لم يعن ان بهاضباً ولا ينجحر

اس کا معنی یہ ہے کہ وہاں گوہ نہیں کہ بل بنائے یہ مطلب نہیں کہ گوہ تو ہے مگر بل نہیں بناتی۔

وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ (انکا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ بہت برا ہے) (ضمیر کی بجائے ظالمین کو صراحۃً لا کر اس پر سخت ناراضگی اور درشتی کو ظاہر کر دیا اور دوزخی ہونے کی علت بھی واضح ہوگئی)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جو اس نے تم سے کیا تھا جس وقت تم دشمنوں کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک

فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ

کہ جب تم بزدل ہوگئے اور حکم کے بارے میں تم نے آپس میں اختلاف کیا اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جبکہ تمہیں اللہ نے وہ چیز دکھادی جسے تم محبوب

مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ

رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طلب گار تھے۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

پھر اللہ نے تم کو دشمنوں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے۔ اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف فرما دیا اور اللہ مومنین پر

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

بڑے فضل والا ہے۔ جب تم دور چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول

يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى

تم کو پکار رہے تھے۔ تمہارے پیچھے سے، پس اللہ نے تمہیں غم کی پاداش میں غم دیدیا تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز پر

مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ۔ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

شانِ نزول: جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم احد سے مدینہ منورہ اپنے صحابہ کے ساتھ لوٹے تو بعض اصحاب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہم سے وعدۂ فتح ونصرت کیا تھا پھر یہ تکلیف کہاں سے آ گئی۔ تو یہ آیت اتری۔

۱۵۲: وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ (اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ تم سے پورا کردیا) اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ (جب کہ تم ان کافروں کو بے دریغ قتل کر رہے تھے) ابن عیسیٰ کہتے ہیں کہ حَسَّہٗ کا معنی قتل کر کے حس کو باطل کرنا۔ بِاِذْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے حکم وفیصلہ اور علم سے۔

حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ (یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے) وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ اور تم (قیام وعدم قیام میں) جھگڑنے اور اختلاف کرنے لگے وَعَصَیْتُمْ (اور تم نے اپنے پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کی) مرکز کو چھوڑ کر اور غنیمت میں مشغول ہو کر۔ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ (اسکے بعد کہ اس نے تمہیں دکھادیا وہ جو تم پسند کرتے تھے) یعنی کامیابی اور کفار پر غلبہ۔

نحو: اِذَا کا متعلق محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ یہاں تک کہ تم بزدل ہو گئے۔ تو اس نے اپنی مدد تم سے روک لی اور یہ مطلب بھی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ تم سے بزدلی کے وقت تک پورا کر دیا۔ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا (تم میں سے کچھ دنیا کے طلبگار تھے) الدنیا سے مراد مال غنیمت ہے مراد اس سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے مرکز کو طلب غنیمت میں چھوڑا۔

واقعۂ اُحد اور روایات:

روایات میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کو اپنے لشکر کی پشت کی طرف کیا ؟؟؟ اور رخ مدینہ منورہ کی طرف اور تیر اندازوں کو پہاڑ کے پاس کھڑا کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ میں مضبوطی سے جمے رہیں اور اس سے مت ادھر ادھر ہٹیں خواہ لڑائی مسلمانوں کے حق میں رہے یا خلاف۔ جب مشرکین آئے تو تیر اندازوں نے ان کے گھوڑوں کو تیروں پر رکھ لیا اور دوسرے ان کو تلواروں سے مارنے لگے۔ یہاں تک کہ کافر شکست کھا گئے اور مسلمان ان کے پیچھے ان کو قتل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ جب (بعض) مسلمانوں (مراد تیر انداز ہیں) نے بزدلی دکھائی اور آپس میں جھگڑا کیا کہ مشرکین تو شکست کھا چکے ہمارا یہاں کھڑا ہونا کس کام کا۔ مسلمانوں کے لشکر میں جاملو اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ غنیمت جمع کرنے میں شریک ہو جاؤ۔ دوسروں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو۔ ان میں سے کچھ اس جگہ ثابت قدم رہے۔ جن میں امیر دستہ عبداللہ بن جبیر اور ان کے دس سے کم ساتھی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں وہی مراد ہیں وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (کہ تم میں سے کچھ محض آخرت کے طالب تھے) مراد عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے شہداء ساتھی) مشرکین نے مڑ کر تیر اندازوں پر حملہ کر کے عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور مسلمانوں پر پل پڑے یہاں تک کہ ان کو شکست دے کر ان میں سے کافی تعداد کو قتل کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ (پھر تمہیں ان سے پھیر دیا) یعنی تم سے اپنی مدد روک لی جس سے وہ تم پر غالب آ گئے۔ لِيَبْتَلِيَكُمْ (تاکہ وہ تمہاری آزمائش کرے) اور تمہارے مصائب پر صبر کا امتحان لے اور مصائب میں تمہاری ثابت قدمی دیکھے ابتلائے الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ تم سے آزمانے والے کا سا معاملہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس عمل پر بدلہ دیتے ہیں جو بندہ کرتا ہے نہ اس کا جو کہ وہ بندے کے متعلق جانتے ہیں۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ (تحقیق وہ تمہیں معاف فرما چکا) جبکہ تم سے جلد بازی میں حکم رسول اللہ ﷺ کی خلاف ورزی ہوگئی اور تم نے اس پر جو ندامت و شرمندگی کا اظہار کیا۔

مسلمان کیلئے ابتلاء و نصرت دونوں رحمت ہیں:

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر فضل کرنے والے ہیں ان کو معاف کر کے اور انکی توبہ قبول

کر کے یا وہ ان پر تمام حالات میں فضل فرمانے والے ہیں خواہ ان پر مصیبت اور تکلیف ڈالی جائے یا نہ ڈالی جائے کیونکہ ایمان والوں کے حق میں ابتلاء رحمت ہے جس طرح کہ نصرت رحمت ہے۔

۱۵۳: اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ جب تم ہموار زمین پر چلنے میں تیزی کر رہے تھے۔ (الاصعاد چٹیل زمین میں جانا دور نکل جانا)

نحو: منصوب ہے صرفکم یالیبتلیکم یا اذکروا محذوف کے ساتھ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ (اور تم کسی کی طرف گردن موڑ کر نہ دیکھتے تھے) اور نہ متوجہ ہوتے تھے دشمن کے خوف اور انتہائی شکست کی تعبیر ہے۔ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں آوازیں دے کر فرما رہے تھے) اِلَيَّ عباد الله۔ انا رسول الله ! من يكرّ فله الجنة ۔ اللہ کے بندو میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو شخص دشمن پر حملہ آور ہوگا اسکے لئے جنت ہے۔

نحو: یہ جملہ حال واقع ہے۔ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ (تمہارے لشکر کے پچھلے حصہ میں) اور تمہارے علاوہ دوسری جماعت میں اور وہ پیچھے والی تھی جیسا کہا جاتا ہے جئت فی آخر الناس و اُخْرٰهُمْ میں پچھلے لوگوں میں آیا۔ جیسا کہ کہتے ہیں جئت فی أوّلهم و اولاهم یعنی ان کے پہلے حصہ اور پہلی جماعت میں آیا۔

غم بالائے غم دیا:

فَاَثَابَكُمْ (پس اللہ تعالیٰ نے تم کو بدلہ دیا) اس کا عطف صرف صرفکم پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو بدلہ دیا۔ غَمًّا (غم کا) جبکہ تمہیں ان سے پھیر دیا اور تمہیں آزمایا۔ بِغَمٍّ (بسبب اس غم کے) جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حکم کی نافرمانی کر کے دیا۔ یا غم بالائے غم، دوگنا غم، مسلسل و پیہم غم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ، قتل، زخم، مشرکین کی فتح غنیمت و مدد کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم۔ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ (تا کہ تم غم نہ کرو اس پر جو تم سے فوت ہو گیا) (فتح و مال غنیمت وغیرہ) تا کہ تم غم پینے کے عادی بن جاؤ اور بعد میں کسی فوت ہو جانے والے منافع پر غم نہ کرو۔ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ اور نہ اس پر جو تمہیں تکلیف و نقصان پہنچا۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال معلوم ہیں) اس پر تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں۔

درحقیقت اس میں اطاعت کی ترغیب اور معصیت سے ڈرایا گیا ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ

اللہ نے غم کے بعد تم پر امن کو نازل فرما دیا جو اونگھ کی صورت میں تھی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھائی ہوئی تھی، اور ایک جماعت

قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ

ایسی تھی جن کو اپنی ہی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی یہ لوگ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت والا خیال کر رہے تھے۔ یوں کہہ رہے تھے

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ

کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے، یہ لوگ اپنے نفسوں میں ایسی بات چھپا رہے

مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ

ہیں جسے آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے، یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے،

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

آپ فرما دیجئے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی بلاشبہ وہ لوگ جن کے بارے میں قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا اپنی ان جگہوں کے لئے نکل کھڑے ہوتے جہاں جہاں وہ

وَلِيَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

قتل ہو کر گرے اور تا کہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تا کہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ سینوں کی

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا

باتوں کو جاننے والا ہے۔ بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئی تھیں بات یہی ہے

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کئے اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف فرما دیا بے شک اللہ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

بخشنے والا ہے حلم والا ہے۔

ع ۱۶ / ۷

مؤمنوں پر اونگھ کا نزول:

۱۵۴: ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ

غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ (پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پرغم کے بعد چین اتارا اور ان سے اس خوف کو دور کیا جو ان پر طاری تھا یہاں تک کہ ان کو اونگھ آ گئی اور نیند کا ان پر غلبہ ہوا)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میدان میں ہمیں اونگھ نے ڈھانپ لیا۔ ہمارے ہاتھوں سے تلواریں گرگر جاتی تھیں پھر ان کو تھامتے تھے۔ امنة کا معنی امن۔

نحو: نعاسًا یہ امنةً سے بدل ہے یا مفعول ہے اور امنةً اس سے حال ہے جو نکرہ ہونے کی وجہ سے پہلے لایا گیا جیسا رأیتُ رَاکبًا رَجُلًا یا امنةً مفعول لہٗ یا مخاطبین سے حال ہے۔ جس کا معنی ذوی امنة یا یہ آمن کی جمع ہے۔ جس طرح بَارٌّ وَ بَرَرَةٌ۔

يَغْشٰى (جو گروہ پر چھا گئی) یعنی اونگھ یعنی الأمنة

قراءت: حمزہ اور علی نے تَغْشٰى تا کے ساتھ امالہ سے پڑھا۔

مؤمن ومنافق کے طرزِ عمل میں فرق:

طَآئِفَةً مِّنْكُمْ تم میں سے ایک جماعت کو اور یہ گروہ اہل صدق و یقین کا تھا۔ وَطَآئِفَةٌ (اور ایک گروہ) یہ منافقین کا گروہ تھا۔ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ (جن کے نفوس ان کو اہم تر معلوم ہوئے) یعنی جن کو سوائے اپنی جانوں اور ان کے چھٹکارے کے اور کوئی مقصود نہ تھا۔ انکا مقصد نہ تو دین تھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور نہ مسلمان جن پر اللہ تعالیٰ کی رضامندیاں تھیں۔ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ (وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط گمان رکھتے تھے) يَظُنُّونَ مصدر کے حکم میں ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سچے گمان کے علاوہ اور گمان کرتے تھے حالانکہ ان کو سچا گمان کرنا چاہیے تھا وہ غلط گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرے گا۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ (جاہلیت والا گمان) مراد اس سے اہل جاہلیت کا گمان یا وہ گمان جو ملت جاہلیت کے ساتھ خاص ہے مقصد یہ ہے کہ ایسا گمان مشرک جاہل ہی رکھ سکتے ہیں۔ يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ (وہ کہتے ہیں کیا ہمارے اختیار میں کچھ ہے) اے مسلمانو! کیا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے امر یعنی نصرت، اور دشمن پر غلبہ سے کچھ حصہ کبھی ملے گا۔ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ (کہہ دیجئے بیشک امر) یعنی مدد و غلبہ كُلَّهُ لِلّٰهِ (تمام اللہ تعالیٰ کیلئے ہے) اور اسکے مؤمن اولیاء کیلئے جیسا کہ اس آیت وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے۔ (الصافات ۱۷۳)

نحو: كُلَّهُ یہ امر کی تاکید ہے اور لِلّٰهِ یہ اِنَّ کی خبر ہے کلہ مبتداء اور لِلّٰهِ خبر اور جملہ اِنَّ کی خبر ہے۔

قراءت: بصری قراء نے كُلُّهُ پڑھا جبکہ بقیہ نے كُلَّهُ پڑھا ہے۔

يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ (وہ اپنے دلوں میں وہ بات چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے)

یعنی تلوار کے ڈر سے۔ یَقُوْلُوْنَ (وہ کہتے ہیں) اپنے دلوں میں یا ایک دوسرے کو آپ کی اس بات کا انکار کرتے ہوئے اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ (کہ حکم تو سارا اللہ تعالیٰ کا ہے)۔

دِلی روگ کا چاپلوسی سے اظہار:

لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا (اگر ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے) یعنی اگر امر و اختیار جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے سارا اللہ تعالیٰ اور اسکے اولیاء کیلئے ہوتا تو پھر ہم غالب آتے اور کبھی مغلوب نہ ہوتے اور اس معرکہ میں جو مسلمان قتل ہوئے۔ وہ قتل نہ ہوتے۔ قد اهمتهم انفسهم یہ طائفہ کی صفت ہے اور یظنون یہ دوسری صفت ہے یا حال یا خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔

نحو: قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ظانین اوریقولون یہ یظنون سے بدل ہے۔ اوریخفون یہ یقولون سے حال ہے۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ یہ حال اور ذوالحال کے درمیان جملہ معترضہ ہے اوریقولون یہ یخفون سے بدل ہے یا جملہ مستانفہ ہے۔

بہر حال فیصلۂ تقدیر نافذ العمل ہے:

قُلْ لَّوْ کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ (آپ کہہ دیں اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے) یعنی وہ لوگ کہ جن کا اس معرکہ میں قتل ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور لوح محفوظ میں درج تھا اس کا پایا جانا ضروری تھا خواہ تم اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ (ضرور نکلتے تم میں سے وہ لوگ اپنی اجل کی قتل گاہوں کی طرف جن کا قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا) تا کہ جو طے ہو چکا تھا وہ پورا ہو۔ مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ان مسلمانوں کا قتل ہونا لکھ دیا تھا جو قتل ہوئے اور اسکے ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ وہ غالب ہونگے اس لئے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی۔ انجام کار غلبہ مسلمانوں کا ہوگا۔ اور دین اسلام تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ اور بعض اوقات کی تکالیف انکا امتحان و پڑتال ہے۔ وَلِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ وَلِیُمَحِّصَ مَافِیْ قُلُوْبِکُمْ (اور تا کہ اللہ تعالیٰ جانچ کرے اس اخلاص کی جو تم مسلمانوں کے دلوں میں ہے اور تمہارے دلوں کے خیالات و وساوس کو چھانٹ دے) اسلئے یہ کیا یا یہ بہت سے مصالح اور ابتلاء و پڑتال کیلئے کیا۔ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (اور اللہ تعالیٰ کو سینوں کی خفیہ باتیں معلوم ہیں)

تذکرۂ لغزش اور لطف و قرب میں اضافہ:

۱۵۵: اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۔ (جو لوگ شکست کھا کر مڑے)۔ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ (جس دن دو جماعتیں آپس میں لڑیں) یعنی احد میں لڑائی کیلئے گروہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور گروہ ابوسفیان جمع ہوئے۔

اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ (بے شک شیطان نے ان کو لغزش کی طرف بلایا) اور اس پر آمادہ کیا۔ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا (ان بعض گناہوں کی وجہ سے جو انہوں نے کئے) اس مرکز کو چھوڑ کر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قائم رہنے کا حکم دیا تھا۔ اس لغزش کی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں سے کہا جب

ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ

وہ زمین میں سفر کرنے لگیں یا غازی بن جائیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے

لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۗ

تاکہ اللہ اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے، اور اللہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ

اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے اور البتہ اگر تم قتل کر دیئے جاؤ یا اللہ کی راہ میں مر جاؤ

لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ

تو بلاشبہ اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت بہتر ہے اس چیز سے جسے وہ لوگ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا قتل ہو گئے تو

لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ضرور اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

نسبت شیطان کی طرف کر کے لطف وقرب میں اضافہ کر دیا۔ اوراس کی وجہ مَا كَسَبُوْا (اپنا عمل) قرار دے کر نصیحت وتادیب کر دی۔

احد کے دن حضرت محمد ﷺ کے اصحاب تیرہ کے سواء سب منتشر ہو گئے۔ ثابت قدم رہنے والوں کے نام یہ ہیں۔ ابوبکر، علی، طلحہ، عبدالرحمان بن عوف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور باقی انصار میں سے تھے۔ (دیگر مفسرین نے اورنام بھی ذکر کیے ہیں) وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ (البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما چکا) اوران سے درگزر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ (بیشک اللہ گناہوں کو بخشنے والے) حَلِيْمٌ (صاحب حلم ہیں) کہ سزا میں جلدی نہیں کرتے۔

حسرتناک قول کی ممانعت:

۱۵۶: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (اے ایمان والو! تم کافروں کی طرح نہ بنو) جیسا عبداللہ بن ابی اوراسکے ساتھیوں نے کہا۔ وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ (وہ

اپنے بھائیوں کو کہنے لگے)یعنی اپنے نسبی بھائیوں کے حق میں کہنے لگے یا نفاق میں جوان کے ہم پیالہ ہیں۔اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ (جب وہ زمین میں سفر کرتے ہیں)یعنی تجارت وغیرہ کیلئے سفر پر جاتے ہیں۔اَوْ كَانُوْا غُزًّى (یا وہ غزوہ میں جاتے ہیں)غُزًّی جمع غاز جیسا کہ عاف کی جمع عُفًّی آتی ہے۔یعنی وہ کسی غزوہ میں قتل ہو جاتے ہیں یا سفر کے دوران ان کو موت آجاتی ہے۔لَّوْ كَانُوْا عِنْدَ نَا مَا مَا تُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ (اگر یہ ہمارے ہاں رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے تا کہ کردے اللہ تعالیٰ اس بات کو حسرت کا باعث ان کے دلوں میں)۔

لام کا تعلق لا تکونوا یا قالوا سے:

تفسیر اول لام کا تعلق لَا تَكُوْنُوْا سے ہے۔تقدیر عبارت یہ ہے لَا تَكُوْنُوْا كَهٰٓؤُلَآءِ فی النطق بذلك القول و اعتقادہ لیجعل اللّٰہ ذلك حسرة فی قلوبھم خاصة و یصون منھا قلوبكم ۔ تم یہ بات کہنے اور اس پر اعتقاد رکھنے میں ان لوگوں کی طرح نہ بنو تا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں خاص طور پر حسرت کا باعث بنادے اور تمہارے دلوں کو محفوظ کرلے۔

دوسری تفسیر: لام کا تعلق قالوا سے ہے۔تقدیر عبارت یہ ہے کہ قالوا ذلك و اعتقدوہ لیكون ذلك حسرة فی قلوبھم یعنی انہوں نے یہ کہا اور دلوں میں اس کا اعتقاد کیا۔تا کہ نتیجۃً یہ بات ان کے دلوں میں حسرت کا باعث ہو۔الحسرۃ کسی پسندیدہ چیز کے فوت ہونے پر شرمندگی کو کہتے ہیں۔وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (اللہ تعالیٰ ہی زندگی اور موت دیتا ہے)اس میں انکی اس بات کا رد کیا گیا کہ جنگ وقت مقررہ کو کاٹ دیتی ہے۔مطلب یہ ہوا کہ اختیار تمام اللہ تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں ہے۔کبھی وہ مسافر و مقاتل کو زندہ رکھتا ہے اور بیٹھنے والے مقیم کو موت دے دیتا ہے۔وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں)پس وہ تمہارے اعمال پر تمہیں بدلہ دیں گے۔

قراءت: علی،حمزہ،مکی قراء نے يَعْمَلُوْنَ پڑھا ہے۔مراد وہ کافر جو کرتے ہیں ان کو دیکھتے ہیں۔

یہ مغفرت و رحمت لاکھوں زندگیوں سے بہتر ہے:

۱۵۷: وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ (اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا مرجاؤ)۔

قراءت: کوفی قراء نافع،حمزہ،کسائی نے مِتُّمْ مِت باب سمع سے ہر جگہ پڑھا۔مگر عاصم نے اس طرح نہیں پڑھا،حفص نے اس سورت کے علاوہ دیگر مقامات پر کسرہ سے پڑھا ہے گویا انہوں نے اس کو قتلتم کے ساتھ ملا دیا ہے۔باقی تمام قراء نے میم کے ضمہ مُتُّمْ باب نصر سے تمام قرآن مجید میں پڑھا ہے اس کی نظیر مات یموت اور مات یمات ہے۔لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور رحمت بہت بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں)مَا یہاں الذی کے معنی میں ہے اور ضمیر محذوف ہے۔حفص نے يَجْمَعُوْنَ پڑھا نافع،ابن کثیر اور ابو عمرو عاصم و حمزہ کسائی نے تَجْمَعُوْنَ پڑھا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا

سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے

مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا

منتشر ہو جاتے، سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب

عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

آپ پختہ عزم کرلیں تو اللہ پر توکل کیجئے، بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں۔

جس کو مقصود ملا اُس کو زاد کی ضرورت نہیں:

۱۵۸: وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ۔ (اگر تم مرجاؤ یا قتل کر دیے جاؤ تو ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف تمہارا حشر ہوگا) یعنی وسیع رحمت، عظیم ثواب دینے والی ذات کی طرف تمہیں اکٹھا کیا جائے گا۔

لطیف نکتہ:

یہاں اسم باری تعالیٰ لایا گیا اور اس سے قبل آنے والے حرف پر لام تاکید کا داخل کر کے ایک عجیب شان کلام میں پیدا کر دی جو دلیل سے بے نیاز ہے۔ یعنی خواہ موت کسی طریق سے ہو اللہ ہی کی طرف تمہارا حشر ضرور ہونا ہے۔ کسی دوسرے کے پاس جانا نہ ہوگا۔ اس لئے تابحد امکان اس کا قرب حاصل کرلو تاکہ کل قید فراق سے چھوٹ کر اس محبوب کی بارگاہ میں پہنچ جاؤ۔

جس طرح لمغفرة اوپر والی آیت میں قسم کے جواب کے طور پر واقع ہے۔ اور جواب شرط کی جگہ استعمال ہو رہا ہے اسی طرح لا الی الله تحشرون۔ جواب شرط کے قائم مقام ہے اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اولاً کفار کے اس گمان کا جواب دیا کہ جو شخص سفر کرے یا غزوہ میں ہمارے بھائیوں میں سے شریک ہوا گر وہ مدینہ میں رہائش پذیر رہتا تو اس کو موت نہ آتی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس قسم کے گمان سے منع کیا کیونکہ یہ چیز جہاد میں شرکت سے رکاوٹ ہے۔ پھر فرمایا اگر ہلاکت بالموت اسی طرح واقع ہو جائے یا تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ تو اس سے ایسی مغفرت و رحمت میسر ہوگی جو اس دنیا سے لاکھ درجہ بہتر ہے جو تم جمع کر رہے ہو۔ کیونکہ دنیا تو آخرت کیلئے زادِ راہ لینے کی جگہ ہے۔ جب بندہ نے مقصود پالیا تو زاد کی بھی ضرورت نہ رہی۔

رحمت وشفقت دونوں جمع کر دیں:

۱۵۹: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت کی وجہ سے تم مؤمنوں پر نرم دل ہوئے)۔ مَا تاکید کیلئے لایا گیا ہے۔ یہ زائدہ ہے اور اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ مؤمنوں پر آپ کی

نرمی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے ہے۔اور رحمت کا یہاں مطلب آپ کے جوش پر کنٹرول اور نرمی کی توفیق دینا اور ان کے ساتھ مہربانی والا معاملہ کرنا ہے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ (اگر تم خشک سخت دل ہوتے) لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (تو وہ منتشر ہو جاتے آپ کے گرد سے) اور ایک بھی باقی نہ رہتا فَاعْفُ عَنْهُمْ (آپ ان کو معاف کر دیں) جو انکی طرف سے آپ کے حق میں احد کے دن ہوا۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (اور ان کے لئے استغفار کریں) اور جو اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ خاص ہے۔ اسکے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں تاکہ تکمیل شفقت ہو جائے۔

اہمیتِ مشورہ:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (اور لڑائی وغیرہ معاملات جن میں وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ ان سے مشورہ لیں) تاکہ ان کے دل خوش ہو جائیں اور نفوس کو راحت میسر ہو۔ اور انکی قدر و عظمت بڑھ جائے اور امت کیلئے مشورہ کا ایک دستور مقرر ہو۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: ما تشا ورقوم قط الاّ هُدُوا لا رشد امرهم جن لوگوں نے مشورہ کیا انہوں نے اپنے معاملہ میں صحیح راہ پالی۔

(تفسیر طبری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشورہ کرنے والے لوگ کہیں نہیں دیکھے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اصل میں یہ روایت اس طرح ہے کہ میں نے کسی کو اتنا مشورہ کرنیوالا نہ دیکھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے کرتے تھے۔

شاورت فلانًا کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی اور اسکے پاس جو رائے تھی وہ ظاہر کر دی شرت الدابة میں نے جانور کو دوڑایا شرت العسل میں نے شہد کو چھتے سے حاصل کیا۔

جوازِ اجتہاد:

مَسْئَلَه: اس آیت میں اجتہاد کا جواز ثابت ہوتا اور قیاس کی حجیت معلوم ہوتی ہے۔ فَاِذَا عَزَمْتَ (جب تم پختہ ارادہ کرلو) یعنی مشورے کے بعد قطعی رائے قائم کرلو۔ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (تو اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے) اس سے زیادہ واضح بات پر عمل کرنے میں جو طے ہو جائے نہ کہ مشورہ پر۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ اس کی ذات پر توکل کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ التَّوَكُّل اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرنا اور معاملے کو اسی کے سپرد کرنا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ توکل ارباب سے علیحدگی اور اسباب سے قطع تعلقی کو کہا جاتا ہے۔

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ

اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔ اور اگر وہ تمہیں بغیر مدد کے چھوڑ دے تو وہ کون ہے جو اس کے بعد تمہاری

مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ

مدد کرے گا۔ اور اللہ ہی پر بھروسہ کریں مومن بندے۔ اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے،

وَمَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَہُمۡ

اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا

لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾

اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

خبردار، اللہ پر توکل مت توڑو:

۱۶۰: اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ (اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے) جیسا کہ بدر کے دن اس نے تمہاری مدد کی۔ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ (تو پھر تم پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا) اور اللہ تعالیٰ کی مدد اسی کو ملتی ہے جو اپنی قوت وطاقت سے براءت کا اظہار کرے اور اپنے رب کی قدرت کو مضبوطی سے تھام لے۔ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ (اور اگر وہ تمہیں بغیر مدد چھوڑ دے) جیسا کہ احد کے دن چھوڑ افَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ (تو پھر کون تمہاری مدد کرسکتا ہے۔ اسکے چھوڑ دینے کے بعد) خذلان مدد ترک کرنا یا یہ اس محاورہ سے لیا گیا۔ لیس لك من یحسن الیك من بعد فلان اس کا مقصد یہ ہے کہ جب تم اس سے تجاوز کرو گے تو پھر اور کوئی تم پر احسان نہ کرے گا۔ اس ارشاد الٰہی میں دراصل تنبیہ ہے کہ اختیار سارے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اس پر توکل لازم ہے۔ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر مؤمن کو توکل کرنا چاہیے) چاہیے کہ مؤمن اپنے رب کو توکل وتفویض کے ساتھ خاص کریں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسکے سواء انکا کوئی مددگار نہیں۔ اور تقاضۂ ایمان بھی یہی ہے۔

مقام نبوت غلول (خیانت) کے منافی:

۱۶۱: وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ وَمَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ۔ (مال غنیمت میں خیانت کرنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بعید ہے) یَّغُلَّ خیانت کرنے کے معنی میں ہے۔

قراءت: ابوعمرو، مکی، عاصم نے یَغُلَّ پڑھا اور دیگر قراء نے یُغَلَّ پڑھا ہے

کہا جاتا ہے: غلّ شیئا من المغنم غلولا واغلّ اغلالاً۔ جب مال غنیمت میں سے کوئی چیز خفیہ لی جائے۔ اغلّہ

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ

کیا جو شخص اللہ کی رضا کا تابع ہو وہ ایسے شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا مستحق ہو اور اس کا ٹھکانہ

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ

دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجات میں مختلف ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

جو وہ کرتے ہیں۔

بولتے ہیں جب کسی کی نسبت خیانت کی طرف کی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے مناسب نہیں یعنی مقام نبوت غلول کے منافی ہے۔ جنہوں نے اسے مجہول پڑھا تو اس کا بھی یہی مطلب بنتا ہے کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہے کہ آپ کے بارے میں یہ صحیح نہیں کہ خیانت کی طرف منسوب کئے جائیں اور خیانت کی طرف خائن کی ہی نسبت ہوتی ہے۔

بعض روایات کا تذکرہ:

روایات میں ہے کہ ایک سرخ چادر بدر کے دن مال غنیمت میں سے گم پائی گئی تو بعض منافقین نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے اس کو لے لیا تو یہ آیت اتری وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس مال کے ساتھ آئے گا) یعنی وہ چیز بعینہٖ اپنی پشت پر اٹھا کر لائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا۔ اویات بما احتمل من وباله و اثمه کہ اس کا وبال و گناہ لیکر آخرت میں آئے گا ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ (پھر ہر نفس کو جو اس نے کمایا پورا پورا دیا جائے گا) یعنی اس کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا۔ اس طرح نہیں فرمایا ثم یو فی ما کسب تا کہ من یغلل کے مطابق ہو جاتا بلکہ عموم کے الفاظ سے ذکر کیا تا کہ ہر کاسب خواہ غاصب ہو یا اور وہ اس میں شامل ہو جائے۔ اور من یغلل کے ساتھ معنوی طور پر متصل ہو جائے اور یہ انداز کلام زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جب خیانت کرنے والے کو علم ہوگا کہ ہر کاسب خیر وشر کو پورا بدلہ دیا جائیگا تو وہ جان لے گا کہ اتنے بڑے گناہ کے ساتھ وہ پھر کیسے بچ سکتا ہے۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (ان پر ظلم نہ کیا جائے گا) ہر ایک کا بدلہ اسکے کسب کے مطابق ہوگا۔

مؤمن و کافر برابر نہیں:

۱۶۲: اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ (بھلا وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی اتباع کی) من اتبع سے مراد مہاجرین و انصار ہیں۔ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹا) مَنْ بَآءَ سے مراد منافقین اور کفار ہیں۔ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ

کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اس سے پہلے

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

ثواب وعذاب میں تفاوت ہے:

۱۶۳: هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ (ان کے درجات ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں) ان میں تفاوت وفرق ہے جیسا درجات میں ہوتا ہے۔ یا وہ درجات والے ہیں مطلب یہ ہے کہ ثواب پانے والوں اور سزا پانے والوں کے درجات میں فرق ہے یا ثواب وعذاب میں تفاوت وفرق ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ان کو دیکھنے والے ہیں) ان کے اعمال ودرجات سے واقف ہے پس انہی اعمال کے حساب سے بدلہ دے گا۔

تصدیق کے لئے آسانی کردی:

۱۶۴: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا) یعنی ان مومنوں پر جو آپ کی قوم میں سے آپ پر ایمان لائے ان میں سے ایمان والوں کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ آپ کی بعثت سے فائدہ ان کو پہنچا۔ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (جب کہ ان میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا) یعنی انکی جنس میں سے جو انکی طرح عربی ہیں یا اولاد اسماعیل میں سے پیغمبر بھیج کر جیسا کہ وہ اولاد اسماعیل میں سے ہیں اور اس میں احسان یہ ہے کہ جب وہ ان میں سے ہیں تو زبان ایک ہوئی۔ پس جو چیزیں ان پر لازم ہیں ان کا جاننا آسان ہو جائے گا اور وہ سچائی و امانت کے سلسلہ میں آپ کی ذات سے بخوبی واقف تھے یہ بات ان کو تصدیق کے سلسلہ میں نزدیک تر کردے گی اور ان کے لئے ان میں سے ہونا باعث شرف بن جائے گا۔

ایک قراءت میں مِّنْ اَنْفَسِهِمْ یعنی من اشرفهم ان میں سب سے زیادہ شرف والے ہیں۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ (وہ اللہ تعالیٰ کی آیات ان پر پڑھتا ہے) یعنی قرآن پڑھ کر سناتا ہے اس کے بعد کہ وہ جاہل لوگ تھے ان کے کانوں میں وحی کی کوئی بات نہ پڑی تھی۔ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (کتاب وحکمت سے مراد قرآن وسنت ہے) وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ (بیشک وہ اس سے پہلے) یعنی بعثت رسول ﷺ سے پہلے لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (کھلی گمراہی میں تھے)

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ

اور جس وقت تم کو ایسی مصیبت پہنچی جس کی دوگنی مصیبت تم پہنچا چکے ہو تو کیا تم یوں کہتے ہو کہ یہ کہاں سے ہے آپ فرما دیجئے

هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ

یہ تمہاری ہی طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور جو تکلیف تمہیں پہونچی

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ

جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں آئی تھیں سو یہ اللہ کے حکم سے تھا اور تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے مومنین کو اور جان لے

الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ

ان کو جنہوں نے نفاق اختیار کیا۔ اور ان سے کہا گیا کہ آؤ، جنگ کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو،

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ

وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے، وہ لوگ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب

لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

ہیں۔ وہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے اس بات کو جسے

يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ

وہ چھپاتے ہیں، جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اور خود بیٹھ رہے کہ اگر ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے۔ آپ فرما دیجئے

فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

تم اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو اگر تم سچے ہو۔

اندھے پن اور جہالت میں مبتلا تھے۔ مبین کھلی جس میں کوئی اشتباہ نہ تھا۔

نحو: ان مخففه من المثقله ہے۔ اسکے بعد لام کا آنا۔ اِنْ نافیہ سے اس کو الگ کرتا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے وان الشان والحدیث کانوا من قبل فی ضلال مبین ۔ بیشک معاملہ و بات یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

۱۶۵: اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔ (کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچی) اس مصیبت سے مراد احد میں ستر صحابہ کا شہید ہونا ہے۔ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا (تم اس سے دوگنا پہنچا چکے) بدر کے دن ستر کفار قتل اور ستر قید ہوئے۔

نَحو : یہ جملہ موضع رفع میں مصیبت کی صفت ہے۔
قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا : (تم نے کہا یہ کہاں سے ہے) قُلْ هُوَمِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (تم کہہ دو! کہ یہ مصیبت خود تمہاری طرف سے ہے) کیونکہ مدینہ سے نکل کر لڑنا تم نے پسند کیا۔ یا اس لئے کہ تم نے مرکز کو چھوڑ دیا۔

تین نحوی تراکیب:

نَحو : لمّا۔ قلتم کی وجہ سے منصوب ہے اور اَصَابَتْكُمْ محل جر میں ہے کیونکہ لما کی اضافت اس کی طرف ہے تقدیر عبارت یہ ہے: أقلتم حين اصابتكم کیا اس وقت تم نے کہا جب پہنچی تمہیں تکلیف۔
اَنّٰى هذا یہ مقولہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ أ تقریری ہے اور توبیخ کیلئے ہے اور اس جملہ کا عطف واؤ کے ذریعہ ولقد صدقكم الله وعدهٗ پر ہے جو کہ احد میں وارد ہوا۔ یا پھر اس کا عطف محذوف پر ہے۔ جس کی تقدیر عبارت یہ ہے افعلتم كذا وقلتم حينئذٍ كذا۔ کیا تم نے ایسا کیا اور اس وقت یہ کہا: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) مدد کی قدرت اور مدد روک لینے کی طاقت بھی ہے۔

غزوۂ اُحد قضاء کا فیصلہ ہے:

۱۶۶: وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور وہ جو تمہیں پہنچا)۔ یہ مَا۔ الذی کا معنی دیتا ہے۔ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ : (اور تاکہ جان لے اللہ مؤمنین کو)

نَحو : مَا مبتداء فَبِاِذْنِ اللّٰهِ یہ خبر جو کائن سے متعلق ہے۔ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۔ (جس دن دو گروہ آپس میں لڑے) تمہارا گروہ اور مشرکین کی جماعت مقام احد میں فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوا) اذن سے مراد علم وقضاء ہے۔
۱۶۷: وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ۔ (تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے ان لوگوں کو جو منافق ہیں) یعنی یہ اس لئے ہوا کہ مؤمن ومنافق کا امتیاز ہو۔ تاکہ ان کا ایمان اور نفاق معلوم ہو جائے۔ وَقِيْلَ لَهُمْ (اور ان کو کہا گیا) یعنی منافقین کو کہا گیا تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو) جس طرح مؤمن آخرت کیلئے جہاد کرتے ہیں۔ اَوِ ادْفَعُوْا (یا دفاع کرو) یعنی یا کم از کم اپنے اموال، جانیں اور اہل وعیال سے مدافعت تو کرو۔ اگر تم آخرت کیلئے نہیں لڑتے ہو۔ یہ تفسیر بھی کی گئی کہ مجاہدین کی جماعت میں اضافہ کر کے دشمن سے دفاع کرو خواہ لڑائی نہ بھی کرو۔ کیونکہ کثرت تعداد دشمن کو مرعوب کر دیتی ہے۔

نَحو :قيل لهم یہ کلام ابتدائی ہے۔

یہ جنگ نہیں ہلاکت ہے:

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ (اگر ہم اس ٹکراؤ کو لڑائی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے) یعنی اگر ہم جانتے کہ اس کو